جو مفتی یا حاکم اللہ کے نازل کردہ سے احکام یا فتاویٰ
جاری نہیں کرتے وہ کافر و ظالم اور فاسق ہیں۔
(سورۃ المائدہ ۴۴، ۴۵، ۴۷)

اسلام میں
نظام ہدایت و تقلید

رسالت و امامت مسلسل مربوط اور معصوم راہنمائی

مصنف:

الفقیہ الحکیم، السید محمد احسن زیدی مجتہد
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
چند ابتدائی باتیں۔شاید آپ بھی مانتے ہوں؟	1
اِسلام کے معنی اور مُسلمان	1
مُسلم کی ہمہ گیر وحیات پرور تعریف	2
اِسلام کی مرتضویؑ تعریف (DEFINITION)	3
مقصدِ تخلیقِ کائنات	4
تعلیماتِ خُداوندی کی تقلید اور اِتباع کا سلسلہ	6
اوّلین مُسلمؑ وعابدؑ ونذیرؐ اور ذخیرہؑ ومخزنِ تعلیماتِ خُداوندی کی مرحلہ وار تقلید	6
تمام انسانوں پر آئمہ معصومینؑ کی اطاعت وتقلید واجب ہے	8
تقلید واتباع اور اطاعت کی فطری اور عملی صورت	9
معصومؑ نظامِ ہدایت کے انقلابی اصول	11
چوتھا معصومؑ اصول	11
پانچواں معصومؑ اصول	12
چھٹا معصومؑ اصول	12
ساتواں معصومؑ اصول	13
آٹھواں معصومؑ اصول ''حدیثِ معصومؑ کا انکار کفر ہے''	14
حقیقی مسلم، اللہ ورسوؐل کا مومن اور طاغوت کا کافر ہونا چاہیئے؟	15
احادیثِ معصومؑ اور قرآن کریم ایک ہی حقیقت کے دونام ہیں	16
کلام اللہ وکلامِ رسوؐل کریم ایک ہی چیز ہیں	17
آنحضرتؐ جو کچھ بولتے تھے وہ قرآنی وحی ہوتا تھا	17

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
سابقہ آیت میں مذکورہ انتظام تاکہ رسولؑ کی زبان محفوظ رہے	17
کیا اس انتظام کے بعد بھی انبیاءؑ ورسلؑ سے غلطی ممکن ہے؟	18
کلام معصومؑ سمجھ میں نہ آئے اور گراں گذرے تب بھی انکار کردینا کفر ہے	18
اللہ ورسولؐ کے ساتھ ہی آلِ محمدؐ یعنی اولی الامرؑ کی اطاعت وفیصلہ واجب ہے	19
یہ حدیث قرآن کریم کی بہت سی آیات اور اولی الامر کی تفسیر وتعین کرتی ہے	19
اولی الامرؑ روزِ اول مقرر ہوا تھا، امت کے دانشوروں کا شکوہ	20
اولیٔ الامر تو بڑی بات ہے اُمت کے کسی فرد کو امر سے جزوی حصہ بھی نہیں ملا	21
تنازع کرنے والے لوگ اولیٔ الامر نہیں بلکہ مامور (ماتحت) رہنا چاہئیں	22
نواں معصومؑ اصول۔ احادیث میں مخاطب کا علم وفہم اور عقلی مقام مدِنظر رہا ہے	23
اللہ کا طریقہ	25
انبیاءؑ وآئمہؑ کا طرزِ عمل	25
معصومینؑ کے صحابہؓ کا طریقہ	26
نواں اصول سمجھ لینے کے بعد نظامِ اجتہاد دھوکہ نہیں دے سکتا	26
دسواں معصومؑ اصول۔ احادیث اور آیات میں شُبہات اور شکوک	29
وہ مسلمان گروہ جو قرآن وحدیث کو مشکوک کرتا چلا آیا ہے	29
اس گروہ سے واقفیت کے بغیر قرآن وحدیث سے استفادہ ممکن نہیں	30
قرآن کی تعلیمات بدل ڈالنے اور اُمت میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے قومی اجتماعی کوشش	31
رسولؐ کی قوم نے عہدِ رسولؐ ہی میں قرآن کو ترک کردیا تھا	31
قرآن واحادیث کو مشکوک کرنے اور تبدیل کرنے والوں کا اصول اور مقصد	33

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
قرآن وحدیث کے ساتھ کیا جوڑ توڑ کیا گیا ہے؟	36
مُتشابہات اور مُحکمات والی تقسیم قرآنی نہیں بلکہ شیطانی تقسیم ہے؟	38
سارا قرآن اور قرآن کی ہر آیت متشابہ اور محکم ہے	43
احادیث کے ساتھ رسولؐ کی قوم کا سلوک؟؟	45
گیارہواں معصوم اصول۔ تعلیماتِ خداوندی منقطع نہیں ہوئیں۔ معصومؑ راہنما موجود ہے	59
اللہ، رسولؐ اور امامؑ زمانہ سے رابطہ واستفادہ کی راہیں کھلی ہیں	60
کیا ہمارے یہ مجتہد نام کے علماء ، شیعہ اور موالیانِ اہلبیتؑ ہیں	61
نظامِ غیبت میں شیعہ اور موالیانِ نظام پر چند اشارات	61
خلفائے عباسیہ کا ظلم نہیں بلکہ شیعہ مجتہدین کا ظلم غیبتِ کبریٰ کا بڑا سبب ہے	65
وہ ماحول جس میں غیبت واقع ہوئی تھی	66
سرکار حُجت امامؑ آخرالزمان کے نائبوں کی حقیقت؟	78
وہ نائبینؒ یا سفراء وغیرہ جن کو پیچھے دھکیلا گیا ہے	94
اموال پیش کرنے والوں اور نائب لوگوں کی پوزیشن	112
مجتہدانہ نیابت پہلے ہی قدم پر معزول ومنسوخ وممنوع ہوگئی	136
بارہواں معصومؑ اصول۔ غیبتِ کُبریٰ میں ہدایات اور تقلید کیسے اور کس کی؟	164
ہدایات کی فراہمی اللہ، انبیاءؑ اور آئمہؑ کی ذاتی ذمہ داری ہے	164
انسانوں پر صرف مُنزّل مِن اللہ احکام نافذ کیے جائیں گے	165
نظامِ اجتہاد کی عدالت کا صحیح فیصلہ بھی اللہ کو منظور نہیں ہے	166
دینی احکام میں انبیاءؑ اور آئمہؑ کی رائے بھی داخل نہیں کی جاسکتی	167

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
کلام اللہ کی موجودگی میں کسی اجتہاد یا رائے زنی کی ضرورت ہی نہیں ہے	167
بیانِ معصومؑ پر نظر اور اِسلامی احکام میں اجتہاد و رائے کی نفی	168
یہ سوال مجتہدانہ اور مکارانہ ہے	169
نظام غیبت میں بھی انتہائی اور اصولی ہدایات طالبین کو خود معصومؑ دے گا	172
ہر وہ شخص جو امامؑ کے الفاظ میں کوئی حکم سنائے امامؑ کی طرف سے حاکم ہے	172
کلام معصومؑ میں کمی و زیادتی بھی مقبول و جائز نہیں ہے	174
مخاطب کی ذہنیت اور عقل کے معیار پر الفاظ بدلے جا سکتے ہیں۔ منشاء و مفہوم نہیں	175
مجتہدین کا از حد خیال رکھا گیا۔ اعتراض کی ہر راہ بند کر دی گئی	176
جھوٹوں کو گھر پہنچائے بغیر نہ چھوڑیں ورنہ پلٹ آئیں گے	177
آئمہؑ کی اطاعت نہ کرنا، ہر معاملہ میں ان کا حکم اور فیصلہ حاصل نہ کرنا کفر و شرک ہے	178
جن کی اطاعت و اتباع اور تقلید واجب ہے ان کی پوزیشن	181
مجتہدین نے اپنی اطاعت و تقلید جاری کرنے کی کیا کیا کوششیں کیں؟	183
مجتہد ذہنیت کے شیعوں سے شکوہ بھی اور تعارف بھی	183
وہ نام نہاد شیعہ جو واجب الاطاعت مان کر آئمہؑ کی تقلید نہیں کرتے	184
قرآن اور معصومینؑ کے علوم کی وسعت کا انکار اور اجتہاد کے جواز کا فریب اور مقدس صحابہ	187
فضائل تسلیم کرو، شہرت اور اعتماد حاصل کرو اور بتدریج انکار پھیلا دو	193
آیات اور احادیث کو سوالات اور احتمالات کی بھینٹ چڑھا دو	200
اختلاف! غلطی یا کم علمی یا لاشعوری طور پر نہیں بلکہ کمال دانش و عقل کا تقاضہ ہے	218
اتمام حجت عقلی معیار پر لازم رہا ہے۔ انبیاءؑ و آئمہؑ کا فریضہ	222

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
انبیاءؑ وآئمہؑ نے اپنا فریضہ مقررہ معیار پر جاری رکھا، عقل کو پورا موقعہ دیا	223
احادیث اور معصومؑ بیانات کو غلط سمجھنا، وضاحت چاہنا یا چل دینا	225
معصومینؑ کی ہر حدیث، ہر عمل قرآن کے ماتحت حق ہے	229
حقیقی مومنین کے لئے مخصوص، اور محفوظ ذخیرہ تیار کیا جاتا رہا	230
حقیقی شیعوں میں کبھی اختلافی تعلیم نہ تھی نہ اختلاف تھا	232
دشمنانِ اسلام سے سلوک میں دفاعی پہلو اللہ کے اعلانات	234
اللہ کی اجازت واحکامات پر معصومؑ اقدامات	235
اجتہاد زدہ لوگوں کے لئے حدیث کی تائید میں آیات ضرور پیش کرو	243
اجتہاد پسند شیعوں کو عمداً دانشمندانہ مختلف جوابات	248
عقلی اختلاف وعملی حالت ملحوظ رکھ کر تمام انبیاءؑ مختلف جواب دیتے رہے؟	253
نظامِ اجتہاد نے سابقہ کتابوں اور رسولوںؑ کے ساتھ تعلیمات محمدؐیہ کو بھی منسوخ کر دیا	271
ناسخ ومنسوخ کے معنی معصومؑین کی احادیث میں؟	272
قارئین پہلے سے صحیح معنی جانتے تھے	273
منسوخ کے معنی بھی معصومؑ احادیث میں ملاحظہ کرلیں	273
اس لفظ کی تمام قابل استعمال صورتیں سامنے رکھ لینا چاہئیں	274
ناسخ اور منسوخ آیات اور احادیث اور شریعت کا معصومؑ مفہوم	275
سابقہ کتابیں اور شریعتیں منسوخ ومعمول اور برسرِ عمل ہیں	282
قرآن کریم اور سابقہ کتب ہائے خداوندی	282
تمام سابقہ کتابیں اور صحیفے قرآن میں بھی موجود ہیں اور الگ الگ بھی۔ ''منسوخ''۔ ہیں	286

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
سابقہ کتابوں اور شریعتوں کی پوزیشن آئمہ معصومین کی نظر میں	287
توریت وزبور وانجیل وفرقان لوح محفوظ میں سے نازل کئے گئے ہیں	288
آئمہ علیہم السلام تمام سابقہ کتابوں کے عالم وحامل ومحافظ تھے	289
امام عصر والزمان چاروں کتابوں سے حکومت کریں گے اور نظامِ مساوات قائم کریں گے	290
مجتہدین نے ایک آیت پر پورا ابلیسی نظام تعمیر کرلیا ہے	291
مجتہدانہ تصورات ومعانی جو آیت (106) میں نہیں ہیں	292
ایک اور آیت جو تائید میں لائی جاتی ہے	293
اِن آیات کو شیطانی گروہ نے نبوی تمنا کے خلاف کس طرح استعمال کیا؟	294
تیسری اور آخری آیت جو ناسخ اور منسوخ کا مثلث بناتی ہے	296
اِس زمانہ کے مستقیم المزاج سُنی علماء کا شیعہ مجتہدین سے مقابلہ، کون بہتر؟	297
جھوٹوں کو پہلے گھر تک پہنچاؤ پھر بتاؤ کہ تم کاذب ہو	300
ناسخ ومنسوخ قرآن صامت سے نہیں بلکہ قرآن ناطق سے تعلق رکھتا ہے	300
انبیاؑ اور آئمہ اللہ کی حقیقی آیات ہیں اور علیؑ بزرگ ترین معجزہ ہیں	301
حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ اللہ کی آیات ہیں	301
آئمہ اہل بیت ہی کو قرآن میں ''آیات'' کہا گیا ہے	302
حضرت علیؑ اللہ کی آیات میں سب سے بزرگ آیت ہیں	302
آئمہ اہلبیتؑ قرآن کی۔''آیات محکمات''۔ہیں	303
وہ آیات جو ناسخ ومنسوخ والی آیت میں مراد ومقصود ہیں؟	303
ملائکہ جنات، حیوانات وغیرہ سے رسالتؐ اور امامتؑ کے تعلقات	308

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
کیا حضرت سلیمانؑ کی قدرت وعلمیت کا انکار کر کے مسلمان رہ سکتے ہو؟	310
حضرت سلیمانؑ پرندوں، چیونٹیوں، جنات اور شیاطین کی زبان، جانتے اور اُن پر قدرت رکھتے تھے	310
علمائے اُمتِ محمدیہؐ سے کم ازکم کیا امید ہونی چاہیئے؟	313
علمائے امت محمدیہؐ کے چند صفات واختیارات	313
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بہتر (72) زبانوں میں بولنا، لکھنا پڑھنا جانتے تھے	314
محمدؐ اوران کے جانشین اماؑم تمام جانداروں کی زبانوں کے عالم ہیں	315
آئمہؑ اور رسوؐل اللہ کو مستقل علم وقدرت کا عطا ہونا ہزار طریقہ سے ثابت ہو چکا	316
پرندے اور وحشی جانور بھی آئمہؑ کے حضور اپنے مقدمات لاتے تھے اور مطیع تھے	318
درختوں اور پتھروں کا سجدہ کرنا راستوں کا مہکتے رہنا	318
درختوں کا محمدؐ وآل محمدؐ سے باتیں کرنا اور پوری کائنات کے خزانچی ہونا	319
محمدؐ مصطفیٰ اور آئمہؑ ھدیٰ تمام مخلوق کے ساتھ ساتھ قوم جنات کے بھی ہادی ہیں	320
جنوں میں اماؑم کی طرف سے مرکزی حکومت قائم رہتی چلی آئی ہے	320
جنوں کو تعلیم اِسلام برابر دی جاتی رہی اُن کے وفود آئمہؑ کے پاس آتے رہے	321
پیغامات واحکامات کا فوراً پہنچنا جنات کی ذمہ داری تھی	322
جنات کا ذاتی کلام سن کر ایک سال تک بخار میں مبتلا رہنا	322
محمدؐ مصطفیٰ اور آئمہؑ ھدیٰ کا ملائکہ سے عملی تعلق ورابطہ	325
اللہ کی طرف سے اترنے والا ہر فرشتہ پہلے سربراہؑ اِسلام سے ملتا ہے	326
آئمہ علیہم السلام کے گھر میں ملائکہ کا آنا جانا بیٹھنا اُن کے پروں اور تکیوں کا ذکر	327
جوبات کی خدا کی قسم لاجواب کی	328

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
فضائل محمدؐ وآل محمدؐ کی نشرواشاعت روکنے کے لئے ایک گھریلومومنانہ حربہ؟	329
غلواورغالی کااستعمال اورمعانی معصومؑ کی زبانی	332
قرآن کریم اورعلماء نےغلو کےمتعلق کیافرمایاہےاورغلووغالی کب سےموجودہیں؟	333
قرآن کریم اورعلماء کےبیان پرہماری چندباتیں	335
شیعہ مجتہدین نےحقیقی شیعوں کےخلاف غلوکاحربہ استعمال کیاتھا	336
اس قدیم بیان پراورقرآن وحدیث کےاطمینان پرایک مستقل فیصلہ	339
شیخ مفیدؒ کافیصلہ قمی مجتہدین دشمنان محمدؐ وآل محمدؐ تھے	339
مجتہدین کومنہ چڑاکریہ حدیث سنائیں اوراقراریاانکارپرمجبورکریں	342
نظام ہدایت وتقلید کےبارہ اصولوں کی تکمیل	343

چند ابتدائی باتیں۔ شاید آپ بھی مانتے ہوں؟

افرادِ انسانی میں لاکھوں کروڑوں اختلافات کے باوجود ہزاروں ایسی حقیقتیں بھی ہیں جن پر ساری نوعِ انسان متفق ہے۔خوشبو کو کوئی نہ تو بدبُو کہتا ہے۔ نہ ناپسند کرتا ہے۔ زندگی سب کو پسند اور عزیز ہے۔ بلکہ اتنی عزیز کہ جان بچانے کے لئے اپنی عزیز ترین چیزوں کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ پھر حیاتِ انسانی کو برقرار رکھنے والی تمام چیزیں بھی تمام انسانوں کو پسند اور عزیز ہیں۔ مثلاً غذائیں اور کھانے پینے، پہننے کی چیزیں اس قدر ضروری اور عزیز ہیں کہ ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ اُن تمام چیزوں کا ذخیرہ جمع رکھے جو زندگی کی بقاء اور تحفظ کے لئے ضروری ہیں۔ وہ ضرورت پڑنے پر اُن چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے چوری، ظلم و جبر بھی کرتا ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں تمام گناہوں اور جرائم کا یہی سبب ہے کہ انسان ضروریاتِ زندگی کے حصول میں جائز و ناجائز کی حدود میں محدود نہیں رہتا اور جب موقعہ ملتا ہے۔ اپنی ضروریات پوری کر لیتا ہے۔ خواہ کوئی دوسرا اُن چیزوں سے محروم ہی کیوں نہ رہ جائے۔ زندگی اور زندگی کے متعلقات کو سامنے رکھ کر غور فرمائیں۔

اِسلام کے معنی اور مُسلمان

1۔ ''**اِسلام**''۔ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اگر اِس لفظ کو مسلمانوں کی عینک سے نہ دیکھا جائے بلکہ اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ عربی زبان اور لفظ اِسلام تو اِن مسلمانوں سے بھی پہلے سے موجود تھے۔ یعنی کافروں کی نظر سے اس لفظ اِسلام کو دیکھا جائے تو اس لفظ کے معنی۔ ''**سلامتی بہم پہنچانا**''۔ نکلتے ہیں۔ یعنی لُغت اور عربی قواعد کی روشنی پڑتے ہی وہ غلاف اور پردے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں جو مسلمان علماء اور حکمرانوں نے اپنی قومی و ملکی مصلحتوں کے ماتحت قرآن کے الفاظ پر چڑھائے ہیں۔ یہ اور اس سے متعلق اِسی مصدر سے نکلنے والے دوسرے الفاظ روزانہ مسلمانوں میں بولے اور سمجھے جاتے رہے ہیں۔ ہر مسلمان دن میں بیسیوں بار صبح سے شام تک **سَلَامٌ عَلَیْکُمْ** کہتا ہے۔ اور جواب میں **وَعَلَیْکُمُ السَّلَام** سنتا رہتا ہے۔ مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندو، عیسائی اور دیگر مذاہب کے لوگ بھی جانتے ہیں کہ سلام کرنے والا یہ دُعا دیتا ہے کہ ''اللہ تمہیں سلامت رکھے''۔ اور جس نے ہمیں سلام کا جواب دیا اُس نے پلٹ کر کہا کہ۔''اور اللہ تمہیں بھی سلامت رکھے''۔ اِس روزانہ کے اِسلامی عمل درآمد سے اِسلام کے معنی عقلمندوں کے لئے تو واضح ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اِسلام کے وہ تمام خود ساختہ معنی جن کا نہ عربی لغت سے تعلق ہے۔ نہ لفظ کے مادّہ اور مصدر سے رشتہ ہے۔ سراسر غلط ہیں۔ چنانچہ تعلیماتِ خُداوندی میں اِسلام کے معنی **وہ ضابطہ حیات ہیں جس سے لامحدود قدرت اور حیات حاصل ہوتی ہے**۔ اور جو انسانوں کو موت و تباہی اور فنا ہونے سے بچاتا ہے۔ جس کے ہر کام کا نتیجہ سلامتی کی طرف بڑھتا ہے۔ چونکہ اِسلامی تعلیمات کی ذمہ داری میرے ایسے جاہلوں نے

سنبھال لی۔تو ہم ایسے ناقص العلم لوگوں نے اِسلامی تعلیمات کے وہی معنی کرنا تھے جو ہماری محدود عقل کے قابو میں آسکتے تھے۔ لہٰذا جس نے ہمارے سامنے سر جھکا دیا۔(گردن نہادن) وہ مُسلم قرار دیا گیا۔جس نے سرکشی یا سرتابی کی اُسے کافر اور گردن زدنی کہہ دیا۔ہماری اپنی تفہیم نے ایسے جان پرور ضابطہ یا مذہب کو بھی دنیا کی نظروں میں حقیر کر دیا۔اس لئے کہ انسانوں کو تباہی اور بربادی اور فنا سے بچانے کا انتظام تو ہمارے علم وقدرت اور یقین سے باہر تھا۔لہٰذا ہم نے اِسلام کے معنی گردن نہادن کر کے ساری دُنیا کو اپنے سامنے سر جھکانے کا حکم دیا۔اور لاکھوں سرتابی کرنے والوں کو تہہ تیغ کرتے جانے کا ایک مارشل نظام اِسلام کے نام پر جاری کر دیا۔اور وہ تمام احکام معطل ومنسوخ کر دیئے جن میں کسی پر زیادتی یا زبردستی منع تھی۔یوں لوگوں نے اسلام کو پیغام حیات سمجھنے کے بجائے عملاً پیغامِ موت سمجھا۔اور رفتہ رفتہ اس پیغامِ موت کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے لئے انتظام کر دیا۔اور آخر یہ مصنوعی اور خودساختہ اِسلامی تعلیمات آثار قدیمہ بنتی چلی گئیں۔اور اُن کے ماننے والے اقوام عالم کے محتاج ہو کر رہ گئے۔اور اس حال کو پہنچنے کے بعد بھی اپنے سے کمزوروں پر جبر وستم بند نہیں کیا ہے۔

مُسلم کی ہمہ گیر وحیات پرور تعریف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ مسلم کون ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ:۔''جو انسانوں کو سلامت رکھے''۔ (مَنْ سَلَّمَ النَّاس)اَللّٰھُمَّ صَلِّی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٌ۔

یہاں یہ نوٹ فرمالیں کہ مسلمانوں کو سلام میں سلامتی کی دعا دینا سلامتی کے نظام کی تصوراتی صورت ہے۔اور یہ چاہا ہے کہ ہر مسلمان ہر وقت اس تصور کو اپنے قلب وذہن پر مُسلّط رکھے۔اللہ کو موت وحیات پر قادر یقین کر کے اس سے حیاتِ دائمی کی التجا کرتا رہے۔اور اپنے دینی راہنماؤں کے بتائے ہوئے اُن قوانین کی تعمیل کرے جو حیات بخش ہیں۔سوکھی سلامتی کی دعا ہی نہ دے بلکہ ان عوارض اور حالات کے دور رکھنے میں کوشاں رہے۔جو بتدریج یا قسطوں پر موت اور فنا کی طرف بڑھاتے ہیں۔مثلاً بھوک، رنج وخوف، صدمات اور حادثات سے حتی الوسع اپنے اپنے آس پاس کے انسانوں کو محفوظ کرے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف قادر مطلق ہے۔بلکہ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ بھی ہے۔یعنی ہر شخص کی وسعت اور قدرت (حتی الوسع) بھی جامد چیز نہیں بلکہ اللہ روز افزوں علم وقدرت ووسعت دے سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی کتاب دی ہے۔جس میں ساری کائنات کی اور کائنات میں موجود تمام ممکنات وموجودات کی تفصیل بیان کر دی ہے۔انہیں ایسا رسولؐ دیا ہے جو تمام مخلوق کا ہادی ونذیر ورحمت ہے۔جن وملک وانسان وحیوان اور جاندار وبے جان ہر مخلوق کا رسولؐ ہے۔جس نے قیامت تک آنے والی تمام مخلوقات کی راہنمائی کے لئے ایک بے خطا (معصومؑ) نظام قائم کر دیا ہے۔اللہ نے اُس رسولؐ اور اس کے نظام ہدایت کے ہاتھوں کائنات کی ہر قوت وہر مخلوق پر انسانوں کو تسلّط وقدرت دلانے کا وعدہ قرآن میں کر لیا ہے۔اور ہر شے کو مُسخّر ہو جانے کا

حکم دے دیا ہے۔ لہٰذا موت ہو یا حیات ہو۔ صحت ہو یا بیماری ہو تمام اِسلامی قوانین اور تعلیمات پر عمل کرنے سے انسان کے قبضہٗ اقتدار میں آنے کیلئے مُنتظِر ہیں۔ عَصائے موسٰیؑ ویدِ بیضا ہو یا نارِ ابراہیمؑ ودَمِ عیسیٰؑ ہو۔ یہ وقتی معجزات نہ تھے۔ اِن سب کی تعلیم خاتم النبیینؐ کے نظامِ ہدایت وتقلید میں دی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اِس اُمت کے علماؑ ء وہ ہیں، جو قیامت تک وقوع میں آنے والے ہرسوال کا جواب جانتے ہوں۔ جن کی ایک قابل فہم مگر معمولی سی پہچان یہ ہو کہ وہ انبیاؑ ئے بنی اسرائیل کی مانند معصوم اوران تمام معجزات وخوارقِ عادات پرحاوی ہوں جن کا تذکرہ قرآن میں ہواہے۔ جن کی اقتداءاور پیروی کے لئے حضرت عیسیٰؑ ایسے اولوالعزم پیغمبر تمنا کریں۔ جن کی تعلیم وتربیت سے اُمتِ مُسلمہ میں ایسے بزرگ پیدا ہوں جو قدم قدم پر کرامات دکھاتے اور سکھاتے چلیں۔ جن کے وسیلہ سے دعائیں مُستجاب ہوں، مرادیں برآئیں، جن کے غم میں غمگین ہونا، جن کی خوشی سے خوش ہونا بخشش کا سہارا بن جائے۔ جن کی طرف دیکھنا اور جن کا ذِکر کرنا خدا کی عبادت شمار ہو۔

2۔ اِسلام کی مرتضویؑ تعریف (DEFINITION)

کوئی نکھے قسم کے اِسلامی راہنماؤں اور لیڈروں کو سمجھا تا کہ حضرت علی علیہ السلام ایسے محنت کش اور غریب پرور انسان نے فرمایا تھا کہ آج میں تمہیں اِسلام کی ایسی تعریف بتا تا ہوں جو نہ پہلے بیان کی گئی نہ آئندہ اس تعریف سے بہتر وسیع تر کوئی اور تعریف ہوسکے گی۔ لہٰذ ا اِسلام کی تعریف ہے:۔

۔''اَلْعَمَلُ وَ الْعَمَلُ فَالْعَمَلُ''۔ ''مقصدِ عمل کے لئے عمل اور صرف عمل ہی عمل''۔

اور آج معاشیات کے ماہرین کی اصطلاح میں اَلْعَمَلْ وہ نتیجہ خیز کام ہوتا ہے کہ جس میں صرف تعمیری نتیجہ (PRODUCTION) برآمد ہو۔ نہ وقت ضائع ہو۔ نہ محنت رائیگاں جانے پائے۔ اور تین مرتبہ فرمانے سے عملِ مسلسل مطلوب ہے۔ اور یہ بلا حیات وصحتِ جسمانی وصحتِ فکری ناممکن ہے۔ مصائب وآلام وحادثات واتفاقات کی نفی کے بغیر عمل مسلسل اور حُکمیہ نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ یعنی اِسلام کا مقصد صرف دائمی حیات فراہم کرنا اور فنا سے بچانا ہی نہیں بلکہ مسلسل برسرِ کار رہنا اور اپنے راہنماؤںؐ کے مراتب عالیہ کی طرف ترقی کرتے چلے جانا ہے۔

(الف) ہے کوئی جو اس اِسلام اور اس کے متعلقات ومقاصد کو بُرا کہے؟۔

(ب) اور ہے کوئی جو قرآن واحادیث کی سند سے اس اِسلام کا انکار کرکے دکھائے؟۔

(ج) یہ ہے وہ انقلاب جس کو روکنے کے لئے قرآن وحدیثِ معصومؑ کو نظر بند رکھا۔ الفاظ کے معنی میں تحریف کی۔ خودساختہ تاریخ وروایات سے تعلیماتِ اِسلامی کو اُس حد پر لایا گیا جس کی پیش گوئی بڑی طویل الذیل ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ لاَ یَبْقِیٰ مِنَ الْقُرآنِ اِلَّا رَسْمَہٗ وَلَا مِنَ الاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ (دونوں کے ریکارڈ)۔

ہے۔ ''الفاظ کے سوا قرآن میں سے کچھ باقی نہ رہے گا اور نام کے سوا اِسلامی تعلیمات میں سے کچھ نہ رہے گا''۔ اور اب تو رفتہ رفتہ وہ وقت آ رہا ہے جب قرآن وحدیث کا وہ ترجمہ قانوناً بند کر دیا جائے گا جو علمائے لغات اور اہل زبان کے قواعد کے مطابق کیا جائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ یعنی آج بھی جس کی لاٹھی اُس کا اِسلام صحیح ہے۔ لیکن ہمارے یہاں ذبح شدہ یعنی مذبوح کو ہر اُس حرکت اور دوڑ دھوپ اور اُچھل کود کی اجازت ہے۔ جو اُسے موت کی نیند سلانے میں مُمِدّ ہو۔

3۔ مقصدِ تخلیقِ کائنات

آپ دیکھتے ہیں کہ انسان اس دنیا کی ہر چیز کو استعمال کرتا ہے۔ ان کا ذخیرہ کرتا ہے۔ جو چیزیں رکھے رکھے خراب ہو جاتی ہیں اُن کی عمر بڑھانے اور زیادہ عرصہ تک قابل استعمال رکھنے کا انتظام کرتا ہے۔ بے کار شدہ چیزوں کے استعمال کے دوسرے مفید مواقع سوچتا ہے۔ آپ کو ترقی کے اس دور میں بلا کسی تمہید کے یہ یقین دلانا آسان ہے کہ یہ پوری کائنات اور کائنات کی تمام موجودات کو خلّاقِ عالم نے نوعِ انسان کی لامحدود ترقی میں مددگار بننے کے لئے پیدا کیا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ نہ صرف زمین کی چیزیں انسان کے کام آ رہی ہیں بلکہ فضاؤں، ہواؤں اور کرہ ہائے سماوی میں بھی تمام چیزیں انسانی ترقی کے لئے اس کا انتظار کرتی چلی آ رہی تھیں۔ اور لوگوں کو ہرگز اس حقیقت کا علم نہ ہوتا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی معراجوں کا حال وتفصیلات نہ سناتے۔ جس طرح آج انسانوں کی کثرت یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ موت وحیات بھی اللہ کے قانون سے مسخّر کئے جاسکتے ہیں اور انسان لاکھوں سال کی زندگی حاصل کرسکتا ہے۔ اِسی طرح ایک زمانہ میں انسانوں کی کثرت یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھی کہ انسان اسی بدن سے اور دنیا ہی کا لباس اور جوتے پہنے ہوئے کروڑوں میل بلند سیاروں یا ستاروں میں جاسکتا ہے۔ لیکن اب یہ نہ صرف ممکن ہو گیا ہے۔ بلکہ دھڑا دھڑ فضائی وخلائی سفر کئے جا رہے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ہاتھوں انجام دلا رہا ہے جو بظاہر مولانا سرکار کے نزدیک کافر ومنکر ہیں۔ لیکن وہ حدیث سامنے آ چکی ہے کہ اِسلام کا نام ہی نام رہ جائے گا۔ چنانچہ محمد حسین یا علی محمد یا غلام احمد یا حسین بخش بے شک بظاہر مسلمانوں ایسے نام ہیں۔ اور اللہ کا حکم ہے کہ ہم ظاہر پر فیصلہ کیا کریں باطن پر حکم نہ لگائیں۔ لہٰذا یہ حکم بھی ظاہر ہی پر ہے کہ اِن حضرات کو قوانینِ خداوندی نہ تو معلوم ہی ہیں۔ نہ اُن پر یقین حاصل ہے۔ یہ علمی وعملی گفتگو ہے۔ بُرا ماننے یا مذاق اڑانے کی بات نہیں ہے۔ آسمان وفضا موجود ہے۔ پیراشوٹ موجود ہیں۔ ماہرین روزانہ لوگوں کو ٹریننگ دے رہے ہیں۔ لہٰذا کسی آیت اللہ یا حجۃ اللہ سائز کے علامہ کو تیار کیجئے اور جو تیار ہو جائے اُس کا نام وخط کا پتہ ارسال فرما دیجئے۔ انشاء اللہ ہم انتظام کر دیں گے کہ اُن حضرت کو بیس ہزار فٹ کی بلندی سے زمین پر بطور آیت وحجۃ نازل کرا دیا جائے۔ یقیناً جو لوگ اللہ کے قوانین کو جانتے ہیں اور اُن پر یقین رکھتے ہیں۔ اور انسانی ترقی کے لئے جان قربان کر دینا انسانی خدمت سمجھتے ہیں۔ اُن ہی کو اللہ نے آسمانی راہوں پر چلنے کے لئے انتخاب کیا ہے۔ جو

لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ خاطی اور جذباتی اور دانشورانِ قوم سے کم علم سمجھتے تھے۔ جو دن رات یہ سنتے رہے کہ۔''مجھ سے جو چاہو دریافت کرلو میں زمین کی بہ نسبت آسمانی راستوں سے زیادہ واقف ہوں''۔اور ایسی باتوں کو آج بھی غپ اور دیومالائی قصے کہتے ہیں اُن کے لئے اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى ...الخ (اعراف 7/40)

۔''یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیاتؐ کو جھٹلایا اور ان آیاتؐ کے مقابلہ میں خود کو بڑا اور افضل سمجھا۔اُن کے لئے نہ تو آسمانوں کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ جنت میں داخلہ پائیں گے۔ یہ دونوں باتیں اُس وقت تک ناممکن ہیں۔ جب تک درزی والی سوئی کے ناکہ میں سے اُونٹ کا دھاگہ بن کر نکل سکنا ناممکن ہے''۔ یقیناً آج اُن لوگوں کا یہی حال ہے جنہوں نے تعلیماتِ قرآن اور صاحبانِ قرآن کا مذاق اڑایا۔اور اِسلام کی تمام ہمہ گیر وسعتوں کا انکار کرکے استنجے اور کُفر سازی کے فتوؤں میں محدود کردیا۔ جو ابھی تک کلمہ کی حقیقت تک نہ پہنچے۔ بہرحال قرآن کریم نے اِسلام کی مکمل تعلیم اُن لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ انہوں نے قرآن لینے سے انکار کیا۔ اِس لئے کہ وہ نزولِ قرآن کے دوران ہی قرآنی تعلیم سے ہجرت کرکے طاغوتی نظامِ ہدایت کی پناہ لے چکے تھے۔اور دو بڑے راہنما دوستوں کی راہنمائی کے سہارے اللہ ورسولؐ کے نظامِ ہدایت پر نہ چلنا طے کرچکے تھے۔(سورہ فرقان 25/27-31) ایسی صورت میں کائناتی علوم سے محرومی لازم تھی۔ جب قرآن اور صاحبانِ قرآن سے ہٹ کر اپنی راہ خود تجویز کرلی اور اختلاف کرنے والوں پر عرب کی زمین تنگ ہوگئی تو قرآن واِسلام کی تعلیمات باہر کی مملکتوں میں جا پہنچیں اور جس نے جس چیز پر غور وفکر کیا وہ حقیقت بن کر اُجاگر ہوگئی۔ جس نے جس قانون پر یقین کے ساتھ تجربہ کیا کامیاب ہوا۔اس میں بتائیے قرآن اور صاحبانِ قرآن کی کیا خطا ہے؟ تم بے معنی قرآن ونماز سکھانے پر پبلک کا لاکھوں روپیہ صرف کرتے ہو۔اس طرزِ تبلیغ سے ڈبل نقصان ہوتا ہے۔ سرمایہ کا نقصان اور تعلیماتِ قرآن سے مستقل محرومی۔تم ہر سال بے معنی قرآن سنانے اور طوفان میل کے رفتار سے گذرتے چلے جانے کا کتنا اہتمام کرتے ہو؟۔

مگر افسوس کہ نہ سنانے والے کو خبر، نہ سننے والوں کو علم کہ ستاروں کا تذکرہ کہاں ہوا؟ سابقہ اُمتوں کی داستان کب شروع ہوکر ختم ہوگئی؟ اِس طرزِ عمل کو اللہ ورسولؐ سے کس قدر تعلق ہے؟ خود سوچئے پھر اپنے حقائقِ قرآنی سے ناواقف رہنے اور اللہ کی تمام نعمتوں سے محروم ہوجانے پر نظر ڈالئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا مالک بن جانے کا موقع دے رکھا ہے۔ ایسا راہنماؑ تمہارے لئے ہر لحظہ موجود رکھا ہے جو اس پوری کائنات کا عینی شاھد وعالمؑ ہے۔ جو کافر ومومن اور عالم وجاہل کی تفریق کے بغیر جو چاہے اسے علم سے نوازتا چلا آتا ہے۔ تمہیں تو یہ بتایا گیا تھا کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہر ضرورت کا تفصیلی بیان قرآن میں لکھا ہوا موجود ہے۔اور ہر وقت تمہاری دسترس کے اندر صاحبانِ قرآن ورسولؐ یعنی اہل الذکرؑ قیامت تک موجود

رہتے چلے جانے کاتحریری وعدہ ہے۔اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کوحکم دیا گیا ہے کہ:۔

۔"فَسئَلُوا اَھلَ الذِّکرِ اِن کُنتُم لَا تَعلَمُونَ"۔(نحل16/43۔انبیاء7 /21)

۔''جو کچھ بھی تمہیں معلوم نہ ہوا کرے تو اُن حضرات سے معلوم کرلیا کرو جو رسولؐ اللہ اور قرآن مجید والے لوگ ہیں''۔

اور پوری نوعِ انسان کو یہ اختیار ہمیشہ رہا ہے کہ اگر انہیں اِس کارگاہِ حیات میں مشقتوں، معاشی بدحالیوں، قلبی سختیوں، رنج وغم اور گمراہیوں سے محفوظ رہنا ہوتو ہماری ارسال کردہ ہدایات پر قدم بقدم چلتے رہو۔ ورنہ یہ سب کچھ پیش آئے گا۔اور قیامت کے روز تم بے بصیرتی کی حالت میں ماخوذ کئے جاؤ گے۔(طٰہٰ 20/123-124، بقر 2/38) یہاں بھی اِسلام کے معنی بحال ہیں کہ رنج وغم تک دور ہو جائیں گے اور موت سے بڑا باعثِ رنج وغم کوئی نہیں ہے۔

4۔تعلیماتِ خُداوندی کی تقلید اور اِتباع کا سلسلہ

تمام اہلِ مذاہب اور خصوصاً مسلمان متفقہ طور پر یہ مانتے ہیں کہ خالقِ کائنات انسانوں کی راہنمائی کے لئے خود انتظام کرتا ہے۔قرآن کی رو سے یہ پوری کائنات اور تمام موجوداتُ مُسلِمُ ہے(عمران 3/83)۔ ہر چیز کو تخلیق کے وقت سے ہی ہدایت شروع کی جاتی ہے(طٰہٰ 20/50)۔اللہ نے تخلیقِ کائنات سے پہلے آنحضرتؐ کو بطور نمونہ اوّلین عابد و مُسلم کی حیثیت سے وجود بخشا(43/81، 6/163)اور پوری کائنات کے لئے رحمت و نذیر و ہادی بنایا(انبیاء21/107، 25/1) نوعِ انسان کی ہدایت کے لئے بھی آپؐ ہی کو ذمہ دار بنایا(عمران 3/81)اور آپؐ کی انتہائی تعلیم تک انسانوں کو پہنچانے کے لئے ایک ادارہِ نبوت اور انبیاءؑ کا سلسلہ متعیّن فرمایا اور اس ادارہ کی ہدایت بھی آنحضرؐت کی نگرانی میں جاری رکھی (عمران 3/81) یوں اس کائنات کی تمام مخلوق ہدایت و رحمت سے وابستہ رہتی ہوئی چلی آرہی ہے۔اور آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتہائی اور آخری دورِ امامتؑ ہے۔

5۔اوّلین مُسلمؐ وعابدؐ ونذیرؐ اور ذخیرہؐ ومخزنِ تعلیماتِ خُداوندی کی مرحلہ وار تقلید

آنحضرؐت کی تقلید و اتباع کو ہر انسان تک پہنچانے کے لئے سلسلہ امامتؑ قائم چلا آتا ہے۔اس سلسلہ کی تفصیل کے لئے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔مختصراً اتنا سمجھ لیں کہ روزِ اَزل سے اللہ تعالیٰ قیامت تک انسانی ارتقاء کے لئے ہدایات جاری رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ ہدایات آنحضرؐت پر وارد ہوتی ہیں۔ وہاں سے ادارۂ امامت کو ملتی ہیں۔اور پھر معصومؑ نظامِ ہدایت کے مطابق انسانوں اور دیگر مخلوقات کو پہنچتی ہیں ۔

> فقلّدها علیًّا علیه السّلام بِاَمرِ اللّٰه تعالٰی عَلٰی رَسَمٍ مَّافرض اللّٰه ۔ فصارت فی ذریّته الاصفیا ء الّذین آتاهم اللّٰه العلم والایمان بقوله تعالٰی ۔"وَقَالَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَالۡاِیۡمَانَ لَقَدۡلَبِثۡتُمۡ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوۡمِ الۡبَعۡثِ (30/56)فهی فی ولد علّی علیه السلام خاصّة الٰی یوم القیامة اذ لانبّی بعد محمّد صلی اللّٰه علیه وآله وسلم...... انّ الامامةهی منزلة الانبیاء ۔انّ الامامة خلافة اللّٰه وخلافة الرسوؐل الخ (کافی کتاب الحجة باب نادر جامع فضل الامامؑ وصفاته حدیث نمبر۱)

۔''آنحضرتؐ نے اپنی حیاتِ ظاہری میں بھی یہ ذمہ داری حضرت علیؑ کی گردن پر رکھی اور اُن پر اپنی تقلید واجب قرار دی جیسا کہ اللہ کا دستور چلا آ رہا تھا۔ پھر یہ تقلید صرف محمدؐ کی اُس ذریّتؑ میں جاری ہوئی جو گروہِ اصفیأ ہے اور ہمیں اللہ نے اس تقلید کے لئے براہ راست علم و ایمان دے رکھا تھا۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا جواب اللہ نے قرآن میں یوں بتایا کہ ''جن لوگوں کو پہلے ہی سے علم وایمان دیا جا چکا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یقیناً تم لوگ اللہ کی کتاب کی رو سے دنیا میں بعثت کے دن تک موجود رہے تھے۔''(30/56) چنانچہ آنحضرتؐ کی تقلید واتباع کرنے اور کرانے کی ذمہ داری قیامت تک اولادِ علیؑ میں مخصوص کی گئی ہے۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبیؑ مبعوث نہ ہوگا۔ لہٰذا یہ امامت انبیأ کی منزلت رکھتی ہے۔ اور یہی اللہ اور رسوؐل کی خلافت ہے''۔

اس حدیث کے بعد مسلسل تقلید وامامت اور مقاصدِ امامت تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ ان کا نچوڑ یہ ہے کہ:۔

1۔ تمام عبادتیں اور اعمال امامِ زمانہ علیہ السلام کی وساطت سے نتیجہ خیز ہوتی ہیں۔

2۔ امامؑ زمانہ پوری کائنات کو اپنے نورانی وجود سے فیض پہنچاتا ہے۔

3۔ ہر شخص کا رفیق، بھائی، مانند والدہ مہربان ہے۔

4۔ علماء وحکماء امامؑ زمانہ کی منزلت اور مقام جاننے سے قاصر وحیران رہتے ہیں۔ **(یہ مقام ہمارے علماء کو نوٹ کر کے اپنی زبان کو سنبھال کر رکھنا چاہئے۔)**

5۔ امامِ زمانہ علیہ السلام کے اوصاف، بزرگی، ان کی حقیقت واقعی اور ان کے اعمال واحکام کے متعلق کسی بھی شے کو پوری طرح احاطہ کر لینا ممکن نہیں ہے۔

6۔ اور اُنؑ کے لئے لفظ کیسے اور کہاں استعمال نہیں ہوتے ہیں۔

7۔ تمام علوم انؑ ہی سے لوگوں کو ملتے ہیں۔

8۔ وہؑ موجوداتِ عالم کو حیات وزندگی عطا کرنے کا سبب ہیں۔

9۔ اُنؑ ہی کے ہاتھوں مقدرات وتقدیرات اور اللہ کے حتمی احکامات پوری کائنات میں جاری ہوتے ہیں۔

10۔آئمہ علیہم السلام کواللہ تعالیٰ نے عالم ذر میں اورکائنات کی تخلیق سے قبل اپنی پوری علمی بصیرت وقدرت سے تخلیق کیا تھا۔

11۔اوراپنے علوم سے لبریز کرکے کائنات کے لئے علمی وسیلہ بنایا تھا۔

12۔ہرلغزش ونقص وخامی سے منزّہ ومعصومؑ پیدا کیا تھا۔

13۔تمام مخلوق کے لئے واجب الاطاعت اورابلیس کے مقابلہ میں نوع انسان کا محافظ قرار دیا تھا۔

14۔انسانوں کے لئے مستحکم پناہ مقرر فرمایا تھا‘‘(**کتاب وباب مذکورہ بالا دواحادیث کا خلاصہ**)

6۔تمام انسانوں پر آئمہ معصومینؑ کی اطاعت وتقلید واجب ہے

مندرجہ بالا احادیث بطور نمونہ لکھی گئی ہیں تاکہ یہ یقین پیدا ہوجائے کہ اگر نوع انسان کو وہ مقام بلند حاصل کرنا ہے جو اِسلامی مقصد کی ذیل میں بیان ہوا ہے۔تو لازم ہے کہ ہرانسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان جانشینوںؑ کی تقلید واتباع اوراطاعت اس طرح کرے کہ گویا وہ اُنؑ کا بندہ یا غلام ہے۔جس کے تمام ارادے اوراختیارات ان حضراتؑ کی ملکیت ہیں۔ اوراسے ان کے احکام کو مِنّ وعَنْ اور بلا چوُن وچرَا اور عقلی مداخلت کے قبول کرکے عمل اورعمل اوربس عمل ہی عمل کرنا ہے۔اس لئے کہ یہ حضراتؑ خود بھی اطاعت وتقلید واتباع میں محمدؐ کے بندے اورغلام ہیں چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:۔

اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ مِنْ عَبِیْدِ مُحَمَّدٍصلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم(کافی کتاب التوحید باب الکون والمکان حدیث نمبر 5)

۔’’اس کے سوا میری پوزیشن اور کچھ نہیں ہے۔کہ میں یقین کے ساتھ محمدؐ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں‘‘۔

حقیقی تقلید کے معنی بھی یہی ہیں۔یعنی مُقلِّد وہ ہوتا ہے۔جو اپنے راہبر کی اطاعت کا قلادہ یعنی پٹّہ اپنے گلے میں خوشی خوشی پہنے اورخود کو راہنما کے احکام کی رسی میں اس طرح باندھے کہ رسی کا دوسرا سرا مُقلَّد کے حوالے کردے اوراب احکام کی تعمیل میں اس حد تک حرکت کرے جس حد تک رسی کی لمبائی اجازت دے اوردورانِ تقلید یہ یقین رکھے کہ راہبر کی طرف سے ملنے والا ہرحکم **مُنَزَّل مِنَ اللّٰہ** ہے۔قرآن کی آیت ہے۔اللہ کا حکم ہے۔جس میں غلطی کا ہرگز امکان نہیں ہوسکتا اور یہ کہ اُن کے حکم سے بہتر یا مفید تر کوئی اورکسی کا حکم ممکن نہیں ہے۔یہی فرمایا ہے جناب امام رضا علیہ السلام نے کہ:۔ **اَلنَّاسُ عَبِیْدٌ لَنَا فِی الطَّاعَةِ مَوَالٍ لَنَا فِی الدِّیْنِ فَالْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ**(کافی کتاب الحجة باب فرض طاعة الآئمّة حدیث نمبر10)

۔’’تمام انسان اطاعت کے معاملہ میں ہمارے بندے یا غلام ہیں اوردین میں ہمارے موالی ہیں چنانچہ جولوگ یہاں حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک یہ پیغام پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں۔‘‘اورمیں یہی پیغام اپنے قارئین کرام کو دیتا ہوں کہ وہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی تقلید سوفیصد اسی جذبہ کے ماتحت کریں اوریہ تقلید اللہ کے قرآنی حکم کے ماتحت ہے۔وہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ:۔

۔’’نہ مومنین کے لئے اورنہ ہی مومنات کے لئے یہ بات شایانِ شان ہے کہ جب اللہ اوراس کا رسولؐ کسی بھی معاملہ میں کوئی فیصلہ

صادر کردیں تو اس کے بعد بھی مومنین اور مومنات کو ان کے معاملات میں کوئی اختیار باقی سمجھا جائے اور جو کوئی اللہ و رسولؐ کے صادر کردہ فیصلے کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً وہ کھلی ہوئی گمراہی میں داخل ہو جائے گا۔'' (سورہ احزاب 33/36)

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔ (33/36)

7۔ تقلید و اتباع اور اطاعت کی فطری اور عملی صورت

رسولؐ اللہ ہوں یا اپنے زمانہ کا کوئی امامِ معصوم ہو نہ وہ ہر شخص کے ساتھ ہر وقت رہ سکتے تھے۔ نہ ہر آدمی ہر وقت ان کی خدمت میں موجود رہ سکتا تھا۔ اور نہ ہی دعوتِ اسلام شروع ہونے پر سب لوگ ایمان لے آئے تھے۔ یہ ایک فطری صورت حال تھی۔ خانوادۂ نبوّت سے وابستہ افراد کو پہلے اطلاع ہوئی تو وہ غور کرتے اور اقرار یا انکار کرتے رہے۔ یہ اقرار یا انکار اطلاع کو آگے بڑھانے میں مددگار رہوئے۔ مومن و منکر اور غور و فکر کرنے والے حضرات مختلف سوالات و اعتراضات کرتے' وضاحت اور دلیل چاہتے۔ آنحضرتؐ اور سمجھ دار مومنین بھی حسب ضرورت جوابات دیتے۔ وحی خداوندی کے نئے نئے انکشافات ہوتے۔ ضروری اور فوری مسائل دریافت بھی کئے جاتے۔ اُن کے جوابات اور عملی نمونے بھی دیئے جاتے۔ یوں اِسلامی تعلیمات مرکز سے نکل کر آگے بڑھتی گئیں۔ گرد و نواح سے اور جہاں جہاں بشارت و نذارت پہنچتی گئی لوگ موقع نکال کر آتے۔ مسائل معلوم کر کے جاتے اور دریافت کرنے والوں کو بتاتے۔ مرکز کی طرف سے بھی تبلیغی پارٹیاں جاتیں اور ضروری و عملی مسائل بتا کر دکھا کر اور مرکز کے نمائندے بنا کر کام آگے بڑھاتیں۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے لوگوں کو بالمشافہ اور براہ راست بھی تعلیم دی اور بالواسطہ بھی تعلیم پھیلی۔ غلط فہمیاں بھی ہوئیں۔ انہیں دور بھی کیا گیا۔ قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کر کے تلاوت ہوتا رہا۔ لوگ زبانی بھی یاد کرتے رہے۔ لکھے پڑھے لوگ لکھتے بھی رہے۔ مرکزی قرآن بھی تیار ہوتا رہا۔ یہود و نصاریٰ کی طرف سے بھی اعتراض و سوال ہوتے رہے۔ مخالف محاذ تعلیمات کی اسپرٹ کو تبدیل کرنے کی کوشش بھی کرتا رہا۔ جنگیں ہوئیں۔ جوں جوں مخالف محاذ کو ناکامی کا یقین ہوتا گیا۔ اس نے اپنے ماہرین کی اُس تعداد کو بڑھانا شروع کیا جو قدیم پیشینگوئی کے ماتحت قومی حکومت قائم کرنے کے خیال سے پہلے ہی دن سے متعیّن کر دی گئی تھی اور جو قرآن کے متعلقہ بیانات کا تجزیہ و تاویل بھی اندر ہی سے پھیلا رہی تھی۔ اور قوم کے زیادہ سے زیادہ افراد کو ایسا مسلمان بنانے پر مامور تھی جو قومی حکومت کا تصور چاروں طرف پھیلاتے چلے جائیں۔ یہی وہ قومی تاویلات اور تفہیم تھی۔ جس سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے قرآن کریم نے یہ شرط لگائی کہ۔ **''اگر کوئی فاسق کوئی ایسی خبر دے جو ظاہری صورت حال کے خلاف غیب پر مبنی**

ہو(نبأ۔ نبیؐ) اور وہ نبوت پر دلالت کرے تو اس کی وضاحت کرالیا کرو"۔ اور یہی وہ تاویلات تھیں جن کے لئے رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا کہ:۔"**۔میرا قول (حدیث) کہہ کر بہت سی جھوٹی باتیں پھیلائی جارہی ہیں۔ جو کوئی مجھ پر جھوٹ بولے گا وہ جہنم میں اوندھے منہ پھینکا جائے گا۔"(الحجرات 49/6 اور مشہور حدیث)**

اور اسی قسم کے حالات و بیانات کی تصدیق یا تکذیب کرنے کے لئے آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ میرے بیانات قرآن کی وضاحت کرتے ہیں۔لہٰذا میرا جو بیان قرآن کے ساتھ موافقت نہ کرے سمجھ لو کہ مندرجہ بالا قسم کے لوگوں نے میرے نام سے پھیلا کر قومی تصور کو تقویت پہنچائی ہے۔ایسی گھڑی ہوئی روایت (نبأ) کو دیوار پر دے مارو یعنی اس طرح کی افواہوں کو پھیلنے اور مانے جانے سے روکنے کیلئے چار دیواری میں قید کردو۔اُن کے آگے قرآن کے دو لفظ بول کر روک لگا دو۔معلوم ہوا کہ لوگ قرآنی تعلیم کے خلاف تصورات و تعلیمات پھیلانا چاہتے تھے۔بہرحال یوں حدیث کی تحقیق و تصدیق لازم ہوئی۔یہ کام جاری رہا۔قرآن کریم میں بڑی حکمت سے ریکارڈ ہوتا رہا (اور ہم نے بڑی تفصیل سے اپنی تصنیفات میں اس پہلو کو بیان کیا ہے) آنحضرتؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد ایک نیا اور قومی دور شروع ہوا۔تمام اہلِ علم صحابہ مدینہ میں نظر بند ہوئے۔مکمل زبان بندی ہوئی۔پیش پا نہادہ ضرورت کے علاوہ ہر قسم کی حدیثوں،عہدِ رسولؐ کی جنگوں اور قرآن کی آیات کی متعلقہ تفسیروں کی دائمی ممانعت کردی گئی۔یہ زمانہ اور اس کے بعد پچاس سال کا زمانہ اسلام کو قومیانے،قومی مصلحتوں کے ماتحت نئی تاریخ،موزوں احادیث و تفسیر تیار کرنے پر تمام مارشل قوتوں کو مرکوز کردیا گیا۔وہ لوگ جو عہدِ رسولؐ کی تعلیمات کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔مجبور ہوئے کہ تعلیماتِ قرآن اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کی قولی و فعلی سنت کو تحریری صورت میں جمع کریں اور آپس میں خاموش رابطہ قائم کریں۔قتل و غارت سے محفوظ رہیں۔قرآن اور صاحبانِ قرآن کی اِسلامی اسکیم کو سینہ بہ سینہ اور قابل اعتماد زبانوں سے باہوش متلاشیانِ حق کے کانوں تک پہنچائیں اور مخالف محاذ کے غیر اِسلامی مقاصد کو پبلک میں عام کرکے ردِعمل کو تائیدِ حق میں استعمال کریں۔ چنانچہ ہر ہر اقدام پر تحریری یا بالمشافحہ ہدایات معصومؐ مرکز سے لی جاتی تھیں۔ان ہدایات اور دیگر تمام اِسلامی مسائل و معاملات پر معصومؐ احکامات اور ہدایات کے لئے مصدقہ ہزاروں علماء اور کتابیں تیار ہوگئیں اور رفتہ رفتہ مخالف محاذ میں انتشار و اختلاف و تفرقہ پڑ گیا۔گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور علماء وعوام کو حق بات سننے،غور کرنے اور اختیار کرنے کا موقع ملنے لگا۔ہمارے آئمہ معصومین علیہم السلام اور ان کے تیار کردہ صحابہ نے قرآن و حدیث پیش کرکے قومی حکومت کے قائم کردہ اجتہادی نظام کو تہہ و بالا کردیا اور مخالف گروہ کے حق پسند علماء نے مذہب شیعہ اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے قرآنی اصولوں کو تسلیم کرلیا اور اسی نہج پر اپنے سابقہ اجتہادی مذہب میں اصلاح و ترمیمات شروع کیں اور کئی ایک نے اجتہاد کی مذمت کی۔مجتہدانہ اصولوں کا بطلان واضح کیا کتابیں لکھیں اور یہاں تک لکھ دیا کہ۔"امام شافعی کو یہاں تک کدّ ہے کہ ترتیب فوج،تعیّن شعار،تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق

بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال کوتشریعی قرار دیتے ہیں۔اورحضرت عمر کے افعال کی نسبت کہتے ہیں کہ۔''**رسول اللہ کے سامنے کسی کے قول وفعل کی کوئی اصل نہیں**''۔(الفاروق حصہ 2 صفحہ 113)۔یہ ایک زبردست انقلاب تھا۔جو آئمہ معصومینؑ کے نظام ہدایت نے پیدا کیا۔ورنہ حضرت عمرکو آنحضرتؐ کے احکامات اورقرآن کے منصوصات اورواضح فیصلوں کومنسوخ کرنے کے اختیارات حاصل تھے۔اوران ہی اختیارات کی بناء پرحضرت عمر نے قومی مصالح اور مفادعمومی کو برقراررکھنے کے لئے آنحضرتؐ کی عطاکردہ شریعت کے مقابلہ میں زیادہ مفیدشریعت تیارکرکے امت کودی تھی۔

8۔معصومؑ نظامِ ہدایت کے انقلابی اصول

نظام اجتہاد کے ردّوابطال اوردین فہمی کے عام فہم وقابل عمل طریقوں میں سےاہم ترین اصول اُن تین آیات میں اللہ نے بیان فرمایاہے جن کوہم نے اسی مضمون کے سرورق پرلکھ کرافتتاح کیاہے۔یعنی:

(1) کوئی مفتی ہو یا قاضی ،کوئی علامہ ہو یا حجۃ اللہ،کوئی حاکم ہو یا آیۃ اللہ۔ان کا وہی حکم قابل اعتنا ہوگا جوکلام اللہ کے الفاظ میں دیاجائے اورچونکہ:۔

(2) قرآن یاکلام اللہ کی روسے کلام رسوؐل بھی کلام اللہ ہے۔(الحاقہ69/40)(التکویر81/19)(النجم53/3-4) اس لئے وہ حکم،فیصلہ،اصول یاقاعدہ بھی قابل قبول ہوگا۔جوکلام معصومؑ کے الفاظ میں ہو۔ورنہ

(3) کسی شخص کا ذاتی یا جماعتی حکم ، فیصلہ ، اصول اورقاعدہ ، اصول مذکورہ (1)کے ماتحت ازروئے قرآن (المائدہ5/44,45,47)وحدیث باطل وناقابل سماعت ہوگا۔اوراگروہ لوگ اپنے ذاتی وجماعتی فیصلوں کواللہ کافیصلہ قراردیں گےتو وہ لوگ نہ صرف کافرہیں بلکہ وہ ظالم وفاسق بھی قرارپائیں گے (المائدہ5/44,45,47)اورایسے کافروظالم وفاسق لوگ یقیناً جہنمی ہیں خواہ دنیامیں ان کااثرورسوخ اورلیبل ولقب اورمرتبہ کتناہی بلندکیوں نہ ہو۔

(4)چوتھا معصومؑ اصول

سینکڑوں احادیث کااصرار ہے کہ۔'محمدوآل محمدعلیہم السلام کامومن وہ ہے۔جس کی ہربات اور ہرکام اور ہرفیصلہ محمدؐ وآل محمدؐ کے قول پرمنحصر رہے''۔نمونہ کی حدیث ملاحظہ فرمالیں:۔

۔''جس کسی کو یہ اچھا معلوم ہوتاہوکہ وہ اپنے پورے ایمان کومکمل کرلے۔اس کو یہ اعلان کرنا چاہئے کہ۔'' ہرہرمعاملے میں اور ہرمسئلہ اورفیصلہ میں میراقول وہی

من سرّہ ان یستکمل الایمان کلّه ، فلیقل: " القول منی فی جمیع الاشیآء قول آل محمدؐ فیما اسرّوا وما اعلنوا وفیما بلغنی وفیمالم یبلغنی''(**جعفرالصادق علیہ السلام**)

ہے۔جو آلِ محمدؐ نے فرمایا ہو۔اُن معاملات میں بھی جوانہوں نے زیرِ پردہ(UNDER GROUND) رکھے یا اعلانیہ فرمائے۔اور اُن تمام حالات میں بھی جو مجھ تک پہنچے اور ان میں بھی جو مجھے معلوم نہیں ہوئے'' **(کافی کتاب الحجۃ باب التسلیم وفضل المسلمین حدیث 6)**

(5) پانچواں معصومؑ اصول

۔''انبیاءؑ وآئمہؑ کے علاوہ تمام انسان خاطی اور ناقص العقل ہیں۔لہٰذا ان کی مجموعی عقل ورائے سے استنباط واجتہاد کے احکام وفیصلے حق کی دلیل نہیں۔نمونہ کی ایک حدیث:۔

۔''جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بزرگ مقام کے باوجود لوگوں کے انتخاب کا اختیار نہ رکھتے تھے۔تو اِس امت کو یہ اختیار کیسے مل سکتا ہے۔ اور کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے اپنا امام خود اپنی رائے سے ہی مقرر کرلے؟ پھر ان (مفتیوں قاضیوں ،علاماؤں اور حجۃ اللہ قسم کے)لوگوں کو یہ اختیار کہاں سے ملا اور کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ (کلام اللہ اور کلام معصومؑ کے الفاظ سے حکم دینے کے بجائے)اپنی ناقص عقل اور دور بھٹکتی ہوئی رائے اور ایک دوسرے سے متخالف وسعت اور مختلف ارادے رکھتے ہوئے بھی مسائل واحکام گھڑ کر انہیں خدا اور رسولؐ کا حکم قرار دیں؟ اللہ اس سے کہیں بلند وبرتر ہے کہ وہ ان کے خود کاشتہ مسائل واحکام پر راضی ہو''۔

فاذالم یصلح موسیٰؑ للا ختیار مع فضلہ و محلہ ۔فکیف تصلح الامۃ لاختیار الامام بآرائھا ؟وکیف یصلحون لاستنباط الاحکام واستخراجھا بعقولھم الناقصۃ و آرائھم المتفاوتۃ وھممھم المتبائنۃ وار اداتھم المختلفۃ تعالی اللّٰہ عن الرضا باختیارھم علواً کبیراً۔(امام محمد باقر علیہ السلام۔علل الشرائع صفحہ۶۳)

(6) چھٹا معصومؑ اصول

قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر کسی ایسے معاملہ کے لئے حکم یا فیصلہ کا استنباط (اخذ) کرنا جو لفظاً ومعناً قرآن وحدیث میں نہ ہو۔یعنی اجتہادی مسئلہ تیار کرنا لعنتیوں اور گمراہ لوگوں کا کام ہے نمونہ کی حدیث:۔

محمدؑ بن حکیم نے امام ابوالحسن موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں قربان جاؤں ہم لوگ دین میں ایسے فقہا ہو چکے ہیں۔کہ آپ حضرات کی تعلیم نے بفضل خدا ہمیں ساری دنیا کے انسانوں سے مستغنی کر دیا ہے۔اوراب تو ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ہم فقہا کی بڑی سے بڑی جماعت ایک جگہ جمع ہوتی ہے۔

فقھنا فی الدین و اغنانا اللّٰہ بکم عن النّاس حتیٰ انّ الجماعۃ منّا لتکون فی المجلس،مایسئل رجل صاحبہ تحضرہ المسئلۃ ویحضرہ جوابھا فیما مَنّ اللّٰہ علینا بِکم ۔فربّما ورد علینا الشیء لم یاتنا فیہ عنک ولا عن آبائک شیء ۔

فنظر الیٰ احسن مایحضرناواوفق الاشیاء لماجائناعنکم فناخذبه ۔فقال هیهات هیهات،فی ذٰلک واللّٰه هلک من هلک یا بن حکیم، قال : ثم قال: لعن الله اباحنیفة کان یقول قال علیؑ وقلت ۔قال محمد بن حکیم لهشام بن الحکم واللّٰه ماردت الّا ان یرخّص لی فی القیاس“۔

تو کوئی بھی آپس میں ایک دوسرے سے مسئلہ نہیں پوچھتا (یہ حقیقی مجتہد کی شناخت ہے۔کہ وہ کسی دوسرے مجتہد سے مسئلہ نہیں پوچھتے) اس لئے کہ ہم میں سے ہر فقیہ کے پاس ہر سوال کا جواب حاضر رہتا ہے۔(سبحان اللہ) اور یہ سب آپ حضراتؑ کی تعلیم ہے۔جس پر اللہ نے ہم پر اپنا احسان کیا ہے۔(یہاں تک خوشامدانہ کلام تھا اب آتی ہے مطلب کی بات یعنی ہمیں بھی اب اجتہاد کا اجازہ دے دیا جائے ۔مصنف) لیکن اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ہمارے سامنے ایسا موضوع آجاتا ہے جس کے بارے میں آپؑ کی اور آپؑ کے آبا (سابقہ آئمہؑ اور محمدؐ) کی طرف سے ہمیں کوئی جواب نہیں ملا (مثلاً استنجا ڈھیلے سے کرتے ہوئے موسم گرما و سرما میں کیا فرق ہوگا؟ مصنف) جب ہمیں ایسی ضرورت پیش آتی ہے۔تو ہم آپؑ حضرات سے ملی ہوئی تعلیمات (قرآن واحادیث) کو سامنے رکھتے ہیں اور وہ تمام سامان فراہم کرتے ہیں جو سوال زیر بحث سے زیادہ سے زیادہ موافقت رکھتا ہو۔اور اس طرح سوال مذکور کا جواب اخذ کر لیتے ہیں (اجتہادی جواب تیار کر لیتے ہیں۔) یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا افسوس کہ یہ طریقہ بہت دور ہے۔حقیقت سے بہت ہی دور ہے۔خدا کی قسم اے ابن حکیم جس کی عاقبت تباہ ہوئی اِسی طریقہ پر عمل کرنے سے اس کی ہلاکت ہوئی۔پھر فرمایا خدا.........کرے ابوحنیفہ پر وہ کہا کرتا تھا کہ علیؑ بھی کہتے ہی تو تھے؟ میں بھی کہتا ہوں۔(یعنی ہم دونوں برابر ہیں) اس کے بعد محمد بن حکیم نے ہشام بن الحکم سے کہا کہ امامؑ سے یہ ساری گفتگو کرنے سے میرا کوئی اور ارادہ نہ تھا۔سوائے اس کے کہ میں ان سے اجتہادو قیاس کا جواز لے لوں“۔

(کافی کتاب العقل باب البدع والرائے والمقائیس حدیث نمبر ۹)

(7) ساتواں معصومؑ اصول

۔”حدیث کا کسی حیثیت سے انکار نہیں کیا جائے گا“۔

نمونہ کی حدیث (الف) راوی کا مذہب کچھ بھی ہو حدیث کا انکار یا تکذیب منع ہے۔

عن ابی بصیر عن احدهما علیهما السلام قالوا لا تکذبوا بحدیث اتاکم به مرجئی و لا قدری و لا خارجی نسبه الینا فانکم لا تدرون لعله شیئ من

۔”امام علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کسی ایسی حدیث کی تکذیب بھی نہ کرنا جو ہماری طرف منسوب کر کے تمہارے پاس کسی مرجئی یا قدری یا خارجی کی زبانی پہنچے تم درایتاً یہ نہیں جانتے

کہ شاید اس میں حق بات ہو اور تم حدیث کو جھٹلا کر عرش پر اللہ کو جھٹلانے کے مجرم بن جاؤ''۔

الحق فتکذ بوا اللّٰہ عزوجل فوق عرشه۔
(علل الشرائع صفحه۳۹۵)

(ب) حدیث کا انکار اس حالت میں بھی نہ کرو جب کہ تمہارے پاس ہماری حدیث کے خلاف ثبوت موجود ہو۔

(i)۔''جب ہم ایک حدیث بیان کریں اور نتیجہ اس کے مطابق نکلے تو کہا کرو کہ اللہ نے سچ کہا۔ اور جب حدیث خلافِ واقعہ معلوم ہو تب بھی کہا کرو کہ اللہ نے سچ فرمایا تمہیں دوہرا اجر ملے گا''۔

فاذا حدثناكم الحديث فجاء على ماحدثناكم به فقولوا صدق اللّٰه واذا حدثناكم الحديث فجاء علىٰ خلاف ماحدثناكم به فقولوا۔صدق اللّٰه توجروا مرتين۔
(کافی کتاب الحجة باب كراهية التوقيت حديث نمبر۵)

(ii)۔''آلِ محمدؐ کی حکومت اختیار کرو۔اور ہماری طرف سے اور ہم سے منسوب جو کچھ تمہیں پہنچے اسے ایسی حالت میں بھی باطل نہ کہو جب کہ تمہیں ہماری ہی طرف سے اس کے خلاف کچھ معلوم ہو۔حقیقت یہ ہے کہ درایتاً تم یہ نہیں جانتے کہ ہم نے کس بنا پر کیا کہا اور کس حیثیت سے اس کی صفت بیان کی ہے۔اور جو چیز ہم تم سے پوشیدہ رکھیں اس کی تفتیش نہ کرو۔بس جو کچھ ہم خبر دیں اس پر ایمان لاتے جاؤ''۔(روضۃ الکافی صفحہ نمبر 126-125)

وَوَالِ آلِ محمدٍّ ولا تقل لِما بَلَغَکَ عَنّا ونَسَبَ اِلينا هذا باطل و ان كنت تعرف منّا خلافه فانّک لا تدری لما قلناه وعلىٰ اَیِّ وجه وصفناه آمن بما اخبرک ولا تفش ما استكتمناک من خبرک (روضة الكافي صفحه ۱۲۵-۱۲۶)

(8) آٹھواں معصومؑ اصول ''حدیثِ معصومؑ کا انکار کفر ہے''

(ا) قارئین کرام کے دلوں میں بعض الفاظ اور جملوں پر گرانی وارد ہو رہی ہوگی اور چند سوالات و اعتراضات سر اٹھا رہے ہوں گے۔اس کا سبب زیرِ قلم بیانات نہیں بلکہ وہ حالات و عادات ہیں جو تعلیماتِ قرآنی سے ہجرت (فرقان 25/30) کے بعد دو دوستوں نے آنحضرتؐ کی اسلامی راہِ عمل کے خلاف (28-25/27) پیدا کئے اور جن پر تیرہ سو پچاسی سال سے جبراً و قہراً اور پھر عادتاً عمل ہوتا چلا آرہا ہے ورنہ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے بعض مسلمانوں کے علاوہ دنیا کا کوئی کافر بھی انکار نہیں کرسکتا۔اس لئے کہ یہ ماشاء اللہ مسلمان ہی ہیں جن میں منکرینِ قرآن و منکرینِ حدیث ملتے ہیں۔جن میں رسولؐ کو گھسیٹ کر گلے سے پکڑ کر ان کے اقدامات سے روک دینے والے پائے جاتے ہیں۔جن میں خاندانِ رسولؐ کا قتلِ عام کرنے،ان کو لوٹنے اور ان کے مساکن کو جلا دینے والا گروہ ملتا ہے۔جن میں خانوادۂ رسولؐ پر لعنت و تبرا کرنے والے رضی اللہ عنھم اور امیر المومنین کہلاتے ہیں۔جنہوں نے خانہ کعبہ کو جلایا۔مدینہ منورہ میں صحابۂ رسولؐ کا قتلِ عام کیا۔ان کے گھروں کو لوٹا۔تین روز ہزاروں نمازی

فوجیوں نے صحابیات رسولؐ کی عصمت دری کی اور اُس زنا کو ثواب سمجھا۔الغرض آپ کا خمیر آپ کا گوشت پوست اور قلب وذہن اسی ماحول میں اور اسی ماحول سے تیار ہوا ہے۔آپکی معلومات آپکی پسندیدہ کتابیں اسی ماحول اور اسی غیر قرآنی اور غیر اسلامی تعلیم سے لبریز ہیں۔ ہر وہ شخص جو مندرجہ بالاصورت حال سے تعلق اور رشتہ نہیں رکھتا۔وہ جب قرآن کو اللہ کی کتاب مان لیگا تو وہ قرآن میں موجود ہر آیت اور ہر بات کو اللہ کی بات سمجھ کر مانتا چلا جائے گا۔لیکن جس نے بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک یہ سنا ہو اور پھر یہی پڑھا ہو کہ اس کا فلاں بزرگ فلاں بات یا فلاں آیت کا مطلب یوں نہیں بلکہ یوں بتاتا تھا۔وہ مسلمان شخص جب اُس آیت یا ان آیات کو خود دیکھے گا تو اپنے اس بزرگ کا چشمہ پہلے ہی لگالے گا اور اب اُسے ساون کے اندھے کی طرح سب بزرگ ہی بزرگ نظر آئے گا۔یعنی وہ قرآن کو نہیں بلکہ اپنے ایک عزیز وقریب و پسندیدہ بُت کو دیکھ رہا ہے۔یہ ہے وہ سبب کہ اسے مُسلّمہ قوانین وقواعد کے ماتحت کیا ہوا قرآن کا ترجمہ بھی قبول نہیں۔ اسلئے کہ اسکے کسی بزرگ کی گھریلو بزرگی خطرہ میں ہے۔اِسلام خطرہ میں نہیں۔ بلکہ اسکے بزرگوں کا خود کاشتہ مذہب خطرہ میں ہے۔ہمیں ان جانبدارانہ مذہبی تصورات اور اِنسی شیاطین کے پیدا کردہ حالات سے بلند کرنے کے لئے ہیں،وہ معصومؑ اصول آپ کے سامنے رکھے جارہے ہیں اور ان کا نچوڑ یہ ہے کہ آپ اِسلام اور اللہ کی حقیقی تعلیم تک پہنچنے کے لئے کلام اللہ اور کلام معصومینؑ کے علاوہ ہر تصور کی نفی کردیں۔اپنے گھریلو بزرگوں اور ان کے اقوال وتصورات سے اپنا قلب وذہن خالی کرلیں۔علمائے حق وعلمائے سوء نے کیا کہا ہے؟ اُسے الگ سے محفوظ کردیں۔پھر جو بات کلام اللہ اور کلام معصومینؑ سے تصدیق ہوجائے اسے اختیار کرتے جائیں۔جس بات کو اللہ ومعصومؑ غلط فرمادیں۔اسے مردود قرار دینے میں تکلّف نہ کریں۔اور کسی بزرگ اور عالم کو اللہ ومعصومؑ کے مقابلہ میں قبول نہ کریں۔وہ شخص کیسے اور کس دلیل سے بزرگ یا عالم ہوسکتا ہے؟ جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو؟ بزرگی اور علمیت کا معیار تو اللہ ورسولؐ ہیں۔ان کا مخالف تو کم ازکم گمراہ ورنہ کافر قرار دیا جانا چاہئے۔ چنانچہ نزول قرآنِ کے دوران بھی بزرگ پرست لوگ موجود تھے۔یہ آج ہی کے لوگ نہیں۔ان لوگوں کے قدیم بزرگ بھی اللہ ورسولؐ کی بات براہ راست نہ مانتے تھے۔بلکہ اللہ ورسولؐ کے فیصلوں کی صداقت جانچنے کے لئے اُس زمانہ کے ایک بُوجھ بجھکڑ،ایک مجتہد عالم اور قومی بزرگ کے فیصلہ کو معیار سمجھتے تھے۔قرآن سنئے:۔

(ب) حقیقی مسلم،اللہ ورسولؐ کا مومن اور طاغوت کا کافر ہونا چاہئے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسولؐ اور اولی الاَمر کی اطاعت واجب کرکے یہ فیصلہ کردیا کہ مسلمانوں میں جب کوئی اختلاف یا تنازع پیدا ہوتو وہ خود فیصلہ نہ کرلیں۔ بلکہ اللہ ورسولؐ اور اولی الاَمر کے سامنے معاملہ پیش کریں اور ان کے حکم کی اطاعت کریں۔اِس دستور کو ایمان کی شرط قرار دیا اور بہتر طرز عمل فرمایا (**سورہ نساء 4/59**) پھر ان بزرگ مومنین کا ذکر فرمایا جو اس وقت آپ کی بحث کا مرکزی نقطہ ہیں اور کہا کہ:۔

۔’’کیا آپ نے اپنے اُن صحابہ کونہیں دیکھا ہے جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ جو کچھ تم پر اُترا اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہوا سب پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔اور ارادہ یہ رکھتے ہیں کہ طاغوت کو حکمران بنالیں اور یقیناً ان کو طاغوت سے کفر کرنے کا حکم بھی دیا جاچکا ہے۔بات یہ ہے کہ شیطان کی اسکیم ہی یہ ہے کہ وہ تمہارے ان مومن صحابہ کو گمراہی کی تمام حدود سے پار لے جائے۔اور تیرے پروردگار کی قسم کہ وہ حاشیہ نشین لوگ ہرگز ہرگز صاحبان ایمان نہ مانے جائیں گے۔جب تک اپنے تمام شجروں (کے بزرگوں) میں بھی تجھے اپنا حاکم نہ مان لیں۔اور مان ہی نہ لیں بلکہ جو بھی حکم تم جاری کرو اسے ماننے کی انتہائی حدود تک تسلیم وسلام کریں۔اور دلوں کے اندر بھی کوئی گرانی وناگواری محسوس نہ کریں‘‘۔

۔’’ اَلَمۡ تَرَاِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّھُمۡ آمَنُوۡابِمَآاُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَآاُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡآ اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡآ اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ وَ یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّھُمۡ ضَلٰلاً بَعِیۡدًا o (نساء4/60)

(اورفرمایا کہ)فَلَاوَرَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَھُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡ اَنۡفُسِھِمۡ حَرَجًامِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا(نساء 4/65)

قارئین یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے قرآن کو مہجور کر کے مذکورہ طاغوت کو اپنا راہنما اور دینی حاکم بنایا تھا۔یہی تھے جنہوں نے قرآن اور سابقہ کتب سامنے رکھ کر وہ ایمان اختیار کیا تھا۔جس کی رو سے رسولؐ کا فیصلہ ہر حال میں قابل قبول نہ تھا۔اس لئے کہ وہ ایک فردِ واحد تھا۔اس کا ذاتی علم وتجربہ پوری قوم یا پوری نوع انسانی کے برابر ماننا عقلیت ومنطق وعلم فقہ واجتہاد کے خلاف تھا۔فردِ واحد سے خطا کا نہ صرف امکان تھا۔بلکہ اُس گروہ نے طاغوتی علم وبصیرت کی روشنی میں معاذ اللہ رسولؐ اللہ کی غلطیاں اسی قرآن سے ثابت کی ہیں۔اور ایسے قومی افراد کے نام بتائے ہیں۔جن کی تائید میں وحی نے نازل ہو کر معاذ اللہ آنحضرتؐ پر عتاب کیا اور غلط کاری نوٹ کرائی ہے۔<u>مگر قارئین نوٹ کرلیں کہ یہ سب کچھ قرآن میں نہیں ہے</u>۔بلکہ یہ باتیں اُس تاریخ اور اُن روایات میں ہیں۔جو اُسی گروہ نے مندرجہ بالا قسم کا ایمان واِسلام جاری کرنے کے لئے خود تیار کرائی تھیں اور جس کی روشنی میں یہ گروہ آیات واحادیث کے معنی کرتا ہے۔لہٰذا حدیثِ معصومؑ کا انکار کرنے والے تمام لوگ طاغوتی مومن ہیں۔کافر نہیں۔

<u>(ج)احادیثِ معصومؑ اور قرآن کریم ایک ہی حقیقت کے دونام ہیں</u>

اگر آپ مندرجہ بالا طاغوتی مذہب، طاغوتی تاریخ،طاغوتی روایات اور طاغوتی تصورات سے اپنے قلب وذہن کو پاک کرلیں تو اللہ ورسولؐ میں یا قرآن واحادیث میں کوئی اختلاف نظر نہ آئے گا۔یہ عقل کا تقاضہ ہے کہ اللہ ایسے شخص کو رسولؐ نہ بنائے جو اس کی تعلیم اور منشا کے خلاف کوئی بات کہے یا عمل کرے۔یا جو شخص اللہ کی بات اور بات کا حقیقی مطلب ہی نہ سمجھے۔اس لئے کہ ایسے رسولؐ یا نبیؐ کی ہر غلطی اور غلط فہمی کا سبب خود اللہ قرار پاتا ہے۔کہ اسے اتنا بھی علم نہ تھا کہ جسے وہ رسولؐ بنا رہا ہے،

اپنی ذات کے تعارف کا ذمہ دار مقرر کر رہا ہے اور اسے اپنا نمائندہ تجویز کر رہا ہے وہ انسانوں کے روبرو معاذ اللہ جا کر جاہل ثابت ہوگا۔غلطیاں اور غلط کاریاں کر کے لوگوں کی نظروں سے خود بھی گرے گا اور اللہ کو بھی بدنام کرے گا۔لہٰذا تمام انبیاؑ ورسلؑ وخلفائےؑ خداوندی کا معصوم ہونا عقلاً واجب ہے۔اور اللہ نے تو یہاں تک واضح کر دیا اور قرآن میں آج تک موجود ہے کہ:۔

(د) کلام اللہ وکلامِ رسوؐل کریم ایک ہی چیز ہیں

فَلاَ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ O وَمَا لاَ تُبْصِرُوْنَ O اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ O وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلاً مَّا تُؤْمِنُوْنَ O وَلاَ بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ O تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ O وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَ قَاوِيْلِ O لاَ خَذْ نَامِنْهُ بِالْيَمِيْنِ O ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ O (سورہ الحاقہ 69/38-46)

۔''ان تمام چیزوں کی قسم جو تم دیکھتے ہو اور جو تمہیں دکھائی نہیں دیتیں کہ یقیناً یہ قرآن ضروری طور پر رسوؐل کریم کا قول ہے۔کسی شاعر کا کہا ہوا نہیں ہے۔تم لوگوں نے جس چیز کو مانا ہے۔وہ بہت ہی تھوڑی سی ہے۔اور نہ ہی یہ پیشین گوئی کرنے والے کا قول ہے۔وہ بہت ہی تھوڑا سا سامان ہے جو تمہارے تذکروں میں آتا ہے۔یہ تو تمام عالمین کے رب کی طرف سے نازل شدہ ہے۔اور اگر وہ رسوؐل کوئی ایک قول بھی ایسا کہہ ڈالے جو ہمارے خلاف ہو تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی شہ رگ کاٹ ڈالیں''۔

دونوں باتیں اللہ نے واضح فرمادیں کہ یہ قرآن اللہ نے نازل کیا اور رسوؐل کریم کے قول کی حیثیت سے لوگوں تک پہنچایا اور یہ کہ رسوؐل کریم ہرگز ہرگز اپنی زبان پر ایسا قول نہیں لاسکتے جو قرآن کی طرح حق اور اللہ کی رضامندی کے مطابق نہ ہو۔اور یہاں بھی ان لوگوں کو سامنے رکھا گیا ہے جو قرآن کے متعلق بڑا گھٹیا اور بہت حقیر وقلیل ایمان رکھتے تھے۔قرآن کریم نے یہ بھی اعلان کیا کہ:۔

(ہ) آنحضرتؐ جو کچھ بولتے تھے وہ قرآنی وحی ہوتا تھا

مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰى O وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O (نجم 53/2-4)

۔''تمہارا ساتھی نہ گمراہ ہوا نہ وہ اغوا ہوا اور وہ خواہش ذاتی سے بولتا ہی نہیں۔اور جو کچھ بولتا ہے وہ وہی وحی ہوتی ہے جو اُس پر وحی کی جاتی ہے''۔لہٰذا اللہ نے اُنؐ کے قول کو یہاں بھی اپنی وحی قرار دیا ہے۔معلوم ہوا کہ کلام اللہ اور کلام رسولؐ درحقیقت ایک ہی چیز ہے۔اور اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ تمام انبیاءؑ اور رسلؑ کے آگے پیچھے پہرہ لگائے رکھتا ہے۔

(و) سابقہ آیت میں مذکورہ انتظام تاکہ رسوؐل کی زبان محفوظ رہے

یہ معلوم ہو چکا کہ رسولؐ کے ساتھ وہ نظام منسلک رہتا ہے جو غلط بات کہنے سے روکتا ہے۔اور ضرورت پڑنے پر حلق سے آواز نکلنے کے نظام کو منقطع کر سکتا ہے۔اس کی مزید تشریح یوں کر دی گئی ہے کہ:۔

۔’’اللہ غیب کا عالم ہے اور اپنے علمِ غیب پر کسی کو کھلا غلبہ نہیں دیتا۔ سوائے کسی متعلقہ رسولؑ کے اور پھر اُس رسولؑ کے آگے پیچھے ایک اطمینان بخش تحقیقاتی نظام (رصدگاہ) منسلک کردیتا ہے تاکہ یہ معلوم ہوتا رہے کہ اس قسم کے رسولوںؑ نے اپنے رب کی ارسال کردہ غیبی تعلیم پہنچادی ہے۔اور جو کچھ اُن رسولوںؑ کے پاس ذخیرہ علم ہوتا ہے اللہ اس پر احاطہ (گھیراؤ) رکھتا ہے۔اور ہر ایک چیز کو مع تعداد کے منضبط (قابو میں) رکھتا ہے‘‘۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا Oاِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا Oلِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا O(سورہ جن 28-72/26)

(ز) کیا اس انتظام کے بعد بھی انبیاءؑ ورسلؑ سے غلطی ممکن ہے؟

اب قارئین سوچیں کہ کیا قرآن پر ایمان لانے کے بعد انبیاءؑ ورسلؑ سے کوئی مومن غلطی کا امکان تسلیم کرے گا؟اور کیا وہ شخص مومن رہ سکتا ہے جو احادیث واقوالِ معصومینؑ کو تسلیم نہ کرے؟ بس یہی ہمارے مذہب کا آٹھواں معصومؑ اصول ہے کہ ہم احادیث کے منکر کو کافر کہتے ہیں۔اور یہ بات بھی اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ قولِ معصومؑ میں جو کچھ ہے۔وہی کچھ ہم کہہ دیتے ہیں۔

(ح) کلامِ معصومؑ سمجھ میں نہ آئے اور گراں گذرے تب بھی انکار کردینا کفر ہے

۔’’امام محمد باقر علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی فرماتے ہیں کہ:۔’’حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جب تم پر آلِ محمدؐ کی کوئی حدیث وارد ہو تو اگر تمہارا دل نرم اور شناسا ہو اور تمہاری سمجھ میں مقصد آجائے تو اس کو قبول کرلو۔ اور اگر اُس حدیث سے تمہارے دل پر گھبراہٹ سوار ہوجائے اور تمہیں بُری معلوم ہو تو اسے فیصلہ اور فہم کے لئے اللہ ورسولؐ اور آلِ محمدؐ کے عالم (امامؑ) کے روبرو پیش کرو۔تمہاری ہلاکت (دین ودنیا کی تباہی) اس صورت میں ہے۔کہ نہ تو تمہیں آلِ محمدؐ کی بات برداشت ہوسکے، نہ تم آل محمدؐ کی بات کو سمجھنے پر خود تیار اور نہ تم آل محمدؐ کی حدیث کو اللہ ورسولؐ (قرآن وتعلیماتِ محمدیؐ) سے سمجھنے پر آمادہ۔اور لگو مجتہدانہ باتیں بنانے کہ قسم بخدا یہ نہیں ہوسکتا اور اللہ کی قسم یہ مطلب نہیں ہوسکتا۔اور یہی انکار ہے اور یہی کفر ہے‘‘۔

فما ورد عليكم من حديث آل محمدؐ فلانت له قلوبكم و عرفتموه فاقبلوه،وما اشمأزت منه قلوبكم وانكرتموه فردوه الى الله و الى الرّسولؐ وا لى العالم من آلؐ مّحمدؐ ـوا نّما الهالك أن يحدّث أحدكم بشيىءٍ منه لا يحتمله، فيقول: والله ما كان هذا،والله ما كان هذا،والانكار هو الكفر(كافى كتاب الحجة باب فيما جاء انّ حديثهم صعبٌ مستصعبٌ)

(ط) اللہ ورسولؐ کے ساتھ ہی آلِ محمدؐ یعنی اولی الامرؑ کی اطاعت وفیصلہ واجب ہے

اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہر وہ بات جو سمجھ میں نہ آئے، گراں گذرے اور قابل برداشت نہ ہو اس کا فیصلہ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس عالم پر چھوڑا جائے گا جو محمدؐ کی آلؑ میں سے موجود ہو۔ عملی اور ظاہری صورت میں یہ ہوسکتا تھا کہ اللہ اپنے رسوؐل کو وحی بھیج کر فیصلہ قرآن میں ریکارڈ کرا دیتا۔ یا رسولؐ اللہ اپنی حدیث سے فیصلہ کردیتے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ آل محمدؐ یعنی وہ حضراتؑ جو مباہلہ (**عمران 3/61**) میں گئے تھے یا آیت تطہیر (**احزاب 33/33**) کے مِصداق ہیں۔ وہ حضرت فاطمہ، حسن، حسین اور علی علیہم السلام ہیں۔ جو رسولؐ اللہ کی حیات میں موجود تھے۔ آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ تمام اختلافی صورتوں میں یہ حضرات بھی واجب الاطاعت ہیں۔ اور ان میں حضرت علیؑ بزرگ تھے۔ اور ان کی اطاعت وفیصلہ اس حدیث سے واجب ہے۔ حضرت فاطمہؑ زمانہ مرتضوی میں شہید ہوگئیں۔ حضرت علیؑ کے زمانہ ہی میں قرآن واِسلام مکمل ہوا اور آنحضرتؐ بھی شہید ہوگئے۔ اب ظاہر ہے کہ ساری اُمت پر قرآن اور حدیثِ رسولؐ اور حضرت علیؑ کی اطاعت واجب ہے۔ اور قرآن وحدیث سے جب اُمت کوئی صحیح فیصلہ کرنا چاہے تو اس مذکورہ بالا حدیث کی رو سے اُمت کو حضرت علی علیہ السلام سے رجوع کرنا اور ان کا فیصلہ قبول کرنا واجب ہے۔ اس لئے کہ اللہ ورسولؐ کے ساتھ اب آلِ محمدؐ کا عالم وہی جنابؑ ہیں۔ اور ان کے بعد جناب حسن علیہ السلام کا یہی مقام اور جناب امام حسین علیہ السلام ان کے بعد اس منصب پر بحکم رسوؐل متعین ہیں۔ یعنی آنحضرتؐ نے مندرجہ بالا حدیث میں 61 ہجری تک اللہ ورسولؐ کے ساتھ ساتھ رہنے والے سربراہانِ اِسلام کا تعین کردیا تھا۔ اور چونکہ حدیث میں کوئی خاص زمانہ متعین نہیں کیا گیا۔ لہٰذا قیامت تک آنے والے تمام انسان مخاطب ہیں کہ وہ آل محمدؐ کی حدیث کو اللہ ورسولؐ اور آلِ محمدؐ کے عالم سے سمجھیں اور ان کے فیصلہ کی اطاعت کریں۔ یعنی قیامت تک آلِ محمدؐ کا عالمؑ ہمیشہ موجود رہے گا۔ اور تمام نوعِ انسان پر اُس کی اطاعت واجب رہے گی۔

(ی) یہ حدیث قرآن کریم کی بہت سی آیات اور اولی الامر کی تفسیر وتعین کرتی ہے

قرآن کریم جن لوگوںؑ کو اہل الذکر کہتا ہے اور قیامت تک جن سے ہر ایسا سوال دریافت کرنے کا حکم دیتا ہے جس کا جواب اُمت میں کوئی بھی نہ جانتا ہو۔ (21/7، 16/43) وہ اس حدیث کی رو سے آل محمدؐ کا عالم ثابت ہوگیا۔ پھر قرآن کریم میں الذکر قرآن اور آنحضرتؐ کا ایک لقب ہے۔ (نحل 16/44، الطلاق 65/10-11) لہٰذا آلِ محمدؐ کا صاحبانِ قرآن اور صاحبانِ رسولؐ ہونا بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا۔ پھر اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْ آاَطِيْعُوااللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِمِنْكُمْ، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ... الخ (سورہ نساء 4/59)	۔" تمام ایمان لانے والے اللہ کی اطاعت کریں اور رسوؐل اور اولیؑ الامر کی

اطاعت کریں۔ چنانچہ جب بھی تم میں کسی بات پر تنازع ہو جائے تو تم اس جھگڑے والی بات کو اللہ اور رسولؐ (اور مندرجہ حدیث کی رو سے بھی) اولیٔ الامر کی طرف لاؤ''۔ اور چونکہ تینوں کی اطاعت واجب ہے۔لہٰذا اُن کے فیصلے پر عمل کرنا واجب سمجھو۔ اور تنازع کو ختم کردو۔ یہ تمہارے ایمان لانے کی شناخت اور بہترین دستور العمل ہے''۔(4/59)

قارئین اس آیت پر پہلے تو یہ سن لیں کہ یہی وہ آیت ہے جس کے بعد اُن مومنین کا ذکر ہوا تھا جو طاغوت کو اپنا دینی راہنما سمجھتے تھے اور رسولؐ کے فیصلوں کو آخری فیصلہ نہ سمجھتے تھے۔ پھر یہ دیکھیں کہ جن لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ اور رسولؐ اور اولیٔ الامر کی اطاعت کریں۔ وہ وہ لوگ ہیں جن میں اختلاف پیدا ہوسکتا ہے۔ اور اپنے اختلاف پر اختلاف کرنے والے گروہ یا افراد اس قدر مطمئن ہوسکتے ہیں کہ اپنے اپنے موقف پر استقلال سے قائم ہو کر ایک دوسرے کے خلاف الگ الگ فرقوں اور ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائیں اور یہی ہیں تنازع کے معنی۔ آپ اس حالت کو نزع کی حالت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جسم اور روح میں الگ الگ ہو کر اپنی جدا صورتوں میں تقسیم ہو جانے کا وقت ہے۔ اللہ نے امت میں تنازع کو ممکن فرمایا اور اس کا علاج وتدارک یہ بتایا کہ وہ لوگ اپنا اپنا فیصلہ صادر کرنے اور دو فرقوں میں بٹ جانے کے بجائے اللہ و رسولؐ اور اولیٔ الامر سے فیصلہ کرالیں اور جو حکم ملے اس پر عمل کریں۔ یہ بالکل وہی صورت حال ہے جو مندرجہ بالا حدیث کی تفہیم اور حکم میں پیش آئی تھی۔ یہاں بھی اولیٔ الامر کا موجود ہونا قیامت تک لازم ہے۔لہٰذا حدیث میں مذکور آلِ محمدؐ کا عالم ہی اولی الامر قرار پاتا ہے۔ انؐ کے علاوہ کسی اور فرد کو اولی الامر قرار دینا اس لئے بھی غلط ہے کہ اُس سے اور اُمت کے تمام افراد سے اِختلاف وتنازع اور غلط فہمی ممکن ہے۔لہٰذا تنازع کرسکنے والوں میں سے کسی کو اولی الامر بنا کر فیصلہ کا آخری اختیار دینا گویا نزع کو امت میں مستقل طور پر باقی رکھنا ہوگا۔ پھر یہ بات تجربہ سے بھی غلط ثابت ہوچکی ہے۔یعنی اُمت کے علماء کی کثرت نے بادشاہانِ اِسلام کو اولی الامر بنا کر دیکھا اور تنازع اور امت میں لازوال تفریق کا سبب بنے اور سینکڑوں کا فرتک کہنے والے فرقوں میں بٹ گئے اور ثابت کردیا کہ آلِ محمدؐ کے عالم کے علاوہ کوئی اور شخص ہرگز اولی الامر نہیں تھا نہ ہوسکتا ہے۔

(یا-11)اولی الامرؑ روزِ اول مقرر ہوا تھا، امت کے دانشوروں کا شکوہ

ساری دنیا جانتی اور مانتی ہے کہ جب اللہ نے تمام طبقات کے نمائندوں کو تنذیر وتبلیغ کا حکم دیا (وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ O(شعراء۔26/214)۔ تو آنحضرتؐ نے تمام حاضرین کو دعوت دی اور یہ بھی چاہا کہ حاضرین جلسہ ایک ایسا شخص تجویز کرکے رسولؐ کے سامنے پیش کریں جو آنے والے زمانے میں رسولؐ خدا کے بھائی، وزیر اور خلیفہ کا پارٹ کما حقہ ادا کر سکے۔لیکن یہ نمائندگانِ قبائل اور سردارانِ عرب بار بار کہنے پر بھی آنحضرتؐ کے اُس بنیادی مطالبہ کو پورا نہ کرسکے چنانچہ روزِ اوّل سے مقرر و متعیّن شدہ ہستیؑ کی تین بار پیش کردہ خدمات کو شرفِ قبولیت بخشا گیا۔ اور یہ اعلان کردیا گیا کہ۔'' دیکھو یہ علیؑ ہے آج

سے میرا بھائی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہے۔ تمہیں چاہئے کہ اس کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں‘‘۔(تواریخِ اِسلام)اس اولین اور بنیادی فرمان کو کفارِ مکہ اور مشرکینِ قریش کے بزرگوں، سرداروں اور دانشوروں نے تو سو فیصد صحیح سمجھا لیکن طاغوتی مومنین نے ہمیشہ اسے سمجھنے اور ماننے سے انکار کیا۔ کفار نے جو کچھ سمجھا اس کا نچوڑ وہ جملہ تھا جو حضرت ابو طالب علیہ السلام سے بطور طنز کہا گیا تھا کہ۔’’لیجئے آج سے آپ اپنے بیٹے کی اطاعت کیا کریں اور اس کی بات ادب سے سنیں اور جو حکم دے تعمیل کریں‘‘۔ (تواریخِ اِسلام) فرمانِ نبویؐ اور آیات سے اولیٰ الامر کے معنی سمجھنے میں اگر طاغوتی ایمان رکاوٹ بنتا ہے تو اس کفر سے مدد لے لیں جو یہ بتاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزِ اول ہی سے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا بھائی، اپنا وزیر، اپنا خلیفہ بلافصل اور اولیٰ الامر بنا دیا تھا۔ اور اولیٰ الامر کے معنی یہ تھے کہ اللہ و رسولؐ پر ایمان لانے والا ہر شخص خواہ بڑا بزرگ ہو، سردارِ قوم ہو یا خود والد ہو، اولیٰ الامر کی اطاعت کریگا۔ اسے اللہ و رسولؐ کے ساتھ بلافصل مطلق آمر سمجھ کر اس کا حکم (امر) بجا لائے گا۔ افسوس کہ اس بات کو مومن آج تک نہ سمجھے مگر کافر روزِ اول ہی سمجھ گئے تھے اور طے کر لیا تھا کہ سب کچھ مانیں گے لیکن علیؑ کی آمریت کو فنا کر کے چھوڑیں گے۔ چنانچہ ان ہی کافروں کے جانشین اولی الامر بننے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

(بیب-12) اولیٰ الامر تو بڑی بات ہے اُمت کے کسی فرد کو امر سے جزوی حصہ بھی نہیں ملا

قرآن کریم اور صحابہ رسولؐ اس پر گواہ ہیں کہ احتجاج اور ہر قسم کی کوششوں کے باوجود صحابہ رسولؐ کو امرِ خداوندی سے الگ اور مامور (حکم ماننے والا) رکھا گیا تھا۔ قرآن سے ملاحظہ کریں:۔ (قارئین یہاں یہ واقعہ قرآن سے خود دیکھیں)

۔’’یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ...... یَقُوْلُوْنَ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا۔ الخ (آل عمران، 3/154)

۔’’صحابہٴ رسولؐ کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے (مضارع کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کی بات کرتا ہے ۔ مصنف) کہ کیا ہمیں امر میں سے کچھ بھی نہیں دیا گیا ہے؟ (مطلب یہ کہ ہمیں امر و آمریت سے قطعاً و کلیتاً محروم و بے بس رکھا گیا ہے۔ پھر اسی سانس میں بتاتے ہیں کہ)۔’’اگر ہمیں امر و آمریت میں ذرا سا بھی اختیار ہوتا تو یہاں (جنگ احد میں) اس بُری طرح ہمارا قتلِ عام نہ ہوا ہوتا‘‘۔ (آل عمرآن 3/154)

قارئین سوچیں کہ یہ احتجاج کرنے والے وہ بزرگانِ قوم ہیں۔ جو قوم کے افراد کے قتل کو اپنا قتل قرار دے رہے ہیں۔ اور اعلان کر رہے ہیں کہ امر و آمریت سے آنحضرتؐ کے صحابہ اور سردارانِ قوم و ملت بھی محروم ہیں۔ اور یہی احتجاج اور جذبہٴ انتقام تھا کہ جس طرح ہو سکا آخر یہ حضرات امر و آمریت کے مالک ہو گئے اور دل بھر کر انتقام لیا اور آج تک میدان مقابلہ میں ڈٹے ہوئے ہیں ۔

(تیج-13) تنازع کرنے والے لوگ اولیٓ الامر نہیں بلکہ مامور (ماتحت) رہنا چاہئیں

آپ کو یاد ہے کہ اولیٓ الامر والی آیت (4/59) میں اللہ، رسولؐ اور اولیٓ الامر کی اطاعت اس لئے قیامت تک ساری امت پر واجب کی گئی تھی کہ امت کے ہر فرد کے لئے اختلاف کرنا، غلط فہمی میں یقین کی حد تک مبتلا ہوجانا اور تنازع کی حد تک جا پہنچنا ممکن ہے۔ اور اللہ و رسولؐ اور اولیٓ الامر میں غلطی، اختلاف اور تنازع واقع ہونا ناممکن ہے۔ یہ سبب تھا کہ امت پر یہ بھی واجب ہوا کہ وہ اپنا ہر اختلاف، ہر تنازع اور ہر جھگڑا اُن ذواتِ مقدسہؑ سے طے کرائے جو ممکن الخطا نہیں، جو کسی صورت میں غلطی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اب یہ دیکھ لیں کہ صحابہ رسولؐ خود آپس میں اور رسولؐ اللہ کی تعلیم میں بھی تنازع کرتے چلے آ رہے تھے۔ فرمایا گیا کہ:۔

حَتّٰیٓ اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَ تَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَعَصَیۡتُمۡ مِّنۡ بَعۡدِ مَآ اَرٰکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَاوَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ (3/152) اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰکُمۡ (3/153) وَطَآئِفَۃٌ قَدۡ اَھَمَّتۡھُمۡ اَنۡفُسُھُمۡ یَظُنُّوۡنَ بِاللّٰہِ غَیۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاھِلِیَّۃِ یَقُوۡلُوۡنَ ھَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَیۡءٍ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ ؕ یُخۡفُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِھِمۡ مَّالَا یُبۡدُوۡنَ لَکَ ؕ یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ کَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا ھٰھُنَا (3/152-154)

۔"یہاں آ کر تم نے بطور احتجاج بُزدلی دکھائی اور امر وآمریت کا تنازع کھڑا کر دیا اور تم نے اپنی محبوب لوٹ مار کے موقعہ کو سامنے دیکھ کر اللہ و رسوؐل کی نافرمانی کا گناہ بھی کیا۔ تم میں وہ بھی ہیں جو دنیا میں اقتدار وحکومت حاصل ہونے کی امید میں اِسلام لائے اور یوں آمریت طلب کر رہے ہیں اور تم میں ہی وہ مومنین ہیں جو اپنی آخرت وعاقبت سنوارنے کے لئے ایمان لائے ہیں۔ جب تم لاشوں پر سے دوڑتے ہوئے پہاڑ پر چڑھے جا رہے تھے اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے اور محمدؐ رسولؐ اللہ تمہارے پیچھے سے تمہیں واپس بلا رہے تھے۔ اور ایک وہ مومنین کا گروہ تھا جنھوں نے اپنی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کے متعلق بھی باطل تصورات کا اعلان کرنے کی ہمت کی اور زمانہ جاہلیت والا اعتقاد اختیار کر لیا اور کہا کہ کیا ہمیں امر وآمریت میں کوئی اختیار دیا گیا ہے؟ اللہ نے کہلوایا کہ ان کو بتا دو کہ امر وآمریت کلیتًا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اے رسولؐ ان کے دلوں میں جو قومی اقتدار وحکومت قائم کرنے کا منصوبہ پوشیدہ ہے۔ وہ آپ پر ظاہر نہیں کرتے بلکہ سیاسی طور پر بات یوں کرتے ہیں کہ اگر ہمارے لئے امر میں اختیار ہوتا تو یہ قتل عام اور شکست ہی نہ ہوتی۔ اِس لئے ہم بھاگ گئے تھے"۔

قارئین دیکھیں کہ ان لوگوں کی کوشش کے باوجود قرآن نے انہیں اولی الامر تو کہاں؟ امر وآمریت میں کوئی عارضی حصہ بھی نہ دیا لہٰذا ہر وہ روایت خانہ ساز اور بادشاہانِ مابعد کی جھوٹی کہانی ہے۔ جس میں آلِ محمدؐ کے سوا کسی اور کو اولیٓ الامر

کہا گیا ہو۔ اللہ ورسولؐ کی طرح جن اولی الأمر کی اطاعت اُمت کے ہر فرد پر قیامت تک واجب ہے وہ آل محمدؐ کے آئمہ علیہم السلام ہیں۔ ویسے دنیا میں بہت سے حکمران گذرے ہیں۔ اُن میں اچھے بھی تھے۔ بُرے بھی۔ عادل بھی تھے ظالم بھی۔ کافر بھی تھے مُسلم بھی۔

اس تفصیل میں آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کی پوزیشن کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہوگیا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ملت شیعہ کے اندر ایک ایسا گروہ موجود تھا۔ جیسا کہ آج علامہ محمد حسین ڈھکو کی سر پرستی میں موجود ہے۔ جو ہر حدیث کو قبول نہیں کرتا اور تعلیماتِ قرآن سے بھی موازنہ نہیں کرتا۔ بلکہ خود اپنی ذاتی رائے اور اپنے بزرگوں کے مجتہدانہ اقوال کے ماتحت احادیث معصوم علیہم السلام میں طرح طرح کی چوں وچرا کر کے انہیں رد کر دیتا ہے۔ حالانکہ محمدؐ باقر علیہ السلام نے حدیث کے ایسے انکار کو کفر اور کافروں کا ایسا کام فرمایا ہے۔ جس سے دین ودنیا دونوں میں ہلاکت لازم آتی ہے۔ لہٰذا مومنین کو چاہئے کہ وہ اس قسم کے نام نہاد شیعہ علماء کو گمراہ اور گمراہ کنندہ اور دشمنانِ آل محمدؐ سمجھیں اور انہیں تحریری طور پر توبہ پر مجبور کریں۔

(9) نواں معصومؑ اصول

احادیث میں مخاطب کا علم وفہم اور عقلی مقام مدِّنظر رہا ہے

ہمارے قارئین یہ بھی سمجھ لیں کہ تعلیماتِ خُداوندی میں ہر ایک انسان کو اس کی عقل وفہم اور علم کے معیار پر ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ دین کے احکام اُس وقت واجب التعمیل ہوتے ہیں جب آدمی حدِّ بلوغ یعنی عقل کی پختگی تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی لئے بچپن کے زمانہ میں بچوں کو معصوم کہا جاتا ہے۔ اور بہت سی غلط باتوں پر نہ بُرا کہا جاتا ہے نہ سختی وشدت سے منع کیا جاتا ہے۔ وہ حضرت آدمؑ اور ان کے بعد والے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی طرح پہلے قریب ترین اور مفید وضروری چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ اُن میں آپس کا فرق نوٹ کرتے ہیں، نام یاد کرتے ہیں۔ اماں، ابا، اعزا واقربا، اپنے جسم کے اعضا اور کھانے پینے کی چیزوں کو ذہن میں محفوظ کرتے ہیں۔ اپنی حفاظت اور ربوبیت کرنے والوں سے بے زبانی کے عالم میں محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر چیزوں کو طلب کرنے کے اشارے اور الفاظ کے ذخیرہ کو زبان سے ادا کرنا شروع کرتے ہیں۔ پسند وناپسندی کو اختیار کرتے ہیں۔ یوں رفتہ رفتہ ذمہ داری کی طرف بڑھتے ہیں۔ اپنی کمزوری اور بے بسی کو ناپسند کرتے ہیں۔ غلطیوں پر رنجیدہ وملول ہوتے ہیں۔ اپنے اوپر بھی غصہ کرتے ہیں۔ جو بات ٹھیک سے سمجھ چکتے ہیں اُس پر قائم ہوجاتے ہیں۔ اور اُس کی خلاف ورزی پر ڈانٹ ڈپٹ کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ الغرض جس قدر عقل وعلم وفہم بڑھتا جاتا ہے اسی قدر ذمہ داری قبول کرتے جاتے ہیں۔ یہ تحصیل علم وعقل وفہم مرتے دم تک جاری رہتی ہے۔ اور یوں انسان ان تمام سابقہ تعلیماتِ خداوندی سے گذرتا ہوا

ایک دن تعلیمات خُداوندی کی آخری قسط کو سمجھنے اور اختیار کرنے کے درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اور اس درجہ میں بھی حسبِ سابق اور حسبِ علم وعقل وفہم ذمہ دار بنتا چلا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جو بات ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے اور علم وعقل وفہم کی طرح ہمیشہ ترقی کرتی جاتی ہے وہ اس کی قوت وطاقت ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے علم وفہم وعقل میں ایک بات ضروری ہو، مفید ہو یا مضر ہو۔ لیکن اگر اس میں اس بات پر عمل کرنے یا اس سے بچنے کی طاقت نہ ہو۔ تو اس کی خطا ہے نہ ذمہ داری ہے نہ اس سے باز پرس کی جاسکتی ہے۔ ایک چیز اور ہے جو عقل وفہم وعلم وطاقت کی طرح اس کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ اور وہ اس کا ماحول وحالات ہیں۔ یہ بھی انسانی زندگی پر برابر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اس کی طاقت سے باہر ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ مجبوری کے عالم میں بھی اس سے مواخذہ اور ذمہ داری ساقط ہوجاتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ عقل وفہم وعلم وطاقت وسازگار حالات کے باوجود انسان بعض وقت بھول جاتا ہے۔ غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ دھوکہ کھا جاتا ہے۔ یعنی بلانیت وارادہ کے کوئی غلط عمل اس سے سرزد ہوجاتا ہے۔ ان صورتوں میں بھی وہ مجرم نہیں ہوتا۔ یہ تمام وہ کمزوریاں اور فطری ضرورتیں ہیں جو اگر اس میں نہ ہوتیں تو اس کی ترقی جانوروں کی طرح محدود ہوجاتی۔ بچپن سے موت تک ناطاقتی اور کمزوری کا احساس اور تجربہ اس کے قلب وذہن میں لامحدود قوت حاصل کرنے کی لگن پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ حالات وماحول کی مجبوریاں اسے ساری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کا جذبہ دیتی ہیں۔ کم علمی وکم فہمی وکم عقلی سے اس کو برابر نقصان پہنچتا ہے۔ لہٰذا وہ علم وعقل میں بھی اپنے ماحول پر چھا جانا چاہتا ہے۔ بہرحال تعلیماتِ خُداوندی اس کے علم وعقل وفہم وطاقت وحالات کے تناسب سے عاید ہوتی ہیں۔ اسی لئے مولویانہ زبان میں یہ کہا جاتا ہے کہ دین کے احکام ایک عاقل وبالغ وآزاد شخص پر واجب ہوتے ہیں۔ اس قول میں اور اپنی اکثر تبلیغ میں مولانا حضرات نہ صرف سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات، یعنی ہزاروں سال کے علم وحکمت کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ بلکہ وہ تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے چالیس سال بھی منفی کردیتے ہیں۔ بلکہ ان کے پاس مکہ معظمہ کی زندگی کے تیرہ سال کی تعلیمات بھی نہیں ہیں۔ یعنی علمائے کرام نے حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرتؐ کی زندگی کے ترپن (53) سال تک تمام تعلیمات خداوندی پر حرف غلط کی طرح قلم تنسیخ پھرادیا ہے۔ وہ یہ سمجھنے کا موقعہ دیئے بغیر کہ اللہ کیا ہے؟ کیسا ہے؟ کیوں ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ کیوں چاہتا ہے؟ اپنے چاہنے اور نہ چاہنے کی اطلاع کیسے دیتا ہے؟ وحی کیا ہوتی ہے؟

ایک دم ﴿لاَ اِلٰـهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ وغیرہ منہ سے کہلوا کر نماز رٹا کر روزہ رکھوا دیتے ہیں۔ کچھ دولت پاس ہو تو قربانی کروا کے کھال اتار لیتے ہیں۔ زکوٰۃ وصول کرکے، حج پڑھوا کر، جنگ میں شہید کرا کر، بے دیکھی بھالی اور بے سمجھی بوجھی جنت میں جانے کا سرٹیفکیٹ دے دیتے ہیں۔ اور جو کسی حکم کی وجہ دریافت کرلے یا سمجھ چکنے سے پہلے مولانا کا حکم ماننے سے انکار کردے۔ اسے پھر کافر وگردن زدنی کا حکم دے کر اپنے تیار کردہ جہنم میں بھیج دیتے ہیں۔ مرداں چنیں کنند؟۔

(1) اللہ کا طریقہ

مندرجہ بالا فطرت کے مطابق اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

۔''اللہ کسی صاحبِ حیات کو اس کی وُسعتوں سے زیادہ ذمہ داری نہیں دیتا۔ جو کچھ کسی کی کمائی ہے۔ وہ اسی کے لئے ہے اور وہ اسی کا ذمہ دار ہے''۔ مالی ذمہ داری کے لئے بھی یہی فرمایا گیا کہ۔ ۔''اللہ نے جس کو جس قدر دیا ہے۔ اس پر اسی قدر ذمہ داری ہے۔

(1) لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ. الخ (سورہ بقر 2/286)
(2) لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا O (طلاق 65/7)

ذمہ داریاں پوری کرنے اور زیادہ ذمہ دار بننے والوں کو بہت جلد تنگدامنی سے نکال کر سہولتیں فراہم کردوں گا''۔

اسی اصول کو مُعلّمینِ اِسلام علیہم السلام نے یوں بھی بیان فرمایا ہے کہ:۔

۔''امام محمدؑ باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ قیامت کے دن اپنے بندوں کا حساب ان کی اس عقل کے معیار پر لے گا جو اُنہیں دنیا میں دی گئی تھی''۔ لفظ حساب فرما کر آپؑ نے انسان کی وہ تمام ذمہ داریاں بیان فرمادیں جو اس کی پوری زندگی میں اس پر عاید ہوتی ہیں۔

عن ابی جعفرؑ قال انّما يداقّ اللّٰه العباد فی الحساب يوم القيامة علی قدر ما آتاهم من العقول فی الدنيا (کافی کتاب العقل و الجهل پہلا باب حدیث نمبر ۷ طبع طہران)

(2) انبیاءؑ وآئمہؑ کا طرزِ عمل

چونکہ انبیاء وآئمہ علیہم السلام عین منشائے خُداوندی کی تعمیل فرماتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی انسانی فطرت اور اللہ کی رضامندی کے ماتحت تعلیمات الٰہیّہ کو پہنچاتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

۔''حضرت امام جعفرؑ صادق فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے بندوں کے ساتھ ہرگز اپنی عقل کے معیار پر کلام نہیں کیا بلکہ انہوںؐ نے فرمایا تھا کہ ہم گروہ انبیاؑء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ اُن کی اپنی عقلی سطح کے مطابق بات کیا کریں''۔ (اس لئے کہ) ۔''اللہ نے کسی نبیؐ یا رسولؐ کو اُس وقت تک مبعوث ہی نہیں کیا جب تک اس کی عقل کو درجہ

عن ابی عبداللّٰه عليه السلام قال : ما كلّم رسولؐ اللّٰه العباد بكنه عقله قطّ، و قال قال رسولؐ اللّٰه انّا معاشر الانبيآء اُمرنا أن نكلّم النّاس علٰی قدر عقولهم (ایضاً حدیث نمبر ۱۵) (اس لئے کہ) و لا بعث اللّٰه نبيًا و لا رسولاً حتّٰی يستكمل العقل و يكون عقله أفضل من جميع عقول اُمتّه و ما يضمر النبی صلی اللّٰه عليه و آله فی نفسه أفضل من اجتها د المجتهدين. الخ (ایضاً حدیث نمبر ۱۱)

تکمیل تک نہ پہنچا دیا۔اور جب تک اس کی عقل اس کی اُمت کی مجموعی عقل سے افضل نہ ہوگئی۔اور جتنا کچھ آنحضرتؐ کے نفس مبارکؐ میں مضمر تھا۔وہ تمام مجتہدین کے اجتہاد میں جو کچھ سما سکتا تھا اس سے بھی افضل تھا''۔

(3) معصومینؑ کے صحابہؓ کا طریقہ

انبیاؑ وآئمہؑ کے طریقہ کو ان کی طرف سے تبلیغ پر متعیّن صحابہ نے بھی جاری رکھا۔اور جہاں کہیں اور جب کبھی ضرورت پیش آئی آیات واحادیث کا حقیقی منشاء ومقصد سمجھانے کے لئے آیات واحادیث کے الفاظ کو اپنے مخاطب کی عقل وفہم کے لئے آسان زبان میں ترجمہ کرکے سمجھا دیا اور ایسا کرنے ،یعنی مخاطب کے لئے مشکل الفاظ کو سہل الفاظ میں تبدیل کرنے کی سند بھی معصومؑ سے حاصل کرلی۔

چنانچہ۔'' جناب محمدؐ بن مسلمؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے

> **عن محمدبن مسلم قال:قلت لابی عبدؒاللہ اسمع الحدیث منک فأزید و أنقص؟ قال: ان کنت ترید معانیه فلا بأس۔**

عرض کیا کہ کیا میں آپؐ سے آپؐ کی حدیثیں سن کر ان میں کمی اور زیادتی کرسکتا ہوں؟ فرمایا کہ تیرا مقصد حقیقی معانی کو پہنچانا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے''۔

دوسرے صحابی داؤدؓ بن فرقد نے یہ کہا کہ۔''حضورؑ میں آپؐ کا کلام سن کر چاہتا ہوں کہ اسی طرح دوسروں کو سناؤں جیسا کہ آپؐ سے سنا تھا۔مگر وہ الفاظ نہیں آتے۔فرمایا

> **انی اسمع الکلام منک فأُرید أن أرویه کما سمعته منک فلا یجییء :قال:فتعمد ذٰلک؟ قلت لا ۔ فقال ترید المعانی؟ قلت: نعم، قال فلا بأس۔**

کہ کیا تم ارادتاً ہمارے بولے ہوئے الفاظ سے لاپرواہی کرتے اور بھول جاتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں۔فرمایا کہ کیا تمہارا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ معانی محفوظ رہ جائیں؟ میں نے کہا جی ہاں۔فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

(کافی کتاب العقل باب روایة الکتب والحدیث حدیث نمبر 3-2)

(4) نواں اصول سمجھ لینے کے بعد نظامِ اجتہاد دھوکہ نہیں دے سکتا

قارئین یہاں ٹھہر کر یہ سوچیں کہ اگر انبیاء وآئمہ علیہم السلام پر اور خود ہم پر اس اصول کی تعمیل واجب ہے؟ اور اللہ کے حکم اور فطرت کے تقاضہ کے مطابق یقیناً واجب ہے۔تو کیا ہم اور ہمارے راہنماً نوع انسان کے ہر طبقہ اور پھر ہر ہر طبقہ کے مختلف الحال افراد کی علمی وعقلی پوزیشن سے واقفیت کے بغیر تعلیماتِ خداوندی پہنچا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ہم تو اپنے محدود علم وعقل وفہم وقوت وحالات کے ماتحت ایک محدود دائرہ تک تبلیغ کے فرائض انجام دے سکیں گے۔اور اس میں بھی ہمیں قدم قدم پر معصومؑ

راہنمائی کی ضرورت پیش آتی رہے گی۔ چنانچہ میرے سامنے بھی یہ کتاب لکھتے وقت یہی دقت کھڑی ہوئی ہے کہ نہ معلوم قارئین حضرات میرے بیانات بحیثیت مجموعی سمجھیں گے بھی یا نہیں؟ ایک قاری کم سِن دوسرا مُسِن ہوسکتا ہے۔چھٹی ساتویں جماعت سے لے کر **ایم۔ایس۔سی** کے درجہ کے قاری ہوسکتے ہیں۔ڈاکٹر کو اس کتاب کے پڑھنے سے روکا نہیں جاسکتا۔کاشتکار کی اردو، فلاسفر سے مختلف ہوتی ہے۔اوسط درجہ کے لوگوں اور رؤسا کے مذاق میں فرق ہوتا ہے۔مُقلِد اور مجتہد ایک طرح نہیں سوچتے۔ میرا مطلب واضح ہے کہ جس طرح ایک ہی مرض کے مختلف الحال ،مختلف المزاج اور مختلف العمر مریضوں کو ایک ہی نسخہ نہیں دیا جاسکتا۔سب کو ایک ہی غذا اور پرہیز نہیں بتایا جاسکتا۔بالکل اسی طرح ہر دینی مسئلہ کا ہر حال میں اور ہر شخص کے لئے ایک ہی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ پھر سوال کرنے والا تو آزاد ہے کہ وہ جس فن یا علم اور مشکل پر سوال دریافت کرلے۔اس کو نہ سوالات سے روکا جائے گا اور نہ جواب سے محروم کیا جائے گا۔مثلاً سائل ایک مجتہد ہے اور اس کے ذہنی ماحول پر اصول فقہ چھائے ہوئے ہیں لیکن وہ سوال کرتا ہے گردش ایام پر۔موسمیات کے ہیر پھیر پر۔اب جواب دینے والا اگر وہ زبان اور اصطلاحات کام میں لائے جو صحیح جواب کے لئے اس علم کی رو سے ضروری ہیں تو مجتہد کچھ نہ سمجھے گا۔اسی طرح ایک حجام کو اصول فقہ سمجھانا بڑا کٹھن مرحلہ ہوگا۔لہٰذا جواب دینے والے کا کمال یہ ہوگا کہ وہ حجام اور مجتہد دونوں کے لئے ایسی زبان میں گفتگو کرے کہ دونوں متعلقہ سوالات کا جواب بھی سمجھ جائیں۔اور جو کچھ سمجھیں اسے اپنے حلقہ کے مجتہدین ومقلدین اور حجاموں اور حجامت کرانے والوں کو بھی سمجھا سکیں۔لیکن یہ قدرتی امر ہے کہ مجتہد اور حجام سے سن کر لوگوں کو وہ لطف واطمینان حاصل نہ ہوگا جو اس کے بیان میں تھا جس سے انہوں نے سنا یا سیکھا تھا۔انسانی طبقات وحالات کے تفاوت عقل کی بنا پر جو جوابات دیئے گئے تھے وہ تمام مخاطب سائلین کے اطمینان وترقی کے لئے کافی تھے۔لیکن جب اس قسم کے جوابات کسی ایک عقلی سطح کے شخص کے سامنے آتے ہیں تو وہ اس لئے گھبرا اُٹھتا ہے کہ وہ خود کو ان مختلف عقلی مدارج رکھنے والوں کی جگہ نہیں رکھ سکتا جن کو وہ جواب مطمئن کرسکتے تھے۔مثلاً ایک فلاسفر کو جو جواب دیا گیا ہے وہ ایک کاشتکار کی الجھن کا باعث بن جاتا ہے۔الجھن کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ مجتہد یا مجتہد قسم کے لوگ اور اہل صنعت وحرفت حضرات اپنی روزمرہ کی زبان میں چند خود ساختہ اصطلاحات اور مخصوص الفاظ استعمال کرتے رہتے ہیں اور ان لوگوں سے متاثر لوگ بھی ان کے خود ساختہ الفاظ بولنے لگتے ہیں۔تاکہ وہ بھی عالمانہ زبان بولنے کا اعزاز حاصل کرلیں۔لہٰذا ایک ہی مطلب کے لئے کئی کئی الفاظ پبلک میں پھیل جاتے ہیں۔اور بعض صورتوں میں مشکلات پیدا کردیتے ہیں۔مثلاً ہم ایک کاغذ پر کچھ ہندسے اور اعداد لکھ کر ایک شخص کو دیں اور اس سے کہیں کہ۔''اُسے حل کرکے ایک گلاس پانی لاؤ''۔ اور وہ شخص جا کر ان ہندسوں اور اعداد کو کوئی سوال یا معمہ سمجھ کر حساب کرنے بیٹھ جائے اور جمع تفریق وضرب تقسیم کے قواعد پر جانچنا شروع کردے۔یہی بات اگر اس شخص سے کہی گئی ہوتی جو ہمیں ایک بزرگ عامل اور مستجاب الدعوات سمجھ کر ایک

آسیب زدہ مریض کو لایا اور وہ مریض ہمارے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا معائنہ کرکے ہم نے وہ کاغذ تیار کرکے اسے دیا اور کہا تھا کہ جاؤ۔''اسے حل کرکے ایک گلاس پانی لاؤ''۔تو وہ شخص صحیح سمجھتا اور اس کاغذ کو نقش یا تعویز سمجھ کر پانی میں گھول کر لاتا اور خود بخود یہ سمجھے ہوئے ہوتا کہ وہ پانی کا گلاس اس مریض کو پلایا جائے گا اور یہ کہ غالباً وہ آسیب اسی وقت علیحدہ ہوجائے گا۔ ورنہ وہ تعویذ لکھ کر دے دیا جاتا اور گھر آ کر مریض کو پلایا جاتا۔ اسی قسم کی کئی باتیں وہ از خود سمجھ سکتا تھا۔مگر وہ دوسرا شخص حساب دان تھا۔ وہ لفظ۔''حل''۔کے ان معنی پر متوجہ ہوگیا جو اس کی روزمرہ زبان میں استعمال ہوتے تھے۔ یہ دِقّت ان دونوں اشخاص کے ماحول وحالات وعقلی تفاوت نے پیدا کی ہے۔ ان تمام انسانی اور فطری دقتوں کو اپنے سامنے رکھ کر نظامِ اجتہاد کے ماہرین نے قرآن وحدیث میں اختلاف اور تعارض وتضاد دکھانے کے لئے اصولِ فقہ تیار کیئے اور نہایت چابکدستی ومتانت کے ساتھ پورا زور اس پہلو پر صرف کردیا کہ قرآن کی آیات اور احادیث معصومین علیہم السلام اس قابل نہیں ہیں کہ کوئی سیدھا سادہ ان پڑھ یا غیر مجتہد شخص ان دونوں سے کوئی صحیح اور یقینی فیصلہ یا حکم سمجھ سکے اور اپنی پیچ در پیچ بحثوں سے لوگوں کو اس قدر خوفزدہ کردیا کہ وہ قرآن وحدیث سے کلیتاً دست کش ہوکر بیٹھ گئے۔ چونکہ قرآن کے معنی سمجھنے کی کوشش میں ہر قدم پر یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ہم اپنے حجۃ اللہ، آیت اللہ اور نائب امامؑ زمانہ کے حکم کے خلاف مطلب اخذ نہ کرلیں۔قرآن فہمی امت میں شجرِ ممنوعہ بن گئی۔صرف بے معنی قرآن پڑھ کر ثواب مل جانے کا یقین دلا دیا گیا اور اس قسم کی قرأت وتلاوت کا مجتہدانہ نام۔''ناظرہ''۔رکھ دیا گیا۔ چنانچہ آج ماشاء اللہ بفضل علمائے مجتہدین امت کے ننانویں اعشاریہ نو فیصد (99.9%) مسلمان علوم دینیہ اور عربی سے ناواقف ہیں اور مولانا مودودی کے سفر نامہ حجاز کی سند سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ خود ممالک عربیہ کے باشندے بھی قرآن فہمی میں ہندوستانی مسلمانوں سے بدتر نہیں تو برابر ضرور ہیں یعنی یہ (99.9%) والی تعداد یوں بھی صحیح ہے۔علمائے مجتہدین نے امت کی کثرت (شیعہ وسُنی دونوں) کو اپنی تقلید وہدایت کے سہارے دین سے جاہل رکھا۔اور بے سمجھی کی نماز پڑھنے کے علاوہ ان کے پاس اِسلام کی کوئی چیز نہ رہنے دی۔ یہ بھی اس لئے کہ نماز کے بہانے ان کی مسجدیں بنتی رہیں۔پیش نمازی کرنے سے مادی کنٹرول برقرار رہے۔ٹیکس کی وصولی کے اڈے قائم رہیں۔وعظ وپند وطعن وطنز سے مسلمانوں کو مفید عقائد کی تلقین کے مواقع رہیں۔فرقوں کو آپس میں لڑانے اور چندے وصول کرنے کی اسکیم جاری رہے۔تقلید کو مستحکم کرانے اور نظام اجتہاد کی بالادستی قائم رہے۔ ورنہ حقیقتاً اِن حضرات کو نہ نماز سے کوئی دلچسپی ہے۔نہ اللہ ورسولؐ اور امام زمانہ علیہ السلام سے کوئی تعلق ہے۔ وہ نہ شیعہ ہوتے ہیں۔نہ اہل سُنت ہوتے ہیں۔ان کا مذہب اجتہاد ہوتا ہے۔اور وہ مجتہد ہوتے ہیں۔جس مذہب میں رہتے ہیں۔اسی کا اعزازی لیبل لگا لیتے ہیں۔اور اپنی حکومت واقتدار کے لئے۔''پھوٹ ڈالو اور کماؤ(DIVIDE & RULE) کے اصول''۔ پر عمل کرتے رہتے ہیں۔

(10) دسواں معصومؑ اصول۔ احادیث اور آیات میں شُبہات اور شکوک

مومنین کے لئے لازم ہے کہ ہر اس شخص سے ہوشیار رہیں جو آیات اور احادیث کو اُن عقائد اور مسلمات کے خلاف بیان کرے جو اُمت کی کثرت میں مشہور اور متفقہ ہے۔مثلاً آیات واحادیث کا ایسا مفہوم بیان کرے جس سے قرآن کریم کی ہمہ گیری محدود کی جارہی ہو۔قرآن میں کسی قسم کی کمی یا نقص بتایا جائے۔یا یہ کہا جائے کہ قرآن کا فلاں حکم ساقط ہوگیا تھا۔اب اس حکم پر عمل نہ ہوگا۔پھر ان تمام لوگوں کو مکذبِ قرآن اور فریب ساز یا فریب خوردہ سمجھنا لازم ہے جو قرآن کو نا قابل فہم قرار دیں۔ اور اپنی عقل وفہم کو سند قرار دیں۔چونکہ کلام اللہ اور کلام معصومینؑ ایک ہی حقیقت کے دوصفاتی نام ہیں۔اس لئے ہر وہ قول نا قابل قبول ہے جو احادیث اور قرآن میں یگانگت اور ہم آہنگی کے خلاف ہو۔جو احادیث وآیات میں اختلاف وتضاد پیدا کرتا ہو۔جو اللہ کو رسولؐ کے خلاف اور رسوؐل کو اللہ کے خلاف لاکھڑا کرے۔جو انبیاء علیہم السلام اور محمدؐ وآل محمدؐ کو الگ رکھ کر اللہ سے براہ راست تعلق اور رابطہ ثابت کرتا ہو۔(نساء 4/150-151،فرقان 25/27-30)

(الف) وہ مسلمان گروہ جو قرآن وحدیث کو مشکوک کرتا چلا آیا ہے

ہم نہایت مختصر مگر مستند طور پر یہ بتانے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ مسلمان حکومتیں اپنی حاکمانہ پالیسی کو اللہ ورسولؐ یا قرآن وحدیث کی سند سے مسلمانوں پر نافذ کرنے میں انسانی عقل وفکر پر منحصر رہتی چلی آئی ہیں۔مگر چونکہ وفاتِ رسوؐل کے بعد دانشورانِ قوم اپنے قرآن میں مذکورہ عقیدہ پر عمل پیرا ہوگئے۔یعنی اب اللہ کی طرف سے راہنمائی کا نہ کوئی نظام برسرکار ہے اور نہ ایسے الٰہی نظام ہدایت وتقلید کی اب کوئی ضرورت ہے۔لہٰذا انہوں نے خود کو رسوؐل کی جگہ رکھ کر قرآن کی بے خدا تفسیر وتعبیر وتنفیذ کا کاروبار سنبھالا۔اور جو کچھ قرآن وحدیث سے سمجھا، اس اپنی انفرادی یا اجتماعی سمجھ کو اللہ کا حکم، اللہ کی منشا اور رضامندی سمجھ کر نافذ کرتے چلے آئے۔اور یکے بعد دیگرے پوری کوشش اور تمام ممکنہ قوتوں کے ساتھ اصلاح میں مصروف رہ کر چودہویں صدی کے اختتام تک آپہنچے۔اس دوران کیا کیا ہوا؟ قرآن میں مذکورہ انعامات وہدایت اور تسخیر کائنات اور دیگر مذاہبِ عالم اور غیر مسلم اقوام کے مقابلہ میں اُمت کس حد تک بالادستی حاصل کرسکی؟ یہ ایک داستان رنج والم اور ناکامی ونامرادی کا ایک شرمناک ریکارڈ ہے۔جسے ہم نے چھ سات سو صفحات (**مذہب شیعہ ایک قدیم تحریک اور ہمہ گیر قوت**) میں نہایت اختصار سے قلم بند کردیا ہے۔اور یہاں بھی دو جملوں میں یہ کہانی کہہ کر آگے بڑھ جائیں گے۔اوّل یہ کہ اگر ساری امت کو ایک جگہ جمع کیا جائے اور ایک ایسا حوض بنایا جائے۔جس میں امت کے تمام سابقین وآخرین اور موجودین افراد کھڑے ہوسکیں، پھر وہ تمام خون اس حوض میں بھرا جائے جو مذکورہ حاکموں اور ان کے مذہب کے احکام سے بہایا گیا تو یہ امت اس میں ڈوب جائے گی۔اور اگر صرف مسلمان مقتولوں کا

خون بھرا جائے۔تو نماز میں ہاتھ باندھنے کی جگہ تک خون میں کھڑی نظر آئے گی۔دوم یہ کہ آج اس مذہبی عمل درآمد نے پوری امت کو غیر مسلم اقوام کے درِ دولت پر بھکاری کی حیثیت سے کھڑا کر دیا جہاں سے وہ علوم کائنات اور آسائش حیات کی دونوں ہاتھوں بھیک مانگ رہی ہے۔اور ذہنیت ومزاج اس قدر بگڑ کر مسخ ہو چکا ہے کہ اس ذلیل ترین حالت کو پہنچ چکنے کے بعد بھی حق بات سننے اور اپنی صحیح حالت سنانے والوں پر ہر ممکن تشدد کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔جھوٹی کہانیاں لکھوا لکھوا کر عوام کو فریب میں مبتلا اور پھنے خان بناتے رہتے ہیں۔لیکن یہ ہرگز ماننے کو تیار نہیں کہ اُن کے علماء اور ان دانشوروں نے اللہ ورسولؐ کے خلاف ایک باطل تصورِ حیات اختیار کیا تھا۔بلکہ آج بھی کل کی طرح اسی فرسودہ وشکست خوردہ دستور العمل کو اِسلامی حکومت کے نام سے نافذ کرنے میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں۔جو ڈیڑھ ہزار سال میں سینکڑوں دفعہ نافذ ہو کر کافرانہ دستور العمل سے پٹتا چلا آیا ہے۔اور ہر اس اصلاح اور نظام حیات کو کافرانہ کہہ کر مخالفت کرنا اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں۔جو ظاہر بظاہر مفید اور اِسلام و قرآن کے مطابق ہوتے ہیں۔صرف اس لئے کہ اس کو سوچنے اور برسر کار لانے میں داڑھی منڈے لوگوں کا حصہ ہے۔اور اُن علماؤں اور ملانٹوں کا اپنا قال وقیل شامل نہیں ہے۔قارئین یاد رکھیں کہ ہر وہ نظامِ حیات ابلیسی نظام ہے جو نوع انسان میں تفرقہ اور نفرت پیدا کرے۔جو بھوک،خوف اور بے بسی پیدا کرے۔جو انسانوں کو انسانوں کے خونخوار پنجوں میں دبوچ کر رکھے۔یہی گروہ ہے۔جس کے پیش رو راہنماؤں نے ہر اِسلامی وقرآنی حکم اور عقیدے کو مارشلزم کا رنگ دے کر ذاتی یا قومی وملکی اغراض کے لئے استعمال کیا اور قرآن وحدیث کو ایسا مشکوک کر کے رکھ دیا کہ ساری دنیا اِسلامی تعلیمات سے محروم ہو کر رہ گئی۔چنانچہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ آیات واحادیث کے معاملہ میں ہرگز اس گروہ کی کسی بات اور کسی قاعدہ پر توجہ نہ دینا چاہیئے۔اس سلسلے میں ہم آپ کو اُن سے اور اُن کے مذہب اور طرزِ عمل سے روشناس کرانا ضروری سمجھتے ہیں۔اور یہ بتا کر آگے بڑھتے ہیں کہ اس گروہ کے لوگ ہمیشہ موجود رہے ہیں۔اور اُن کا یہ بے رنگ مذہب ہر رنگ کی بوتل سے ہم رنگ ہو کر مغالطہ میں رکھتا چلا آیا ہے۔

(ب)اس گروہ سے واقفیت کے بغیر قرآن وحدیث سے استفادہ ممکن نہیں

حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ میں بھی یہ مُسلم گروہ اپنے اسی مذہب کے ساتھ موجود تھا اور اُس سے ہوشیار رہنے اور اُسے شناخت کرنے کی اہمیت پر یہ کہہ کر زور دیا گیا تھا کہ:۔

> وَاعۡلَمُوۡا اَنَّکُمۡ لَنۡ تَعۡرِفُوۡا الرُّشۡدَ حَتّٰی تَعۡرِفُوۡا الَّذِیۡ تَرَکَہٗ،وَلَنۡ تَاخُذُوۡا بِمِیۡثَاقِ الۡکِتَابِ حَتّٰی تَعۡرِفُوۡا الَّذِیۡ نَقَضَہٗ،وَلَنۡ تَمَسَّکُوۡا بِہٖ حَتّٰی تَعۡرِفُوۡا الَّذِیۡ نَبَذَہٗ،فَالۡتَمِسُوۡا ذٰلِکَ مِنۡ عِنۡدَ اَھۡلِہٖ فَاِنَّھُمۡ عَیۡشُ الۡعِلۡم

۔"تمہیں ہرگز اِسلامی بھلائی حاصل نہیں ہوسکتی جب تک تم اِسلامی رُشد ترک کرنے والوں کی معرفت حاصل نہ کرلو۔اور تم قرآن میں کئے ہوئے عہد وپیمان پورے نہیں کرسکتے جب تک عہد شکن لوگوں کو شناخت نہ کرلو۔اور تم سو فیصد

قرآن سے وابستگی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اُن لوگوں کو نہ پہچان لو جنہوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

> وَمَوْتُ الْجَھْلِ، ھُمُ الَّذِیْنَ یُخْبِرُ کُمْ حُکْمُھُمْ عَنْ عِلْمِھِمْ،وَ صَمْتُھُمْ عَنْ مَنْطِقِھِمْ وَظَاھِرُھُمْ عَنْ بَاطِنِھِمْ،لَا یُخَالِفُوْنَ الدِّیْنَ وَلَا یَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ۔فَھُوَ بَیْنَھُمْ شَاھِدٌ صَادِقٌ وَ صَامِتٌ نَاطِقٌ.(نہج البلاغہ خطبہ 145)

(اور خود اس کی جگہ آگے بڑھ آئے ہیں۔) چنانچہ رُشد وہدایت اور علوم القرآن حاصل کرنے کے لئے رشد وہدایت اور صاحبانؑ القرآن سے التماس کرو جو علم کی زندگی اور جہالت کے لئے موت ہیں۔ وہ وہی لوگ ہیں جن کے احکام ان کے علوم کی خبر دیتے ہیں۔ جن کی خاموشی ان کی گویائی کا پتہ بتاتی ہے۔ جن کا ظاہر ان کے باطن کا آئینہ دار ہے۔ وہ نہ دین کی مخالفت میں کوئی بات کرتے ہیں۔ نہ دینی احکام میں اختلاف کرتے ہیں۔ دین ان کے سامنے ایک بے جسم و جان چیز ہوتے ہوئے بولتا چالتا سچا گواہ ہے''۔ اور فرمایا کہ:۔

(ج) قرآن کی تعلیمات بدل ڈالنے اور اُمت میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے قومی اجتماعی کوشش

۔''اُس زمانہ والوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ بے قیمت کوئی دوسری چیز نہ ہوگی اگر اسے حقیقی معنی میں تلاوت کیا جائے (اِذَا تُـلِـیَ حَقَّ تَلاوَتِـہٖ) اور اسی قرآن سے زیادہ کوئی قیمتی چیز نہ سمجھی جائے گی اگر اسے بدل کر غلط مقام پر استعمال کیا جائے گا۔(اِذَا حُرِّفَ عَنْ مَوَاضِعِہٖ)... اور یقیناً جن لوگوں نے قرآن کو سنبھال لیا تھا۔ وہ اسے پھینک کر الگ کر دیں گے۔ اور جنہوں نے اسے حفظ یاد کرنے کا اہتمام کیا تھا۔ وہ اس کی تعلیمات کو بھلا دیں گے۔ چنانچہ اُس دور میں قرآن اور صاحبانؑ قرآن کی نفی کر دی جائے گی۔ اور انہیں راہ سے ہٹا دیا جائے گا۔(فَالْکِتَابُ یَوْمَئِذٍ وَّاَھْلُہٗ مَنْفِیَانِ طَرِیْدَانِ) یہ دونوں ایک ہی منزل کے راہرو ہوں گے۔ پناہ دے سکنے والے بھی ان دونوں کو پناہ نہ دیں گے۔ وہ دونوں اُمت میں موجود ہوں گے۔ مگر اس طرح کہ دونوں موجود نہیں ہیں۔ اُمت کے ساتھ ہوتے ہوئے ساتھی نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ گمراہی اور ہدایت میں کوئی رشتہ اور تعلق نہیں ہوتا۔ خواہ وہ دونوں ایک ہی جگہ کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ قوم نے تفرقہ پھیلانے پر اجتماع و اتفاق کر لیا ہے۔ اور مسلمانوں کی دوسری جماعت سے جدا ہوگئی ہے۔ گویا کہ یہ قوم کے لیڈر قرآن کو راہ دکھانے والے امام ہیں۔ اور یہ قرآن ان کا راہنما نہیں ہے تو یہ صورت حال ہوگئی ہے کہ ان کے استعمال میں صرف قرآن کا نام رہ گیا ہے۔ اور وہ قوم صرف اس کی تحریری صورت اور جز بندی اور زیر وزبر کی معرفت رکھتی ہے''۔(خطبہ نمبر 145)

(د) رسوؐل کی قوم نے عہدِ رسوؐل ہی میں قرآن کو ترک کر دیا تھا

نزول قرآن شروع ہوتے ہی دانشورانِ قریش نے نظامِ اجتہاد کے ماہرینِ مذہبیات کو اشارہ کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک گروہ بڑے حُسنِ تدریج سے ایمان لایا۔ اور قرآن کے بیانات پر مجتہدانہ نقد ونظر شروع کر دی۔ اور چاہا کہ آنحضرتؐ قرآن کے

احکام میں قومی مصلحتوں اور وقتی تقاضوں کی گنجائش رکھ کر تعلیماتِ قرآن کو قومی وملکی زبان میں پیش کریں۔ چنانچہ قرآن نے ان دانشورانِ قوم کے مقصد کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ:۔

قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (یونس 10/15)

۔’’جن لوگوں کو ہمارے مقرر کردہ نتائج برآمد ہوتے دیکھنے کی امید نہیں ہے۔ انہوں نے رسولؐ سے کہا کہ یا تم اس سے زیادہ مفید قرآن پیش کرو۔ ورنہ اسی میں تقاضائے قومی وملکی کے لئے اصول تجدید وتبدیل تسلیم کرلو۔ اللہ نے فرمایا کہ ان سے کہدو کہ میں اپنی ذاتی بصیرت سے قرآن میں تبدیلی کا اختیار نہیں رکھتا۔ میں تو وحی کے الفاظ کو برقرار رکھ کر اس کی اتباع کروں گا۔ مجھے یہ خوف ہے کہ اگر میں نے یہ نافرمانی کرلی تو ایک عظیم الشان دن کے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا‘‘۔

یہاں قارئین یہ نوٹ فرمالیں کہ جب رسولؐ اللہ اپنی ذاتی بصیرت سے قرآن کے مُنزّل من اللہ الفاظ کے معنی ومفاہیم تجویز نہیں کرسکتے تھے۔ تو یہ مجتہدین کس کھیت کی مولی ہیں؟ اس پہلی تجویز کے بعد مجتہدین کا یہ ٹولہ مایوس ہوگیا۔ اب انہوں نے یہ طے کیا کہ قرآن کے الفاظ کو برقرار رکھ کر اس کے موضوع، عنوانات ومقاصد ومعانی میں تبدیلی کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں یہ طے کرلیا کہ ہر آنے والی آیت کو مفاہیم ومعانی کے اعتبار سے قومیا لیا جائے۔ اور ہر اس آیت کے معنی بدل ڈالے جائیں جس میں محمدؐ کا یا خانوادۂ نبوتؐ کا ذاتی اقتدار جھلکتا ہو۔ اور جس سے قومی حکومت کے خلاف تصور ملتا ہو۔ ادھر قوم کو آمریت اور شخصی حکومت اور انسانی جذبات ومیلانات سے متاثر ہوکر رسولؐ کی جانبدارانہ تعبیرات کے خطرات سے مطلع کرنے کی اسکیم جاری کردی اور طے کرلیا کہ معنوی تبدیلی اور تحریف لازم ہے۔ قرآن کریم نے اس اسکیم کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:۔

’’ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ ۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا۔ الخ (مائدہ 5/41)
ذرا آگے چل کر فرمایا کہ:۔ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَO .... هُمُ الظّٰلِمُوْنَO .... هُمُ الْفٰسِقُوْنَ O (مائدہ 5/44,45,47)

۔’’وہ گروہ کلام اللہ کے موضوع طے ہوجانے کے بعد اس میں معنوی تبدیلی کرتا رہتا ہے۔ اور یہ حکم دے چکا ہے کہ اگر تمہیں اس طرح کا حکم ملے تو قبول کرو۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو تم لوگ مذکورہ طریقہ پر پیچ کررہا کرو‘‘۔ (5/41) ذرا آگے چل کر فرمایا کہ
۔’’جو شخص اللہ کے نازل کردہ کلام سے احکام جاری نہ کرے وہ کافر وظالم اور فاسق ہے‘‘۔

اس پوری اسکیم کو ہم نے قرآن کریم سے مرحلہ وار پیش کیا ہے۔ (دیکھو ہماری تصنیفات) یہاں تو سلسلہ کے لئے یہ

دکھانا ہے کہ قریشی ماہرینِ سیاسیات نے اِسلام کو ایک قومی مذہب بنانے میں اجتماعی کوشش کی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات ہی میں اللہ سے کہہ دیا تھا کہ:۔(یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًاO (فرقان25/30) ۔’’اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو مہجور کر دیا ہے۔ یعنی قرآن کی راہنمائی کو چھوڑ کر طاغوتی راہنمائی کی طرف ہجرت کر لی ہے۔ اسی قوم کا حال سناتے ہوئے اللہ نے فرمایا تھا کہ:۔

> اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ آمَنُوْا بِمَآاُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآاُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْآاِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْآاَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلاً بَعِیْدًا (نسا4/60)

۔’’کیا آپؐ نے یہ نہیں دیکھ لیا ہے کہ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ وہ آپؐ پر نازل ہونے والی تعلیم پر بھی اور آپؐ سے قبل آئی ہوئی کتابوں پر بھی ایمان لا چکے ہیں۔ لیکن اسکیم ان کی یہ ہے کہ احکام طاغوت سے لیا کریں گے۔ حالانکہ انہیں طاغوت کا کافر رہنے کے لئے حکم بھی دیا جا چکا ہے۔ بات یہ ہے کہ شیطان کی اسکیم یہ ہے کہ ان کو گمراہی کی تمام حدود پار کرا کے چھوڑے گا‘‘۔

یہ تھے وہ زعمائے قوم اور رسوؐل اللہ کی قوم جس نے قرآن وحدیثِ رسوؐل کو قومیانے کے لئے قرآن اور احادیث کو مشکوک کیا۔ پھر ان کا موضوع بدلا، معانی ومفاہیم تبدیل کئے اور اس طرح وہ مذہب جاری کیا ہے جسے آج اِسلام کہا جا رہا ہے۔ اور جو مع اپنے ماننے والوں کے کفر والا مذہبیت سے ہر قدم پر پٹتا چلا آیا ہے۔ اور جس کے مولانا اور علاّمے پبلک کو کوستے چلے آئے ہیں۔ اور آخر کار علامہ، مولوی، مولانا دنیا میں گالی بن کر رہ گئے ہیں۔ اُن کی ہوا خیزی ہو چکی ہے۔ اُن کے چہرے سے نقاب اٹھ گئی ہے۔ اب ہاتھ چومنے والے مریدان کو ٹوک کر روک کر محاسبہ کرنے کی جرأت حاصل کر چکے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے مُقلّدِین ومتّبعین سے بچتے پھر رہے ہیں۔

(ہ) قرآن واحادیث کو مشکوک کرنے اور تبدیل کرنے والوں کا اصول اور مقصد

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ قومی حکومت کا قیام آمریت اور شخصی حکومت کے مقابلہ میں رسوؐل کی قوم کو زیادہ پسند تھا۔ قومی حکومت ہی مدنظر تھی۔ جس کے لئے رسوؐل اللہ سے اقتدار یا امر میں برابر کا حصہ طلب کیا گیا اور نفی میں جواب ملتا تھا۔ (عمران 3/152-154) وہ قومی طرزِ حکومت ہی تھا۔ جس کی وجہ سے قرآن کا چھوڑنا اور طاغوتی احکام کو رواج دینا ضروری تھا۔ (نساء 4/60) قومی حکومت کا اصل الاصول یہ تھا۔

1۔ کہ رسوؐل کو عام انسان سمجھا جائے اور ان کے انسانی جذبات ومیلانات کو خوب اُچھالا جائے۔

2۔ اور اُنؐ سے غلطی وغلط فہمی کا امکان نظرانداز نہ کیا جائے۔

3۔ اور کوشش کی جائے کہ اُن کی احادیث میں انؐ کے جذبات ومیلانات کا پتہ لگانے کے لئے قریب رہ کر غور کیا جائے۔

4۔ ہراس بات کوخاندانی محبت وجذبات پرمحمول کیا جائے۔جس میں خانوادۂ نبوّت کی بالا دستی کا جھول ملے۔

5۔یاان کے بعدخاندانی حکومت کا تذکرہ پایاجائے۔

6۔یاجمہوریت وقومی حکومت کی مذمت ملے۔

7۔ ہروہ حدیث ناقابل قبول ہوگی جس میں محمدؐ اپنی یا اپنے خاندان کی کوئی ایسی صفت بیان کرے جوعام انسانی فطرت سے ارفع واعلیٰ ہو۔ جیسے علم واعلیٰ ظرفی ،حسب ونسب ،اورنورانی پیدائش یا وجود یا کرامات ومعجزات وغیرہ ۔اس کڑی نگرانی **(CENSOR)** کی چھلنی میں چھان کرمتعلقہ آیات واحادیث مندرجہ بالا ماہرین **(EXPERTS)** کے سپرد کی جاتی تھیں۔وہ حضرات انہیں سیاسی تحریف وتزئین عطا کرتے اوراس قوم میں پھیلاتے تھے۔آخر رسوؐل کی زندگی ہی میں قوم نے رسوؐل اورقرآن کا بائیکاٹ کیا(25/30)قرآن کے علاوہ حضرت عمرنے بھی اِس خفیہ سازش کواپنے عہدحکومت میں منظرعام پر رکھ دیا۔چنانچہ علامہ شبلی نعمانی نے بھی باقی مورخین کی طرح وہ پورامکالمہ سپردقلم کردیاہے۔جوحضرت عمراورحضرت عبداللہ ابن عباس میں واقع ہواتھا۔چنانچہ فاروقی سوال کے جواب میں عبداللہ نے کہاتھا کہ۔''میں نہیں جانتا''۔تب خلیفہ دوم نے فرمایا ۔''لیکن میں جانتاہوں۔تمہاری قوم تمہاراسردارہونا گوارانہ کرتی تھی''۔عبداللہ ابن عباس کیوں؟

حضرت عمر۔''وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اورخلافت دونوں آجائیں''۔(الفاروق حصہ اول صفحہ 103)

قارئین یہ وہی قوم ہے۔جس نے قرآن کوچھوڑا، طاغوتی طرزحکومت کواختیارکیااوررسوؐل اللہ نے اللہ سے اس کی شکایت کی تھی (4/60،25/30)۔اورجس قوم نے اقتدارِحکومت میں حصہ نہ ہونے پرغم وغصہ کا اظہار کیا تھا (3/150-154)۔یہ قوم کسی صورت اورکسی قیمت پررسوؐل اللہ کے بعد اِسلام میں اور اِسلامی حکومت میں رسوؐل کا یارسوؐل کے خاندان کا اقتدارتوالگ رہا۔ان کا نام ونشان تک باقی رکھنا نہ چاہتی تھی۔اوریہ حقیقت قرآن سے ثابت ہے۔اللہ کوتمام انبیاءؑ سے عموماًاورمحمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خصوصاًالگ کرکے ماننااس قوم کا مذہب تھا۔وہ توحید بلارسالت (لاالہ الااللہ) پر ایمان لائی تھی۔وہ اللہ اوررسوؐل میں فرق وتفرقہ ڈالنے کے لئے دونوں کے بیچ میں داخل ہوکر بلاواسطہ بلاوسیلہ براہ راست اللہ سے رشتہ جوڑنے کی قائل تھی۔اللہ نے اُس کی اُس پوشیدہ (UNDERGROUND) پالیسی کویوں ریکارڈ کیاہے کہ:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلاً O اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا O وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ط وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ (4/150-152)

۔"یقیناً کافروں میں سے کافروں کی ایک قسم کے وہ مومن ہیں۔ جو اللہ اور اللہ کے رسولؐوں کے کافر اس طرح ہو گئے۔ کہ ان کی پالیسی یہ ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسولوںؑ میں جدائی ڈال کر یہ طے کر چکے ہیں کہ رسولوںؑ کو اللہ سے الگ کر کے ہم ان کی بعض باتوں کو مانیں گے اور بعض کو چھپا دیں گے۔ (**کفر کے بنیادی معنی حقائق کو چھپانا ہوتے ہیں دیکھو کاشتکار عمدہ اناج کو زمین میں چھپا دیتے ہیں تا کہ نتیجہ میں عمدہ فصل ملے۔**(**57/20** **سورہ حدید**) اور اس پالیسی کے ماتحت انہوں نے یہ بھی فیصلہ کر رکھا ہے کہ ہم اللہ کی توحید اور طرزِ عمل سے رسولوںؑ کی نفی کر کے ان دونوں کے درمیان ایک مذہب، طرز حیات یا راہِ عمل نکالیں گے۔ قرآن پڑھنے والے نوٹ کریں کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐوں کو الگ کر کے درمیانی راہ (GOLDEN WAY) اختیار کرنے والے لوگ حقیقی کافر ہیں۔ اور ایسے کافروں کے لئے ہم نے بڑا ہی توہین خیز عذاب تیار کر کے رکھا ہے۔ اور مومنین میں سے مومنین کی ایک قسم کے مومن وہ ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسولوںؑ کے مومن اس حیثیت سے بنے ہیں۔ کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسولؐوں میں فرق پیدا کرنے والے فاروق نہیں بنتے اور اللہ اور اللہ کے رسولؐوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ کسی ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔ ان مومنین کو جلد ان کے اجر دیئے جائیں گے اور اللہ اسی صورت حال میں غفور اور رحیم رہتا چلا آیا ہے"۔

قارئین کو یقین دلانے کے لئے اس سے زیادہ کی فی الحال ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ وہ خاص طور پر دو باتیں نوٹ کر لیں کہ:۔

1۔ ہم قومی حکومت کی تیار کردہ تاریخِ اسلام اور کتبِ احادیث میں سے کوئی ایسی بات تسلیم نہ کریں گے جو حکومت اور حاکموں کی پردہ پوشی کرتی ہو۔

2۔ جو حکومت یا حاکموں کو برسرِ حق قرار دیتی ہو۔

3۔ جو حکومت کے مخالفین کی مذمت اور تبطیل کرتی ہو۔ ایسی تمام باتوں اور بیانات پر ہمیں حکومتوں کے مخالفین کی یا سو فیصد غیر جانبدارانہ ذہنیت رکھنے والے لوگوں کی شہادت درکار ہوگی۔ اس لئے کہ عدالت میں مُدعی اور مُدعا علیہ کے ذاتی بیانات پر حق و باطل کا فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے۔ دونوں کو غیر جانبدارانہ ثبوت و شہادت پیش کرنا پڑتی ہے۔ البتہ مدعی ہو یا مدعا علیہ ہو ان کی ہر وہ بات جو فراڈ (FRAUD) نہ ہو بلکہ حقیقتاً ان کے خلاف ہو بلا گواہی و بلا ثبوت قبول کی جاتی رہی ہے۔ لہٰذا ہمیں کسی

کتاب یا کسی شخص کے بیان کا حوالہ یا اقتباس دکھانے سے پہلے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ مذکورہ حکومت کی سرپرستی سے الگ اور قومی مذہب کے مخالف تھے۔ دوسری بات یہ نوٹ کر کے ذہن نشین رکھیں کہ ہم کسی ایسی تفسیر و تعبیر و تفہیم یا حدیث کو اختیار نہ کریں گے جو اسی عنوان (ہ) میں مذکورہ سات قسم کی قومی باتوں میں ہمیں محمدؐ و آل محمدؐ یا خانوادۂ نبوت سلام اللہ علیہم کی پوزیشن کے خلاف لے جاتی ہو۔ خواہ اس کے پیش کرنے والے شیعہ نقاب میں ہوں یا اہل سنت کا لبادہ و لیبل لگائے ہوئے ہوں۔ خواہ وہ قدیم رضی اللہ عنہم کہلانے والے لوگ ہوں۔ یا آیۃ اللہ اور حجۃ اللہ اور مراجع شیعہ یا شیخ اِسلام کہلانے والے حضرات ہوں۔ اور یہی اصول وہاں یاد رکھنا ضروری ہے۔ جہاں کسی معصومؑ نے یہ کہا ہو کہ ان کی مخالفت میں حق ہے۔ یا یہ کہ ان کی پسندیدہ راہ عمل کے خلاف عمل کرو۔ ایسی احادیث جلد سامنے آنے والی ہیں۔ اور ان میں سے وہ سات عدد اور یہ آخر الذکر دو باتیں ملحوظ ہوں گی۔

(و) قرآن و حدیث کے ساتھ کیا جوڑ توڑ کیا گیا ہے؟

سب سے موٹی اور نمایاں اور بقلم خود تسلیم کردہ بات یہ ہے کہ اُن حضرات نے قرآن کی آیات اور احادیث کو ایک ماہرانہ انداز سے اس طرح تقسیم کر دیا ہے کہ وہ جب چاہیں، جس آیت یا حدیث کو چاہیں اس پر مذکورہ تقسیم اور تقسیم کرنے کے قواعد یعنی اصول فقہ کا بجر بٹو (جھرلو) پھرا کر اس میں آئے ہوئے حکم کو جدھر ضروری ہو موڑ دیں یا بے اثر کر کے معطل کر دیں اور ''رِند کے رند رہیں ہاتھ میں جنت بھی رہے''۔ یوں اُن مجتہد ماہرین نے حدیث و قرآن کو بے اثر کر کے اپنے ماتحت کر لیا۔ اور بقول مرتضیٰؑ قرآن کے امام بن بیٹھے۔ اور اللہ نے ان کی باقی پالیسیوں کی طرح اس پالیسی کو بھی بیان فرما دیا کہ:-

> كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ O الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ O فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ O (حجر 15/90-92)
> لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ O (15/88)
> قُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ O (15/89)

''اے رسولؐ تم ان کی پالیسی اور عمل درآمد پر رنجیدہ نہ رہو بلکہ تم اپنے دفاعی انتظام کے بازوؤں میں مومنین کو ان کی پالیسی سے محفوظ کر دو۔ اور چیلنج کر دو کہ یقیناً میں ایک ان مٹ نظام تنذیر کا مالک ہوں جیسا کہ ہم نے قرآن کو نازل کرنے میں ان لوگوں کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی جو مجتہدانہ تقسیم کے ماہر ہیں۔ اور جنہوں نے اپنے قواعد و ضوابط سے قرآن کو بھی مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے''۔

یہاں دل چاہتا ہے کہ آپ کو مذکورہ بالا تقسیم کا ہر پہلو اور ہر پہلو پر مجتہدانہ دلائل دکھائے جاتے۔ لیکن ہم عنوان سے ہٹ جائیں گے۔ لہٰذا اس سلسلہ کی ہماری دیگر تصنیفات ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں صرف چند نام درج کر دینا کافی ہوگا۔ چنانچہ مجتہدین نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ تعلیماتِ خداوندی کے دو ٹکڑے کئے اور پبلک کو بتایا کہ ایک حصہ وہ تھا جو محمدؐ سے پہلے نبیوںؑ اور رسولوںؑ پر نازل ہوا تھا اور دوسرا حصہ وہ ہے جو محمدؐ پر نازل ہوا۔ پھر اُن ماہرین مذہبیات نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ایک لاکھ

چوبیس ہزار انبیاء ورسل علیہم السلام پر جو تعلیمات ربّانی ہزاروں سال تک آتی رہیں وہ سب قرآن کے آنے سے منسوخ ہوگئیں اور لفظ منسوخ کے معنی یہ بتائے کہ وہ تمام تعلیمات الٰہیّہ اللہ نے فسخ وحذف و بے کار کردیں۔ اب ان پر عمل نہیں ہوگا۔ ذرا سوچئے کہ اس فیصلہ سے وہ اسلام جو حضرت آدمؑ سے چلا آرہا تھا۔ اب اس قریشی تقسیم کے ماتحت ایک بٹا ایک لاکھ چوبیس ہزار (1/1,24,000) رہ گیا۔ اب اس قلیل ترین حصہ میں سے مجتہدین نے فرمایا کہ کافی آیات اس قرآن میں آنے اور لکھے جانے کے بعد بھی منسوخ بقول مجتہد باطل و بے کار ہوگئیں۔ یعنی اب اسلام (1/1,24,000) اس قلیل ترین مقدار سے بھی کم رہ گیا۔ پھر انہوں نے اس باقی ماندہ اسلام اور قرآن کے دو بڑے بڑے مزید ٹکڑے کئے اور ان ٹکڑوں کے نام قرآن کے الفاظ کے سہارے رکھ دیئے۔ ایک کو محکمات قرار دیا اور کہا کہ محکمات وہ آیات ہیں جو اپنا مطلب واضح طور پر رکھتی ہیں۔ دوسرے حصہ کو متشابہات کہہ کر یہ طے کردیا کہ وہ مبہم اور گنجلک الفاظ اور معنی رکھتی ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی عربی دان حتّٰی کہ خود رسوؐل بھی اُن کی صحیح پوزیشن نہیں جانتا تھا۔ صرف اللہ ہی قرآن کے اس حصہ کو سمجھتا ہے۔ پھر یہ تقسیم آگے بڑھی اور کہا گیا کہ قرآن میں سابقہ انبیاءؑ کے حالات وتعلیمات اور سابقہ اقوام کی تاریخ وقصے بھی سابقہ مذاہب اور شریعتوں اور تعلیمات کے ساتھ منسوخ یعنی بے کار ہیں۔ پھر جو کچھ باقی رہا اس میں کل چارسو یا زیادہ سے زیادہ پانچ سوایسی آیات رہ جاتی ہیں جن سے کوئی دینی حکم تفصیلات کے ساتھ یقینی اور حتمی طور پر معلوم نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ ان چارسو یا پانچ سو آیات میں بھی بہت سے ٹکڑے کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس باقی ماندہ حصہ کو یہ کہہ کر تقسیم کیا گیا کہ اس میں (1) بعض آیات عام ہیں۔ (2) بعض خاص ہیں۔ (3) بعض مطلق ہیں۔ (4) بعض مقید ہیں۔ (5) بعض مجمل ہیں۔ (6) بعض مفصل ہیں۔ (7) بعض مبہم ہیں۔ (8) بعض مبین ہیں۔ بعض مغلق۔ بعض چغلق ہیں وغیرہ وغیرہ اور اس تقسیم کے بعد پھر اس پٹے کٹے حصہ کو مزید لفظی عنوانات میں تقسیم کیا۔ وہ آیات جو عبادات سے متعلق ہیں۔ (2) وہ جو معاملات سے بحث کرتی ہیں۔ (3) جو معاش ومعاشرت سے متعلق ہیں۔ (4) جو جرائم اور سزاؤں پر مبنی ہیں۔ (5) وہ جو صلح اور جنگ کے اصول بتاتی ہیں۔ (6) وہ جو ٹیکسز (Taxes) کی شرح بتاتی ہیں۔ (7) وہ جو حادثات اور آفات سے بحث کرتی ہیں۔ پھر تمام تقسیم کو مزید ذلیل وخوار کرنے کے لئے انہوں نے احکام اور ممانعت کی تقسیم کی اور کہا کہ حکم کئی قسم کا ہوتا ہے۔ بعض کی تعمیل واجب ہوتی ہے۔ پھر واجب کی بہت سی قسمیں بنائیں اور کہا کہ بعض واجب ہر شخص پر واجب ہوتا ہے۔ بعض واجب اختیاری ہوتا ہے۔ بعض واجب کفائی ہوتا ہے۔ کہ اگر ایک شخص عمل کرلے تو پوری امت سے مواخذہ ساقط ہوجاتا ہے۔ بعض واجب مُضَیَّق ہوتا ہے۔ (بعض مُلَیَّن اور بعض قابض وغیرہ) پھر اس تقسیم کو سمجھانے اور الجھانے کے لئے سینکڑوں ابلیسی الفاظ اور اصطلاحات گھڑ کر اس تمام گورکھ دھندے کا نام اصولِ فقہ رکھ دیا اور یہ اصول فقہ کی کرشمہ سازی ہے کہ قرآن میں آئے ہوئے سینکڑوں احکام آج تک قرآن میں موجود ہیں لیکن آنحضرتؐ کے بعد ان پر عمل نہیں

کیا گیا اور یہ سمجھا گیا کہ اللہ عمل نہ کرنے پر بھی خوش رہا ہے۔

قارئین کی اطلاع کے لئے یہ عرض کرتا چلوں کہ قرآن کی کسی آیت سے یہ اشارہ تک بھی نہ ملے گا کہ سابقہ کتابیں یا شریعتیں یا قرآن کی آیتیں نا قابل عمل ہو کر فسخ وحذف اور بے کار (CANCELLED) ہوگئی ہیں۔اس کے برعکس قرآن کریم ان تمام سابقہ کتابوں کی جو اس وقت لوگوں کے ہاتھوں میں موجود تھیں۔ مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ (6/92) تصدیق کرتا ہوا آیا تھا۔اور خود اپنے اندر تمام سابقہ چھوٹی بڑی کتابیں لایا تھا۔اور رسالتمآبؐ ان تمام کتابوں کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔(سورہ البینۃ 3-98/2)اور حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر میرے لئے مسند بچھائی جائے تو میں یہود کو توریت سے اور عیسائیوں کو انجیل سے اور داؤدیوں کو زبور سے اور قرآن والوں کو قرآن سے احکام وفیصلے دوں گا۔اور اس بیان کی وسعت یہاں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ بات یہ ہے کہ دین اسلام کی ہر قسط اسلام تھی۔صحیح اسلام تھی۔اس میں سے اس زمانہ کے مجتہد کو نفی کر دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ اسلام تھا۔ہم اسی بناء پر کسی مذہب کو جو انبیاءؑ کی معرفت آیا غلط نہیں کہتے۔البتہ اجتہادی مسائل کو الگ کر کے اسے مِن وعَن تسلیم کرتے ہیں۔

(ز) مُتشابہات اور مُحکمات والی تقسیم قرآنی نہیں بلکہ شیطانی تقسیم ہے؟

سو فیصد شیعہ اور سُنی علماء نے یہ سمجھا ہے کہ متشابہات قرآن کی آیات کی ایک خاص قسم ہے۔اور یہ کہ متشابہ آیات میں جو کچھ بیان ہوا ہے۔(1) وہ گول مول۔(2) مشکوک ومشتبہ۔(3) مُبہم۔(4) اور نا قابل فہم یا۔(5) مافوق الفطرت بیانات ہیں۔یہ وہ پانچ الفاظ ہیں جو مترجمین ومفسّرین نے قرآن کے متشابہات کے معنی بیان کرنے میں استعمال کئے ہیں۔اس سے یہ فائدہ اٹھایا گیا ہے کہ جس آیت سے اُن کے کسی عقیدے،عمل یا مقصد پر ضرب پڑتی ہو۔اُسے متشابہ کہہ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا ہے۔مثلاً ہم قرآن سے ثابت کرتے ہیں کہ اِس قرآن میں کائنات کی ہر چیز کا مفصل تذکرہ موجود ہے اور سورہ یوسف سے آیت پیش کرتے ہیں تَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ (12/111)اور مولانا اسے متشابہ کہہ کر سرخ جھنڈی دکھا دیتے ہیں۔تو اب آپ کی گاڑی کو رکنا پڑے گا۔لطف کی بات یہ ہے کہ متشابہات کی تعداد یا یقینی تعین نہیں بتایا گیا ہے۔لہٰذا ضرورت کے وقت کسی بھی آیت کو متشابہ کہہ کر آپ کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔پھر ایک اور تماشہ مثبت ٹائپ کے مجتہدین شیخ احمد اور احمدی متبعین نے دکھایا ہے۔آج جب اس جدید گروہ کے باطل عقائد اور بیانات پر گرفت کی جاتی ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ جناب اس عقیدہ یا بیان میں متشابہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔متشابہات کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔دیکھو اللہ نے جب قرآن میں آیات کی ایک قسم کو متشابہات فرما دیا ہے تو متشابہ کلام کرنا جائز ہوا۔اور جس طرح اللہ نے اپنے ہاتھوں کا اور چہرہ کا ذکر کیا ہے۔اور تم نے محکم آیات کو سامنے رکھ کر اللہ کو مجسم نہیں مانا ہے۔اسی طرح شیخ احمد احسائی نے بھی محمدؐ کے جسمانی معراج پر۔انسان کے قیامت میں

زندہ ہونے والے جسم پر کچھ ایسے متشابہ الفاظ لکھے ہیں جو اللہ کے ہاتھوں کی طرح غلط معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا شیخ کی غلطی کو بھی اسی طرح نبھانا چاہیئے جس طرح اللہ کی بات کو غلط کہنے کے بجائے دوسری محکم آیت لاتے ہو۔ اسی طرح شیخ کے دوسرے محکم بیانات سامنے رکھنا چاہئیں۔ یہ ہے وہ فریب اندر فریب جو مجتہدین کی ایجاد ہے۔ اور یہ وہ مجتہدانہ کرتب ہیں جن سے ملعون لوگ ذرا دیر میں بزرگ بنا دیئے جاتے ہیں۔ مگر ان حضرات کو ہم سے پہلے ایسا طالب علم ملا ہی نہ تھا جو نظام اجتہاد کی ہر گتھی، ہر فریب اور ہر چالا کی کو اُدھیڑ کر رکھ دیتا۔ ہم نے انہیں وہ سبق دیئے ہیں جو قیامت تک فراموش نہ کئے جاسکیں گے اور ہم نے اجتہاد کو اس طرح ذبح کیا ہے کہ اب دوبارہ اس میں زندگی کی امید بھی ذبح ہو کر رہ گئی ہے۔ آیئے ہم دکھاتے ہیں کہ یہ متشابہات والا فریب کیوں اور کہاں سے شروع ہوا۔ اور اس کا قرآن سے کیا تعلق ہے؟

اول۔ اللہ نے فتنہ پردازوں کی نقاب اٹھائی تو انہوں نے پورے قرآن پر نقاب ڈال دی

اللہ نے زیر بحث قریشی قوم کی اُس اسکیم کی وضاحت کی تھی جو اُس قوم کے ماہرین سیاسیات و مذہبیات نے قرآن فہمی کے لئے اپنی قوم کو تعلیم دی تھی۔ چنانچہ پہلے ہم وہ آیت لکھتے ہیں جس میں لفظ متشابہات آیا ہے اور جس آیت کو دکھا کر مومنین کو فریب دیا جاتا ہے۔ اور جسے سمجھنے اور سمجھانے میں تمام علماء نے متفقہ طور پر ایسی غلطی کی ہے کہ اگر وہ غلطی کسی چوتھی جماعت کے عربی طالب علم سے ہوگئی ہوتی تو وہ بھی بہت شرمندہ ہوتا۔ بہرحال وہ آیت ملاحظہ فرمائیں اور اپنے اپنے دستیاب قرآن کے ترجموں کو سامنے رکھ کر قریشی تقسیم اور علماء کی غلطی پر رائے قائم فرمائیں۔ ہم اس آیت کے جملوں کو نمبر دے کر لکھتے ہیں تا کہ ترجمہ سمجھنے میں سہولت ہو۔

> هُوَ الَّذِىۡ اَنۡزَلَ عَلَيۡکَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (2) فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ (3) فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ (4) ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ (آل عمرانؑ 7 /3)

رفیع الدین مرحوم صاحب کا لفظی ترجمہ۔ ''وہی ہے جس نے اُتاری اوپر تیرے کتاب بعضی اس کی آیتیں محکم ہیں، یعنی ظاہری معنوں کی، وہ جڑ ہیں کتاب کی، اور اور ہیں متشابہ معنی کئی طرف ملتے۔ 2۔ پس آیا وہ لوگ کہ بیچ دلوں ان کے کے کجی ہے 3۔ پس پیروی کرتے ہیں اس چیز کی کہ شبہ ڈالتی ہے اس میں۔ 4۔ واسطے چاہنے گمراہی کے اور واسطے چاہنے حقیقت اس کی کے''۔ یہ ترجمہ چونکہ بامحاورہ نہیں ہے اس لئے قارئین کی الجھن دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک ترجمہ شیعوں کے یہاں سے اور ایک اہل سنت کے یہاں سے بامحاورہ پیش کرکے پھر تقابلی مطالعہ اور تنقید کی جائے۔ لہٰذا پہلے جناب علامہ مودودی صاحب کا ترجمہ دیکھیں اور آیت کے الفاظ اور ہمارے دیئے ہوئے نمبروں کے ساتھ ساتھ ترجمہ کا فرق ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ وہی خدا ہے۔ جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے۔ اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں۔ ایک محکمات جو کتاب کی اصل

بنیاد ہیں۔اور دوسری متشابہات۔2۔جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے۔3،4۔وہ فتنہ کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔اوران کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔(تفہیم القرآن جلداول صفحہ 235-233)

شیعہ مولوی فرمان علی مرحوم کاترجمہ

(1) (اے رسولؐ)وہی وہ (خدا) ہے۔جس نے تم پر کتاب نازل کی اس میں کی بعض آیتیں تو محکم (بہت صریح) ہیں۔وہی (عمل کرنے کے لئے)اصل (وبنیاد) کتاب ہیں۔اور کچھ(آیتیں)متشابہ(گول گول جن کے معنی میں سے پہلونکل سکتے ہیں)۔(2) پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔(3)وہ ان ہی آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں۔ (4) تاکہ فساد برپا کریں اوراس خیال سے کہ انہیں اپنے مطلب پرڈھال لیں''۔

دوم۔آیت کی تشریح اور تفہیم اور دھوکہ کھانے کی وجہ

قارئین یہ ترجمے پڑھیں یا کوئی اور ترجمہ وتفسیر تلاش کریں۔آپ ہرجگہ یہ تصور دیکھیں گے کہ وہ لوگ جو فتنہ،فساد وگمراہی پھیلانے کے لئے قرآن کی آیات کو استعمال کرتے ہیں۔وہ قرآن سے ایسی آیات کو دلیل بنالیتے ہیں جو متشابہات ہیں۔اور متشابہات میں تاویل یا کتر بیونت کرکے اپنی غرض اور مقصد کو ثابت کرلیتے ہیں۔ہم علماء کے اس تصوراور مفہوم سے متفق نہیں ہیں۔اس لئے کہ یہ تصور زیر بحث آیت میں نہیں ہے۔پھراس لئے کہ اس تصور کو اختیار کرنے سے قرآن اوراللہ کے کلام میں دونقص یاخامیاں بھی ماننا پڑتی ہیں۔حالانکہ ہم کلام اللہ میں کسی قسم کانقص اور خامی نہیں مانتے۔اول یہ نقص ماننا ہوگا کہ معاذ اللہ،اللہ نے جان بوجھ کر یا غلطی سے یا الفاظ وعربی قابلیت کی کمی کی وجہ سے ایسا کلام یا آیات قرآن میں بھیج دیں جو خود ہی مشکوک ومشتبہ اور گول گول،کئی کئی معنوں والی ہیں۔یابقول علامہ مودودی جو اپنے معنی میں اشتباہ شبہ کی گنجائش(تفہیم القرآن ایضاً صفحہ 234 حاشیہ نمبر6) پہلے ہی سے رکھتی ہیں۔اورقرآن میں اگر یہ خرابی واقعی موجود ہے؟ توہر گمراہ ہونے والا بے قصور ماننا پڑے گا۔اس لئے کہ اللہ نے خودگمراہی کا موقعہ قرآن کے اندر پیدا کردیاہے۔اوریہی منشا تھا قریشی ماہرین ومجتہدین کا کہ گمراہی تو وہ خود پھیلائیں مگرنام ہواللہ اورقرآن کا۔دوسرے یہ نقص ماننا ہوگا کہ قرآن کی آیتوں کی کم ازکم دوقسمیں صحیح ہیں۔ چنانچہ قرآن میں مذکورقرآن کوٹکڑوں میں بانٹنے والے(15/90-91) بھی بےقصور تھے۔یعنی ہمارے علماء نے آیت کا منشانہ سمجھ کرقریشی دانشوروں کے اس مقصد کومن وعن پورا کردیا جواس آیت میں بیان کیا گیا تھا۔اورقرآن کریم میں گمراہ کن آیات کاوجود مانکران کی تقسیم کوبھی حق بجانب ثابت کردیاہے یا یہ کہیں کہ یہ علماءخوداس گروہ کامذہب رکھتے ہیں؟۔

سوم۔ہماراترجمہ:۔ **1**۔وہ وہی ہستی ہے۔جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے۔اُس مذکر کتاب میں(مِـنـْـهُ)احکام والی آیات ہیں۔وہ مؤنث آیات(هُـنَّ) اُس کتاب کی ماں(والدہ یابنیاد) ہیں۔اورآخری(اُخَـرُ) محکمات سے یا اپنی ماں سے مشابہ

(ہم شکل وہم صورت وسیرت) آیات ہیں۔

2۔رہ گئے وہ لوگ جن کے دلوں میں کوئی غلط مقصد (زَیْغٌ) جما ہوا ہے۔تو

3۔وہ لوگ اُس مطلب کی پیروی کرتے ہیں جو اُن کے غلط مذکر مقصد (زَیْغٌ) کے مشابہ ہوجاتا ہے۔(مِنهُ)

4۔تاکہ وہ اس غلط مذکر مقصد (زَیْغٌ) کو آیات پر چسپاں کر کے فتنہ پھیلائیں۔(ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ)

5۔اوراس مذکر غلط مقصد (زَیْغٌ) کی تفصیل ونشاندھی (تَاوِیْلِه) کرنا اللہ اور راسِخُوْنَ فِی الْعِلْم کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (مَایَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ.....الخ (3/7)

چہارم۔ہماری دلیل اوراس ترجمانی کا ثبوت

قارئین فی الحال آیاتِ محکمات اور آیاتِ متشابہات کے معنی اور تفصیل کو رہنے دیں۔اس لئے کہ ان کے معنی قرآن سے لکھے جائیں گے۔ یہاں تو یہ نوٹ کریں کہ لفظ کتاب عربی زبان میں مذکر ہوتا ہے ۔ اس لئے یہ کہنے کے لئے کہ ۔’’اس کتاب میں‘‘۔آیات محکمات اور متشابہات ہیں۔اللہ نے (مِنهُ) فرمایا ہے۔یعنی کتاب کے لئے ضمیر مذکر واحد غائب (ہٗ) استعمال کی ہے۔پھر یہ دیکھیں کہ لفظ (1) آیات۔(2) محکمات اور (3) متشابہات تینوں مؤنث ہیں۔اس لئے ان کے لئے ضمیر جمع مؤنث غائب (هُنَّ) لائی گئی ہے۔

اب آپ کے سوچنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے۔کہ اگر وہ فتنہ پرداز گروہ آیاتِ متشابہات کی اتباع کرتا تو قرآن میں آیت کے الفاظ اس طرح ہونا لازم تھے کہ (فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ ۔فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُنَّ) یعنی اگر وہ متشابہات کو استعمال کرتا یا یہاں متشابہات کا ذکر ہوتا تو لازم تھا کہ متشابہات کے لئے ضمیر جمع مونث غائب آتی۔اور مِنْهُنَّ کہا جاتا۔

لیکن قرآن میں تو ضمیر مذکر واحد غائب (مِنْهُ) کی استعمال ہوئی ہے۔یعنی وہ لوگ جس چیز کی اتباع کرتے ہیں۔وہ مونث نہیں بلکہ وہ مذکر ہے۔جسے ضمیر واحد مذکر غائب ’’ہٗ‘‘(مِنْهُ) سے ظاہر کیا گیا ہے۔لہٰذا آپ کا فرض ہے کہ یہ پتہ لگائیں کہ آیت میں لفظ مِنْهُ سے پہلے کون سا لفظ مذکر ہے؟ تاکہ اس ضمیر واحد مذکر غائب سے وہ مذکر لفظ سمجھا جائے۔پھر یہ دیکھئے کہ لفظ مَاتَشَابَهَ (جو مشابہ ہوتا ہے) بھی مونث کا صیغہ نہیں ہے۔بلکہ وہ مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔لہٰذا نہ تو وہ چیز مونث ہے۔جس کی وہ گروہ اتباع کرتا ہے۔اور نہ ہی وہ چیز مونث ہے۔جو مشابہ ہوتا ہے۔یعنی گمراہ کرنے والی چیز بھی مذکر ہے اور جو گمراہی میں مددگار بنتا ہے وہ بھی مذکر ہے۔

لہٰذا وہ لفظ جو مذکر بھی ہے۔اور اُس قریشی فتنہ ساز گروہ کے دلوں میں ایک غلط مقصد ومنصوبہ بن کر جمع ہوا بھی ہے۔وہ ہے۔’’زَیْغٌ ‘‘۔اور جیسا کہ بیان ہوتا چلا آرہا ہے کہ دانشورانِ قریش قرآن کی معنوی تحریف وتبدیل کرتے چلے آئے تھے۔اس

کی تدبیر وطریقہ اللہ نے یہ بتایا کہ اس جماعت کے ماہرین قرآن کی آیات کو پڑھتے وقت اُس منصوبے یا زیغ کو قرآن سے مطابق کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔اور جہاں کہیں ان کو ایسا مطلب نظر آتا ہے۔جو اُس زیغ سے متشابہت رکھتا ہو۔تو وہ اس زیغ کو قرآن کی سند سے اختیار کرنے اور اس زیغ کی اتباع کرنے کا حکم دے دیتے ہیں۔جیسا کہ ذرا دیر پہلے قرآن نے بتایا تھا کہ ان کا حکم اپنی جماعت یا قوم کو یہ ہے کہ اگر تمہیں ہمارا تجویز کردہ قرآنی مفہوم اگر رسولؐ اللہ بیان کریں تو تم قبول کر لیا کرو ۔'' یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْ ۢ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ ھٰذَا فَخُذُوْہ ''۔اور اگر ہمارے تحریف کردہ اور زیغ کے خلاف قرآن کا مفہوم بیان کریں تو اس سے بچ نکلا کرو۔'' وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْہُ فَاحْذَرُوْا ''۔(مائدہ 5/41)

اس بیان سے واضح ہوا کہ ہمارے علماء نے محض مذکر و مونث کی ضمیروں کو نظر انداز کر دینے سے یہ شرمناک غلطی کی ہے۔اور اس طرح مسلمان گروہ کی تائید میں قرآن کو عضین بنانے اور گمراہ کن اجزاء میں تقسیم کرنے میں مددگار بن گئے اور ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ قرآن میں ایسی آیات کی کثرت موجود ہے۔''جن میں (1) جن کی زبان بالکل صاف نہیں ہے۔(2) جن کا مفہوم متعین کرنے میں اشتباہ کی گنجائش ہے۔(3) جن کے الفاظ معنی اور مدعا پر صاف وصریح دلالت نہیں کرتے ۔(4) جنہیں تاویلات کا تختہ مشق بنانے کا موقعہ آسانی سے مل جاتا ہے۔(5) یہ آیات نزولِ قرآن کی غرض پورا نہیں کرتیں ۔(6) اُن میں اِسلام کی طرف دعوت نہیں دی گئی ہے۔(7) اُن میں عبرت ونصیحت کی باتیں نہیں ہیں ۔(8) اُن میں گمراہی کی تردید اور راہ راست کی توضیح نہیں ہے۔(9) اُن میں دین کے بنیادی اصول نہیں ہیں ۔(10) اُن میں عقائد وعبادات واخلاق وفرائض اور امرونہی کے احکام بھی نہیں ہوتے''۔(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 234)

یہ دس باتیں علامہ نے آیاتِ محکمات میں ثابت کی ہیں ۔لہٰذا ہم نے ان کو الٹ کر آیات متشابہات کے لئے لکھ دیا ہے۔چونکہ اُن کے اور تمام مجتہدین کے نزدیک آیات متشابہات آیات محکمات کے مقابلہ میں بڑی خطرناک ہیں۔جن کو اللہ نے (معاذ اللہ) گمراہی پھیلانے کے لئے نازل کیا ہے۔اس لئے کہ وہ:۔

۔''ایسی آیات ہیں کہ جن کے مفہوم کو متعیّن کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کی جائے گی۔اتنے ہی زیادہ اشتباہات یعنی شکوک وشبہات واحتمالات سے سابقہ پیش آئے گا۔حتیٰ کہ انسان حقیقت سے قریب تر ہونے کے بجائے اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا۔پس جو لوگ طالب حق نہیں اور ذوقِ فضول رکھتے ہیں ۔وہ متشابہات کے دھندلے تصور پر قناعت نہیں کرتے ۔اور جو لوگ ابوالفضول اور فتنہ جو ہوتے ہیں۔ان کے لئے آیات متشابہات بحث وتنقیب کا اچھا مشغلہ فراہم کرتی ہیں''۔

(ایضاً تفہیم صفحہ 235-234)

یعنی اللہ کا یہ حکم کہ قرآن میں تدبّر وتفکّر کیا کرو اور عقل سے قرآن میں خوب غور وخوض کیا کرو (سورہ محمدؐ 47/24) بھی

خطرناک حکم ہے۔ جب تک متشابہات کا وجود قرآن میں موجود ہے۔اوران میں تدبّر و تعقّل کی ممانعت اور تخصیص نہ آجائے۔ بہرحال قارئین متشابہات کے متعلق جس قدر تحقیق وتصدیق کریں گے۔ان کا اسی قدر ہماری بات پر یقین بڑھتا جائے گا۔اور یہ ثابت ہوتا جائے گا۔کہ نظام اجتہادی پالیسی نے جو قرآن کریم کو مختلف اجزاء (GROUPS) اور عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات کو بے اثر و بے نتیجہ دکھا کر اجتہادی احکام کی تقلید کرائی جائے اور محمدؐ و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے فضائل اور علوم کے قرآنی تذکروں کو متشابہات کہہ کر رد کر دیا جائے۔لہٰذا یہ ثابت ہوگیا کہ متشابہات ومحکمات وغیرہ والی تقسیم ایک شیطانی منصوبہ کی تکمیل کے لئے کی گئی ہے۔

(ح) ساراقرآن اورقرآن کی ہرآیت متشابہ اور محکم ہے

یہاں ہم پہلے تمام مترجمین کی چوری پکڑ کر دکھاتے ہیں۔ پھر باقاعدہ مندرجہ بالا تصور کا باطل ہونا ثابت کریں گے اور دکھائیں گے کہ آیات محکمات وآیات متشابہات کے الفاظ کو ان فریب سازوں نے اپنی فریب سازی کا سہارا بنایا ورنہ حقیقتاً قرآن سر سے پیر تک محکم ومتشابہ ہے۔

اوّل۔مترجمین نے غلط ترجمہ کیا تھا

وہ تمام مترجمین غلط ترجمہ کرنے کے مجرم ہیں۔جنہوں نے مندرجہ ذیل آیت کا صحیح ترجمہ کیا ہو۔ سنیے پہلے پارہ کے تیسرے رکوع میں جنت کا ذکر ہو رہا ہے۔اور بتایا جارہا ہے کہ۔'' قَالُوْا ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْابِہٖ مُتَشَا بِھًا ''۔ (بقر 2/25) جب جنت میں مومنین کو مختلف قسم کے میوے اور پھل دیئے جائیں گے تو وہ پھلوں کو دیکھ کر:۔

۔''کہیں گے یہ تو وہی پھل ہیں جو ہمیں اس سے پہلے دنیا میں بطور رزق دیئے جایا کرتے تھے۔اورانہیں ملتے جلتے مشابہ پھل دیئے جائیں گے''۔اس آیت میں وہی لفظ آیا ہے۔فرق صرف اس قدر ہے کہ لفظ مُتَشَابِھَاتٌ اسم فاعل جمع مونث تھا۔اور لفظ مُتَشَابِھًا اسم فاعل واحد مذکر ہے۔تو سوچئے کہ مونث اور مذکر کے فرق سے معنی میں یہ ابلیسی گنجائشیں کہاں سے داخل ہوگئیں؟اور مندرجہ ذیل تمام مترجمین کو غلط ترجمانی کرنے اور پورے قرآن کو مشکوک وگمراہ کن قرار دینے کا مجرم کیوں نہ سمجھ لیا جائے؟ جب کہ وہ صحیح معنی جانتے ہیں اور یہاں سب کے سب صحیح معنی کرتے بھی ہیں۔

(1) رفیع الدین۔''اور لائے جائیں گے مشابہ ایک دوسرے کے ساتھ''۔(بقر 2/25)

(2) مودودی۔''دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے''۔(بقر 2/25) مُتشابہات کے معنی آپ نے دیکھ لئے۔

(3) اشرف علی۔مُتَشَابِھاً۔پھل ملتا جُلتا۔(بقر 2/25)۔مُتَشَابِھَاتٌ۔مشتبہ المراد (3/7)

(4) شاہ ولی اللہ۔''مانند یک دیگر''۔(بقر 2/25) محتمل معانی باہم مشتبہ'' (3/7)

(5) عبدالقادر۔ ''ایک طرح کا''۔(بقر 2/25)۔ ''کئی طرف ملتی''۔(3/7)

(6) محمد احمد رضا بریلوی۔ ''ملتا جلتا۔(بقر 2/25)۔ ''جن کے معنی میں اشتباہ ہے''۔(3/7)

(7) مقبول احمد۔ ''رنگت میں ویسا ہی''۔(بقر 2/25)۔ ''گول گول ہیں''۔(3/7)

(8) فتح محمدؒ جالندھری۔ ''ہم شکل''۔(بقر 2/25)۔ ''کئی معنی کے احتمال والی''۔(3/7)(حاشیہ صفحہ 78 مترجمہ قرآن)

قارئین یقین فرمالیں کہ اس ڈیڑھ ہزار سال میں اور آج سے بیس سال پہلے تک تمام مترجمین اور مفسرین متفق اللہجہ یہی غلط معنی کرتے رہے۔حتٰی کہ ہمارے مضامین بڑے بڑے علماء تک جا پہنچے اور اُس کے بعد بعض نے اپنی روش بدلی اور بعض ابھی تک اپنے قدیم بزرگوں کی پیروی میں مصروف ہیں۔مالی استطاعت میں اضافہ پر انشاءاللہ ہم قرآن کا ایسا ترجمہ پیش کریں گے۔جیسا کہ ہم نے مولانا کوثر نیازی پر تنقید میں وعدہ کیا ہے۔

دوم۔اللہ نے پورے قرآن کو کِتٰباً مُتَشَابِهًا فرمایاہے

عرب کے منصوبہ ساز مسلمانوں کی بدقسمتی کہوں یا باقی تائید کنندگان کی بدنصیبی سمجھوں کہ اللہ نے اپنی کتاب کی صفت ہی یہ بیان کی ہے کہ:۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰباً مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ هُدَی اللّٰهِ یَهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنۡ هَادٍ O (سورہ زمر 39/23)

۔''اللہ نے بہترین حدیث نازل فرمائی جو ایک ہم آہنگ وہم شکل ومکرّر کتاب ہے۔جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب کی معرفت اور جلال سے متاثر رہتے ہیں۔پھر اُن کا جسم اور دل اللہ کی شان بیان کرنے میں نرم پڑ جاتے ہیں۔ وہ متشابہ کتاب ہی اللہ کی وہ ہدایات ہیں۔جن سے اللہ جس کو چاہتا ہے راہنمائی کردیتا ہے۔اور جسے اللہ خود ہی گمراہ کردے پھر اس کے لئے کوئی ہادی نہیں ہوتا''۔

قارئین نے دیکھا کہ اِسلام اور قرآن کو قومیانے والوں نے قرآن کو کیا کچھ بنانے کا ارادہ کیا تھا؟۔اور کس طرح اس ارادہ (یُرِیْدُوْنَ) پر ڈیڑھ ہزار سال تک عمل کیا؟۔اور دن دہاڑے قرآن کے الفاظ کے معنی بدلنے کی ایسی سُنت جاری کی کہ ہر زمانہ کے علماءِ اِسے تماشہ بناتے اور کرتب دکھاتے چلے آئے۔ذرا انصاف سے فرمائیں کہ کیا میں ان لوگوں سے خواہ مخواہ برسرِ پیکار ہوں؟ ذرا ایک ہی ایسی بات بتایئے جو میں کہتا یا چاہتا ہوں اور وہ مسلمانوں کے یا مقاصدِ اِسلام کے یا قرآن کے بیانات اور عربی قواعد کے خلاف نقصان دینے والی ہو؟ آپ اپنے گھریلو ترجموں میں پھر ایک دفعہ اُن علماء کی خیانت دیکھ لیں کہ وہ آیاتِ مُتشابہات کا ترجمہ کیوں صحیح نہ کرسکے جب کہ وہ سب اس مندرجہ بالا آیت **(39/23)** کا ترجمہ صحیح کرتے ہیں؟۔

سوم۔ قرآن کریم محکم کتاب ہے

قومی قسم کے مسلمان علماء کو یہ بھی دکھا دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا منہ بند رکھنے اور تمہیں باطل پرست ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کو نہ صرف اَحۡسَنُ الۡحَدِیۡث فرماتا ہے۔ متشابہ کتاب قرار دیتا ہے۔ بلکہ اسے کتاب محکم بھی فرماتا ہے سنئے۔

> الٓرٰ۔ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍO (سورہ ھود 11/1)
>
> فَاِذَا اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَۃٌ مُّحۡکَمَۃٌ وَّ ذُکِرَ فِیۡھَا الۡقِتَالُ رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ مَّرَضٌ یَّنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ نَظَرَ الۡمَغۡشِیِّ عَلَیۡہِ مِنَ الۡمَوۡتِ ؕ فَاَوۡلٰی لَھُمۡO (سورہ محمدؐ 47/20)

۔''یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کی آیات کو حکیم وخبیر نے پہلے محکم کیا اور پھر مفصل کر کے بھیجا ہے''۔ یہ بھی سنتے چلیں کہ قرآن کی آیتوں کی طرح اس کی سورتیں بھی محکم ہیں۔ فرمایا کہ:۔

۔''چنانچہ جب کوئی بھی محکم سورہ نازل ہوتا ہے اور اس میں دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنے کا ذکر آجاتا ہے۔ تو آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں مرض قومی جما ہوا ہے۔ کہ اس ذکر کو سنتے ہوئے قومی خطرہ کی بنا پر وہ تمہیں اس طرح دیکھتے ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو۔ چنانچہ ان پر جنگ کے لئے **اَوۡلٰیؐ مُسلّط ہو کر رہے گا''۔**

قارئین اگر آپ قرآن کے مزاج سے واقفیت پیدا کرلیں تو آپ قدم قدم پر اور ہر آیت میں کوئی نہ کوئی ایسی بات اور ایسا اشارہ پائیں گے۔ جس میں آپ کو مشرکینِ عرب کے اسلام اور قومی مزاج کی تشریح ملے گی۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ مترجمین ومفسرین بڑی محنت اور کدّ وکاوش سے ہر جگہ پردہ پوشی کے لئے تحریف اور بریکٹوں کے پردے لٹکاتے چلے گئے ہیں۔ اور جہاں اس سے کام نہ چلا وہاں تفہیم القرآن اور مفہوم القرآن کے نام پر کتابوں کے ڈھیر لگا کر دشمنانِ اسلام کو اُن ڈھیروں کی آڑ میں چھپانے میں مصروف رہے ہیں۔ اس لئے یہ طے کیا گیا کہ ہم قرآن کے الفاظ کے ان معنی کو قرآن اور لغات سے جانچ کر قبول کریں گے۔ جو ان لوگوں نے اُمت کو بہکانے کے لئے گھر گھر پہنچائے اور لوگوں کے زوایائے نظر ہی کو بدل دیا ہے۔ چنانچہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ قرآن وحدیث کے معاملہ میں سابقہ تمام کارگذاریاں از سرِ نو جانچی جائیں۔ اور کسی بات کو آنکھ بند کر کے قبول نہ کیا جائے۔ خواہ وہ کوئی قدیم وجدید شیعہ مجتہد ہو یا سنی لیبل لگا تا ہو۔ ہم اس کتاب میں آئندہ بھی ان کے تراجم و تفاسیر کی پول کھولتے چلیں گے۔ انشاء اللہ والامام علیہ السلام۔

(ط) احادیث کے ساتھ رسولؐ کی قوم کا سلوک؟؟

احادیث کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کی تفصیل ہماری تصانیف میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں تو ہم سرسری طور پر چند مُسلّمات پیش کر کے مجتہدین کی ان مَساعی (کوششوں) کا ذکر کریں گے۔ جو انہوں نے آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی احادیث کو مشکوک کر کے ردّ وانکار کی راہیں نکالنے میں کی ہیں۔

(ا) موجودہ اہلِ سُنت کتب احادیث کی حیثیت؟؟

مُورخین ومُحدثین ومحققین اہل سنت نے بار باراور طرح طرح یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کے واضح احکامات کے ماتحت اوران کی نگرانی وسرپرستی میں تاریخ واحادیث کی باقاعدہ ابتدا ہوئی۔حکومت کی آمدنی کا بڑا حصہ حدیث وتاریخ سازی کرنے والے اسٹاف پرخرچ ہوتا تھا۔پھراُن کے جانشینوں نے آخری عباسی خلیفہ کے زمانہ تک اس کام کونہایت حُسنِ تدبّر سے جاری رکھا۔اس سلسلے میں ترقی یافتہ ممالک کے غیرمسلم علماءاور ماہرین آخری خلیفہ تک برابر مدومعاون اورتنخواہ داررہے۔ اور ہرخلیفہ نے اِسلامی مملکت میں اپنے مذہب اوراپنے بزرگوں کے تصورات کی اشاعت کی۔اپنے مذہب اورتصورات کے مخالفین کا تلواراوردولت کے دونوں ہاتھوں سے قلع قمع کیا۔اپنے اوراپنے پیش روحاکموں اورطرز حکومت کے جواز میں تنخواہ داروظیفہ خوارمجتہدین سے دینی دلائل واحادیث وواقعات گھڑواکر تمام مملکت میں پھیلائے۔ ہرزمانہ میں ہرقاضی، ہرعدالت، ہرمجتہد، ہرمحکمہ کے افسران، ہرمسجد کا پیش نماز،محلّہ کا میرمحلّہ حکومت کے مذہب اورسرکاری احادیث وتفاسیر پبلک تک پہنچاتا تھا۔ اوران ہی کے مطابق عمل کراتا تھا۔اور ہراس تصور پر باز پرس اورتعزیروتادیب کرتا تھا۔جوحکومت کی پالیسی یامذہب کے خلاف ہوتا تھا۔لوگ قتل کیے جاتے تھے۔مخالفین کی زبانیں کاٹی جاتی تھیں۔گھربار کی تباہی اورانہدام کیا جاتا تھا۔جلاءوطنی بہت رعایتی سزاتھی۔مخالفین کے ہاتھ کٹواکرعبرت کے لئے مساجد کے دروازوں پرکیلوں سے جڑوادیئے جاتے تھے۔ان کے سرشہر پناہ کی دیواروں، دروازوں اوربرجوں پرآویزاں رہتے تھے۔یہ تمام واقعات نام بنام تاریخ میں موجود ہیں۔ان تمام حالات میں وہ لوگ جوروزِ اوّل سے حزب مخالف سے متعلق تھے۔جن کا ایمان ویقین یہ تھا کہ اِسلام کی سربراہی کے لئے عصمت لازم ہے۔ جن کو ہرخلیفہ کے عہد کی تاریخ مجرموں کی طرح دیکھتی اورمندرجہ بالاسلوک کرتی رہی۔اورجنہوں نے تمام ممکنہ مظالم کواورقیدوبند کو، وسائل دنیاوی سے محرومی کو بصدشوق برداشت کیالیکن سرکاری مذہب اختیارنہ کیا۔معافی تو کہاں؟ کبھی اپنے اعتقادات پر ندامت کا اظہاربھی نہ کیا۔ان کو یہ اجازت کہاں سے مل سکتی تھی؟انہیں یہ آزادی کون دے سکتا تھا کہ وہ کھل کرسرکاری مذہب اور پالیسی پرکتابیں لکھتے اورسرکاری کتابوں کی طرح اُن سرکاردشمن کتابوں کو پڑھتے اورشائع کرتے۔اُس زمانہ کوچھوڑیئے۔ آج اس ترقی اورمذہبی آزادی کے زمانہ کودیکھنے کے لئے کتابوں کی رفتاروگفتارکو مارکیٹ میں دیکھئے۔اور پتہ لگائیے کہ سرکاری مذہب کے وکلاءکیا کیالکھ رہے ہیں وہ کون سی گالی ہے جواُن کے زبان وقلم سے محفوظ ہے؟ وہ کون سی تہمت ہے جس کوشیرِ مادر کی طرح جائزنہیں سمجھا جاتا ہے؟وہ کون سافریب ہے؟ جوحدیث وتاریخ کے نام پرنہیں دیا جاتا؟ وہ کون سا جھوٹ ہے جومساجد اورمحراب ومنبر سے نہیں بولا جاتا؟وہ کون سی مسلّمہ موضوعی روایت ہے؟ جومحمدؐ وآل محمدؐ اورمخالفین کی تنقیص کے لئے آج صحیح حدیث بناکر پیش نہیں کی جاتی ؟اورکمال یہ ہے کہ یہ ٹھیکیداراِن مذہب گنتی کے بائیس آدمی ہیں ۔ نہ ان کے ساتھ کثرت

ہے۔ نہ مسلمانوں کا تعاون حاصل ہے۔ وہ تمام مسلمانوں کو مشرک ، پیر پرست ،قبروں کے پُجاری لکھ رہے ہیں ۔ وہ پیرانِ پیر دستگیر غوث اعظم ، داتا گنج بخش اور مشکل کشا کی شان میں شرمناک الفاظ و مذمت لکھ رہے ہیں ۔ اور مسلمانوں کی کثرت اور علماء خاموش بیٹھے سن رہے ہیں ۔ اس سے کئی ہزار گنا بدتر تھا وہ زمانہ جب شیعہ تو دشمن تھے ۔ انہیں تو بدعتی اور گردن زدنی بنا کر راستے سے ہٹا دیا تھا۔ لیکن خود علمائے اہلِ سُنت کے ساتھ بھی حکومت اور حکومت کا مذہب رعایت نہ کرتا تھا۔ امام احمد بن حنبل کے ساتھ کیا ہوا؟ علماء سے پوچھئے؟ امام اعظم ابوحنیفہ کو کیوں بار بار حکومت سے معافی طلب کرنا پڑی؟ معلوم کیجئے؟ ہر وہ شخص جو خلفائے وقت کے ذاتی مذہب کے خلاف تصور کا اعلان کرتا تھا۔ زیرِ عتاب رہتا تھا۔ ہم صرف اس قدر کہنا کافی سمجھتے ہیں ۔ کہ جناب محمد اسماعیل بخاری کو سات لاکھ احادیث یاد تھیں مگر کچھ ایسے حالات درپیش تھے کہ وہ کل چھ ہزار احادیث اپنی کتاب صحیح بخاری میں لکھ کر منظر عام پر لا سکے ۔ چھ لاکھ چورانوے ہزار حدیثیں کہاں گئیں؟ کیوں منظر عام پر نہ لائی گئیں؟ جب کہ وہ صحیح احادیث تھیں ۔ احادیث کے ضائع کئے جانے کی سینکڑوں مثالوں میں سے یہ ایک مثال ہی کافی ہے ۔ سوال یہ ہے کہ کوئی شخص اہلِ سنت ہو کر کیسے جرأت کر سکتا ہے کہ وہ کسی معاملہ میں آنحضرتؐ کی طرف سے آخری حکم لگا دے اور کہہ دے کہ رسول اللہؐ صلی علیہ وآلہ وسلم نے فلاں مسئلہ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا جو آج کتب حدیث میں موجود ہے؟ ۔ (**ہمارے اس عنوان پر دیکھو اسلامی شریعت سازی کی تاریخ علامہ محمد الخضری مصری**)

<u>(2) شیعہ احادیث کا ذخیرہ اور شیعہ مجتہدین کا کردار؟؟</u>

سابقہ عنوان میں شیعوں کے ساتھ جس سلوک کا تذکرہ کیا گیا۔ وہ سلوک مسلسل دوسو پینسٹھ (265) سال تک اپنی پوری شدت کے ساتھ برقرار رہا۔ (تواریخ اِسلام اور مذکورہ بالا تاریخ) ذرا سوچئے کہ ان حالات میں کیا یہ ضروری نہ تھا؟ کہ یہ لوگ احادیثِ رسولؐ اور احادیثِ آئمہ اہل بیتؑ کو نہایت پوشیدہ طور پر جمع کر کے آگے بڑھائیں تاکہ آنے والی نسلیں سرکاری مذہب کے فریب میں مبتلا نہ ہو جائیں؟ اور تاکہ آنے والی نسلیں اس ریکارڈ کی حقانیت سے وہ قوتیں حاصل کریں جو انہیں کسی ظالم و ظلم کے سامنے نہ جھکنے دے؟ اور تاکہ اس دولتِ حق کے مقابلہ میں انہیں دنیا کا مال و جائیداد و آسائش ہیچ نظر آئے؟ اور تاکہ وہ اپنی جان و مال و اولاد کو خوشی خوشی اپنے معصومؑ راہنماؤں پر بے دریغ قربان کر سکیں؟ اور تاکہ وہ باطل کو مٹا کر حق کو نافذ کرنے کا سامان و قوانین و اسالیبِ حیات کو باقی رکھیں اور عین وقت پر علوم القرآن و اِسلام سے تہیدست نہ رہیں؟ قارئین ہزاروں ایسے اِسلامی تقاضے تھے جن کو سامنے رکھ کر ملتِ شیعہ آگے بڑھی اور اسی سرکاری تاریخ میں ایک زندہ معجزہ کی طرح اُبھری اور مدِّ مُقابل حکومتوں اور قوتوں کو مسمار کرتی ہوئی بڑھی ۔ لاکھوں من خون و گوشت قربان کر کے حقیر و ذلیل زندگی سے تختِ حکومت تک پہنچی ۔ حکومت گر (KINGMAKER) کہلائی (دیکھو ہماری کتاب مذہبِ شیعہ) لیکن رفتہ رفتہ نظامِ اجتہاد

ملت شیعہ کی صفوں میں درآیا۔ معصد ولہ اور عضد الدولہ دیلمی ابن رکن الدولہ کی آڑ لے کر قوم پر مسلّط ہو گئے۔ اور غیبت کبریٰ میں اپنی دسیسہ کاریوں سے، باوجود ممانعت کے، جانشینِ حضرت حجۃ امام آخر الزمان علیہ السلام بن بیٹھے۔ اور حکومت کی طرف سے شیعہ پبلک پر نظامِ اجتہاد کے مسائل واحکام نافذ کرنا اور اپنے مخالف علمائے شیعہ کو راستے سے ہٹانا شروع کر دیا۔ چونکہ ناواقفیت کی بناء پر بعض مخلص مومنین بھی اُن علمائے مجتہدین کے ساتھ شامل ہو گئے اور انہیں خالص مومن سمجھے۔ لہٰذا مومنین کی مدد سے وہ تمام کتابیں برآمد کرنا شروع کیں جو حضرت علیؑ کے زمانہ سے لے کر جناب امام حسن عسکری علیہم السلام کے وقت تک علمائے شیعہ نے لکھی تھیں اور جنہیں دشمنوں سے پوشیدہ رکھا جاتا رہا تھا۔ مومنین کو بتایا یہ گیا تھا کہ شیعوں کے لئے علیحدہ عدالتیں اور قاضی مقرر کیے جارہے ہیں۔ تاکہ ملت شیعہ کے مقدمات ومعاملات کو شیعہ مذہب کے قوانین سے فیصل کیا جائے۔ اس قانون کی تیاری کے لئے تمام کتب احادیث کا مرکز میں جمع کیا جانا ضروری ہے۔ وہ تمام کتابیں کس طرح برآمد ہوئیں؟ کہاں کہاں سے برآمد ہوئیں؟ برآمد کرنے میں کس قدر رشوت یا طاقت صرف ہوئی؟ یہ سرکاری تاریخ میں کیوں لکھا جاتا؟ بہرحال یہ ثابت ہے کہ چارسو (400) سے لے کر اَسّی ہزار (80,000) کتابوں تک جناب علامہ سید مرتضیٰ علم الھدیٰ کی تحویل میں تھیں جو بعد میں ضائع کر دی گئیں (تفصیل اگلے عنوان میں ہے)

(3) شیعہ سُنی علمی اِسلامی ریکارڈ پر کیا گذری؟

(اوّل) یہ حادثہ ایک طویل ومسلسل داستان الم واندوہ ہے۔ جو آج عملاً درپیش ہے۔ اور جسے سناتے رہنے اور روکتے رہنے کا فریضہ بھی ہمارے ہی حصہ میں آیا ہے۔ اور جسے ہم نے بڑی تفصیل وتاریخ سے اپنی تصنیفات میں پیش کیا ہے۔ اور جس کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اور جس کو جاننے والا شخص مُلّا ذہنیت کو ساکت وساکن کرسکتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے کی چند باتیں سنئے۔ چوتھی صدی ہجری آنے سے قبل ہی ملکی وقومی حکومت نے جو دینی ماحول پیدا کر رکھا تھا۔ اس کا تقاضہ یہ تھا کہ اہلِسُنّت محدثین بھی اس تمام ذخیرہ کو سپرد قلم کرنے سے باز رہیں۔ جو انہیں رسولؐ اللہ سے آنحضرتؐ کے صحابہ رضی اللہ عنھم کی زبانی پہنچا تھا۔ اور جس پر امت کے عوام کسی نہ کسی طرح عمل کرتے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ آج بھی اُمت میں ہزاروں عقائد واعمال ایسے ہیں۔ جن پر ڈھونڈھے سے حدیث نہیں ملتی۔ اور چونکہ ثبوت میں حدیث نہیں ملتی۔ لہٰذا طاغوتی گروہ اُمت کو چڑاتا ہے۔ اور ثبوت مانگتا ہے۔ مشرک ومُلحد وبدعتی کہتا ہے۔ بہرحال ان سے دریافت کرو کہ حضور علامہ اسماعیل بخاری محدث نے اپنی حدیث کی کتاب صحیح بخاری میں صرف چھ سات ہزار احادیث لکھیں اور چھ لاکھ چورانوے ہزار احادیثِ رسوؐل کو نہ لکھ سکے۔ حالانکہ وہ تمام احادیث صحیح بخاری میں درج شدہ احادیث کی طرح صحیح تھیں۔ پھر انہیں یہ سناؤ کہ۔ ’’زہیر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے جابر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں۔ لیکن ان میں سے میں نے ایک کو بھی

بیان نہیں کیا۔اس کے بعد ایک روز ایک حدیث بیان کی اور کہا کہ یہ ان ہی پچاس ہزار حدیثوں میں سے ہے‘‘۔اور

2۔’’سفیان سے روایت ہے کہ میں نے جابر کو سنا کہ وہ تقریباً تیس ہزار حدیثوں کی روایت کرتے ہیں۔لیکن میں ان میں سے کسی کا ذکر جائز نہیں سمجھتا۔اگرچہ میرے پاس یہ یہ حدیثیں ہیں‘‘۔اگلے صفحے پر ہے کہ:۔

3۔’’جابر جعفی کی نسبت جو کہتا تھا کہ اس کے پاس پچاس ہزار حدیثیں اور بعض روایات کی رو سے ستر ہزار حدیثیں ہیں۔جن کو وہ محمد باقر بن علی بن حسین (علیہم السلام) سے روایت کرتا ہے‘‘۔(تاریخ فقہ اِسلامی یعنی تاریخ التشریع الاِسلامی مولفہ علامہ محمد الخضری مصری کا ترجمہ از مولانا عبدالسلام ندوی صفحہ 202,204)اور یہ بھی دکھائیں کہ:۔

4۔’’امام مسلم (صحیح مسلم والے) نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس کے پاس ایک لمبی کتاب آئی جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے تھے۔انہوں نے سب کو مٹا دیا۔اور صرف ایک ہاتھ کے برابر قائم رکھا۔امام مسلم ہی نے ابو اسحاق سے یہ روایت بھی کی ہے کہ جب لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد یہ باتیں پیدا کیں تو اصحاب علیؑ میں سے ایک شخص نے کہا کہ اُن پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے کیسے علم کو برباد کیا‘‘۔(ایضاً صفحہ 201)

قارئین سوچیں کہ اگر علامہ محمدؒ اسماعیل بخاری کو زمانہ نے موقعہ دیا ہوتا تو وہ صحیح بخاری کے سائز کی (116) کتابیں اور لکھتے اور جابر جعفی والی ستر ہزار معصوم علیہ السلام سے منقول احادیث سے شیعوں کی سب سے قدیم اور بڑی حدیث کی کتاب کافی (4549 صفحات) ایسی چونتیس (34) جلدیں تیار ہو جاتیں یعنی ہزاروں محدثین میں سے صرف دو محدثین کی حدیثوں کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہوتا۔جو تمام موجودہ شیعہ سُنی حدیث کے ذخیرہ سے تیس گنا زیادہ ہوتا اور ڈھکوا اینڈ کمپنی کے تمام سوالات کا جواب بن جاتا۔لیکن ڈھکوی بزرگوں نے ہمارے بزرگوں کے علمی ذخیرہ کو تباہ کیا اور آج وہ ہم سے کہتے ہیں کہ فلاں مسئلہ بلا حدیث کے گھڑ لیا گیا۔یہ شرک ہے یہ بدعت ہے۔لیکن ہم نے ان اِسلامی قزاقوں کی نقاب نوچ کر ان کو امت کے روبرو برہنہ کر دیا ہے۔اور بتایا کہ اُمت کی کثرت جن عقائد واعمال کی مسلسل پابند چلی آتی ہے۔ان کے ثبوت میں کسی حدیث کی ضرورت بھی نہیں ہے وہ مستقل عملی سُنت رسولؐ ہے۔البتہ علماء کی کثرت کے پاس مستقل سُنت نہیں بلکہ ان کا اپنا خود ساختہ اِسلام ہے﴿ **دیکھو ہماری کتاب اِسلام اور علمائے اِسلام** ﴾

(دوم) شیعہ ریکارڈ کے ساتھ اس سے بڑا ظلم ہوا ہے

روز بعثتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر گیارہویں معصوم امام جناب حسن عسکری علیہ السلام تک نہ صرف سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تمام کتابیں محفوظ چلی آرہی تھیں۔بلکہ اِسلام کی محمدیؐ قسط کا مکمل ریکارڈ تیار ہوتا چلا آیا تھا۔حکومتوں کو اُس ریکارڈ کی ہوا بھی نہ لگنے دی جاتی تھی۔اس لئے کہ اس میں خود قومی حکومت کی کچی کچی داستان اور تاریخ وار واقعات قلمبند

ہوتے چلے آرہے تھے۔جن کو زبان پر لانا زبان کٹوا دیتا تھا۔نظامِ ہدایت کوملکی حکومت سے کہیں زیادہ کاغذ کی فراہمی کی سہولت حاصل تھی ۔ یہاں بے نظیر وحقیقی علماء موجود تھے ۔آئمہ علیہم السلام اوراُن کے طرفداروں پر جومظالم ہورہے تھے۔ان کا تقاضہ تھا کہ تعلیماتِ محمدؐ وآل محمدؐ کومحفوظ رکھنے کے لئے اہل علم وفن حضرات ملک سے نکل جائیں ۔اُدھرملکی حکومت بھی جلاوطنی کی سزائیں دے رہی تھی ۔یوں تعلیماتِ اِسلامی غیرمسلم اقوام وممالک میں جاپہنچیں ۔اورساری دنیاان مظالم اورمظلوموں سے مطلع ہوگئی ۔ اورظلم وظالموں کے خلاف نفرت پھیل گئی ۔مہاجرین اورتعلیماتِ اِسلامی سے ہمدردیاں وابستہ ہوگئیں ۔ اِسلام اورراہنمایانِ اِسلام کوان مظالم سے بچانے کی تحریک پیدا ہوگئی ۔خودشیعہ حکومتیں قائم ہوگئیں اور چاروں طرف سے اس ظالم وجابرحکومت کوگھیرے میں لے لیا۔اورادھرتحریکِ تشیّع نے خودعراق وعرب میں حکومت کا ناطقہ بند کررکھا تھا۔الغرض امامؑ یازدھم (11) کے وقت تک ہزاروں کتابیں تاریخ وحدیث وتفسیر وسائنس وعملی مسائل پر تیار ہوچکی تھیں ۔ ہرعہد کے امام علیہ السلام نے ہزاروں علماء پیدا کئے اوردنیا میں پھیلا دیئے تھے۔ان تمام کتابوں کی تصدیق کی تھی ۔اورآج کے شیعہ سنی ریکارڈ سے بھی ثابت ہے کہ محض معصومؑ احادیث کے ذخیرہ کو چارسوکتابوں میں مدوّن ومرتب کردیا تھا۔جن میں سے آج بھی سینتیس (37) کتابیں موجود ہیں۔لیکن وہ ایران وانگلینڈ کی لائبریریوں کے آثارقدیمہ میں داخل ہیں ۔چنانچہ جب عباسی حکومت میں بنی بویہ کواقتدارحاصل ہواتو بغداد میں جہاں عزاداری حسینؑ مظلوم منانے کی آزادی مل گئی وہیں شیعہ مساجد میں علیؑ ولی اللہ اذانوں میں پکاراجانے لگا۔اسی زمانہ میں نظام اجتہاد برسرکارآیا۔غیبت کبریٰ ہوتے ہی شیعہ علماء کوکرسیاں اوروظائف دیئے گئے ۔حکومت کے لئے شیعہ احکام ومسائل پرقوانین تیارکرنے کا سیاسی حربہ دیا گیا۔جس کی تیاری کے لئے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر شیعہ کتابیں حاصل کی گئیں ۔روپیہ اورتلواردونوں نے اپنا کام شروع کیا۔اوروہ تمام ریکارڈ اَسی ہزار (80,000) کتابوں کی صورت میں جناب علامہ سیدمرتضٰی علم الہدیٰ کی ذاتی لائبریری میں جمع ہوگیا۔قارئین اس حادثہ کوایک نہایت زبردست مجتہد سے سنئے جنہوں نے علماء کی مختصرسوانح عمریاں لکھی ہیں۔کہتے ہیں کہ:۔

۔’’بہت سے علماء نے کہاہے کہ آنجناب نے وفات کے بعد اَسی ہزار (80,000) پڑھنے کے قابل تصنیفات اورمحفوظ کتابیں چھوڑیں‘‘۔

در حالات علم الهدیٰ سید مرتضیٰ

جمعے از علما گفته اند که آنجناب بعدازوفات هشتادهزار (۸۰۰۰۰) مجلد کتاب از مقروات ومصنفات ومحفوظات بجا گذارد‘‘۔(کتاب قصص العلماء صفحہ ۴۰۹)

۔’’ وکتب اورا اسّی هزار تومان قیمت کردند بعد از آنکه بسیاری ازنفایس آنهارابرائی اُمرا و وزرا فرستادند وولادتش درسال سیصدوپنجاه وپنج بوده ووفاتش چهارصد وسی وشش بود‘‘۔(صفحہ ۴۰۹)

اُس کے بعد ایک لطیفہ لکھا اور فرمایا کہ ۔''جب کہ اُن اَسی ہزار کتابوں میں سے نفیس ترین کتابیں امیروں اور وزیروں کو دی جا چکیں ۔تب بھی باقی ماندہ کتابوں کی قیمت اسی ہزار تومان یعنی (20×80,000)اس زمانے کے سولہ لاکھ روپے طے پائی تھی ۔ ان کی پیدائش تین سو پچپن (355ھ) اور وفات چار سو چھتیس 436 ہجری میں ہوئی تھی''۔

(سوم) عباسی حکومت کی طرف سے ملی ہوئی دولت اور جاگیریں

جناب علامہ نے ملکی حکومت کی پالیسی میں جو کچھ امداد دی ۔اس کی تفصیل ہماری دوسری تصنیفات میں ملاحظہ فرمائیں ۔ یہاں تو یہ دکھانا ہے کہ وہ اسی ہزار کتابیں نہ اپنے گھر میں رہنے دی گئیں ۔نہ شیعہ علماء اور شیعہ کتب خانوں کو دی گئیں ۔ بلکہ سیّد صاحب نے اپنے ساتھیوں اور مل کر کام کرنے والے اراکینِ مملکت میں تقسیم کرنے کی ہدایات دی تھیں ۔اور یہ کہ دولت وسرمایہ داری حضور علامہ کو اس قدر محبوب تھی کہ سولہ لاکھ روپیہ گھر میں آنا زیادہ پسند تھا۔ لہٰذا علمی ذخیرہ اور کلامِ معصومؑین آخر فروخت بھی کردیا گیا۔حالانکہ آپ سرمایہ داری میں اس وقت کی دنیا میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے ۔چنانچہ چند الفاظ اس کے لئے بھی سن لیں تو عنوان بدل دیں اِسی صفحہ 409 پر فرمایا کہ:۔

۔''ان کی مالی حالت بے اندازہ تھی ۔مکہ کے سفر پر جاتے ہوئے انہوں نے ایک شخص کو نوہزار تومان (20x9,000) ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ بطور بخشش عنایت

> ۔'' ثروت اُوبے اندازه ودرسفرمکه سید مرتضیٰ بابرادرش بیک نفر نه هزار تومان دادند گویند که از بغداد تا مکه سید مرتضیٰ درهمه جاملِک داشته''۔

فرمادیا تھا۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بغداد سے لے کر مکہ تک وہ ہر جگہ جاگیریں رکھتے تھے''۔(صفحہ 409)

(چہارم) صرف احادیث کی چار ہزار سے چھ ہزار تک قدیم کتابیں بھی تباہ کی گئیں

دولت وثروت اِس قدر ضروری اور مفید چیز تھی کہ مذکورہ اَسی ہزار کتابوں کے ساتھ معصومؑ احادیث کی چھ ہزار مصدقہ کتابیں قربان کردی گئیں ۔ سنئے مجتہد سے سنئے ۔

۔''عسکرینؑ یعنی دسویں اور گیارہویں امامؑ کے زمانہ میں اور غیبت امامؑ دوازدہم کے قریب مختلف قسم کی بہت سی

> پس درزمانِ عسکرییںؑ وقریب بزمانِ غیبت اخبار متعارضه بسیارجمع شد ۔ لهٰذا امامیه اتفاق نموده اند درمیان چهار هزار یاشش هزار اصل برچهار صد اصل وآں چهار صد کتاب از اصول معتمده معتبره بود که یاآں کتاب بنظرِ معصومؑ رسیده بودومعصومؑ آن را تصحیح نموده وامر به عمل او فرموده مانندکتاب کتابِ یونسؓ بن عبد الرحمٰن ویاصاحبان اصل از معتمدین ومعتبرین بودند ماننند زراره ومحمد بن مسلم ونحو آنها وایں چهار صد اصل مبّوب نه بودند (قصص العلما صفحہ ۲۱۰)

حدیثیں جمع ہو چکی تھیں اور چار ہزار کتابوں سے لے کر چھ ہزار حدیث کی کتابیں اور علاوہ ان کے چار سو حدیث کی اور کتابیں موجود تھیں۔ جو اس لئے معتبر اور قابل اعتماد تھیں کہ یا تو وہ کتابیں خود امامؑ کے ملاحظہ سے گذری تھیں۔ اور حضورؐ نے خود ان کی تصحیح فرمائی تھی۔ یا وہ ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تیار کی تھیں جو ذاتی تصحیح کے برابر حضورؐ کے معتمد اور معتبر حضرات تھے۔ جیسا کہ حضرت زرارہ اور محمد بن مسلم رضی اللہ عنہما اور ان کتابوں پر عمل کرنے کا حکم صادر فرما دیا تھا''۔

قارئین یہاں پھر نوٹ کریں کہ آج علمائے شیعہ کے پاس ان چار ہزار، اور چھ ہزار اور چار سو کتابوں میں سے ایک کتاب بھی نہیں ہے۔ جو ساڑھے تین حدیث کی کتابیں موجود ہیں۔ وہ بعد میں لکھی گئی تھیں۔ ان میں شمار نہیں ہیں۔

(پنجم) اہل سُنت علماء کی فریاد بھی یہی ہے

علامہ خضری تاریخ تشریع الاسلامی کے آخری صفحات میں عنوان قائم کرتے ہیں کہ۔''ہم میں اور آئمہ کی کتابوں میں تعلقات کا منقطع ہوجانا''۔ (پھر لکھتے ہیں کہ) ہمارے اسلاف کی یہ عظیم الشان کتابیں جن کو تقدیر نے ہمارے لئے چھوڑ رکھا ہے۔ صرف ایک یادگار کے طور پر رہ گئی ہیں۔ اور بہت دنوں سے کوئی شخص ان کی اور ان کے درس و تدریس کی پرواہ نہیں کرتا۔ امام محمد۔ امام شافعی۔ امام مالک وغیرہ آئمہ، ان کے تلامذہ (شاگردوں) بلکہ پانچویں دور کے آئمہ کی ان کتابوں کی طرف، جو روح کو غذا دیتی ہیں۔ ہمت کو برانگیختہ (ابھارتی) کرتی ہیں۔ اور فقیہ کامل پیدا کرتی ہیں۔ کوئی عالم توجہ نہیں کرتا۔ نہ ان کا درس دیتا ہے۔ نہ ان سے واقفیت (علم) حاصل کرتا ہے۔ بلکہ تم کو بڑے بڑے علماء ملیں گے۔ جو ان کتابوں کے نام بھی نہیں جانتے اور جب تمہارے ہاتھ میں ان کتابوں میں سے کوئی کتاب دیکھتے ہیں۔ تو کوئی عالم ان کے پڑھنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ اُن علماء نے صرف اُن کتابوں پر اکتفا کر لیا ہے۔ جو زمانہ تنزّل میں لکھی گئیں۔ اور اس طرح روایتِ صحیحہ مفیدہ کے لحاظ سے ہم میں اور اُن کی کتابوں کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے ہیں''۔ (اگلے صفحہ پر نتیجہ لکھتے ہیں کہ)

۔''ہمارے اور ہمارے اسلاف کے علم کے درمیان تاریکیوں کا زمانہ (زمانہ جاہلیت) حائل ہو گیا۔ صرف تھوڑی سی جو تلچھٹ باقی رہ گئی ہے۔ وہ نہ پیاس کو بجھاتی ہے۔ نہ مرض سے شفا دیتی ہے۔ اس لئے ہم ایسی ہمت کے کس قدر محتاج ہیں۔ جو اُن کتابوں کو ان کی قبروں سے نکالے اور لوگوں کے رخ کو ان کی طرف پھیر دے۔ تا کہ علوم اِسلامیہ میں ہمارے درجے بلند ہو جائیں اور اس وقت ہم یہ کہہ سکیں کہ ہم میں فقہا موجود ہیں''۔ (تاریخ فقہ اِسلامی صفحہ 473-472)

شیعہ مومنین غور کریں کہ علامہ خضری کو وہ قبرستان معلوم ہے۔ جہاں احادیث کی صحیح کتابیں دفن ہیں۔ انہیں صرف علماء کی سرد مہری اور جہالت کی شکایت ہے اور ذرا سی ہمت کر کے اہلِ سُنت ریکارڈ امت کے سامنے لایا جانا ممکن ہے۔ مگر محمدؐ و آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کی احادیث کا شیعہ ریکارڈ تو طاغوت کے اسٹور میں چلا گیا۔ جہاں سے اسے نہ کوئی واپس لاسکتا ہے۔ نہ کسی کو

شیطانی اسٹور کا پتہ معلوم ہے۔ بہر حال ہمارے نام نہاد مجتہدین کا حال اس سے کہیں زیادہ بدتر اور مایوس کُن ہے۔ علامہ خضری کو (اگر وہ زندہ ہوتے) تو ہم بتاتے کہ بھیّا جان یہ علماء کی سرد مہری اور جہالت نہیں بلکہ یہ تو سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ وہ سب ذخیرہ سامنے ہوگا تو یہ علماء کسی مسلمان کو نہ مشرک کہہ سکیں گے۔ نہ کافر بنا سکیں گے۔ نہ اُمت کو لڑا لڑا کر اقتدار و دولت حاصل کر سکیں گے۔ نہ آئے دن نیا نیا اجتہاد کر سکیں گے۔

(4) کلام اللہ وکلام معصومینؑ کے ساتھ ہی ملتِ شیعہ کی سودا بازی

شیعہ تاریخ میں یہ بھیانک حقیقت بھی سرک کر شامل ہوگئی کہ جناب حُجۃ اللہ علم الھدٰی (ہدایت کا پرچم) السیّد مرتضیٰ اعلیٰ اللہ مقامہ نے مذہب معصومین علیہم السلام کو اہل سُنت علماء کی صف میں کھڑا کرنے کا سودا بھی کیا تھا۔ لیکن خریدار نے اس مال کو خریدنے کی قیمت زیادہ مانگی تھی۔ یعنی ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ خریدنے والا قیمت ادا کرتا۔ وہاں الٹا سودا تھا۔ یعنی سید صاحب مذہب شیعہ اثنا عشریہ کو پاس سے رقم دے کر بیچنا چاہتے تھے۔ سنئے اسی مجتہد سے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

۔''بعض معتبر کتابوں میں بھی لکھا ہے۔ اور میں نے خود اپنے استاد سے بھی دو بدو سنا ہے کہ مرتضٰی کے عہد میں چار مذاہب پر اجماع کیا گیا تھا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ اہل سنت میں نظام اجتہاد خوب پھیلا۔ لہٰذا ان میں ذاتی رائے اور مصلحتوں کے ماتحت فیصلے اور فتوے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ مختلف قسم کی رائے اور دور افتادہ ذاتی خواہشوں کا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اور قریب تھا کہ دین اِسلام ان سے رخصت ہوجائے۔ اس لئے سُنی علماء نے چاہا کہ آپس کا اختلاف اور ضد و دشمنی دور

و در بعضی از کتب معتبره مذکوراست که از استادم مشافهة شنیدم که درعهد سید مرتضیٰ عامه اجماع نمودند برچهارمذهب تفصیلش اینکه اجتهاد درمیان عامه شیوع داشت و به رائے واستحسان عمل می نمودند۔ تا اینکه آراء مختلفه واهواء متفاوته درمیان ایشان پدید آمد۔ آخرالامرنزدیک بآن شدکه دین ایشان ازمیان رفته باشد۔ خواستندکه اجماع بر چهار مذهب نمایند۔ سید مرتضیٰ از ایشان استدعا نمودکه اجماع بر پنج مذهب نمایند. جعفری و شافعی وحنفی ومالکی وحنبلی۔ زیراکه اگراجماع بر پنج مذهب میکردند شیعه را دیگر تقیه نه بود۔ پس سلطان آن عصردویست هزارتومان مطالبه داشت۔ بعوض اینکه اجماع بر پنج مذهب کنند۔ سید مرتضٰی صد هزار تومان از مال خودمیداد قبول نه کردند و سائر شیعیان نیز اقدام نه کردند که صدهزار تو مان دیگررابدهند تا دویست هزار تومان شود۔ یا بجهة کم بودن شیعه یاکم داشتن یا اینکه نخواستندکه این مبلغ را داده باشند لهٰذا اجماع بر چهار مذهب نمودند (صفحہ۴۰۷۔۴۰۶)

کرنے اور مزید اختلاف بڑھنے کو روکنے کے لئے چاروں مذاہب کے علماء آپس میں سمجھوتہ کرکے چاروں مذاہب کا حق ہونا متفقہ طور پر تسلیم کرلیں۔ اُس وقت سید مرتضٰی نے اُن سے درخواست کی کہ مذہبِ شیعہ کو بھی ان چاروں مذاہب میں شمار کرلیں اور بجائے چار کے پانچ مذاہب پر یعنی (1)شیعہ (2) شافعی(3) حنفی(4) مالکی اور (5)حنبلی مذاہب پر اجماع کرلیا جائے۔ مرتضٰی کا منشا یہ تھا کہ آئندہ شیعوں کو تقیہ نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ اس زمانہ کے خلیفہ عباسی نے سید مرتضٰی سے اس سودے کو منظور کرنے کے لئے دوسو ہزار تومان یعنی چالیس لاکھ روپے مانگے۔ سید مرتضٰی نے اپنے ذاتی مال میں سے بیس لاکھ روپیہ دیا جو منظور نہ کیا گیا۔ اور تمام شیعہ عوام وخواص نے یہ نہ کیا کہ باقی بیس لاکھ روپے ادا کریں۔ تاکہ یوں چالیس لاکھ روپے کی رقم پوری ہوجاتی اور شیعوں کو سنیوں میں شمولیت کا حق مل جاتا۔ یا تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ شیعوں کی تعداد کم تھی اور رقم زیادہ تھی۔ یا یہ کہ شیعوں کے پاس دولت ہی کم تھی۔ یا یہ کہ وہ یہ رقم دینا اور سُنیوں میں شامل ہونا ہی نہ چاہتے تھے۔ بہر حال ان کو اجماع میں شامل ہونا نہ ملا اور وہی چاروں مذاہب اجماع میں داخل ہوگئے''۔ (قصص العلماء صفحہ 407-406)(رسیدہ بود بلائے ولی بخیر گذشت)

یہاں تمام قارئین یہ سن لیں کہ سید مرتضٰی ابھی کم سن بچے تھے کہ بغداد سے تقیہ رخصت ہوگیا تھا۔ کسی مجتہد کو تقیہ نہ کرنا پڑتا تھا۔ اذان میں میناروں کی بلندی سے اَشھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہِ پکارا جارہا تھا۔ عاشورہ محرم پر دکانیں اور بازار بند رہتے تھے۔ جلوس ماتم وتعزیہ شاہراہوں پر گشت کرتے تھے۔ پھر یہ سن لیں کہ مذکورہ بالا اجماع کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ حق اُن چاروں مذاہب میں گھلا ملا ہوا ہے۔ یعنی ان چاروں میں سے کوئی ایک مذہب یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ سارا کا سارا از سرتا پا حق ہے۔ اس لئے کہ ایسا دعویٰ کرتے ہی اجماع ختم ہوجائے گا۔ کیوں کہ اگر حنفی خالص حق پر ہوں تو ظاہر ہے کہ مالکی، شافعی اور حنبلی باطل پر ہوں۔ یعنی اجماع یہ تھا۔ کہ حق ان چاروں میں ہے۔ کوئی اکیلا حق پر نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ ان میں سے ہر ایک میں کچھ باطل ہے۔ کچھ حق ہے۔ جب چاروں کو ملالیں۔ تو اُدھر سارا حق جمع ہوجائے گا۔ اور اِدھر سارا باطل بھی اکٹھا ہوجائے گا۔ لہٰذا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ چاروں باطل پر ہیں۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ چاروں حق پر ہیں۔ خدانخواستہ اگر شیعوں نے حضرت علامہ سید مرتضٰی علم الھدیٰ کے منشا کو قبول کرلیا ہوتا۔ تو شیعوں کو بھی مذکورہ حق وباطل میں برابر کا حصہ مل گیا ہوتا۔ اور یہی منشا تھا۔ شاہ صاحب کا تقیہ کا بہانہ بعد والے ان کے پیروٴ کاروں نے گھڑا ہے۔ انہیں امید تھی کہ کوئی شیعوں کو یہ بتانے کی ہمت نہ کرے گا۔ کہ عہدِ سید مرتضٰی علم الھدیٰ میں بنی بویہ عضد الدولہ اور معز الدولہ حکومت بغداد پر حاکم تھے۔ اور یہ کہ شاہ صاحب کو ہی نہیں بلکہ ان سے قبل ان کے استادِ گرامی جناب شیخ محمدؒ بن محمدؒ بن نعمان بن عبدالسلام الحارثی رضی اللہ عنہ کو حکومت کے دربار میں بحیثیتِ شیعہ عالم کے اقتدار و دینی حکومت حاصل ہوچکی تھی۔ چنانچہ پوری تفصیل قصص العلماء میں موجود ہے۔ ہم اس واقعہ کا ترجمہ لکھتے ہیں۔ اور خاص مقام کی فارسی وترجمہ دونوں لکھیں گے سنئے:۔

۔’’شیخ نے جب ہجرت کر کے بغداد میں قاضی عبدالجبار کے درس میں شرکت کی اور جوتوں کی جگہ آ کر بیٹھ گئے۔ تو قاضی سے اجازت مانگ کر سوال کیا کہ یہ بتائیے کہ حدیث غدیر فریقین میں تسلیم شدہ حدیث ہے یا نہیں؟ قاضی نے اقرار کر لیا تو کہا کہ یہ بھی بتائیے کہ مولیٰ سے کیا مراد ہے؟ قاضی نے کہا کہ مولیٰ سے اولیٰ (یعنی سب صحابہ سے بزرگ مرتبہ) مراد ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ پھر شیعہ اور سنیوں میں خلافت کے معاملہ میں اختلاف کیوں پیدا ہوا۔ یعنی اولیٰ مانا گیا ہوتا تو علیؑ کے سوا کسی اور کو خلیفہ بنا لینا غلط ہو جاتا۔ قاضی نے کہا کہ بھائی شیخ بات یہ ہے۔ کہ حدیث غدیر ایک روایت یعنی زبانی بات ہے۔ اور ابوبکر کا خلیفہ ہو جانا درایت یعنی واقع ہو جانے والی حقیقت ہے۔ اور اہل عقل بات کے مقابلہ میں واقعہ کو اختیار کیا کرتے ہیں۔ جناب شیخ نے کہا کہ پھر یہ سوال ہے۔ کہ رسولؐ نے فرمایا تھا کہ اے علیؑ تیرا جنگ کرنا میرا جنگ کرنا ہے۔ اور تیرا پرامن رہنا میرا پرامن رہنا ہے۔ قاضی نے کہا یہ صحیح حدیث ہے۔ حضرت شیخ نے پوچھا کہ پھر آپ جنگ جمل میں ان لوگوں کے لئے کیا کہتے ہو۔ جنہوں نے علیؑ سے جنگ کی؟ آیا وہ جنگ محمدؐ سے جنگ ہوئی یا نہیں؟ قاضی نے کہا کہ ان لوگوں نے توبہ کر لی تھی۔ شیخ نے کہا کہ جناب ان لوگوں کا توبہ کرنا ایک روایت یا ایک بات ہے۔ اور علیؑ سے جنگ کرنا درایت یعنی حقیقت واقعی ہے۔ لہٰذا اہل عقل کو لازم ہے کہ روایت کے مقابلہ میں درایت کو اختیار کریں اور ان لوگوں کو محمدؐ سے جنگ کرنے والا مانیں اس پر قاضی دم بخود ہوا اور شیخ کا نام دریافت کیا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ حضرت شیخ کو اپنی مسند پر بٹھا دیا۔ اور کہا کہ اے شیخ تو واقعی مُفید ہے۔ اس سے اہلِ سُنت علماء کے چہروں پر غصہ ظاہر ہوا تو قاضی نے اعلان کیا کہ اے علمائے کرام میں اس شخص کے جواب میں ناکام ہو گیا ہوں۔ اگر آپ حضرات کے پاس اس کا جواب ہو تو وہ جا کر اپنی پہلی جگہ یعنی جوتیوں میں بیٹھ جائے گا۔ مگر علماء غریب بھی جواب نہ رکھتے تھے۔ جب اس واقعہ کی خبر سلطان عضدالدولہ کو دربار خلافتِ عباسی میں پہنچی تو اس نے شیخ مفید رضی اللہ عنہ کے حضور میں ایک خاص گھوڑا، زین اور سنہری لگام سے سجا کر ایک غلام اور خلیفہ وقت کی مُہر والے خاص دینار جو ایک ایک دینار دس دیناروں کے برابر تھا۔ ایک سو دینار ارسال کیے۔ اور ان کی مجلس کے لئے روزانہ دس من روٹیاں اور پانچ من گوشت

> قاضی ساکت شد و از اسم شیخ سوال کرد۔ پس از جائے خود برخاست و شیخ را بر جائے خود نشانید۔ و گفت انت المفید حقاً۔ پس وجوہ علما متغیّر شد۔ قاضی گفت اے علما از جوابِ اُو عاجز ماندہ ام اگر شمارا جوابسیت بگوئید تا او برخیزد و بمقام خود نشیند۔ پس سلطان عضدالدولہ چوں ایں ماجرا بشنید بجهة شیخ مرکبی خاص بازین ولجام زریں وصد دینار زر خلیفتی کہ ہر دینار آن دہ دینار بود ویک غلام عطا کرد و ہر روز دہ من نان و پنج من گوشت برائے مجلس او مقرر داشت و جبّہ و دستار نیکوئی بدو عطا کرد پس آنجناب بلقب مفید ملقب شد‘‘۔(قصص العلما صفحہ ۳۹۸)

فراہم ہوتے رہنے کا انتظام کیا۔ اور ایک جبہ و دستار بزرگی ان کی خدمت میں بھیجی اور اسی روز سے آپ کا لقب شیخ مفید ہو گیا''۔

قارئین سوچیں کہ تقیہ کا بہانہ کس قدر بچگانہ فریب ہے۔ اور یہ کہ ان لوگوں کو اپنے انتظام پر کس قدر مستحکم یقین تھا۔ کہ اُمت میں سے کوئی بھی تاریخ کے اوراق پلٹنے اور عوام الناس کو ان کی کارکردگی سے مطلع کرنے والا پیدا نہ ہو گا۔

(5) نظامِ اجتہاد نے اپنے مقلّدین کو نظام ہدایت و تعلیم سے مستغنی کر کے رکھ دیا

(الف) زیرِ قلم دسویں معصوم اصول میں مختصراً وہ تمام طریقے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے نظام اجتہاد نے امت کو کلام اللہ اور کلام رسولؐ سے محروم رکھا۔ اب آخری بات یہ کہنا ہے۔ کہ مجتہدین نے صرف سابقہ ریکارڈ ہی تباہ نہیں کیا بلکہ ایک ہزار سال کے اندر بھی جو حقائق امت کے سامنے لائے جاتے رہے انہیں بھی مسلسل ضائع کرتے رہے ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ یہ گروہ حضرت علامہ صدوق رضی اللہ عنہ کی جگہ جگہ مدح وثنا کرتا چلا آیا ہے۔ انہوں نے حضرت شیخ مفید رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے پسندیدہ سلسلے کے علماء میں شمار کیا ہے۔ اور انہیں بھی مجتہد لکھتے چلے آرہے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر یہ دونوں بزرگوار واقعی مجتہد تھے۔ اگر ان کا وہی مذہب ومسلک تھا جو علامہ محمد حسین ڈھکو ایسے مجتہدین گروہ کا ہے۔ تو ان سے دریافت کرو کہ شیعہ سنی ریکارڈ میں نام بنام **مذکورہ تین سو کتابیں** کہاں گئیں۔ جو علامہ صدوقؒ نے لکھی تھیں؟ اور وہ **دو سو کتابیں** کہاں ہیں جو جناب شیخ مفیدؒ نے شیعوں میں لکھ کر چھوڑی تھیں؟ یہ دونوں حضرات چوتھی صدی کے علمائے حقّہ تھے۔ نظام اجتہاد کے دشمن تھے۔ اس لئے ان کی مصنفہ **پانچ سو کتابوں** کو فنا کرنا ضروری تھا۔ اُنہیں چھوڑو تم یہ بتاؤ کہ جناب سید مرتضیٰ تو واقعی ہماری سند سے بھی تم لوگوں کے سردار اور ابوالآبا تھے۔ ان کی **دو سو کتابیں** کیوں ضائع کی گئیں؟ اس لئے نا؟ کہ تم یہ نہ چاہتے تھے کہ تمہارے اُس سردار کی وہ مخالفت اُمت کے سامنے آسکے جو ان کے قلم سے احادیثِ رسولؐ کے خلاف کھل کر لکھی گئی تھی۔ اور کلام اللہ کی واضح آیات کے مقابلہ میں اجتہاد کیا گیا تھا؟ یہ بھی معلوم کریں کہ جناب علامہ عبداللہ بن ابی زید احمد بن یعقوب بن نصر الانبازی رضی اللہ عنہ کی مصنفہ **ایک سو اکتالیس (141) کتابیں** کیوں ضائع کی گئیں؟ یہ بھی تو چوتھی صدی کے نصف تک عرب میں پھیل چکی تھیں۔ اور علامہؒ مذکور 356 ہجری تک دنیا میں موجود تھے۔ تم علامہ طوسی رضی اللہ عنہ کو بھی مجتہد ہی نہیں کہتے بلکہ ان کو سید مرتضیٰ کا شاگرد اور ہم مذہب بھی کہتے ہو۔ بتاؤ ان کی کتاب الاستبصار وتہذیب کے علاوہ باقی **بیاسی ضخیم کتابیں** کیوں تباہ کیں؟ یہ تو سید مرتضیٰ کے شاگرد ہی بتائے گئے ہیں۔ تم نے تو ان کے حقیقی بھائی سید رضی رضی اللہ عنہ کی کتاب نہج البلاغہ اور چند دوسری کتابوں کے علاوہ ان کی سینکڑوں کتابوں کو بھی برباد کیا ہے۔ دور کیوں جائیں؟ تم یہ بتاؤ کہ علامہ محسن فیض کاشانی اور علامہ تقی مجلسی اور محمدؐ باقر مجلسی رضی اللہ عنہم کی لکھی ہوئی **ایک ہزار کتابیں کہاں** ہیں؟ یہ تو دسویں اور گیارہویں صدی کے علمائے شیعہ تھے؟ ارے تم تو وہ ڈاکو ہو جنہوں نے اس صدی کے علماء کی بھی **ہزاروں کتابیں** برباد کی ہیں۔ اور کچھ کو قید کر کے اپنے کتب خانوں میں پابہ زنجیر رکھا ہوا ہے؟ بتاؤ علامہ محمد سبطین اعلی اللہ مقامہ کی

کتاب کشف الاسرار مارکیٹ میں کیوں نہیں ہے؟ اور تمہارے یہ سرمایہ دار پیرو کار جو مناظرہ کی کتابیں، آیات محکمات وغیرہ دھڑا دھڑ مارکیٹ میں لا رہے ہیں۔ وہ کشف الاسرار کو کیوں شائع نہیں کرتے؟ وجہ وہی ہے کہ اس کتاب میں تمہارے منہ سے نقاب اتار لی گئی تھی۔ اسے چھوڑو یہ بتاؤ کہ ہماری احادیث کی کتابیں مثلاً **وسائل الشیعہ کی بیس ضخیم جلدیں، حدائق الناضرہ ۵ جلدیں، روضات الجنات آٹھ جلدیں، تفسیر برہان ۵ جلدیں، الاستبصار چار جلدیں** اور دیگر سینکڑوں کتابیں جو تمہاری مقبولہ ہیں۔ کیوں ہماری مارکیٹ میں نہیں ملتیں؟۔ جب کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہ اسی مارکیٹ سے ٹرک بھر کر خریدی جاسکتی ہیں؟

(ب) شیعہ کتابیں مارکیٹ میں کیوں نہیں؟

جن کتابوں کا مختصراً ذکر ہوا ہے وہ عربی اور فارسی میں تھیں اور ہیں اُن سے فائدہ اٹھانے کے لئے پہلے نمبر پر عربی و فارسی پڑھنے کے لئے وقت محنت اور سرمایہ ضروری تھا اور ہے۔ پھر انہیں مارکیٹ سے خریدنے کے لئے ضروریاتِ زندگی سے فاضل روپیہ کی ضرورت ہے۔ اور آخری بات یہ کہ ان کو پڑھنے کے لئے مشاغلِ حیات سے فاضل وقت بھی درکار ہے۔ اور یہ تینوں چیزیں بھی مجتہدین نے اُمت سے لوٹ لی ہیں۔ غور سے سنیں کہ جب (330ھ) سے شیعہ لیبل کے مجتہدین نے ملتِ شیعہ کو اپنی ابلیسی تقلید کا نسخہ پلایا تو عوام کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ ذاتی تحقیق اور علومِ دینیہ سے انفرادی واقفیت ایک سو فیصد فضول چیز ہے۔ سوچا یہ گیا کہ ہم اپنی روزمرہ کی مصروفیات اور الجھنوں کے دوران اتنی فرصت کہاں پاسکتے ہیں۔ کہ دین کے معاملہ میں ہماری نظر اور بصیرت ایک مجتہد کے برابر آ جائے؟ اور ہم ذاتی طور پر سب کے سب ایسے عالم ہو جائیں کہ مجتہد کی طرح حق و باطل میں تمیز کر سکیں؟ لہٰذا تحقیق حق اور رموز دینی کی وضاحت اپنے مجتہدین کے لئے مخصوص کر دی جائے اور قیمتی وقت اور سرمایہ کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ عمومی مسائل ہمیں معلوم ہیں۔ نماز روزہ ہمیں آتا ہے، پھر تحفۃ العوام گھروں میں موجود ہے۔ اس کے بعد جس کسی دینی بات کی ضرورت ہوگی اپنے مجتہد سے دریافت کرتے رہیں گے۔ علامہ ڈھکو ایسا قابل و ماہر مجتہد جو بتائے گا۔ وہ ایک ماہرانہ دینی حقیقت ہوگی۔ ہزاروں کتابوں کا نچوڑ ہوگا۔ جو عقلاً ہمارے لئے کافی ہے۔ یعنی حَسْبُنَا تَقْلِیْدُ الْمُجْتَھِدْ (ہمیں مجتہد کی تقلید کافی ہے) اور مجتہد کو قرآن وحدیث وعقل واجماع کافی ہے۔ **اس سوچ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُدھر قرآن اور حدیث کی رگِ حیات مجتہد کی گرفت میں آ گئی اور اُدھر امت نے قرآن وحدیث وعلومِ دینیہ سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔ یوں مجتہد صاحب اللہ ورسولؐ کو راہ سے ہٹا کر اُمت پر مسلط ہو گیا۔** اب بتایئے کہ اس دینی اسلامی ذخیرہ کا کیا بنے گا؟ وہ کس مصرف میں اور کس کے کام آئے گا؟ جو محمد مصطفیٰ اور آئمہ ھدیٰ صلوٰۃ اللہ علیہم نے اور اُن کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جان جوکھم اور محنت شاقہ سے تیار کر کے دیا تھا۔ جس کو سمونے کے لئے لاکھوں کتابیں لکھی گئی تھیں؟ لہٰذا نظامِ اجتہاد کی تقلید اختیار کرتے ہی اسلامی علوم کا ذخیرہ نظر بند ہو کر رہ گیا۔ اس کی نشر و اشاعت کی ضرورت مر گئی۔ کتابیں پرانی اور بوسیدہ ہو کر گھروں میں اور کتب خانوں میں ضائع ہوتی گئیں۔ جب

پڑھنے والے عوام دستکش ہو گئے تو خریدنے والا کوئی نہ رہا۔ خرید بند ہوئی تو اب کتابیں شائع کون کرے؟ اور کیوں اپنا سرمایہ ضائع کرے؟ مقلّد حضرات اَن پڑھ رہ گئے۔ عربی و فارسی کی علمی کتابیں ان کی قابلیت کی دسترس سے باہر ہو گئیں۔ انہوں نے ان کتابوں کو فروخت کرنے اور علماء کو دینے میں فائدہ دیکھا۔ یوں مفت یا اونے پونے داموں ہمارا اِسلامی ذخیرہ گھروں سے اور کتب خانوں سے نکلا اور دشمن محاذ تک جا کر تباہ ہو گیا۔ اور یہ بھی ہوا کہ کسی مجتہد نے کسی کتاب پر غالیوں کی کتاب ہونے کا فتویٰ دے دیا اور کسی رئیس چمچے کو اشارہ کر دیا اور اِدھر اُدھر جہاں جہاں سے ایسی یا وہ کتاب ملی انہیں مہنگا سستا خرید کر جمع کیا گیا اور نذر آتش کر کے غلو اور تفویض کے خطرات سے مجتہدانہ مذہب کو بچا لیا گیا۔ یہ بھی ہوا کہ کسی کتاب کی افادیت کا فتویٰ دیا اور پبلک کے عوام یا رؤسا نے ان کتابوں کو حاصل کر کے مجتہد کی لائبریری تک پہنچا دیا اور وہاں انہیں خاک کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور پبلک سمجھی کہ مجتہد اُن کو بالواسطہ ان کتابوں سے فائدہ پہنچاتا رہے گا۔ یہ بھی ہوا کہ کسی پورے کتب خانہ پر کفر و بدعت کا فتویٰ لگا دیا اور مُقلّدین نے لاکھوں کتابوں کو جلا دیا۔ اور نام حکومت کا چسپاں کر دیا۔ یہ بھی ہوا کہ کسی روشن خیال غیر مسلم نے اِسلامی حقائق کی تلاش میں بعض کتابیں حاصل کیں اور اپنی قومی لائبریری میں محفوظ کر دیں۔ اور یوں چند قدیم کتابیں آج تک محفوظ رہ گئیں۔ یہ بھی ہوا کہ کتاب کا نام تو وہی رہنے دیا۔ لیکن اس کے اندر جو چاہا اور جتنا چاہا کمی اور اضافہ کر دیا۔ یہ کام آج تک ہوتا چلا آ رہا ہے۔ مذہبی اور عقائد کی کتابوں ہی میں نہیں بلکہ المنجد ایسی ڈکشنریوں کو بھی تبدیل کر کے مسلمان کیا جا رہا ہے۔ آج کی تاریخ فرشتہ اور سینکڑوں تازہ تاریخیں وہ نہیں ہیں جو اُن کے مصنفین نے لکھی تھیں۔ مگر غیر مسلم لائبریریوں میں اصل کتابیں محفوظ ہیں۔ یعنی اگر کہیں وہ نام نہاد غیر مسلم نہ ہوتے تو آج ایک بھی صحیح کتاب نہ ملتی۔ علامہ شبلی اور دوسرے علماء نے اس تبدیلی اور تحریف اور فریب کاری پر باقاعدہ لکھا ہے۔ الغرض نظامِ اجتہاد نے پورے اِسلامی تصورات کو سَر کے بل کھڑا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ ان کی اس اسکیم کو قرآن کریم، رسوؐل کریم اور علیؑ الحکیم نے ابتدا ہی میں بیان فرما دیا تھا۔ نہج البلاغہ کے ذریعہ علی مرتضیٰ علیہ السلام نے ہمیں اس زیرِ نظر دسویں معصوم اصول کی اہمیت کا پیغام یہ کہہ کر دیا تھا کہ۔ "تم قرآن کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک ان لوگوں کو نہ پہچان لو جنہوں نے قران کو چھوڑ دیا ہے"۔ قرآن اور رسوؐل نے یہ بتایا تھا۔ کہ رسوؐل اللہ کی قوم نے قرآن کو چھوڑ کر قرآن سے ہجرت کر لی ہے (25/30 سورہ فرقان) اور اللہ نے اس قوم کے مجرم ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ اور ان کی پیش رفت سے آنحضرتؐ اور ان کے نظامِ ہدایت وتقلید کو محفوظ رکھنے اور کافی انتظام کرنے کا وعدہ کیا تھا (25/31)۔ ہم نے اور ہمارے بزرگوں نے قرآن وحدیث کے دشمنوں کو ناکام کرتے رہنے کا پروگرام چلایا۔ جس کا نام تحریک تشیّع ہے۔ میں نے اپنی زندگی کا طویل ترین حصہ ایسے حضرات تیار کرنے میں صرف کیا جو میرے بعد نظام اجتہاد کی نقاب کشائی اور اس کی تباہی کا بلافصل وغیر منقطع سلسلہ جاری رکھیں"۔ انشاءاللہ والامام علیہ السلام۔

(11) گیارہواں معصوم اصول

تعلیماتِ خداوندی منقطع نہیں ہوئیں۔ معصومؑ راہنما موجود ہے

جب نظامِ اجتہاد اور علامہ ڈھکو ایسے مجتہدین پر گرفت کی جاتی ہے ۔تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ غیبتِ امام علیہ السلام کی وجہ سے علم خداوندی کا دروازہ بند ہوگیا۔ محمدؐ وآل محمدؐ سے رابطہ منقطع ہوگیا ہے۔ اب معصومؑ راہنمائی انسانی دسترس سے باہر ہے۔ اس لئے ہم قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر غور وفکر کرتے ہیں۔ نہایت نیک نیتی اور دینی خلوص کے ساتھ ان مسائل اور ضروریاتِ انسانی پر غور کرتے ہیں جو ہر زمانہ میں مسلمانوں، شیعوں، سُنیوں یا دیگر انسانوں کو پیش آنے والی ہیں۔ اگر یہ لوگ یہ بھی کہہ دیتے کہ اِس طرح جو فیصلہ یا حکم وہ لوگوں کو دیں گے۔ اس کی اطاعت لازم نہ ہوگی۔ جس کا دل چاہے، جو مفید سمجھے عمل کرلیا کرے۔ تو ہم شاید ان لوگوں سے اسی طرح تعارض نہ کرتے جس طرح ہم غیر مسلم علماء کے معاملہ میں تعارض نہیں کرتے۔ مگر علامہ ڈھکو ایسے مجتہدین نے تو یہ کہا کہ ان کا حکم واجب الاتباع، واجب التعمیل اور خلاف ورزی جرم ہے۔ جس کی سزا دی جانا لازم ہے۔ چلو ہم اس پر بھی یہ سمجھ لیتے کہ نظامِ اجتہاد کے احکام کو بھی ان احکام وقوانین کی حیثیت سے برداشت کرلیا جائے جیسے غیر مسلم حکومتوں کے مسلمان باشندے غیر مسلم ملکی قوانین کی پابندی کرتے ہیں۔ لیکن یہ گروہ اور آگے بڑھا اور کہا کہ ان کا حکم خدا ورسولؐ کا حکم ہے۔ اور وہ حکم خواہ اس وقت غلط معلوم ہو یا صحیح لگے ہر حال میں اس کی اطاعت واجب ہے۔ خلاف ورزی کرنے والا مجرم اور دونوں جہانوں میں سزا کا حق دار ہے۔ اور اگر خلاف ورزی عمداً ہو اور اس پر اصرار کیا جائے تو اس کی سزا دنیا میں قتل اور آخرت میں جہنم ہے۔ اور جو مجتہد کی تقلید کے بغیر نیک عمل بھی کرے اللہ کے یہاں وہ روزہ، نماز، حج وزکوٰۃ وغیرہ حرام ومردود ہے۔ یہ ہے وہ مجتہدانہ مذہب جس کے خلاف ہر زمانہ کے شیعہ سنی علمائے صالحین نے باقاعدہ محاذ جاری رکھا۔ ہمیں مجتہدین کے رد میں یہاں بحث نہیں کرنا ہے۔ اس لئے کہ یہ بحث اِسلام اور علمائے اِسلام میں باقاعدہ لکھ دی گئی ہے۔ ہمیں تو گیارہویں معصومؑ اصول کو سامنے رکھنا ہے۔ لیکن قارئین کو یہ یاد دلاتے چلیں کہ اب مجتہد کے پاس وہ ذخیرہ کہاں ہے؟ جو محمدؐ مصطفیٰ، آئمہؑ ھدیٰ اور ان کے صحابہؓ نے امت کو دیا تھا؟ اور جس سے قرآن کریم سمجھا جاسکتا تھا؟ یہ مجتہد حضرات کس چیز کو سامنے رکھ کر غور وخوص واجتہاد کریں گے؟ اُن سے کہئے کہ آپ کے اعمال ہمارے سامنے آچکے۔ آپ کے پاس تو اُمت کا لوٹا ہوا مال بھی نہیں ہے۔ آپ اپنے اجتہادی احکام کے تیار کرنے میں اپنی گھسی پٹی اور حقائق سے محروم عقل اور اس عقل سے بگاڑے ہوئے قرآن اور اپنی قسم کے مجتہدوں کی کثرت کے مردود فیصلوں اور طاغوتی وابلیسی وحی کے سوا کس اِسلامی بنیاد کو مددگار بناسکوگے؟ ارے تمہارے پاس تو سابقہ مجتہدین کا ریکارڈ بھی نہیں ہے۔ خدا نے تمہیں تمہارے اپنے کھودے ہوئے تقلیدی گڑھے میں اس طرح

گرایا ہے کہ جہاں شیطان بھی تمہارا ساتھی نہیں ہے۔تم اس شخص کی طرح اپنے دماغ کے اندھے کنویں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے لئے تنہا رہ گئے ہو جس کی آنکھوں پر کبھی نہ کھلنے والی جہالت وتاریکی کی پٹی کس کر باندھ دی گئی ہو۔ذرا بتاؤ اور اپنے مکار گروہ کے علمی ریکارڈ سے مدد لے کر بتاؤ کہ وہ مسلمان مریض جو بلندی سے گر کر اپنا حافظہ کھو بیٹھا ہو تم اُسے اُس کی یاداشت کون سے اصول فقہ اور اجتہادی اصول سے واپس دلاؤ گے؟ ارے جاہلو! اے عقل وبصیرت سے محروم! تم فضا وخلا میں جانے والوں کی راہنمائی کیسے کرو گے؟ تم تو حجام ولوہار اور موچی وقصاب وتجّار وکاشتکار وحکیم وڈاکٹر وحساب دان وبزاز وخطاط الغرض ساری دنیا کے دانشمندوں کے مُقلِد ہو۔تم منکرین قرآن وحقائق کائنات ہو۔تم نے جسمانی معراج کا انکار کیا لیکن آج تم مجبور ہو کہ کافروں کی معراج پر ایمان لاؤ۔رسولؐ کے انکار کی یہی سزا نہیں ہے۔بلکہ ابھی اسٹور میں بہت سی سزائیں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔تم نے کہا کہ سودو سو میل تک رسولؐ کی آواز کیسے پہنچ سکتی تھی؟ اور چند ساعت میں مددگار کیسے آسکتا تھا؟ یہ حدیث غلط وہ آیت متشابہ ہے۔لیکن آج تم اپنی ان کافر آنکھوں سے اور ان منکر کانوں سے یہ سب کچھ دیکھ، سن اور مان رہے ہو۔

(1) اللہ، رسولؐ اور امامؑ زمانہ سے رابطہ واستفادہ کی راہیں کھلی ہیں

شیعہ لیبل کے مجتہدین نے امام دوازدھم (12) حضرت حجۃ بن حضرت امام حسن عسکری علیہما السلام کو پبلک کی نظر میں اس طرح غائب کر کے پیش کیا ہے کہ اب امامؑ زمانہ کا ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہو کر رہ گئے۔یعنی وہ حضرتؑ موجود ہوں تب ان سے نوع انسان کو کوئی محسوس فائدہ نہیں ہے۔اور موجود نہ ہوں تب بھی کوئی خاص نقصان وحرج نہیں ہے۔نہ انؑ سے رابطہ قائم کرنے کی کوئی صورت ہے۔نہ ملاقات وپرسش سوالات وحالات ممکن ہے۔اس گروہ کی دوسری شاخ نے تو ایک تیرہویں امام کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے ہزاروں صفحات کالے کر ڈالے اور خود امامِ زمانہ بن بیٹھنے کی راہیں نکال کر ایک الگ طاغوتی مرکز بنا کر بیٹھ گئے۔بہرحال ان گروہوں پر تین حروف کہیے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی معصوم حدیث میں امامؑ زمانہ اور غیبت کبریٰ کی پوزیشن ملاحظہ کیجئے ارشاد ہے۔

للقائم علیه السلام غیبتان: احدهما قصیرة و الاخری طویلة: الغیبة الاولی لا یعلم بمکانه فیها الا خاصة شیعته و الاخری لا یعلم بمکانه فیها الا خاصة موالیه(کتاب کافی باب فی الغیبة)

۔''قائم آل محمدؑ علیہ السلام کے لئے دو غیبتیں ہیں۔ان میں سے ایک چھوٹی ہے اور دوسری لمبی ہے۔پہلی غیبت کے دوران ان کے رہنے کے مکان سے سوائے ان کے خاص شیعوں کے کوئی اور واقف نہ ہو سکے گا۔اور دوسری غیبت کے دوران بھی کوئی شخص ان کے ٹھکانے کو نہ جان سکے گا۔سوائے ان کے مخصوص موالیوں کے''۔

اس حدیث میں یہ شبہ تک بھی نہیں ہوتا کہ امام علیہ السلام سے پوری نوع انسان منقطع ہو کر بے بس و بے راہنما رہ گئی ہے اور کوئی ایسی شرط بھی نہیں لگائی گئی ہے جو مافوق الفطرت ہو اور عام دستور کے خلاف نظر آئے۔ عام اور معمولی بادشاہوں اور مصروف لوگوں سے ملاقات میں بھی اجازت حاصل کرنا ملنے کا وقت مقرر کرنا ضروری اور ملنے والوں کے لئے مفید ہوتا ہے۔ ورنہ لوگوں کو زحمت و مایوسی سے دوچار ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ ملاقات تو امامؑ زمانہ ناظمِ خداوندی اور پوری کائنات کے سامنے ذمہ دار انسانؑ سے ہے۔ مخالف محاذ سے محفوظ رہنے اور قیمتی وقت بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ملاقات میں خصوصیت ملحوظ رہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ کسی مالی مسئلہ پر اعتراض یا سوال کریں تو حاکم اعلیٰ کے پاس جانا غلط ہوگا۔ متعلقہ ذمہ دار شخص سے ملنا کافی ہوگا۔ پوری دنیا کا انتظام سامنے رکھئے تو مخصوص ذمہ دار افراد کا توسط ناگوار نہیں بلکہ پسندیدہ معلوم ہوگا۔

(2) کیا ہمارے یہ مجتہد نام کے علماء ، شیعہ اور موالیانِ اہلبیتؑ ہیں

ملت شیعہ کے عوام علماء سے سنتے رہتے ہیں کہ علماء امام زمانہ علیہ السلام کے نائب ہوتے ہیں۔ اور انہوں نے دیکھا ہوگا کہ علامہ محمد حسین ڈھکو اینڈ کمپنی یہ بھی کہتی ہے کہ وہ وہی علماء ہیں جن کو رسولؐ اللہ نے (معاذ اللہ) بنی اسرائیل کے انبیاؑء کے مانند فرمایا ہے۔ اور آپ نے سنا ہو یا نہ سنا ہو۔ وہ اپنی اطاعت اور تقلید واجب ثابت کرنے کے لئے ایک حدیث پیش کیا کرتے ہیں۔ جس میں فرمایا گیا ہے۔ کہ (لَنَا اِلْقَاء الاصُوْلِ وَلَكُمُ التَّفْرِيْع)۔ ''ہم پر لازم ہے کہ ہم تمہیں بنیادی اصول بتاتے رہیں۔ اور تم پر واجب ہے کہ تم ان بنیادی اصولوں کی تشریح و تفصیل کر کے بتاتے رہو''۔

لہٰذا ضروری ہوا کہ امامؑ زمانہ اپنے مقرر کردہ ان انبیاؑء کے ہم پلہ نائبوں اور جانشینوں سے مسلسل رابطہ رکھیں اور ان لوگوں کو بروقت ہر ضروری مسئلہ بتاتے رہیں۔ اب یہ کام قارئین و ملت شیعہ کا ہے کہ ان میں سے کسی علامہ ڈھکو ایسے مجتہد کو روک کر دریافت کریں کہ جناب آج یا کل یا اس ہفتہ یا اس ماہ و سال یا ساری زندگی میں تمہیں کبھی کچھ بتایا؟ کبھی ملاقات سے نوازا؟ اور کیا تم سرکارؑ سے ملاقات کے قائل اور امیدوار رہے ہو؟ یہ سوالات سن کر مجتہد حضرات تم پر طرح طرح ناراض ہوں گے۔ فتاویٰ صادر کریں گے۔ مگر ہرگز اپنے خارج از نیابت یا شیعیت ہونے کا اقرار نہ کریں گے۔

(3) نظامِ غیبت میں شیعہ اور موالیانِ نظام پر چند اشارات

آپ کی محفل میں یہ تذکرہ ہوتا رہا ہے کہ شیعہ لیبل کے مجتہدین نے قرآن و حدیث کو مشکوک کرنے کے لئے خود عربی کی بنیاد کو الٹ دینے کی مہم جاری رکھی ہے۔ اس کی مثالیں بھی دی جا چکی ہیں۔ اس سلسلے کی بات یہ بھی ہے۔ کہ انہوں نے لفظ شیعہ کے معنی بھی وہ نہیں کیے جو مسلّمہ عربی قواعد کی رو سے ضروری تھے۔ انہوں نے شیعہ سُنی الفاظ کو رفتہ رفتہ گالی بنا کر رکھ

دیا ہے۔ بہر حال لفظ شیعہ کا مادہ (ش۔ی۔ع) ہے۔ اس کا ماضی اور مضارع شَاعَ اور یَشِیْعُ ہے اور اس کا مصدر اِشَاعَۃٌ ہے۔ اور اب ہر قاری صحیح معنی خود سمجھ سکتا ہے۔ یعنی شیعہ وہ شخص ہے جو اِشاعت کرے۔ برے کام یا بری بات کی اشاعت کرنے والا برا شیعہ ہے۔ اور اچھے کام یا اچھی بات کی اشاعت کرنے والا اچھا شیعہ ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں دونوں طرح کے شیعوں کا تذکرہ ہوا ہے۔ حضرت نوح وابراہیم وموسیٰ علیہم السلام کے شیعہ اچھے شیعہ تھے۔ فرعون وکفار کے شیعوں کا بھی ذکر ہوا ہے۔ اور بنی امیہ کے شیعوں کا بھی تاریخ میں ذکر ہے۔ وہاں علیؑ کے شیعہ بھی مذکور ہیں۔ یعنی جو لوگ انبیاء وآئمہ علیہم السلام کے مشن کی اشاعت کی ذمہ داری کو دنیا کی ہر مصروفیت اور حتیٰ کہ خود اپنی زندگی اور زندگی کی ضروریات پر ترجیح دیتے ہوں۔ اِسلام میں ہمیشہ سے شیعہ کہلاتے رہے ہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ عمل وفکر کے میدان میں کون کیسا ہے؟ یوں تو ماشاءاللہ علامہ محمد حسین ڈھکو اور ان کے معزز ساتھی بھی شیعہ لیبل لگاتے اور شیعوں کے راہنما اور نائب امامؑ کہلاتے ہیں۔

دوسرا لفظ موالی ہے۔ اس لفظ کا مادہ (و۔ل۔ی) ہے۔ اس کا مصدر وِلَایَۃٌ ہے۔ اسی مصدر سے ولی اور اولیاء بنتے ہیں۔ یہیں سے لفظ والی اور مولیٰ اور مولوی نکلتے ہیں۔ مجتہدانہ زبان میں مولیٰ کے ایک معنی غلام بھی ملیں گے۔ لہٰذا مولویانہ زبان میں مولوی کے معنی غلام کا غلمٹا ہوں گے۔ بہر طور آپ نے ذرا دیر پہلے جناب قاضی عبدالجبار اور جناب الشیخ مفید اعلی اللہ مقامھما سے <u>اولیٰ اور مولیٰ</u> کے معنی سُنے تھے۔ اس کے صرف ایک معنی ہیں۔ (اور عربی کے ہر لفظ کے صرف ایک معنی ہوتے ہیں) اور وہ ہیں **<u>ایسا حاکم جو کسی حال میں اپنی رعایا کا برا نہ چاہے</u>**۔

چنانچہ امامِ کائنات سلام اللہ علیہ سے دونوں غیبتوں کے زمانہ میں مخصوص لوگوں کی رسائی بے ٹوک وروک مقرر رہے۔ اور یہ خصوصیت بھی خود امامِؑ عصر والزمان کی تجویز کردہ ہوگی۔ یہ نہیں کہ کوئی خود ہی اپنا نام نائب امام یا مانند انبیائےؑ بنی اسرائیل رکھ لے اور عبا قبا پہن کر جا پہنچے۔ ایسے لوگ اس درگاہ میں مردود وملعون ہیں۔ غیبت کبریٰ میں جو نیابت کا دعویٰ کرے وہ کاذب ومفتری اور جہنمی ہے۔ خواہ دنیا میں وہ کتنا ہی بزرگ کیوں نہ مانا جارہا ہو۔ غیبتِ کبریٰ میں کسی کا بڑے سے بڑا مقام یہی ممکن ہے کہ وہ امامؑ کی نظر میں ان کا شیعہ یا موالی ہو یعنی ان کی حکومت پر سو فیصد ایمان رکھ کر اس حکومت کو عملاً نافذ کرنے میں منہمک یعنی رعیّت ہو۔ اور ہر اس حکم کو تسلیم کرے جو عدل وانصاف پر مبنی ہو۔ غیبت کی خصوصیت میں یہ چیز ملحوظ رکھئے کہ اب وہ مشن جو پہلے علی الاعلان ہونے کی بنا پر نظامِ اجتہاد کو یہ موقعہ دیتا چلا آرہا تھا کہ وہ چوکنا ہو جائے اور اپنا توڑ تیار کرنے کا موقعہ پا کر نظامِ ہدایت وتقلید کے خلاف اپنے تازہ ہتھیار تیار کرلے۔ جب نظام اجتہاد کے پاس کوئی نیا ہتھیار نہ رہا۔ بلکہ اب یہ نظام ملت شیعہ میں بھی آ گیا۔ تو لازم وواجب ہو گیا۔ کہ اب شیعہ لیبل کا نظام اجتہاد جو احکام دے گا۔ ان احکام پر سر براہِ اسلام یعنی امامؑ زمانہ کا ٹھپہ لگادے گا۔ یعنی احکام تو دے گا خود ساختہ مگر لوگ یہ سمجھیں گے اور وہ خود بھی یہی کہے گا کہ میں نائب امامؑ ہوں۔

میرا ہر حکم امامؑ کا حکم ہے۔اور اگر میرا یہ یا کوئی اور حکم غلط ہوگا۔تو امامؑ حکم دینے سے پہلے ہی اس کی اصلاح کر دے گا۔لہٰذا امامؑ پر واجب ہوگیا کہ آنجنابؑ سابقہ نیابت کو بھی ممنوع قرار دے دیں۔آئندہ نائب ہونے کے دعویدار کو اِسلام سے خارج کر دیں اور آئندہ اِسلامی تحریک کو زیرِ زمین (UNDER GROUND) لے جائیں۔تاکہ مجتہد ٹاپتے رہ جائیں۔اوران کے صادر کردہ احکام خطائے اجتہادی کی چُھری سے خود بخود ذبح ہوتے چلے جائیں۔

چنانچہ دونوں غیبتوں کا سب سے بڑا سبب نظام اجتہاد کا ملت شیعہ میں گھس آنا تھا۔تاکہ حق و باطل الگ الگ رہیں۔ چنانچہ نظام اجتہاد ابھی شیعوں میں آنے کی تیاری بھی نہ کرنے پایا تھا کہ **حضورؑ نے <u>329</u> ہجری میں <u>غیبتِ کبریٰ کا بھی اعلان فرمادیا۔</u>** اور سابقہ نائبوں یا نوابوں یا وکیلوں یا سفیروں کو بھی الگ کر دیا اور تقریری و تحریری ایسے اعلانات کئے کہ رعایا سے لے کر ایوانِ حکومت میں اور مُقلّد سے لے کر مجتہدین کے حلقہ میں اور عرب سے لے کر عجم کے شہروں میں الغرض شیعہ سُنی اور ہر مسلک و مذہب کے لوگوں میں مشہور اور ریکارڈ ہوکر رہ گیا۔اور شیعہ مجتہدین کا ٹولہ بھی مجبور ہوگیا کہ وہ بھی تقریراً و تحریراً اقبال کرے اور اعلان کرتا چلا جائے کہ اب محمدؐ و آل محمدؐ کی طرف سے قائم کردہ امامت ان کی دسترس سے باہر ہے۔اور اس معصوم اعلان کی شدت نے اس خانہ ساز امامت کو بھی تباہ کرکے بٹھا دیا جسے یہ ٹولہ حقیقی امامت کہہ کر آگے لانے کی تیاری کرتا چلا آ رہا تھا۔ (تفصیل ابھی آتی ہے) الغرض شیعہ لیبل کا نظامِ اجتہاد بہت سَٹ پٹایا مگر مجبور ہوکر معصومؑ امام کی جگہ آخر اسی قدیم اور ازلی مجتہد کی پناہ لینا پڑی۔اور شیعوں پر حکومتوں کی دھونس اور اپنی دھاندلی سے اقتدار قائم کرنے کی کوشش میں مبتلا ہوگیا۔

یہ بھی سمجھ لیں کہ اس غیبت کا اعلان روزِ ازل سے ہوتا چلا آ رہا تھا۔ پہلے آنحضرتؐ اور علی مرتضیٰ اور تمام آئمہ ھدیٰ صلوٰۃ اللہ علیہم نے بھی اس کی خبر دی تھی۔اور یہ بتایا اور ریکارڈ میں ضبط کیا جا چکا تھا۔کہ بارھواں امامؑ غیبت اختیار کرے گا۔غیبت کا لفظ ہر قسم کے مادی سربراہ پر بھوت کی طرح سوار تھا۔اور یہ ایک ایسی بات تھی جس سے دشمن محاذ پر لرزہ طاری ہوجاتا تھا۔دشمن محاذ دشمن تھا مجتہد نہ تھا۔یعنی دشمنوں کو ہر اس بات کا یقین تھا جو محمدؐ و آل محمدؐ نے کہی یا لکھی تھی۔وہ سنجیدگی سے پورے تاثرات کے ساتھ اپنا دفاع تیار کرتے تھے۔اور ہر ہر اِسلامی اسکیم کے مقابلہ میں ایک مادی،قومی،ملکی و مشاورتی منصوبہ لاتے تھے۔اور پوری قوت کے ساتھ اِسلامی اسکیم کو،عام فہم و مادی زبان میں،تباہ کرتے چلے آ رہے تھے۔وہ جب یہ سوچتے تھے کہ ایک روز غیبت یعنی زیرِ پردہ نظامِ ہدایت برسرِ کار آنا ہے۔تو ان کی سیاسی بصیرت و مہارت دنگ رہ جاتی تھی۔وہ اگر غیبت کو سمجھ جاتے تو اس سے نمٹنے کا انتظام کر لیتے۔وہ سنتے چلے آ رہے تھے کہ اِسلام میں قیامت تک کل بارہ خلفائے خداوندی ہوں گے۔ان کو ذاتی تجربہ تھا کہ حقیقی جانشین خدا و رسوؐل گیارہ ہی گذرے ہیں۔اور یزید بن معاویہ کے سلسلے میں جو اکتیس حکمران معتمد عباسی تک گذرے ہیں۔یہ سب ملکی بادشاہ اور آپس میں بھی ایک دوسرے کے مخالف تھے۔اور سب کے سب اس نظام غیبت سے بچنے کے لئے

کوشاں چلے آئے ہیں۔ لہٰذا وہ غائبانہ نظام اور وہ حکومت بھی دوسری پیشینگوئیوں کی طرح صحیح نکلے گی اور وہ تمام انتظام اور نظام مٹا کر رکھ دے گی جو قائم چلا آ رہا ہے۔ یہ وہ خطرہ تھا جو قومی لیڈروں کے قلوب واذہان پر مسلط رہتا چلا آ رہا تھا۔ اور مخالف محاذوں کی طرف سے پہلے بھی کئی ایک نے نقلی مہدی اور امام غائب بن جانے کا اعلان کیا تھا۔ اور نقل اسی چیز کی کی جایا کرتی ہے جو کسی نہ کسی طرح اور کہیں نہ کہیں اپنا حقیقی وجود رکھتی ہو۔ وہ جانتے تھے کہ یہ سلسلہ انبیاءؑ اور آئمہ علیہم السلام نے قائم کیا ہے اور وقت آنے پر وہ اس سلسلہ کو غالب کرنے کے لئے محیّر العقول کام کرتا رہا ہے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ نے شیطان کو ان ہی انبیاءؑ وآئمہؑ کے اعتماد پر چیلنج کیا ہوا ہے۔ اور ان حضرات کو ایسی انتہائی اور عظیم الشان قدرتیں عطا کی ہیں کہ ابلیس اور اس کا انسانی نظر سے غائب رہنے والا سارا نظام ان حضرات کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اور ان کے ایک اشارہ پر مع ابلیس کے تباہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ خلا یہ زمین وآسمان یہ فضائیں ان کی دسترس کے اندر اور مسخّر ہیں۔ آن واحد میں زمین سے عرشِ خداوندی تک پہنچنا، قیام کرنا اور بار بار کی آمد ورفت ثابت ومشہور ومسلّم ہے۔ دونوں جہانوں یعنی ساری کائنات کے حاکم وسرور وحاجت روا مانے جاتے ہیں۔ بیک وقت سینکڑوں جگہ موجود ہونا آنکھوں والوں نے دیکھا اور بیان کیا ہے۔ بند اور مقفل دروازوں میں سے آتے جاتے رہنا، محاصرہ شدہ قید خانوں سے نکل جانا، قلعوں اور محلوں کے اندر پہنچ جانا، سینکڑوں تلوار بکف خون کے پیاسے انسانوں کی کھلی آنکھوں کے سامنے سے گذر جانا۔ اور کسی کو دکھائی نہ دینا بار بار وقوع میں آتا رہا ہے۔ وہ کیسا خوفناک ولرزہ خیز دور ہوسکتا ہے؟ جب یہ تمام قوتیں اور قدرتیں مرکزی حیثیت سے در پردہ غائبانہ اپنے مخالفین پر حملہ آور ہو جائیں گی؟ جب تمام سابقہ رعایات ضبط کر لی جائیں گی؟ جب امامؑ غائب مادی قیود سے آزاد ہو کر مخالف محاذ کی تباہی کا حکم نافذ کر دے گا۔ جب نظامِ غیبت پر مادی تخریب اثر انداز نہ ہوسکے گی۔ جب یہ سن وسال بڑھاپا اور ضعیفی کے تغیّرات پیدا کرنا چھوڑ دیں گے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ موعودہ امامؑ، وہ ایک دن میں ایک سال کی عمر حاصل کر سکنے والا بچہ کیسا ہوگا؟ کس ترکیب سے اسے دیکھا جائے؟ کیسے یہ مافوق العقل نظام اور ناظم سمجھا جائے؟ یہ سبب تھا۔ خانہ امام حسن عسکری علیہ السلام پر ان کی رضامندی کے ساتھ شاہی خادموں اور کنیزوں کے رہنے کا اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے مرض الموت میں سرکاری حکیموں اور تیمارداروں کے دن رات قیام کا۔ وہ یہ یقین کرنا چاہتے تھے کہ آیا اس غائبانہ نظام کو چلانے والا بچہ، اس کائنات کو عدل وانصاف کا گہوارہ بنا دینے والا بیٹا پیدا ہوگیا ہے یا نہیں؟ ہوگیا ہے تو کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ کس کی تربیت میں ہے؟ کہیں نظام اجتہاد کا وہ مصنوعی امام تو کامیاب نہیں ہو جاتا جو حقیقی بھائی ہوتے ہوئے امام حسن عسکری علیہ السلام کی جگہ لینے کی فکر میں تیاری کرتا چلا آ رہا ہے۔ اور شیعہ مجتہدین نے یہ مشہور کیا ہے کہ غیبت کے زمانہ میں امام دوازدہم کی حکومت مجتہدین چلائیں گے۔ امامؑ کا شیعوں سے تعلق اور رابطہ منقطع ہو جائے گا۔ امامؑ کی جگہ مجتہدین کی اطاعت وتقلید واجب ہو جائے گی۔ مجتہد کی تقلید نہ کرنے والا اِسلام سے خارج

اوراس کا ہر عمل باطل ہو جائے گا۔شیعہ مجتہدین چاہتے تھے کہ وہ امامؑ زمانہ اورعوام میں اختلاف وافتراق پیدا کر دیں۔اور شیعوں کو امامؑ سے چھڑا کر اپنے ساتھ وابستہ کرلیں۔تاکہ جو شیعہ مومنین نظام اجتہاد پر ایمان لاتے اور مجتہدین کی تقلید اختیار کرتے جائیں وہ امامؑ کے غائبانہ نظام سے خارج ہوتے جائیں۔اسی قسم کی تقلید اوراجتہاد وہ بڑا سبب ہے۔جس کے توڑ کے لئے غیبت کا نظام برسرکار آیا۔اور جب تک مجتہد کی تقلید شیعوں میں موجود ہے۔امام زمانہ علیہ السلام سے رابطہ ناممکن ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضورؑ کے دربار میں سابقہ آئمہ علیہم السلام کی طرح ہر مومن ومنافق وجاسوس اور شیعہ لیبل لگانے والے نہیں جاسکتے۔ بلکہ پہلے انہیں عملاً یہ ثبوت دینا ہوگا کہ وہ واقعی نظام اجتہاد کے دشمن ہیں۔ان کی پھیلائی ہوئی ہر بدعت پر مطلع ہیں۔اور یہ کہ وہ اللہ ورسولؐ اورامامؑ زمانہ کی حکومت قائم کرنے میں تمام ضروری اقدامات کررہے ہیں۔یہ ہے مخصوص شیعوں اور مخصوص موالیانِ اہل بیت علیہم السلام کی تعریف وخصوصیت۔ان سے نظام غیبت اورامام غائب علیہ السلام کوئی پردہ نہیں رکھتے۔ان کے لئے اس بارگاہ میں ہر وقت رسائی ممکن ہے۔وہ کہیں ہوں۔دنیا کے کسی کونے میں ہوں۔امامؑ زمانہ ان سے دور نہیں۔مشرق ومغرب وشمال وجنوب کے فاصلے اس سلسلہ میں رکاوٹ نہیں بنتے۔اب مادی جسم رکاوٹ نہیں بنتا۔اب یہ پابندی نہیں کہ مادی جسم دوجگہ بیک وقت نہیں رہ سکتا۔یہ ہے نظام غیبت کا نتیجہ اور فائدہ۔

(4) خلفائے عباسیہ کا ظلم نہیں بلکہ شیعہ مجتہدین کا ظلم غیبتِ کبریٰ کا بڑا سبب ہے

جس طرح سید مرتضیٰ نے مذہب حقہ اثنا عشریہ کو خلیفہ وقت کی گود میں بٹھانے کے لئے تقیہ کا جھوٹا بہانہ کیا تھا۔اسی طرح یہ کہا گیا ہے۔کہ حکوت وقت کے خوف وہراس سے امام زمانہ علیہ السلام نے غیبت کبریٰ اختیار کی تھی۔ ہرگز نہیں! غیبت اورغیبتِ کبریٰ کے متعلق نظام اجتہاد نے بہت سی غلط باتیں مشہور کرنے کی کوشش کی ہے۔ہم چند بنیادی حقائق لکھے دیتے ہیں۔ تاکہ عوام میں پھیلائی ہوئی افواہوں کا قلع قمع ہو جائے۔پہلی بات تو یہی طے کرلیں کہ کیا امام آخر الزمانؑ اپنے آباواجداد کی طرح قید وبند برداشت نہ کرسکتے تھے؟ کیا وہ قتل ہوجانے سے ڈرتے تھے؟ کیا وہ اپنے بزرگوں کی طرح اُمت کی راہنمائی حسب سابق جاری نہ رکھ سکتے تھے؟ یقیناً وہ ان تمام صِفات وعلم وقدرت سے کماحقہ آراستہ تھے۔جو تمام انبیاءؑ ورسلؑ اورخصوصاً جناب محمد مصطفیٰ اورآئمہ ھدیٰ صلوٰۃ اللہ علیہم میں ودیعت تھیں۔لیکن غیبت کا سب سے بڑا اورنمایاں سبب یہی تھا کہ وہ نظامِ اجتہاد اورشیعہ مجتہدین کو اپنی آڑ میں چھپنے کا موقع نہ دینا چاہتے تھے۔وہ نہ چاہتے تھے کہ شیعہ مجتہدین کے خودساختہ اورحکومت نوازاحکام کو اپنی معصوم سند سے نافذ ہونے دیں۔وہ چاہتے تھے کہ مجتہدین کی تقلید کرنے والے شیعوں سے شیعانِ اہل بیتؑ کو الگ کرلیں اور پھر نظام اجتہاد کو پوری ڈھیل دے کر موت کے گھاٹ اتاردیں۔وہ مخالف گروہ کے خوف سے یا مخالف حکومت کے مظالم سے بچنے کے لئے غیبت پر مجبور نہیں ہوئے تھے۔شیعہ مجتہدین کو محروم وناکام کرنے کے لئے نظامِ غیبت قائم کرنے پر آمادہ ہوئے

تھے۔انہوں نے اپنے نظام کے اسباب اور تفصیلات با قاعدہ تحریریں فرمائی ہیں۔ہم وہ تحریریں پیش کریں گے۔وہ نام نہاد شیعہ علماء کو مذہب حقّہ سے محروم کرنے کے لئے ان سے الگ ہوئے تھے۔

(5)وہ ماحول جس میں غیبت واقع ہوئی تھی

(الف) ۔''وہ عباسی خلیفہ جس کے زمانہ میں غیبت کبریٰ کا اعلان ہوا تھا۔وہ عباسی حکومت کا بیسواں خلیفہ الراضی باللہ تھا۔ اس کی پیدائش 297ھ اور وفات ربیع الاول کے وسط اور 329ھ میں ہوئی۔اس کے نیک کرداروں میں سے ایک حضرت فاطمہ زہرا علیہا السّلام کی غصب شدہ میراث یعنی فِدک کے باغات اور زمینوں کو واپس دلوانا ہے۔راضی باللہ کے زمانہ تک نودس مرتبہ یہ وراثت غصب کی گئی اور واپس دی گئی تھی''۔

(الف) بسیتم۔ازخلفاءِ بنی العباس، ابو العباس الراضی محمد بن المقتدر بود۔ تولدش سنه دویست و نودو هفت بود ودرنیمه ربیع الاول سنه سیصدو بیست و نه از دنیا رفت واز محاسن کارهایء او رد فدک است بورثه حضرتؑ فاطمه زهرا و تازمان او نه دفعه بلکه ده دفعه فدک غصب شده و رد شده''۔

(منتخب التواریخ یعنی محمدؐ وآل محمدؐ کے ساتھ گذرنے والے حالات کی تاریخ صفحہ 653)

یہ تھا وہ بادشاہ عرب جس کے عہد خلافت میں غیبت کبریٰ کا اعلان کیا گیا تھا۔یہ خلیفہ سات سال سے حکومت کرتا چلا آ رہا تھا۔اوراس نے جو ماحول پیدا کر دیا تھا۔وہی آگے بڑھ کر مذہب شیعہ کی حکومت کا دور لایا اوراذان ونماز ومساجد اورعزاداری مظلومؑ علی الاعلان وقوع میں آ گئیں۔لہٰذا امامؑ زمانہ کو ہرگز کسی مخالفِ محمدؐ وآل محمدؐ کا خوف نہ تھا۔سوائے اس کے کہ شیعوں میں نظام اجتہاد شیعہ نقاب پہن کر پھیلتا جارہا تھا۔اور غیبت کا سبب یہی اجتہاد تھا۔

(ب)خلیفہ المہتدی باللہ کا عہد خلافت 255ھ سے 256ھ تک دو سال

یہ وہ عباسی خلیفہ ہے جس کے عہد حکومت میں سرکار حجۃ علیہ السلام پیدا ہوئے اور غیبت صغریٰ شروع ہوئی۔اس کا حال اسی مذکورہ بالا شیعہ تاریخ میں یہ ہے کہ:۔

۔''خلیفہ مہتدی کی پیدائش پانچ ربیع الاول 219ھ اور سولہ رجب 256ھ کو موسیٰ بن بغا کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اور اس کا سبب یہ ہوا کہ مہتدی نے ایک ترکی شخص بابک نامی کو قتل کرا دیا تھا۔اس لئے کہ وہ انتہائی ظالم تھا۔

۔''ولادتش پنجم ربیع المولود سنه دویست و نوزده بود و در شانزدهم ماه رجب سنه دویست وپنجاه و شش بدست موسٰی بن بغا ترکی مقتول شد و علّتش این بو د که المهتدی بابک ترکی را که

اس پر درباری تُرک بگڑ گئے اورانہوں نے خلیفہ مُہتدی کو گھیر کر قتل کردیا تھا۔ خلیفہ مُہتدی ایک عابد وزاہد اور پارسائی کی صفات رکھتا تھا۔ اورجس طرح عمر بن عبدالعزیز خلفائے بنی امیہ میں قابل قدر تھا۔ اُسی طرح مُہتدی خلفائے بنی عباس میں اس کی مثال تھا۔ کتاب حبیب السئیر میں لکھا ہے۔ کہ مہتدی نے عمر بن عبدالعزیز کی تقلید کی تھی۔ اچھی باتوں کو نافذ کیا تھا۔ بری باتوں کو روک دیا تھا۔ خزانہ میں جو سونے چاندی کے برتن تھے۔ ان کو تڑوادیا تھا۔ شراب اورراگ ورنگ بند کردیا تھا"۔ (منتخب التواریخ صفحہ 651) دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ:۔ "علامہ مجلسی نے کتاب بحارالانوار میں مہتدی خلیفہ کے ایک مخصوص مصاحب محمدؑ بن علیؑ کی زبانی لکھا ہے۔ کہ ایک رات مہتدی خلیفہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں حضرت علیؑ کے صحابی حضرت نوفل کی وہ روایت معلوم ہے۔ جوانہوں نے حضرت علیؑ سے نقل کی ہے۔ میں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ وہ روایت یہ ہے

معروف بود بظلم بقتل رسانید بعد ازاتراک هجوم آور دند و خلیفه را بقتل رسانیدند۔ واو موصوف بود بزهد وورع و مثلش در خلفائے بنی العباس مثل عمر بن عبدالعزیز بود درخلفائے بنی امیه ودرحبیب السئیراست که تقلیدعمربن عبدالعزیز رافرمود درامر معروف و نهی از منکر و ظرفهائے طلا و نقره که در خزانه بود درهم شکست و مردم را از غنا و شراب منع نمود" (منتخب التواریخ صفحہ ۶۵۱) ۔"در بحار از محمدؑ بن علیؑ که از خواص مهتدی باللّٰه بو د ۔ روایت کرده که شبے المهتدی باللّٰه بمن گفت آیا روایت نوفلی رامی دانی که از حضرت علیؑ نقل کرده؟ گفتم بلی و آن آنستکه ......محمدؑ بن علیؑ گفت فواللّٰه لقد کتب المهتدی الخبر بخطه و دردی شب میشنیدم المهتدی باللّٰه بهمیں کلمات باخدا مناجات میکرد و گریه میکرد "۔(منتخب التواریخ صفحہ ۱۰۶۰۔۱۰۶۱)

...... (پھر وہ روایت پوری لکھی ہے) روایت سنا کر محمدؑ بن علیؑ کہتا ہے کہ مُہتدی نے اس حدیث کو اسی وقت اپنے قلم سے لکھا اور کل رات میں نے خود سنا کہ مُہتدی وہی دعا پڑھ کر رورو کر اللہ سے دعا کررہا تھا"۔

قارئین کرام کو معلوم ہے کہ جناب عمر بن عبدالعزیز بنی امیہ میں وہ خلیفہ تھا۔ جس نے امیر معاویہ کی جاری کردہ لعنت کی رسم کو بند کردیا تھا اور ساتھ ہی فدک کی زمینیں اور باغات بھی امامؑ وقت کو واپس دے دیئے تھے۔ اوراس پر ناراض ہوکر خاندان کے رؤسا نے انہیں قتل کردیا تھا۔ یہاں مہتدی کا بالکل وہی حال ہوا ہے۔ آپ نے پڑھا کہ وہ اپنے مخصوص صحابہ میں شیعوں کو رکھتا تھا۔ وہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت شدہ دعا کی تلاش میں تھا۔ اسے لکھا اوراس کے مطابق دعا شروع کردی۔ وہ کسی غلط قول وفعل سے راضی نہ ہوتا تھا۔ ذرا سوچیے کہ ایسے خلیفہ کے زمانہ میں سرکار حجۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے تھے۔ کیا ایسے

زمانہ میں حضرت امام حسن عسکریؑ اوران کے اہل خانہ علیہم السلام پر کسی سختی کا کیا جانا مان لیا جائے؟ پھر آپ ان اسباب پر غور فرمائیں جو ہم نے آپ کے سامنے رکھے ہیں۔حضرت قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا ہوتے ہی روح القدس کی تحویل میں عرش خداوندی پر پہنچانا ہماری احادیث میں موجود ہے۔ان کی مخصوص تربیت کا تقاضہ تھا کہ ان حضرتؑ کولوگوں کی نظروں سے الگ رکھا جائے۔انہوں نے جس مافوق الفطرت فطرت پر تیار ہونا تھا۔وہ لوگوں کی نظروں کے سامنے ناممکن تھی۔جس نے چند روز میں پوری قد وقامت اختیار کرنا ہو اسے اس مادی دنیا سے دور رکھنا ضروری تھا۔بہرحال جس غیبت کوغیبت صغریٰ کہتے ہیں۔ وہ بھی حکومت وقت کے خوف سے واقع نہیں ہوئی تھی۔یہ چوہتر (74) سال کا وہ زمانہ ہے۔جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت تک موجود رہنے، پوری کائنات کو زیرنظر رکھنے اوراس طویل زمانہ میں نظام ہدایت وتقلید کومخصوص انداز میں چلانے اورقائم کرنے کا انتظام فرماتے رہے ہیں۔آپؑ نے اس دوران اپنے والدمحترم امامؑ یازدھم کا قائم کردہ نظام بحال رکھا۔اپنی طرف سے انہوں نے تصدیق کے سوا کوئی نظم جاری نہیں کیا۔جن حضرات کونائبین امامؑ کہا جاتا ہے۔وہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کا قائم کردہ پرانا سلسلہ تھا۔جوسابقہ مقررہ طریقہ پر اپنا جانشین خود مقرر کرتا چلا آرہا تھا۔آپ نے اس قدیم نظام کو بتدریج غائبانہ اوراپنے خفیہ (UNDER GROUND) نظام سے وابستہ کیا،نئے اراکین تیار کئے اورتکمیل ہوتے ہی سابقہ تمام نائبوں کوآئندہ نائب مقرر کرنے سے روک دیا۔اوریہیں سے وہ غیبت شروع ہوئی جس کوغیبتِ طویلہ یاغیبتِ کبریٰ کہا جاتا ہے۔اورجس میں قائم کردہ نظام مجتہدین کوکسی طرح معلوم نہ ہوسکا اورانہوں نے خود ہی کہانیاں گھڑ کراپنا الوسیدھا کرنا شروع کردیا۔

(ج) خلیفہ معتضد باللہ کا 279ھ تا 289ھ دس سالہ دورِ حکومت

1۔ حضورؑ کی پیدائش کے بعد چوبیسویں سال خلیفہ معتضد کا دورِحکومت چلتا ہے۔یہ وہ خلیفہ ہے جوخانوادۂ نبوتؐ کے ساتھ نہایت عزت واکرام کا سلوک کرتا تھا۔جس نے تمام مملکت میں وہ کتاب نافذ کرنے کی کوشش کی جوخلیفہ المامون نے لکھوائی تھی اورجس کی تنفیذ کوروکنے کے لئے بڑے حیلے بہانے کئے گئے تھے۔طبری سے چند جملے ملاحظہ ہوں۔

۔''المعتضد نے وہ کتاب نکالنے کاحکم دیا جولعنِ معاویہ میں المامون کے حکم سے لکھی گئی تھی''۔(ترجمہ تاریخ طبری جلد دہم صفحہ 294)

2۔''اسی سال المعتضد باللہ نے منبروں پرحضرت معاویہ بن سفیان پرلعنت کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔اوراس کے متعلق ایک فرمان لکھنے کاحکم دیا کہ لوگوں کوپڑھ کرسنایا جائے''۔(ایضاً صفحہ 293)

3''۔باعتبار مرتبے کے اِسلام میں مسلمانوں سے افضل تھے۔جوسب سے پہلے اس کی طرف سبقت کرنے والے تھے۔جن کا اثراس میں سب سے اچھا تھا۔یہ علیؑ بن ابی طالبؑ تھے''۔(ایضاصفحہ 302)

4۔ ''اُس پر لعنت کرو جس پر اللہ و رسولؐ نے لعنت کی ہے۔ اُس سے مفارقت اختیار کرو جس کی مفارقت کے بغیر تم اللہ کی قربت نہیں حاصل کر سکتے۔ اے اللہ لعنت کر ابوسفیان بن حرب اور اس کے بیٹے معاویہ پر، یزید بن معاویہ پر، مروان بن الحکم پر اور اس کے بیٹے پر، اے اللہ لعنت کر کفر کے اماموں، گمراہی کے پیشواؤں، دین کے دشمنوں، رسوؐل سے لڑنے والوں، احکام میں تغیّر کرنے والوں، کتاب کے بدلنے والوں اور محترم خون بہانے والوں پر''۔ (ترجمہ تاریخ طبری حصہ دہم صفحہ 307 نفیس اکاڈمی کراچی)

ہمارے قارئین مجتہد سے دریافت کریں کہ کیا ایسے خلفاء اور ایسے ماحول میں امام زمانہ حضرت حجۃ علیہ السلام کو کسی قسم کی دِقت ہوسکتی تھی؟ پھر آنجنابؑ پیدائش کے بعد مسلسل غائب کیوں رہے؟۔ حقیقت یہ ہے کہ غیبتِ صغریٰ اور غیبتِ کبریٰ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ حضورؑ نے سابقہ آئمہ علیہم السلام کے ظاہری نظامِ ہدایت وتقلید کو اور سابقہ مبلغین اور نوابوں یعنی امامت کی نیابت کرنے والے تمام اراکین کی روش کو بند کر دیا۔ تا کہ اجتہاد اور شیعہ مجتہدین گھر کر رہ جائیں۔ اور اُن کا مذہب مذہب حقّہ سے الگ اور باطل ثابت ہوکر رہ جائے۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری میں مجتہدین کی مساجد اور حقیقی شیعوں کی مسجدیں الگ الگ تھیں۔ شیعوں کی مساجد میں اذان میں علیاً ولی اللہ اور حی علیٰ خیر العمل پڑھا جاتا تھا۔ مجتہدین اس شہادتِ علوؑیہ کا اعلان نہ کرتے تھے۔ بلکہ علیؑ ولی اللہ کو اذان میں حرام سمجھتے تھے۔ اور حقیقی شیعوں کو لعنتی سمجھتے تھے۔ جناب علامہ رضی رضی اللہ عنہ نہج البلاغہ کے مؤلف شیعوں کے عالم تھے۔ دوسری طرف اُن کے بڑے بھائی سب سے بڑے اجتہاد نواز اور نظام اجتہاد کے راہنما تھے۔ اور ملتِ شیعہ کو سُنی مجتہدین کے اجماع کے یعنی سنی مجتہدین کی کثرت کے فیصلوں کے ماتحت لانے کی تدبیریں اور کوششیں کر رہے تھے۔ علامہ صدوق رضی اللہ عنہ کو دروغ گو، جاہل وگمراہ ثابت کرنے کے لئے کتابیں لکھ رہے تھے۔ (دیکھو کتاب روضات الجنات، منتخب التواریخ، حدایق الناضرہ، اور ہماری کتاب، ہزار سالہ جوان سازش، اور مذہب شیعہ ایک قدیم تحریک اور ہمہ گیر قوت)

(د) خلیفہ معتضد مذکور کے متعلق شیعہ علماء کا بیان اور معصومؑ فیصلہ

چند جملے حضرت علی علیہ السلام کے بھی سن لیں تا کہ اس خلیفہ اور اس کے پیدا کردہ ماحول پر شیعہ احساسات کی روشنی بھی پڑ جائے۔ اسی تاریخ سے سنئے جو شیعہ مورخ نے 1348ھ میں یعنی آج سے 49 سال قبل لکھی تھی۔ اور جس میں شیعہ مورخ نے ہر قابل اعتراض مواد کو نظر انداز کیا اور یہ اہتمام کیا کہ اس تاریخ کو کتب شیعہ اور شیعہ احادیث کی کتابوں سے تیار کریں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

۔''علامہ مجلسی نے کتاب بحارالانوار میں ابن شہرآشوب سے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے اس خطبہ کا ذکر لکھا ہے۔ جس میں حضرت علیؑ نے خلفائے بنی عباس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور کہا تھا کہ اُن خلفا میں کا سولھواں (16) خلیفہ ان سب سے زیادہ ذمہ داریوں کا فیصلہ کرنے والا ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ معتضد نے خواب میں دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ دیکھو جب تم تخت خلافت پر بیٹھو تو میری اولاد پر احسان کرتے رہنا۔ چنانچہ جیسے ہی معتضد خلافت پر فائز ہوا اس نے اولاد علیؑ سے احسان وسلوک سے پیش آنے کو اپنا محبوب مشغلہ بنا لیا۔ لہٰذا وہ فرائض اور ذمہ داریوں کے ادا کرنے اور حقوق قرابت رسولؐ پورا کرنے کے اوصاف سے موصوف ہوگیا''۔ (صفحہ 652)

۔'' دربحار از مناقب ابن شهر آشوب از حضرت امیرؑ نقل میفرمائید در آن خطبه که احوالاتِ خلفاء بنی عباس را نقل میفر مائید: ۔''سادس عشرهم اقضاهم للزمم''۔ بعد فرموده: المعتضد باللّٰه درخواب دید که حضرت امیرؑ بوی فرمودند '' اِذَا جَلَسْتَ عَلٰی سَرِیْرِ الخلافة فاحسن اِلٰی اولادی '' پس چون بخلافت نشست دوست میداشت علویین راوبآنها احسان میکرد لذا موصوف شد ۔''بقضاء الذمه وصلة الرحیم''۔

(منتخب التواریخ صفحہ ۶۵۲ مطبوعہ ایران)

قارئین یہ دیکھتے چلیں کہ حضورؑ قائم آل محمدؐ اپنی عمر کے چونتیس سال اس شیعہ نواز ماحول میں گذارتے ہوئے بھی علی الاعلان لوگوں سے ملاقات نہیں کرتے اور جب تک آنحضرتؐ کے مخصوص ومتعیّن شیعہ وموالی تصدیق نہ کردیں اس وقت تک کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ یہ مسلسل عملی زندگی آپ کو صرف ایک بات بتاتی ہے کہ خطرہ شیعہ مجتہدین سے ہے جن کی سربراہی اس وقت حضرتؑ کے چچا جعفر نے سنبھالی تھی جب حضورؑ پیدا ہوئے تھے۔ یہی جعفر ہے جس کو جعفر کذّاب فرمایا گیا ہے۔ یہی جعفر تھا۔ جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد شیعوں کا امام بن جانے کے لئے نظامِ اجتہاد اور شیعہ قسم کے مجتہدین کی راہنمائی کررہا تھا۔ اس کی نسبت بھی چند جملے سن لیں تاکہ پھر ہم اس ماحول کا ذکر جاری کریں جس میں امام آخرالزمان غائبانہ نظام قائم کرنے میں مصروف تھے وہی تاریخ اور خود کافی میں لکھا ہے کہ:۔

۔''احمد کہتا ہے کہ جعفر کذّاب میرے والد کے پاس آیا اور کہا کہ آپ مجھے میرے والد جناب امام علی نقیؑ اور میرے بھائی جناب امام حسن عسکریؑ کا رتبہ اور مقام دلادیں تاکہ میں بیس ہزار اشرفیاں ہر سال آپ کے

احمدؑ گفت جعفرِ کذّاب آمد نزد پدرم، عبیداللّٰه، گفت رتبه ومقامِ برادرم رابمن بدهید تا من سالی بیست هزار اشرفی نزد شما روانه کنم پدرم گفت اے احمق خلیفه با شمشیر برهنه خواست کسانی

حضور میں بھیجتا رہوں۔میرے والد نے جعفر کذّاب سے کہا کہ او احمق شخص تجھے معلوم ہے کہ خلیفہ لوگ کھنچی ہوئی تلواروں سے یہ کوشش کر کے ناکام ہوگئے کہ ان لوگوں کو باز رکھیں جو تیرے باپ اور بھائی کی امامتؑ اور خلافت پر ایمان رکھتے ہیں۔لہٰذا اگر تجھے ان شیعوں میں وہ مقام حاصل ہے جو تیرے والد اور بھائی کو حاصل

راکه معتقد بامامت و خلافت پدرت و برادرت بودند از اعتقاد شان برگر داند ممکن نه شد۔اگر تو نزد شیعانِ پدرت و برادرت امام و خلیفه هستی حاجتی نیست که خلیفه(عباسی) بتو این رتبه را بدهد ۔ واگر نیستی بمرتبه دادن خلیفه(عباسی) دارای این مرتبه نخواهی شد"۔ایضاً (صفحہ۱۰۶۳)

تھا تو ہم سے سفارش چاہنا جہالت ہے۔اگر تجھے یہ مقام حاصل نہیں ہے یعنی تو شیعوں کا امام اور خلیفہ نہیں ہے۔تو عباسی خلیفہ اگر تجھے شیعوں کا امام اور خلیفہ مان بھی لے تب بھی تجھے شیعوں میں وہ رتبہ اور مقام نہ ملے گا''۔(صفحہ 1063)

قارئین نوٹ فرمائیں کہ 260ھ میں یہ دروغ باف جعفر بیس ہزار اشرفیاں دے کر مذہب شیعہ کی قیادت خریدنا چاہتا تھا لیکن ناکام ہوگیا تھا۔مگر وہ خبیث شخص اور اس کا مجتہد ٹولہ برابر کوشاں رہے اور حضرت حجتؑ کے سامنے نہ ہونے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیعوں کو فریب میں مبتلا کرنے کا نظام چلاتے رہے۔یعنی آخری امامؑ کی غیبت میں علماء ہی ان کے جانشین ہوں گے۔امامؑ سے رابطہ قطعاً بند ہوجائے گا۔شیعوں کو مجتہدین کی تقلید لازم ہوگی۔اس مقصد کے لئے مجتہد علماء کے گروہ نے بہت سی روایات گھڑ واکر انہیں حکومتوں کی وساطت سے شہرت دلوائی۔شیعوں میں مقدس لباس پہن کر اور لعنت وتبرا کی اُموی اسکیم لے کر شیعوں میں پھیل گئے ۔امام حسن عسکری علیہ السلام کے قائم کردہ نوابین پر جال ڈالنا شروع کیا۔ان کی طرف سے بھی چند فرضی ونقلی خطوط پبلک میں پھیلائے تاکہ مجتہدین پر اعتماد قائم ہوجائے۔بہرحال رفتہ رفتہ اجتہاد کی گاڑی چلنے لگی۔لوگ اسی دھوکے میں ان سے مسائل دریافت کرنے لگے کہ یہ بھی امامؑ کے نائب یا نائب کے نائب ہوں گے۔اور انہوں نے بھی ابتداء میں قرآن وحدیث کو احکام کے لئے اختیار کئے رکھا تاکہ ان پر شیعہ علماء ہونے کا یقین پکا ہوجائے۔یہاں تک کہ امامؑ زمانہ نے ان تمام نائب نام کے لوگوں کو معطل اور نیابت سے خارج کردیا جو نظام اجتہاد کی طرف مائل ہوسکتے تھے یا اُدھر جُھک رہے تھے۔یعنی غیبتِ کبریٰ کا اعلان ہوگیا اور آخر وہ وقت آ گیا کہ عضدالدولہ ومعصدالدولہ کی مدد سے مجتہدین نے شیعوں پر اپنی گرفت مضبوط کرلی اور جعفر کذّاب کی طرح جناب سید مرتضیٰ علم الھدیٰ نے چالیس لاکھ روپے دے کر مذہب شیعہ کو سُنی مجتہدین کی کثرت کے ماتحت رکھ لینے کا سودا کیا اور وہ بھی جعفر کذّاب کی طرح خاسر وناکام رہے۔سُلطانِ وقت اور شیعوں نے ان کی اس ابلیسی اور مہلک سازش کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

(ہ)حضرت حجۃؑ اکتالیس سال تک کیسے ماحول میں تھے؟

خلیفہ معتضد کے بعد خلیفہ مکتفی نے عنانِ خلافت سنبھالی اور چھ سال تک اپنے والد معتضد کے قائم کردہ ماحول اور اولادِ علیؑ کے اکرام واحترام وحقوق کو بحال رکھا اور خود بنی عباس کی ہمت شکنی کرتا رہا کہ وہ خاندانِ علیؑ پر عباسی بزرگوں اور خلفاء کو ترجیح نہ دیا کریں۔لہٰذا اسی تاریخ سے یہ بھی دیکھ لیں لکھا ہے کہ:۔

۔''خلفائے بنی عباس میں سترہواں خلیفہ معتضد کا بیٹا علیؑ اور لقب مکتفی تھا۔ جو ربیع الاول کی آخری تاریخ 264ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اور اتوار کی رات بارہ ذیقعد 295ھ دنیا سے رخصت ہوا۔خلفائے عباسیہ میں سے کسی خلیفہ کا نام علی نہ تھا سوائے اُس کے اور یہ خلیفہ حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کو بہت محبوب رکھتا تھا۔ایک روز یحییٰ شاعر نے دربارِ خلافت میں ایک ایسا قصیدہ پڑھنے کی اجازت مانگی جس میں اولادِ عباس کو اولادِ علیؑ پر فضیلت دی گئی تھی ۔مگر خلیفہ مکتفی نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی اور نہ ہی اسے قصیدہ پڑھنے کی اجازت ملی جیسا کہ کتاب حیات الحیوان دمیری میں تفصیل ہے''(ایضاً652)۔

۔''هفتدهم (17) از خلفائی بنی العباس ابو محمد المکتفی باللّٰه علیؑ بن معتضد بُود تو لدش درغرۂ ربیع الاول سنه دویست وشصت وچهار بود۔ ودر شب یکشنبه دوازدهم ذیقعدة الحرام سنه دویست ونودوپنج از دنیا رفت و درخلفائی بنی عباس هیچیک اسمش علیؑ نبود ۔مگراودوست داشت امیرؑ المومنین و اولادؑ آنحضرتؐ را ۔ یکروز یحییٰ شاعر درمجلس او قصیده خواند که در آن قصیده فضیلت داده بود اولاد عباس رابر اولاد علیؑ ۔ المکتفی گوش ندا دواجازه نداد که آن قصیده رابخواند۔کذافی حیوٰة الحیوان''۔(ایضاً منتخب صفحہ ۶۵۲)

قارئین یاد فرمائیں کہ یہ علی نام کا خلیفہ جب جوان ہوا تو اس کا باپ معتضد خلیفہ تھا۔یعنی اپنی عمر کے پچیس (25) سال ایسے خلیفہ کے عہد اور تربیت میں گذارے تھے۔جس نے اپنے اباواجداد کی عادت وسنت کے خلاف اس کا نام علی رکھا تھا۔ اور چاہا تھا کہ علی نام کا خلیفہ تختِ عباسی پر بیٹھے اور جس نے اپنے ماحول کو فضائلِ محمدؐ وآلِ محمدؐ سے معمور کردیا تھا اُموی خاندان کو لعنتی قرار دیا تھا۔ یہ وجہ تھی کہ مکتفی قلب کی گہرائی سے امام زمانہ علیہ السلام اور خانوادۂ نبوت کا ناصرومددگار تھا۔اس کی خلافت (295-289ہجری) چھ سال رہی اور مجتہد کے سوا کوئی پاگل بھی یہ تسلیم نہ کرے گا کہ امام عصر والزمان علیہ السلام حکومت کے خوف سے از پیدائش تا اکتالیس سال غائب رہے۔اگر حضورؑ اس سختی سے الگ تھلگ نہ رہتے تو کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی مجتہد آپ کے ساتھ بیٹھا ہوا۔ چلتا ہوا۔سوالات کرتا ہوا پایا جانا ممکن تھا۔اور یہ دلیل بڑی مغالطہ آمیز اور خطرناک ہوسکتی تھی۔اور سینکڑوں گواہ بن سکتے تھے۔سینکڑوں روایات گھڑی جاسکتی تھیں کہ ہم یا فلاں فلاں اور فلاں لوگ آنحضرتؐ کے صحابہ میں سے ہیں۔

اور ہم وہی کچھ کہتے ہیں جو حضورؐ نے سکھایا تھا۔ یہ سبب ہے کہ اس چوہتر (74) سالہ دور میں یہ تو کہا گیا کہ فلاں فلاں اشخاص کو امام کا خط ملا مگر ان میں سے ایک بھی نہیں جو یہ کہہ سکا ہو کہ میں حضورؐ سے ملا تھا۔ یا سرکارؐ مجھ سے ملنے تشریف لائے تھے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو حضورؐ نے اس چوہتر (74) سالہ دور میں ملاقات کی عزت بخشی تھی وہ ہمارے عوام اور مخلص شیعہ تھے۔ ان میں سے ایک کا نام بھی علمائے حقّہ یا علمائے مجتہدین میں شمار نہیں ہوا ہے۔ اور نہ گواہی وثبوت ملا ہے۔ اور خطوط کا حال بھی یہ تھا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے سلسلے کے نائب لوگ خط بھیج دیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس سوائے ان نائب لوگوں کے قول کے اور کوئی مادی دلیل ایسی نہیں رہنے دی گئی ہے جس سے وہ یہ ثابت کرسکیں کہ فُلاں خط واقعی امام عصر علیہ السلام کا ہے۔ کسی اور کا نہیں ہے۔ تا کہ امام معصوم علیہ السلام کی تحریر ناپاک اور باطل ہاتھوں میں نہ رہ سکے۔ سوچئے اور سوچ کر طے کیجئے کہ جن مجتہدین کو ہمارے علمائے شیعہ ناپاک سمجھتے رہے ہیں۔ اور جن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں بھی شیعوں میں ناپاک سمجھی جاتی ہوں۔ ان لوگوں کو ہمارا معصوم ومطہر امام علیہ السلام کیسا سمجھے گا؟۔

(و) خشک چیز کو ہاتھ لگایا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ ناپاک ہو مگر مجتہد کی کتاب؟

چونکہ مجتہدین علمائے شیعہ کو واجب القتل سمجھتے ہیں۔ اور شیعہ مجتہدین نے بڑے بڑے علمائے شیعہ کو قتل کرایا ہے۔ (**دیکھو ہزار سالہ جوان سازش اور کتاب مذہبِ شیعہ**) اور اذان میں علیًّاوَلِی اللّٰہ کہنے کی وجہ سے شیعہ مجتہدین ہمیں لعنتی لکھتے آئے ہیں۔ اور چونکہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث کا انکار اور ان کے قبول کرنے میں چوں وچرا کرنا کُفر وشرک ہے۔ اس لئے مجتہد اور اس کی ہر چیز کو ناپاک سمجھا گیا ہے۔ دیکھو ایک بہت بڑے متعصب مجتہد کا بیان وہ لکھتا ہے کہ:۔

۔''آقا محمدؐ باقر بہبہانی کے کربلا اور نجف میں آنے سے پہلے ان دونوں مقامات پر قاصر قسم کے مُحدث علمائے شیعہ کا متفقہ عملدرآمد یہ تھا کہ اگر کبھی انہیں کوئی ایسی کتاب اُٹھانا پڑ جاتی تھی جو مجتہدین کی لکھی ہوئی ہوتو وہ اسے ہاتھ نہ لگاتے تھے بلکہ اسے ناپاک سمجھتے تھے۔ اور جب اٹھاتے تھے تو ہاتھوں کو رومال میں لپیٹ کر اٹھاتے تھے''۔ اور اس نے ہمارے شیعہ علمائے حدیث کی خود ہی دو قسمیں بھی قرار دی ہیں۔

(۱) و قبل از جناب آقا محمدؐ باقر بهبهانی در کربلا ونجف جماعت اخبارئین از قاصرین ایشان اجتماع داشتند بنحویکه اگر کتابی از مجتهدین را میخواستند بردارندبادستمالی برمیداشتندونحس میدانستند۔ و بادست نمی گرفتند۔ (قصص العلماء صفحہ۲۰۱) یہ بھی لکھتا ہے کہ:۔

(۲) مؤلف کتاب قصص العلما گوید که اخباری اگر قاصر باشد عیبی ندارد و اگر مقصر باشد فاسق است ۔ اگر العیاذ باللّٰه مجتهدین را تکفیر کند کافر است وما ردّ اخبارئین در کتب اصولیه بیان نمودیم (قصص العلما صفحہ ۱۸۰)

کہتا ہے کہ۔"قصص العلماء کا مولف کہتا ہے کہ اخباری عالم اگر قاصر قسم کا ہو تو اُس میں کوئی عیب نہیں ہے۔لیکن اگر وہ مُقصِر قسم کا ہو تو وہ فاسق ہے۔اور اگر ایسا ہو کہ مجتہدین کو کافر قرار دیتا ہو تو وہ کافر ہوتا ہے۔اور یہ کہ میں نے اپنی اصول والی کتابوں میں اخباری علماء کا غلط ہونا ثابت کیا ہے"۔(صفحہ 180)

قارئین اس مجتہد کی عقل وبصیرت پر غور کریں۔اس نے لکھا کہ قاصر قسم کے اخباری علماء مجتہدین کو اور ان کی کتابوں کو ناپاک سمجھتے ہیں اور یہ بھی کہ قاصر قسم کا اخباری علماء ہونا کوئی عیب نہیں یعنی مجتہدین کو ناپاک سمجھنے میں کوئی غلط بات یا خرابی نہیں ہے مگر انہیں کافر کہنا کفر ہے۔یعنی مجتہد ناپاک تو ہوتا ہے۔اور اسے ناپاک سمجھا جاسکتا ہے۔مگر اسے کافر نہ کہنا چاہئے۔ہم اس تجویز اور نتیجہ سے متفق ہیں۔ہم مجتہدین کو کافر نہیں مانتے۔

(ز) زمانہ امام عصر کا تیسرا خلیفہ،مقتدر باللہ معتضد کا دوسرا بیٹا

معتضد ایسے باپ کا دوسرا بیٹا بھی اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔اس خلیفہ کا دور حکومت (295ھ سے 320ھ)25 سال رہا۔یعنی حضرت حجۃ علیہ السلام اس کے دور تک اپنی عمر کے چھیاسٹھویں سال کو پہنچ چکے تھے۔اور اب غیبتِ کبریٰ کے اعلان میں سات سال اور باقی تھے۔اس زمانہ میں سرکارؑ کو کوئی دقت پیش آئی یا آسکتی تھی؟ اس کے جواب میں اسی شیعہ تاریخ سے مندرجہ ذیل عنوان ملاحظہ فرمائیں۔

۔**"امر دوم۔در مجدّد و مروّج دینِ اسلام در راس ہر مائۃ از سلاطین"**۔

ترجمہ۔"دوسرا معاملہ۔ہر صدی کے سرے پر دینِ اسلام کے مجدّد و مروّج کون سے بادشاہ تھے؟"۔(منتخب التواریخ صفحہ 102)

یہ عنوان قائم کر کے مُورخ نے پہلی صدی ہجری کا مجدّد اور مروّج عمر بن عبدالعزیز اُموی خلیفہ کو مانا ہے۔پھر دوسری صدی میں دینِ اسلام کی تجدید وترویج کرنے والوں میں خلیفہ مامون رشید کا نام لکھا ہے۔اسی سلسلہ میں (صفحہ 103) چوتھی صدی کا مجدّد سلطان عضد الدولہ ابن رکن الدولہ ابن عماد الدولہ دیلمی کو لکھا ہے۔جس نے عزاداری شہدائے کربلاؑ اور شیعہ اذان وغیرہ کی آزادی دلوائی تھی۔چھٹی صدی کا مجدّد ہلاکو خان کو لکھا ہے۔جس نے خلافت عباسیہ کو دنیا سے ختم کیا تھا۔یعنی یہ مورخ جن لوگوں کو مجدّد مانتا ہے۔وہ مذہب شیعہ کے طرف دار سلاطین تھے۔لہٰذا اب سنئے کہ اس نے خلیفہ مقتدر باللہ کو بھی مجدّد مانا ہے۔جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔

خلیفہ مقتدر عباسی شیعہ تاریخ میں

در مِائۂ ثالثہ مجدد دین محمدیؐ مقتدر باللّٰہ عباسی بود۔ چون قومِ قرامطہ کہ رئیس ایشان ابوطاہر بود۔ بمکّہ معظّمہ مستولی شدند و سی ہزار محرم رادر

۔"تیسری صدی ہجری کے سرے پر دین محمدیؐ کا مجدّد مقتدر باللہ عباسی خلیفہ تھا۔جب قوم قرامطہ اپنے راہنما اور لیڈر ابوطاہر کی سرکردگی میں مکہ معظّمہ پر غالب آگئے۔

تو انہوں نے تیس ہزار حاجیوں کو احرام کی حالت میں تہہ تیغ کر دیا۔ خانہ کعبہ سے حجر اسود نکال کر لے گئے۔ ممالک اسلامیہ میں تخریب وقتل وغارت مچادی۔ اس طرح دین اِسلام کمزور پڑ گیا۔ اس وقت خلیفہ مقتدر نے تلوار کھینچی اوران کو تباہ کر دیا۔ اور دین اِسلام کو پھر سے رواج دیا''۔

> روز عرفه بقتل رسانيد ندو حجر اسود را از رکن خانه کعبه بر کندند و بلاد اِسلام خراب نموده قتل و غارت نمودند باين جهت دين اِسلام ضعيف شد مقتدر باللّٰه شمشير کشيد و ايشان را بر انداخت و دين اِسلام را رواج داد''۔ (منتخب التواریخ صفحہ۱۰۳)

اس بیان کا تقاضہ ہے کہ ہم مقتدر باللہ عباسی کے زمانہ حکومت میں امام عصرؑ پر گذرنے والے پچیس (25) سالوں کو پرامن اور بے اندیشہ زمانہ سمجھیں اور جب کہ امام علیہ السلام کے دور میں تمام وزیر بھی شیعہ اور صاحبان اختیار رہے ہوں۔ چنانچہ علامہ مجلسی اعلی اللہ مقامہ کا ایک بیان سنئے جو انہوں نے کتاب کافی کے باب مولد الصاحبؑ (عصر) کی آخری حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اور علامہ آیۃ اللہ الحاج الشیخ محمدؐ باقر الکمرئی نے اپنی شرح کافی جلد دوم کے صفحہ 602 تا 603 پر فارسی میں نقل فرمایا ہے کہ:۔

۔''مورخین نے کہا ہے کہ اس وزیر سے وہ وزیر مراد ہے۔ جس کا نام ابوالفتح جعفر بن فرات تھا۔ فرات کا قبیلہ اور فراتی لوگ شیعہ مذہب کے وزیروں کا خاندان تھا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ فضل بن جعفر بن فرات وہ شخص ہے جس نے حضرت علیؑ کے خطبہ شقشقیہ کی سندات کو صحیح کیا اور روایت کا سلسلہ اپنے باپ دادوں اور معتبر افراد اور ادیبوں اور دانشمندوں سے اس وقت لکھ کر تیار کیا کہ جناب السید رضیؒ، نہج البلاغہ کے مؤلف ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ بنی فرات بہت سے لوگ ہوئے اور ان میں بہت سے مقام وزارت تک پہنچے۔ ان میں کا ایک ابوالحسن محمد بن علی بن فرات ہے۔ جو خلیفہ معتضد باللہ اور خلیفہ مکتفی کا وزیر رہا ہے۔ دوسرا علی بن

> گفته اند، مقصود از اين وزير ابو الفتح جعفر بن فرات است۔ بنی فرات و فراتيها يک خاندانی از وزراء شيعه مذهب بودند و گفته اند ابو الفتح فضل بن جعفر بن فرات از وزرائ بنی عباس است و او همان کسی است که سند خطبه شقشقيه را تا اميرؑالمومنين تصحيح کرده۔ وآن را از پدر انش و از مردمان ثقه از ادباء و دانشمندان پيش از ولادت سيد رضیؒ نقل کرده است۔ من ميگويم بنی فرات بسيار اند۔ و بسياری از آنها بمقام وزارت رسيد ند ويکی از آنها ابوالحسن محمدؐ بن علیؑ بن فرات است که وزير معتضد و مکتفی است۔ دوم۔ علیؑ بن موسیٰ بن فرات وزير مقتدر است۔ سال۲۹۹ھ

موسیٰ بن فرات ہے۔ جو خلیفہ مقتدر باللہ کا وزیر تھا۔ جسے مقتدر نے 299ھ میں وزیر مقرر کیا تھا۔ تیسرا وزیر علی بن محمد بن فرات ہے۔ کہ پھر وہ بھی مقتدر کا وزیر ہوا۔ چوتھا ابوالفتح بن جعفر بن موسیٰ بن فرات ہے۔ یہ بھی مقتدر کا وزیر تھا۔ چنانچہ مقتدر نے اس سے وقت دریافت کیا تھا۔ اور یہی وزیر 322ہجری سے خلیفہ راضی باللہ کا وزیر تھا۔ اور بائیس دن کم سات سال تک اس کا وزیر رہا''۔ اور یہی 329ھ غیبت کبریٰ کے اعلان کا سال تھا۔ (کتاب کافی باب مولد الصاحبؑ۔ کتاب الحجۃ جلد 2 صفحہ 602،603 مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ طہران ایران)

ھجری اورا وزیر ساخت۔ سوم۔ علیؑ بن محمدؑبن فرات که باز وزیر مقتدر بود۔ چھارم۔ ابوالفتح بن جعفر بن موسیٰ بن فرات بود۔ مقتدر از او پُرسید چه وقت است؟راضی باللّٰه در سال ۳۲۲ هجری خلیفه شد و ۷سال جز ۲۲ روز خلافت کرد و بازهم ابو الفتح فضل بن جعفر بن فرات را وزیر خود نمود''۔

قارئین اس بیان میں یہ دیکھیں کہ حضور قائم آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہ کے پیدا ہونے کے بعد چھ خلفائے بنی عباس گذرے۔ اوران سب کے وزراء بھی شیعہ رہے۔ اوراس پورے دور میں مذہب شیعہ کی تائید اوراولادِ علی علیہم السلام کے ساتھ احترام واکرام واحسان کا سلوک جاری رہا۔ حضورؑ کوحکومتوں کی طرف سے کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔ ان حالات کوسامنے رکھنے والے قارئین ہرگز شیعہ مجتہدین کے خودساختہ افسانوں کوقبول نہیں کرسکتے۔ لہٰذا یہ سراسر غلط ہے کہ سرکار حجتؑ حکومتوں کی سختیوں سے بے بس ہوگئے تھے اور کوئی ایسا طریقہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ جس کو اختیار کرکے آنحضرتؑ اپنے آباواجداد وسابقہ آئمہ علیہم السلام کی طرح کا نظامِ ہدایت وتقلید نہ چلا سکتے تھے۔ اس لئے (معاذ اللہ) حضورؑ نے تمام راہیں بند دیکھ کراس دنیاوغیرہ سے مستقل علیحدگی اختیار کرلی۔ اپنے تمام چاہنے والے فداکاروں کونرغہ اعداء میں چھوڑ کراپنی جان بچانے کے لئے کسی غار میں غائب ہوگئے۔ پوری ملت شیعہ اورساری امت مسلمہ اور تمام اقوام عالم کوان کے حال پرچھوڑ کرشیطان کے لئے میدان ہموار کردیا کہ وہ جس طرح چاہے نوعِ انسان کوگمراہ کرتا رہے۔ اوراس طرح انسانوں پراتمام حجت کرنے اور اللہ کی طرف سے ان پر حجۃ قائم رکھنے کے بجائے پوری نوع انسان کواپنے اوپر حجت بنالیا۔ حالانکہ آپؑ، شیطان سے اوراس کے قائم کردہ نظامہائے حیات سے تمام انسانوں کومحفوظ رکھنے کے ذمہ دار تھے۔ اوراس پرستم ظریفی یہ ہے کہ مجتہدین آج تک سرکار کوحجۃ اللہ فی العالمین اورقائم آل محمدؑ مانتے اور لکھتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن خودکوبھی حجۃ اللہ، آیت اللہ اورامام لکھتے ہیں۔ یعنی حقیقی حجۃ اللہ اورآیت اللہ اورامام ان مجتہدین کوچارج دے کرغائب ہوگئے۔ اب یہی گروہ ہے جواللہ کی طرف سے حجۃ اللہ ہے۔ یہی حضرات آیت اللہ اورامام ہیں (خدا جھوٹوں پرلعنت کرے) پھرملت شیعہ کوعملاً ایسا بنادیا ہے کہ دنیاودین کے کسی معاملہ میں امامؑ العصروالزمان سے کوئی تعلق باقی نہیں ہے۔ ایک زیارت کے تین جملے ہیں۔ جوکوئی بھی نماز پڑھتا ہےان جملوں کو بلاسمجھے نماز کی طرح نماز کے

بعد دوہرا دیتا ہے۔اور بس ان کا ذکر نہ مجالس میں ہوتا ہے۔نہ فضائل میں یاد کیا جاتا ہے۔نہ ان سے متعلق کوئی تہوار ہے۔نہ ان سے رابطہ کا کوئی طریقہ بتایا گیا ہے۔ایک فرضی اور ذہنی چیز ہے۔جس کو مجبور و بے کس و بے بس سمجھ کر دعائے رہائی اور آزادی قید سے یاد کرلیا جاتا ہے۔دین کے کسی کام میں نہ ان کا واسطہ ووسیلہ ہے۔نہ ان کے بغیر کسی کام کو ادھورا سمجھا جاتا ہے۔(انّا لِلّٰہ و اِنّا اِلیہ راجعون) لیکن ہم نہیں مانتے کہ حضورؐ اپنی ذمہ داریاں چھوڑ کر الگ ہوگئے ہیں۔یہ بھی نہیں مانتے کہ اللہ ایسا غلط حکم دے سکتا ہے جس سے پوری نوع انسان تعلیمات ونعماتِ خُداوندی سے یکسر محروم و مجبور ہوکر رہ جائے۔ہم نہیں مانتے کہ خدا مجسمہ عدل ورحم ہوتے ہوئے روز قیامت تک آنے والے تمام بے قصور انسانوں کو مجتہدانہ ابلیسی ظلم کے حوالے کردے۔بات وہی ہے۔یعنی محرومی صرف ان لوگوں کے لئے ہے۔امام عصرؑ والزمان نے علیحدگی محض ان لوگوں سے اختیار کی ہے، جو خود حجۃ اللہ اورآیت اللہ اور امام بن بیٹھے ہیں اور حقیقی امام علیہ السلام کو غائب کردیا ہے۔اوران لوگوں کو محروم کیا گیا ہے۔جو ہزاروں عقلی وقرآن وحدیث کے دلائل و براہین کی موجودگی میں بھی شیعہ یا سُنی اجتہاد پر اماؑم کی جگہ ایمان لائے اور معصومؑ کی تقلید کے بجائے بقلم خود خاطی مجتہدین کی تقلید واطاعت کو واجب سمجھ کر اختیار کر بیٹھے۔اس لئے کہ مجتہدین اور مجتہدین کے مُقلّدِین نے عملاً امامؑ اور امامت کو معطل اور فضول و بے کار ثابت کر دیا ہے۔لہٰذا اللہ و امامؑ نے ان کو محروم نہیں کیا ہے۔بلکہ انہوں نے خدا اور رسولؐ و امامؑ زمانہ کا مقام غصب کیا ہے۔وہ خود نہیں چاہتے کہ قائم آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہ سے کوئی دینی یا دنیاوی تعلق رکھیں۔لہٰذا اللہ ورسولؐ وامام عصرؑ پر کوئی اعتراض یا الزام عاید نہیں ہوتا۔ملزم ومجرم ہیں مجتہدین اوران کے مقلدِین۔اور چونکہ نظامِ اجتہاد، مجتہدین اور مجتہد کے مقلدّین صرف مسلمانوں میں ہیں۔خطا کاروں اور خطائے اجتہادی پر ایمان رکھنے والوں کی تقلید صرف مسلمانوں ہی میں ہے۔لہٰذا عملاً دیکھ لو کہ آج اس دنیا کا سب سے محروم گروہ، ساری اقوام اور مذاہب میں اللہ کا مقہور اور زیرِ عتاب گروہ مسلمان ہی ہیں۔یہی ہیں جن کو اللہ کی طرف سے نظامِ اجتہاد وتقلید کے وسیلے سے دنیا کی تمام اقوام کا محتاج کر کے رکھ دیا ہے۔کافر ومشرک اور لامذہب اقوام کے سامنے کاسۂ گدائی لئے ہوئے ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے اور کمزور فقیروں کو دھکیلنے میں مصروف ہیں۔ان کے پاس نہ دماغ اپنا ہے۔نہ سامانِ حیات اپنا ہے۔علوم وفنون میں کافروں کے محتاج۔ایجادات ورموز کائنات سے بے بہرہ۔کفر سازی اور فتویٰ بازی میں سارے مذاہب سے آگے۔ڈھیٹ اس قدر کہ اپنے مرُبی لوگوں کو کافر وملحد قرار دینے میں تکلف نہیں۔دنیا کے سب سے بڑے مجرم اگر ڈھونڈھنا ہوں تو مسلمانوں میں ملیں گے۔ماں باپ کو قتل کرنے والے تلاش کرنا ہوں؟ خود اپنے رسوؐل کی توہین کرنے والوں کا پتہ لگانا ہو؟ اپنے محسنوں اور چاہنے والوں کا قتل عام کرتے رہنے والوں کو جاننا ہو؟ قرآن کو چھوڑ کر ہجرت کرنے اور مہاجر کہلانے والوں کی خبر لینا ہو؟ (فرقان 25/27-31) رسوؐل کو کھڑا چھوڑ کر بزنس میں لگ جانے والوں کو دیکھنا ہو؟ اپنی محسن حکومت کے خلاف کمینہ سے کمینہ جوڑ توڑ اور سازش کرنے والوں سے ملنا

ہو؟ غریبوں کے لئے مساوات قائم کرنے کی مخالف مذہبی جماعتوں سے بات کرنا ہوتو یہاں پاکستان سے لے کر دہنے بائیں آگے پیچھے جدھر کا بھی رخ کرلوگے سمندر پار تک ایسے معزز اور پکے مسلمان، مجتہدوں اور مقلدوں ہی میں ملیں گے۔ ایسے لوگ ملیں گے جنہیں دیکھ کر شرافت اپنا منہ چھپالے۔ شرم وحیا غیرت سے زمین میں گڑ جائے۔ ہے کوئی جو اُن حقائق کا انکار کرے؟ جی ہاں ماشاء اللہ مسلمانوں میں ہر مجتہد ان کا منکر ملے گا۔ اور سینہ تان کر لاحول پڑھے گا۔ یہی وہ مخلوق ہے جس کی وجہ سے اِسلامی عبادتوں کی روح سلب کرلی گئی ہے۔ جن کی موجودگی نے علوم خداوندی کے دروازے مسلمانوں پر بند کرادیئے ہیں۔ اللہ نے ان کو ان کی خودساختہ اِسلامی قدروں کی زنجیروں سے باندھ کر رکھ دیا ہے۔ جن کے لئے نمازیں وبال جان بن گئی ہیں۔ روزہ جنہیں موٹا کرتا ہے۔ جن کی ہر اچھی بات کا برا نتیجہ نکلنا مقدر ہوگیا ہے۔ یہ اتحاد کی کوشش کرتے ہیں۔ تو افتراق وانتشار پیدا ہوتا ہے۔ یہ ترقی کی راہ چلتے ہیں۔ تو تنزل کے غار پر جانکلتے ہیں۔ کاش ہمارے قارئین ان کی ابلیسی تقلید سے دستکش ہوکر اللہ ورسولؐ کے نظام ہدایت وتقلید کی طرف آتے۔

(6) سرکارِ حجت امامؑ آخرالزمان کے نائبوں کی حقیقت؟

ہم عرض کرچکے ہیں کہ سرکارؑ نے اپنے غائبانہ نظام کی تیاری کرنے میں وہ زمانہ گذارا جسے غیبتِ صُغریٰ کا نام دے دیا گیا ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی افتاد کے آپڑنے سے امام آخر الزمان کو غیبت اختیار کرنا پڑگئی تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس نظام کی تیاری تمام سابقہ آئمہؑ کراتے چلے آرہے تھے۔ یہ کوئی اچانک حادثہ نہ تھا۔ یہ بڑی سنجیدگی سے تیار کی ہوئی پالیسی تھی۔ کربلا کے قتل عام کے بعد خانوادۂ نبوّت نے اصلاح حال کی مختلف راہیں نکالنے کا پروگرام چلایا تھا۔ آئمہ علیہم السلام کے معصومؑ سلسلے کے چوتھے امامؑ سے لے کر آخری امامؑ کی پیدائش تک ان حضراتؑ نے ملکی سیاست سے قطعاً علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ حالات کے ساتھ ساتھ ان حضراتؑ نے منظر عام پر خود آنا چھوڑ دیا تھا۔ قیدوبند اور حکومتوں کے تشدد نے انہیں پبلک سے دور کردیا تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے اس غیبت کی ابتداء ہوئی ہے۔ جس میں آئمہ اہل بیت علیہم السلام پبلک سے ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن لوگ رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ ان حضراتؑ سے ملنا، باتیں کرنا اور راہ رسم رکھنا جرم قرار دے دیا گیا تھا۔ لہٰذا سابقہ ادوار میں آئمہ کی مرضی کے خلاف انہیں غائب رکھنے اور غائب رہنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ اس جبر کو توڑنے اور ملت سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے سابقہ اماموںؑ نے اپنے لئے ایک ایسا نظام قائم کرلیا تھا۔ جس میں وہ اپنی آواز ملک کے دور دراز شہروں اور آبادیوں تک پہنچاسکتے تھے۔ انہوں نے اپنے وکیلوں نائبوں، سفیروں اور وزیروں کا ایک ایسا بے رنگ سلسلہ قائم کردیا تھا۔ جس میں ہر سائز کے علماء، دانشور، فلاسفر اور سیاستداں حکماء اور فقراء وادیب وشعرا تیار کر کے پھیلا دئے تھے۔ وہ خود خواہ آزاد ہوں یا قید اور جیلخانہ کی چاردیواری میں بند ہوں۔ ان کے احکام کو روک دینا ناممکن تھا۔ اور چونکہ یہ سلسلہ بے رنگ تھا۔

اس لئے وہ جہاں جس رنگ کی ضرورت پڑتی تھی ۔اسی رنگ کا ظرف اختیار کر لیتا تھا۔اپنا رنگ نہ بدلتا تھا۔مگر ہر رنگ میں دیکھنے والوں کو دکھائی دیتا تھا۔یعنی یہ سلسلہ آنے والی غیبت کی مشق کرنے میں مصروف تھا۔اسے مذاہب عالم کے بنیادی حقائق اور اِسلامی رعایت میں ربط معلوم تھا۔وہ حقیقت پسند لوگوں کو تلاش کرتا ،حقیقی اِسلامی تعلیمات اور اس کے راہنماؤں سے خاموش (غائبانہ) تعارف کراتا اور اپنے سلسلہ کا ایک فرد بنالیتا تھا۔یوں یہ غیبت اندر ہی اندر ظلم کی بنیادیں کھوکھلی کرنے اور اسلامی تعمیر کی بنیادیں اٹھانے میں مصروف رہی۔آپ جانتے ہیں کہ 61ہجری کے کربلائی انقلاب سے لا الٰہ الاّ اللہ کی بنیاد دوبارہ قائم ہوئی تھی ۔اس بنیاد پر مقام نبوت وولایت محمدیہؐ قائم کرنا ابھی باقی تھا۔ملکی حکومت کا اور حکومت کا پھیلایا ہوا مذہب اللہ، رسولؐ، قرآن اور سابقہ انبیأ اور تعلیماتِ خداوندی کو مانتا تو تھا۔مگر ان میں سے ہر ایک کی پوزیشن کو بدل کر اور اجتہاد کے ماتحت رکھ کر مانتا تھا۔اور قرآن ان کے اس ایمان کو تسلیم نہیں کرتا اور انہیں حقیقی ایمان لانے کا حکم دیتا تھا۔(دیکھو سورہ نساء 4/136) وہ جس قسم کا ایمان رکھتے تھے اس کی سوفیصد صحیح مثال مسٹر پرویز کی کتاب معارف القرآن جلد چہارم کے آخری ابواب میں ملے گی۔ اور ہم اس ایمان وعمل وفکر کو نظام اجتہاد کہتے ہیں ۔بہرحال غیبت کا یہ نظامِ ہدایت اِسلام کی بنیادی اور ابتدائی تعلیم لے کر اٹھا اور جو شخص جس معیار کی مذہبی معلومات رکھتا تھا۔اُسے وہیں سے ساتھ لیکر چلتا اور اماُمتِ انسانی کی بلندیوں پر پہنچا کر چھوڑتا تھا۔ یوں تیار ہونے والے لوگ اس نظام کے مختلف اور موزوں شعبوں میں کام کرنے لگتے تھے۔کچھ خاموش یعنی پوشیدہ رہ کر تاریخ وار (DAY TO DAY) ریکارڈ تیار کرنے والوں میں چلے جاتے اور کوئی تیغ بکف تحریکوں میں معاون بن جاتا۔ کوئی حکومت کے درباروں ،منشیوں ،اہل کاروں اور جاسوسوں میں شامل ہوجاتا۔اور نظر بند امامتؑ کے مقاصد کو نافذ کرنے کی راہیں نکالتا اور مذکورہ نائبوں کے بے رنگ سلسلہ سے مستقل رابطہ رکھتا۔اس کی ایک مثال سن لیں۔

(الف) نظام غیبت میں سربراہؑ اور ممبران نظام کی ذمہ داری اور معاہدہ

زیرِ زمین تحریک تشیّع کی تفصیلات کتاب مذہب شیعہ ایک قدیم تحریک اور ہمہ گیر قوت میں دیکھنا چاہئیں ۔یہاں ہم اپنے عنوانات کو آگے بڑھانے اور مثالی طور پر گذرتے جانے کے پابند ہیں ۔فریقین کے ریکارڈ میں جناب علی بن یقطین رضی اللہ عنہ خلیفہ ہارون رشید کے وزراء میں مشہور و مسلّم ہیں ۔جس طرح کچھ دیر پہلے آپ نے وزیروں کے ایک خاندان اور کئی ایک وزراء کا حال پڑھا تھا۔اسی طرح علی بن یقطینؓ بھی اس سلسلہ غیبت کا ایک فرد ہے۔اس کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام یعنی نظام غیبت کے تیسرے سربراہ کے زمانہ میں نظام ہدایت وتقلید نے سیاسی و مذہبی امور کے انتہائی معیار پر تیار کیا تھا۔اور آخر کار سربراہؑ کے حضور بھیج دیا تھا۔دونوں حضرات میں جو معاہدہ ہوتا تھا۔وہ سنئے:۔

۔''کتاب رجال کبیر میں ہے ۔کہ جناب امام جعفرؑ صادق کے بیٹے اور جانشین امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے علی بن یقطینؓ سے فرمایا کہ میں تمہارے لئے تین چیزوں کی ضمانت لوں گا۔ اورتم میرے لئے صرف ایک چیز کے ضامن ہونے کا معاہدہ کرو۔علی بن یقطینؓ نے عرض کیا کہ وہ تین چیزیں کیا کیا ہیں۔جن کی ذمہ داری آپ لیں گے؟ امامؑ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم کسی حال میں رنج والم و ہراس میں مبتلا نہ کئے جاسکو گے۔ دوسری بات یہ کہ تمہیں غربت وافلاس ونا داری سے کبھی دوچار نہ ہونا پڑے گا۔تیسری بات یہ ہے کہ تمہیں نظر بندی اور قید وبند وجیل خانے سے ہمیشہ محفوظ رکھا جائے گا۔علی بن یقطینؓ نے دریافت کیا کہ اور وہ ذمہ داری کیا ہے جس کی ضمانت میں دوں گا؟ فرمایا کہ تجھ پر واجب ہوجائے گا کہ جب تمہارے پاس کوئی ہمارے نظام کا ممبر آئے تو تم اس کی عزت افزائی ونفع رسانی کرو۔ چنانچہ علی بن یقطینؓ نے یہ ذمہ داری اختیار کر لی اور امام علیہ السلام نے اپنی تینوں ذمہ داریوں کو قبول فرمالیا''۔اور اس طرح معاہدہ، اُس کی شرائط اور ذمہ داری طے پا گئی۔

۔''در رجال کبیر است که موسیٰ بن جعفر علیهما السلام بعلی بن یقطین فرمودند : تو ضامن شویک خصلت را تا من ضامن بشوم برائی تو سه خصلت را ۔ عرض کرد یا ابن رسولؐ اللّٰه سه خصلتی که شما ضامن میشوید چه چیز است؟ فرمود : اماسه خصلتی که از برائی تو ضامن میشوم آنستکه ابداً بتوالم آهن نرسد ۲۔ و بفقر و فاقه گر فتار نه شوی ۳۔ و محبس و زندان راهم نه بینی۔عرض کرد یک خصلتی که من ضامن بشوم چیست؟ فرمود: ضامن بشو برائی من که هر وقت که دوست مابیاید نزد تُو اورا اکرام نمائی ۔ علی بن یقطین ضامن این مطلب شد و حضرتؑ هم برائی او ضامن آن سه مطلب شدند''۔

(منتخب التواریخ صفحہ ۱۷۱ اور تمام شیعہ کتابیں)

قارئین کے سوچنے کی چند باتیں

آپ سب سے پہلے تو یہ سوچیں کہ وہ ہستی کس قدر خدا کی محبوب اور صاحب قدرت واختیار ہوسکتی ہے؟ جو انسانوں کو ہر اُس قانون وافتاد وحادثات سے محفوظ کردے جن کے نتیجے میں رنج والم وخوف وبیماریاں پیش آتی ہیں۔اور قبل از وقت یہ ٹھیکہ لے کر اعلان کردے کہ فلاں شخص کبھی محتاج وغریب ونادار وتنگدست نہ رہے گا۔اسے دنیا کی کوئی طاقت اس کی مرضی کے خلاف مجبور نہ کرسکے گی۔

پھر یہ سوچئے کہ جب کسی انسان کو ایسی ہمہ گیر ضمانت مل جائے تو پھر اسے دنیا میں حیاتِ ابدی کے سوا اور کیا احتیاج رہے گی؟ اور وہ کیوں نہ ایسے امامؑ اور اس کے نظام پر جانفروشانہ بے دریغ عمل کرے گا؟ تاریخ میں فدا کارانِ اسلام کی

فدا کاریوں اور قربانیوں کا سبب یہی ضمانت تھی۔

پھر یہ سنئے کہ کیوں نہ آپ آج سے اس ضمانت کو حاصل کرنے کے لئے نظامِ ہدایت وتقلید کے ممبر بن جائیں؟ اور طے کرلیں کہ آپ بھی علی بن یقطینؒ کی طرح ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ سُنو اور کان کھول کر سنو کہ اگر تم نے دل کی گہرائی سے اس معاہدہ کو قبول واختیار کرلیا۔ تو تم سات کوٹھڑیوں کے اندر بھی امام زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات سے فائز ہوسکتے ہو اور تمہیں ایک لاکھ میل کے فاصلے پر آناًفاناً حاضر ہوجانے کا انتظام بر سرِ کار آسکتا ہے۔

یہ بھی سنتے چلو کہ شیعہ مجتہدین نے مذہب اِسلام کے ایک اہم ترین مسئلہ کو ایسا گندہ کرکے پیش کیا ہے۔ اور اپنی جہالت اور علوم خداوندی سے محرومی کا ایسا شرمناک مظاہرہ کیا ہے کہ جس پر اپنے اور پرائے سب ہی شرم کے مارے اپنا سر جھکا لیتے ہیں۔ اور جس سے اللہ ورسولؐ کا ہر وعدہ ناقابل اعتبار ہوجاتا ہے۔ قارئین کسی علامہ ڈھکو ایسے کو خط لکھ کر دریافت کریں کہ جناب اگر جناب علی بن یقطینؒ رضی اللہ عنہ کا بھی وہی عقیدہ ہوتا جو مسئلہِ بِدَآء میں تمہارا اور تمہارے مقلّدِین کا عقیدہ ہے۔ تو وہ ہرگز امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے وعدوں اور ضمانت کا یقین نہ کرتے اور صاف کہہ دیتے کہ :۔

۔''حضورؐ آپ عین وقت پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ بھائی میں کیا کروں؟ اللہ نے وعدہ تو وہی کیا تھا۔ اور میں نے اللہ کے بھروسہ پر تمہاری وہ ضمانت لے لی تھی۔ مگر ہوا یہ کہ اللہ کو بِـــدَآء ہوگیا۔ اور ساری اسکیم الٹ کر رہ گئی۔ بھائی تم بھی اُسی طرح جیل خانہ میں خوف وہراس اور بھوک وپیاس پر صبر کرو جس طرح ہم صبر کررہے ہیں''۔

مگر ہم اور اس نظام کا ہر فرد اپنے سربراہؑ پر ایسا عملی یقین رکھتے ہیں۔ کہ اگر وہ فرمادیں تو یہ متحرک نظام رُک کر کھڑا ہوجائے۔ سورج چاند ستارے سانس روک کر ان کا حکم سنیں اور اطاعت کریں۔ ارے حضرات وہؑ تو وہؑ ہیں۔ یہ کائنات تو انؑ پر یقین کرنے والوں کے آگے سر جھکاتی جارہی ہے۔ اور مجتہد ومقلّدِ اسلام کے لیبل سمیت ایک چیونٹی کے سامنے اور ذرۂ بے مقدار جراثیم کے سامنے بھی مجبور وسجدہ ریز ہیں۔ اس لئے کہ وہ شرک نواز مسلمان ہیں۔

(ب) مجبوری کے نظامِ غیبت کی کارکردگی جب کہ مادی پابندیاں قبول کرلی گئی تھیں

اب یہ دیکھئے کہ سربراہِؑ نظامِ غیبت اور سلسلہ نائبین رضی اللہ عنہم کس طرح کام کرتے تھے؟۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ جناب علی بن یقطینؒ رضی اللہ عنہ چند فطری ومادی مراحل طے کرتے ہوئے وزارت کے عہدہ پر فائز ہوگئے۔ لیکن اس ماحول میں رہنا جہاں دن رات راگ رنگ وشراب وفسق وفجور کی محفلیں، غلط وباطل احکامات وفیصلہ جات کے ہنگامہ برپا تھے۔ بڑا مشکل تھا۔ بہرحال ایک وقت آیا کہ سربراہِؑ نظامِ غیبت کو دارالخلافہ میں طلب کرلیا گیا۔ اور کسی طرح جناب یقطینؒ نے حضوری امامؑ حاصل کی۔ کیا باتیں ہوئیں سنئے :۔

۔''پھر یہ روایت کیا ہے۔ کہ اس وقت جب کہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام عراق میں تشریف لائے تو علی بن یقطینؒ نے عرض کیا کہ کیا آپ میری ان ناپسندیدہ مصروفیات اور دینی آزمائشوں کو نہیں دیکھتے؟ فرمایا اے علی یقیناً اللہ کی طرف سے کچھ حاکم ظالم حکمرانوں کے ساتھ متعیّن رکھے جاتے ہیں تاکہ وہ حاکم حاکموں کے ذریعہ سے اپنے دوسرے اولیاء کا تحفظ کرے اور ظالموں کے اقدامات کو باطل کرتا رہے۔ چنانچہ اے علی تم اللہ کے ان اولیاء میں سے ایک ولی ہو جو ہمارا دفاع کرتے ہیں''۔ (منتخب التواریخ صفحہ 717) یہ گفتگو ہمارے نظام پر باقاعدہ روشنی ڈالتی ہے۔ لہٰذا یہ سمجھ لیں کہ اُس نظام میں امامؑ وقت سے لے کر مملکتِ اسلام اور ممالک غیر کے حکمرانوں اور رعایا تک سلسلہ نیابت پھیلا ہوا تھا۔ اور اب یہ دیکھیں کہ اس نظام کے احکامات کی ترسیل وتعمیل کا کیا طریقہ تھا؟۔

> ۔''ایضاً روایت کرده وقتیکه موسیٰ جعفر علیه السلام تشریف آوردند بعراق علی بن یقطینؒ خدمت حضرتؑ عرض کرد۔ آیا نمی بینید حال من و کثرت گرفتاری وابتلائآت مرا؟ حضرتؑ فرمودند یا علی ان اللّٰه تعالی اولیآء مع اولیآء الظلمة لیدفع بهم اولیآئه و انت منهم یا علی یعنی از برائی خداوند دوستانی هستند در خانه ظالمین که دفع می کنند ظلم و شدائد را بواسطهٔ آنها از موالیان خود و تُو از آنها هستی یا علی۔

(ج) غائبانہ نظام کے مرکزی احکام کی تعمیل وترسیل کی مثالیں

(مثال اوّل) آپ نے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانہ کا بندوبست دیکھا۔ لیکن ہم مثال میں اُن کے والد ماجد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا نظام پیش کررہے ہیں۔ تاکہ اُس خفیہ نظام کی قدامت اور طریقہ کار کی ہم آہنگی بھی واضح ہوجائے سنئے:۔

۔''کتاب مجالس المومنین (مؤلفہ علامہ شوستری شہید ثالث) میں روایت کیا گیا ہے کہ شیعوں میں سے ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اے فرزندِ رسولؐ مجھے خلیفہ وقت سے متعلق ایک مہم درپیش ہے۔ اور دربار خلیفہ میں رسائی کا وسیلہ نہیں ہے۔ حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ اس مشکل کے حل کی کوئی تدبیر بتائیں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم دربار خلیفہ میں جاؤ اور وہاں ایک ایسے شخص کے آنے کا انتظار کرو جس کی یہ اور یہ

> مجالس المومنین روایت کرده که یکی از شیعیان خدمت حضرت صادق علیه السلام رسید۔ عرض کرد یا بن رسولؐ اللّٰه مرا مُهِمّی است نزد سلطان و وسیله در آن درگاه ندارم خدمت شُما آمدم که تدبیری درآن باب بفرمائید۔ حضرؑت فرمود بر و بدرگاه سلطان و منتظر بشو تا مردی باین صفت و این صفت ببینی و سعی کن که در خلوت خود را با و

مستقل شناخت ہے۔جب وہ آئے اور تم مذکورہ علامات سے اسے شناخت کرلو تو اس سے پوشیدہ (غیبت کے عالم) میں ملاقات کی کوشش کرو۔اور وہاں اس سے یہ کہہ دو کہ مجھے تمہارے پاس فُلاں فُلاں مہم کے انجام دینے کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھیجا ہے۔چنانچہ خلیفہ سے میرا وہ کام کرادو۔چنانچہ وہ شیعہ شخص روانہ ہوگیا۔دربارِ خلافت تک پہنچا۔اس مذکورہ شخص کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔یہاں تک کہ وہ شخص شناخت کرلیا گیا۔خفیہ مقام پر اس سے ملا اور امامؑ کا پیغام اسے سنادیا۔اس شخص نے خلیفہ کے سامنے بہت ہی اہتمام کیساتھ متعلقہ معاملہ پیش کیا اور مذکورہ ضرورت کو پورا کردیا۔لہٰذا وہ شیعہ کامیاب وکامران سربراہِ نظام کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور عرض کیا کہ حضورؑ اُس باڈی گارڈ (حاجب) نے جس کے پاس آپ نے مجھے بھیجا تھا۔جیسے ہی آپ کا نام سُنا مسرت ومحبت کے جوش میں قریب تھا کہ بیہوش ہو جائے بہرحال اسی مدہوشی کے عالم میں فوراً ہی خلیفہ کے پاس گیا اور میرا کام کرادیا۔اور اس قسم کے دوستوں کو دشمنوں کے دربار میں تعینات کرنا کیا اسی کام کے لئے ہے؟ حضورؑ نے فرمایا کہ کوئی سلطان ہو یا خلیفہ یا سلطان وخلیفہ کا اہل کار ہو۔کوئی بھی ایسا نہیں چھوڑا جاتا کہ ہمارا کوئی نہ کوئی فدا کار وہاں موجود نہ رہے۔اور جیسے ہی ہمارے فدا کاروں میں سے کسی کو ان لوگوں کے یہاں کوئی ضرورت یا احتیاج ہوتی ہے تو متعلقہ ومتعینہ فرد اس کی حاجت روائی کرادیتا ہے''۔(منتخب صفحہ 718-717)

بر سانی۔ آنگاه باو بگو که حضرتؑ صادق مرا نزد تو فرستاد تا کار مرا در درگاهِ سلطنت انجام دهی۔آن شخص شیعه رفت بدرگاه سلطان و منتظر شد تا آن مرد آمد در خلوت او را دید و پیغام حضرتؑ را رسانید آن شخص اهتمام زیادی نمود نزد سلطان وحاجت او را برآورده کرد وآن شخص مقضی المرام مشرف شد خدمت حضرت صادق علیه السلام۔عرض کرد یا بن رسولؐ الله آن حاجبی که مرا نزد او فرستادی چون نام ترا شنید از فرح و نشاط نزدیک بود بیهوش شود۔در آن حال رفت نزد سلطان و کار مرا انجام داد۔ و دوستی چنان بدرگاه دشمنان چه کار دارد۔حضرت فرمود که هیچ حاکم و سلطانی نه باشد الا آن که بعض از موالیانِ مابدرگاه او ملازم باشند۔چون بعضی از موالیان مارا آنجا حاجت و مصلحت باشد به تمشیت آن قیام نماید"۔ (منتخب التواریخ صفحہ۷۱۸۔۷۱۷)

قارئین کے سمجھنے کی چند چیزیں

سب سے پہلی اور بنیادی چیز یہ ہے۔کہ اگر مخالف حکومتوں کو یہ علم اور یقین ہوجائے کہ آئمہ معصومین نے ہمارے ساتھ اپنے آدمی لگا رکھے ہیں۔تو کیا وہ مقاصد حاصل ہوسکیں گے؟ جن کو حاصل کرنے کے لئے یہ نظام قائم کیا گیا ہے؟ ظاہر

ہے کہ نہ صرف وہ تمام مقاصد ختم ہوجائیں گے۔ بلکہ جس جس شخص پر اس نظام کے ممبر ہونے کا یقین ہوجائے گا۔ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ یعنی اس نظام کو ایک سو دس فیصد پوشیدہ ،مخفی اور زیر زمین (UNDER GROUND) رہنا چاہیئے ۔ اور اس کے ہر ممبر کو انتہائی احتیاط و رازداری کی باقاعدہ تعلیم ملنا چاہیئے ۔ اور وقت آنے پر راز فاش کرنے اور پورے سلسلے کی موت کا سبب بننے کے بجائے اپنی جان دے کر اس نظام کے اسرار و رموز و احکام و ہدایات کا تحفظ کرنا چاہیئے ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس بیان سے غیبت اور غائبانہ نظام کے معنی اور مقاصد سمجھ میں آجانا چاہئیں ۔ لہٰذا دیکھئے کہ یہ نظام بڑی باقاعدگی کے ساتھ سابقہ آئمہؑ نے جاری رکھا ہوا تھا۔ اور برابر گیارہویں امام علیہ السلام کے زمانہ تک چلتا ہوا امام آخر الزمان علیہ الصلوۃ والسلام کی راہنمائی میں پہنچا تھا۔

اس بیان میں دوسری چیز یہ سمجھنے کی ہے کہ معصومؑ سربراہ نے یہ واضح کردیا ہے کہ اس نظامِ غیبت کے افراد ہر زمانہ کی حکومت کے سربراہ سے لے کر ماتحت افسران تک کے ساتھ ساتھ متعیّن اور نگران و مشیر و وزیر رہتے ہیں ۔ اور ان سب کے شناخت کرنے کی علامتیں تک معصومؑ سربراہ کو معلوم ہوتی ہیں ۔ اور وہ بھی صیغہ راز میں رہتی اور ادلتی بدلتی رہتی ہیں ۔ تاکہ مخفی رہیں۔ یہیں یہ بھی سمجھ لیں کہ یہ نظام اور اس کے ممبران کسی حکومت یا کسی فرد سے نہ غداری کرسکتے ہیں نہ کوئی غیر اسلامی سلوک کرنے کے مجاز ہیں۔ ان کا ہر قول و فعل خدا اور سوؐل کی پسند کے معیار پر رہنا لازم ہے۔

تیسری بات یہ دیکھیں اور یقین کرلیں کہ اس بیان میں بھی نہ اُس ضرورتمند شیعہ کا نام ہے۔ جس کا کام کرایا گیا ہے۔ نہ اس حاجب کا نام لیا گیا جس نے بادشاہ سے کام لیا۔ نہ وہ شناخت بتائی گئی جو اس حاجب کو ہزاروں شاہی اہلکاروں میں مشخص کرتی تھیں ۔ نہ وہ مشکل کام بتایا گیا جو خلیفہ ہی کے حکم سے ہوا۔ اور آخری بات یہ کہ ضرورتمند شیعہ کام ہوجانے کے بعد فارغ نہیں ہوگیا بلکہ نظام کی کارکردگی کی رپورٹ کی، ممنون ہوا اور اس نے بھی حاجب کا نام نہیں دریافت کیا۔ یہ نظامِ غیبت کے رازدارانہ عمل درآمد کی انتہا ہے۔

(مثال دوم) نظام غیبت میں مرکزی احکام کی ترسیل وتعمیل

اختصار کی غرض سے ہم صرف اردو میں ترجمہ لکھتے ہیں۔ یہ زمانہ بھی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی سربراہی کا ہے۔ اور سابقاً جس وزیر علی بن یقطین کا تذکرہ ہوا تھا۔ اب اس وزیر کے والد ماجد جناب یقطین کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ علی بن یقطین کیوں اس قدر وفادار تھا۔ چنانچہ خود ان کے والد صاحب کا قصہ ملاحظہ فرمائیں:۔

۔" کتاب کلمہ طیبہ میں کتاب مجموع الرائق سے لکھا گیا ہے۔ کہ علی کے والد یقطین نے خود بیان کیا ہے۔ کہ یحییٰ بن خالد کے منشیوں میں سے ایک شخص صوبہ اھواز کا حاکم تھا۔ اور میرے ذمہ دیوانی مالیات کا روپیہ اس قدر باقی تھا کہ میں اپنا تمام

سرمایہ دے کر بھی پورا ادا نہ کرسکتا تھا۔ اور میں نے سنا تھا کہ وہ حاکم شیعہ مذہب رکھتا ہے۔ اس لئے میں اور بھی خوفزدہ تھا۔ لہٰذا میں اھواز سے فرار ہو کر مکہ پہنچا اور حج کے اعمال سے فراغت کے بعد مدینہ میں حضرت امام جعفرؑ صادق کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنی روداد پیش کردی۔ فرمایا کہ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعدازیں مجھے ایک چھوٹا سا سفارشی خط مہر لگا کر دیا کہ اسے اھواز کے حاکم کو پہنچا دوں۔ چنانچہ جب میں اھواز کے حاکم کے مکان پر پہنچا تو میں نے اس سے کہلوایا کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا قاصد ہوں۔ یہ سن کر حاکم ننگے پاؤں دوڑا آیا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی مجھے سلام کیا۔ میری پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے میرے سردار تم میرے مولاؑ کے قاصد ہو؟ میں نے کہا ہاں میں اُنؑ ہی جنابؑ کا قاصد ہوں۔ کہا کہ میں تمہاری دونوں آنکھوں پر قربان ہو جاؤں جن سے تم نے میرے مولاؑ و آقا کو دیکھا۔ پھر میرا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ اے میرے سردار تم نے میرے مولاؑ کو کس حال میں چھوڑا؟ میں نے بتایا کہ صحیح وخوش وخرم چھوڑ کر آیا ہوں۔ پھر مجھے تین دفعہ قسمیں دے کر مزاج پرسی کرتا رہا۔ پھر میں نے آنحضرؑت کا خط اُسے دیا۔ لے کر اُسے بوسہ دیا آنکھوں سے لگایا اور کہا کہ اے بھائی اپنا مقصد بیان کیجئے۔ میں نے کہا کہ مالیات کے رجسٹر میں مجھ پر چند ہزار درہم واجب الادا ہیں۔ اور وہ میری تباہی اور موت کے لئے کافی ہیں۔ یہ سن کر رجسٹر منگوایا اور جو کچھ میرے ذمہ تھا۔ اسے مٹا دیا اور مجھے بیباقی کی رسید لکھ کردے دی۔ پھر اپنے ذاتی مال ودولت کے صندوق منگوائے اور دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ اسی طرح تمام گھوڑے اور پوشاکیں اور جو کچھ بھی اس کی ملکیت میں تھا اُس میں سے آدھا مجھے بانٹ کر دے دیا۔ اور برابر دریافت کرتا جاتا تھا کہ اے میرے بھائی کیا تم مجھ سے خوش ہو گئے ہو؟ میں جواب میں ہر دفعہ کہتا تھا کہ قسم بخدا میں تم سے بہت خوش ہوں۔ یہ کہنے پر وہ ہر دفعہ میری ڈھیری میں اپنی ڈھیری میں سے اور بڑھا دیتا تھا۔ جب حج کا زمانہ آیا تو میں نے سوچا کہ اس اپنے بھائی کے لئے جو بہترین صلہ میں دے سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں اس کے لئے دوران حج خانہ کعبہ میں دعا کروں۔ پھر مدینہ جا کر اپنے بھائی کی شکر گزاری کروں۔ یہ سب کر کے جب میں امام جعفرؑ صادق کی خدمت میں پہنچا۔ تو میں نے ان بزرگوار کو بہت مسرور دیکھا۔ فرمایا کہ اے فلاں! فُلاں شخص نے تیرے معاملہ میں کیا کیا؟ میں نے اپنی سرگذشت سنادی۔ آنحضرؑت کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ میں نے عرض کیا کہ اے میرے مولاؑ کیا آپ اس شخص سے خوش ہو گئے؟ فرمایا اللہ کی قسم اس نے مجھے اور میرے آباؑ واجداد کو اور اللہ کو راضی وخوش کرلیا ہے"۔ (منتخب التواریخ صفحہ 674-673)

(پس طلبید صندوقھائی اموالِ خود را و بالمناصفه تقسیم کرد وهم چنیں اسپھا و جامه ها وسائیر مَایَمْلُکُش را با من تنصیف کرد و پیوسته میگفت "ای برادر آیا خوشنود شدی" گفتم آری و اللہ۔ و افزوده شد بر سرورم......)

قارئین کے نوٹ کرنے کی ایک بات یعنی نظامِ مساوات

یوں تو ایسی ہزاروں مثالیں آج بھی ہماری لُٹی پٹی حدیث کی کتابوں اور تاریخ میں موجود ہیں۔ جہاں سے مرکزی احکام کی خاموش اور خفیہ ترسیل وتعمیل کے محیّر العقول کارنامے ملتے ہیں۔ یہاں یہ نوٹ کرانا ہے۔ کہ زیرِ نظر مثال میں وہ طرزِ عمل بیان ہوگیا ہے۔ جو دینِ اِسلام کی روح ہے۔ جو مقصدِ خداوندی ہے۔ جسے بلا جبر واکراہ نافذ کرنے کے لئے تمام انبیاءؑ ورسلؑ مبعوث ہوئے۔ اور جسے قولاً وعملاً سمجھانے اور برسرِ کار لانے کے لئے آنحضرتؐ اور گیارہ آئمہ اہلبیت صلوٰۃ اللہ علیھم نے اپنی پوری پوری زندگیاں فقر وفاقہ میں اور تنگدست رہ کر گذاریں اور امت کو تنگ نہ رہنے دیا۔ خود غریب رہے امت میں لوگ اغنیاء بنتے گئے۔ کروڑ پتی حضرات پہلی صدی کی پہلی چوتھائی میں موجود تھے۔ صرف اِس لئے جبراً مالی برابری تو قائم کی جاسکتی ہے۔ لیکن مادی جبر ایک دن ختم ہوجاتا ہے۔ اور اللہ ورسولؐ مالی برابری نہیں بلکہ مساوات قائم کرنا چاہتے تھے۔ مساوات کے یا مساوی کے معنی برابری نہیں۔ یہ تو مجتہدانہ ذہنیت کی وہ اختراع ہے۔ جس کا ڈکشنری سے کوئی تعلق نہیں۔ عربی قواعد سے ان معنی کا کوئی رشتہ نہیں۔ اس لفظ کی بنیاد اور صحیح معنی دیکھنا اور سمجھنا ہوں تو سورہ مریمؑ میں اس روح کا حال دیکھیں جس کے لئے فرمایا گیا کہ (فَاَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَابَشَرًا سَوِيًّا O)(19/17)۔ ''چنانچہ ہم نے حضرت مریمؑ کے پاس اپنی روح ارسال کی اور اس روح کو مریمؑ کے لئے ایک انتہائی موزوں بشر کی مثال بنادیا''۔ حضرت آدمؑ کے لئے کہا گیا کہ۔ ''جیسے ہی میں اسے انتہائی موزونیت دے چکوں تم فوراً سجدے میں پڑے نظر آنا''۔ (سورہ حجر 15/29) اور آسمانوں کی تخلیق کے سلسلے میں یہ بتایا گیا کہ ۔''آسمانوں کی تخلیق پر انتہائی موزوں منصوبہ شروع کیا (استوٰی) اور انہیں سات نہایت موزوں آسمانوں کی شکل دے دی (2/29 سورہ بقر) طاغوتی مترجمین سے کہو کہ اُن میں سے کسی آیت میں بھی آپ ''س۔و۔ی'' سے بننے والے لفظ کے معنی ۔''برابر''۔ کریں اور مطلب سمجھائیں اور ہمارے کیے ہوئے معنی پر قانونی اعتراض کریں (ثُمَّ سَوّٰکَ رَجُلًا O)(18/37) ۔''پھر تجھے موزوں ترین مرد بنادیا''۔ (مَکَانًا سُوًی O)(20/58)۔ ''موزوں ترین جگہ مکان''۔ (اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ) (20/135)۔ ''نہایت موزوں راستے والے لوگ''۔

بہرحال مساوات میں ایک ایسا مقام ضرور لانا پڑتا ہے جہاں حقوق کی برابری کا یقین پیدا کیا جائے گا۔ یعنی ہر تقسیم میں ہر آدمی کو برابر کا حصہ ملے گا۔ جو کسی بھی غیر فطری وجہ سے برابر سے کم یا زیادہ حقوق قائم کرے اور برابر کی تقسیم کو بدل دے وہ یقیناً سرمایہ دارانہ نظام کو پسند کرنے والا اور اللہ ورسولؐ کے طریقہ کو ناپسند کرنے والا ہے۔ لیکن مساوات یعنی نہایت موزوں یا انتہائی موزوں تقسیم یہ ہوگی کہ ہر شخص بنیادی طور پر برابر سے کم نہ رہے۔ اور جب جس کو زیادہ کی ضرورت واحتیاج پیش آئے اس احتیاج کو مدنظر رکھ کر محتاج کو زیادہ یعنی برابر سے زیادہ دیا جائے تاکہ خرچ کے بعد دونوں پھر برابر سے کم نہ ہوجائیں۔ مثلاً سب

کے پاس دس دس روپے ہیں۔ پچاس روپے آمدنی میں سے سب کو حصہ دینا ہے۔ اب اگر دس اشخاص ہوں تو برابر کا حصہ پانچ روپے فی کس ہوگا۔لیکن ایک شخص بیمار ہے۔تو سربراہ نظام اس کو بڑا حصہ دے گا۔مثلاً اس کو دس روپیہ اور باقی کو چار چار روپے۔ تاکہ خرچ کے بعد پھر سب برابر ہو جائیں۔

اِس اصول پر اھواز کے حاکم نے پہلے قرض سے بے باق کیا۔یعنی یقطین کے مالی میدان میں جو نفی یا گڑھا تھا۔اسے بھر کر زمین ہموار کردی۔ پھر اپنے تمام قسم کے سامان میں سے برابر برابر کی دو ڈھیریاں بنادیں۔یعنی یقطین اور خود کو مالی میدان میں برابر کی پوزیشن دے دی۔مگر یہاں بات ختم نہیں کی بلکہ یہ دیکھ کر یقطین نے فوراً سفر میں خرچ کرنا ہے۔اور خرچ کر کے امامؑ تک اور خود اس تک پہنچا ہے۔اور یہ کہ اس کے ذرائع آمدنی حاکم اھواز سے کم ہیں۔لہٰذا اس کا حصہ آج تو برابر ہے۔لیکن بہت جلد بہت کم ہو جائے گا۔لہذا اس نے اپنی ڈھیریوں میں سے نہایت موزوں کمی کر کے یقطین کی ڈھیریوں میں نہایت موزوں اضافہ کر دیا۔اب یہ دونوں حضرات مساوی ہو گئے۔یعنی اگر دونوں ٹھیک ٹھیک عمل کرتے رہیں تو برابر سے کم نہ ہونے پائیں گے۔یہ تھا وہ معاشی نظام جسے بلا جبر و اکراہ نافذ کرنے کی کوشش گیارہویں امام علیہ السلام تک جاری رہی۔لیکن سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھنے والے حکمران اور ان کے زیر تربیت چلنے والے نظامِ اجتہاد نے اس نظام کو بھی اور اس کے نمائندگان کو بھی پبلک سے غائب رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ بارھویں امام علیہ السلام کے لئے امت میں مشہور ہے اور امام مہدیؑ کی سینکڑوں شناختوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔کہ حضورؑ اس پوری دنیا میں جبراً مساوات قائم کر کے دنیا کو عدل و انصاف سے لبریز فرما دیں گے۔اور اب اسی شہرت کو جواز سمجھ کر ساری دنیا کی اقوام قدم قدم بتدریج اس معاشی نظام کی طرف بڑھنے میں کوشاں ہیں۔ہم نے اختصار کی غرض سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا وہ خط نقل نہیں کیا جو سرکارؑ نے اھواز کے حاکم کو بھجوایا تھا۔اور جس کے نتیجے میں یقطین کے ساتھ مساوات کا سلوک ہوا۔اس خط کے آخری الفاظ ''اَعَانَهٗ بِنَفْسِهٖ اَوْصَنَعَ اِلَیْهِ مَعْرُوْفًا وَلَوْبِشَقِّ تَمَرٍوَھٰذَااَخُوْکَ والسّلام ''۔(صفحہ 673) میں پہلے تو یقطین کی مدد کا حکم عام ہے۔پھر یہ اختیار دیا ہے کہ اگر چاہو تو ایسی مدد کردو کہ ایک کھجور بھی ہو تو اسے بھی چیر کر دیا جائے۔جو خاص بات ہے۔وہ یہ ہے اور یہی آخری جملہ ہے۔کہ یہ شخص۔''تمہارا بھائی ہے''۔یعنی اس کے ساتھ اخوت اِسلامی کا رشتہ قائم کرنے میں بھی مختار ہو۔لہٰذا قارئین نوٹ کرلیں کہ حضرت مولانا جھوٹ بولتے ہیں جب وہ اخوۃ اِسلامی کا لکچر پلاتے ہیں۔ان کو آگے بڑھ کر بتاؤ کہ اے کذّاب گروہ تم نے کبھی مسلمانوں کو نہ بھائی بنایا نہ انہیں بھائی بھائی بننا سکھایا۔پھر اُن کو یاد دلاؤ کہ مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی اُخوۃ کا حکم دیا تھا۔اور مدینہ کے انصار رضی اللہ عنہم نے اس حکم پر عمل کرنے میں اپنی ازواج میں سے بھی طلاق دے کر مکہ کے مہاجرین کو حصہ دیا تھا۔لیکن بعد کے حالات نے ان نبویؐ احکام و اسباق کو یاد رکھنے کی فرصت ہی نہ لینے دی۔اور ملکی حکومت کی گاڑی اس تیزی سے چلی کہ نبویؐ اقدار و خانوادۂ نبوّت کچل کر رہ گئے۔

(د) مجتہدین نے امام عصرؑ کے نائبوں کی تعداد اور نام بتانے میں بھی دھوکا دیا ہے

قارئین کرام نے معصومؑ بیانات سے یہ اندازہ لگالیا ہوگا کہ گیارہویں امام حضرت عسکری علیہ السلام تک جو مخفی نظام چلا آ رہا تھا۔ وہ دو چار یا دس بیس انسانوں کے بس کی چیز نہ تھی۔ نیچے سے لے کر خلیفہ تک تمام اہلکاروں اور تمام کلیدی مقامات اور محکموں پر نظر رکھنے اور غائبانہ نظام کے مذکورہ مقاصد انجام دینے کے لئے امامؑ کا ایک نائب کیسے ان مختلف قسم کے سلسلوں پر کنٹرول کرسکتا تھا؟ پھر نظام کے ان تمام شعبوں میں مختلف زبانیں استعمال ہوتی تھیں۔ مختلف ممالک کے سکوں اور زرمبادلہ سے تعلق تھا۔ جن حضراتؒ کو نائب بتایا گیا ہے۔ وہ کل چار گنوائے گئے ہیں۔ اور چاروں بھی الگ الگ اور ایک دوسرے کے بعد نائب لکھے گئے ہیں اور کہیں سے یہ پتہ نہ چلے گا کہ یہ حضرات علم الحساب سے یا عربی کے سوا کسی اور زبان سے واقف تھے۔ نہ تاریخ شیعہ میں یہ حضرات محدثین میں شمار ہیں۔ نہ یہ متکلمین میں سے ہیں۔ نہ مصنفین کی صف میں نظر آتے ہیں۔ نہ ان میں سے کسی کا باقاعدہ تعلیم کے لئے کسی امامؑ کے ساتھ مستقلاً رہنا ثابت ہے۔ بہر حال ان کے نام ملاحظہ ہوں اور آنے والے بیانات میں یہ بات نوٹ کریں کہ کیا ہم ان حضراتؒ کو امام غائب حضرت حجۃ علیہ السلام کا مقرر کردہ نائب سمجھیں یا نہ سمجھیں؟ اور اگر نائب سمجھیں؟ تو کون سی ایسی دلیل دی جاتی ہے جو شک وشبہ سے ارفع واعلیٰ ہو؟۔

(پہلا نائب) جناب ابوعمروؒ عثمان بن سعید الاسدی

۔''اُن چاروں میں کا پہلا عثمان بن سعید ہے۔ اُن کے عادل اور امین ہونے کی دسویں امام علی نقی علیہ السلام نے تصدیق فرمائی ہے۔ اور وہ دسویں اور گیارہویں امام علیہما السلام کے بھی نائب رہے ہیں''۔

۔''اوّل ایشان جناب ابو عمرو عثمان بن سعید الاسدی است که حضرت هادی (یعنی امام علی نقی دسویں امام) علیه السلام نص بر عدالت و امانت او فرمود. و نیابت حضرت امام علی نقی الهادی و امام حسن عسکری علیهما السلام نیز داشته''۔(منتخب التواریخ صفحہ ۷۰۴)

ہم یہ بتاتے چلے آئے ہیں کہ حضرت حجۃ علیہ السلام نے سابقہ نظام کو برقرار رکھتے ہوئے اپنا قیامت تک چلنے والا سو فیصد مخفی نظامِ غیبت قائم کیا تھا۔ اور مندرجہ بالا اقتباس یہ بتاتا ہے کہ جناب عثمان سابقہ دو اماموںؑ کے نائب تھے۔ مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کو ابتداء میں کس امامؑ نے نائب کی حیثیت سے تعینات کیا تھا۔ بہر حال ہم تو وہ حکم جاننا چاہتے ہیں جو حضرت امام عصرؑ والزمان نے صادر کیا ہو کہ۔''میں تمہیں (عثمان کو) اپنا نائب مقرر کرتا ہوں''۔ یا یہ کہ۔''میں تمہیں نیابت پر بحال رکھتا ہوں''۔ فی الحال ہم یہ مانتے ہیں کہ وہ پہلے سے نائب چلے آرہے تھے۔ آدمی ایماندار و دیانت دار تھے۔ لہٰذا انہیں معزول کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ مگر اپنے نائب کی حیثیت سے تعینات بھی نہیں کیا گیا۔ اور مصلحت یہی تھی کہ معزولی کا حکم نہ دیا جائے۔ تاکہ مخالف نظام

اجتہاد عثمان کو اپنا نشانہ بنائے رکھے۔ اور حقیقی اور نئے نظام کی طرف متوجہ نہ ہوسکے۔ معزول کرتے ہی یہ تلاش خود بخود شروع ہوجاتی کہ اب نیا نائب یا نائبین کون ہیں؟ اور ایسا موقع دینا ایک عظیم غلطی ہوتی جو امامؑ سے ممکن نہیں۔

(دوسرا نائب) پہلے نائب کا بیٹا محمدؓ بن عثمان تھا

جس طرح پہلے نائب کی عدالت و دیانت و امانت کے لئے بلا دلیل یہ لکھ دیا تھا کہ حضرت علی نقیؑ نے نص کی تھی۔ اسی طرح دوسرے نائب امام کا تقرر بھی لکھ دیا گیا ہے کہ حضرت حجتؑ نے مقرر کیا تھا۔ مگر ہمیں سرکارؑ کا خط یا حکم لکھا ہوا دکھانا پڑے گا ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اپنے والد عثمان کے انتقال کے بعد بطور وراثت اپنے والد کے نائب و جانشین ہوگئے تھے۔ سنئے لکھا ہے کہ:۔

۔''حضرت حجۃ علیہ السلام کے چار نائبوں میں سے دوسرا نائب عثمان کا بیٹا محمد تھا کہ اپنے والد کے بعد اُن کا قائم مقام قرار پایا۔ حضرت حجتؑ کے حکم سے اور قریب پچاس سال نیابت کے بزرگ منصب پر برقرار رہنے کا فخر حاصل کیا''۔

> دوم از نوابِ اربعه حضرت حجة علیه السلام جناب ابو جعفر محمد بن عثمان بن سعید الاسدی بود ۔ که بعد از پدر بزرگوارش قائم مقام او شد بنص حجةٍ عصر و قریب پنجاه سال بمنصب جلیل نیابت خاصه مفتخر بود۔ (منتخب التواریخ صفحہ ۵۰۷)

(تیسرا نائب) حسین بن روحؒ نوبختی خاندان سے ہے

۔''حضرت حجتؑ کے خاص نائب جناب حسین بن روح نوبخت خاندان کے تھے۔ اور علامہ مجلسیؒ نے کتاب بحارالانوار میں جناب طوسیؒ کی کتاب غیبت طوسیؒ سے نقل کیا ہے۔ کہ شیعوں کے بڑے بوڑھوں، اور بزرگ شیعوں کو شک تک نہ تھا۔ کہ اگر دوسرے نائب محمد بن عثمان پر کوئی حادثہ گذرے اور وہ مر جائیں۔ تو ان کے بعد جعفر بن احمد بن متقبل کو یا اس کے والد احمد کو اپنا قائم مقام نہ بنائیں گے۔ اس لئے کہ جعفر بن احمد اور ان کے والد کو دوسرے نائب محمد بن عثمان سے بہت ہی خصوصیات تھیں۔ حد یہ ہے کہ آخری عمر میں تو دوسرا نائب تب تک کھانا ہی نہ کھاتا تھا۔ جب تک کہ جعفر بن احمد یا ان کے باپ کے گھر میں نہ پکے یا ان کے گھر میں نہ کھایا جائے۔ مگر جعفر بن احمد ہی نے یہ

> ''از نواب خاصه حضرت حجةٍ اللّٰه جناب ابو القاسم حُسین بن روح نو بختی بود۔ ودر بحار از غیبتِ طوسی نقل کرده که مشایخ و بزرگان شیعه شک نداشتند که اگر حادثه ای از برای جناب محمد بن عثمان عارض شود و از دنیا رحلت فرماید قائم مقام او جعفر بن احمد بن مقبل خواهد بود یا پدرش از کثرت خصوصیتش با جناب محمد بن عثمان ۔ حتّٰی آنکه در آخر عمرش طعامی نمیخورد مگر آنچه در منزل جعفر بن احمد یا پدرش بسازند۔ و جناب جعفر بن احمد فرمود در

بیان کیا ہے۔ کہ دوسرے نائب محمد بن عثمان کی رحلت کے وقت میں موجود تھا۔ اوران کے سر کے نزدیک بیٹھا ہوا ان سے باتیں کرر ہاتھا۔اور تیسرے نمبر کا نائب ابوالقاسم حسین بن روح ان کے پاؤں کی طرف بیٹھا ہوا تھا۔اس حالت میں محمد بن عثمان نے مجھ سے کہا کہ مجھے حکم دیا گیاہے کہ میں حسین بن روح کو وصیت کروں اوراپنا خلیفہ بناؤں۔ یہ سن کر میں سرہانے سے اٹھا حسین بن روح کو ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ سرہانے بٹھایا اور میں پائنتی بیٹھ گیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حسین بن روح تمام انسانوں سے زیادہ عقلمند تھا۔ اپنوں میں بھی اور مخالفوں میں بھی یہ بات مسلم تھی ۔ اوراہل سنت بھی اس کی تعظیم کیا کرتے تھے۔اوروہ اپنے مذہب کو چھپانے میں بہت کوشاں رہتے تھے۔حد ہوگئی کہ جب ان سے یہ کہا گیا کہ تمہارے دربانی کرنے والے غلام نے معاویہ کو بُرا کہا ہے۔تو حسین بن روح یعنی تیسرے نائب نے اس غلام کو نہ صرف اپنی خدمت سے الگ کر دیا بلکہ اسے گھر ہی سے نکال دیا۔ ماہ شعبان 326 ہجری میں انتقال کیا''۔

(منتخب صفحہ 706)

وقتِ رحلت محمد بن عثمان حاضر بودم و نزد سرش نشسته بودم وباوصحبت میکردم و ابو القاسم حسین بن روح در نزد پا های او نشته بود۔ جناب محمد بن عثمان در آن حالت بمن توجه کرد و فرمود که من مامور شده ام که وصیت کنم بابی القاسم حسین بن روح و اورا خلیفه خودم بنمایم پس من از نزد سر محمد بن عثمان برخاستم ودست جناب حسین بن روح راگرفتم و اورا در بالائ سر جناب محمد بن عثمان نشانیدم و خود سمت پاهایش نشستم۔ ودر روایت است که جناب ابو القاسم اعقل مردم بود نزد مخالف و موافق و عامه نیز تعظیم می کردند اورا ۔بسیار تقیه بودمیفرمود حتّٰی آنکه بایشان گفتند که غلام دربانِ تو معاویه راسبّ نموده ۔ اورا از خدمتِ خود عزل نمود وبیرون کرد ۔ ودر ماه شعبان در سنه سیصد و بیست و شش جناب حسین بن روح از دنیا رحلت فرمود''۔ (ایضاصفحہ۷۰۶)

چندغورطلب باتیں

یہ بات تو اس بیان میں بقلم خود طے ہوگئی کہ تیسرا نائب حضرت حجت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب یا خلیفہ نہ تھا۔ بلکہ دوسرے نائب کو اگر واقعی کوئی حکم ملا تھا تو وہ یہ تھا کہ حسین بن روح کو اپنا وصی اور خلیفہ یعنی جانشین بنالے۔لہٰذا ہم نے صحیح لکھا ہے کہ یہ تینوں حضرات یکے بعد دیگرے وراثتاً ایک دوسرے کے قائم مقام اور خلیفہ بنتے چلے آ رہے تھے۔ بطور خاص انہیں کوئی کھلا حکم حضرت حجۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلیفہ یا نائب نہیں بناتا۔ دوسری بات یہ کہ اگر واقعی تیسرے نمبر پر آنے والا جانشین یا نائب

مسلمہ طور پر تمام اہل زمانہ سے زیادہ نہ سہی اتنا تو ماننا پڑے گا کہ وہ یعنی حسین بن روح جناب جعفر بن احمد بن متقبل سے ضرور زیادہ عقل مند تھے۔لیکن یہ بات مانتے ہی یہ بھی ماننا پڑے گا۔کہ اس زمانہ کے تمام بڑے بوڑھے اور بزرگ شیعہ یہ جانتے ہوئے کہ جعفر بن احمد سے زیادہ ایک اور عقلمند حسین بن روح موجود ہے۔ایک کم عقل کو خلیفہ بن جانے یا بنائے جانے کا بلا شک یقین کامل رکھتے تھے۔یعنی ان کا تجربہ یہ تھا کہ کم عقلوں ہی کو خلیفہ بنایا جایا کرتا ہے۔اور پھر اگر یہ عقل والی بات دوسرے نائب یعنی محمد بن عثمان کو بھی معلوم تھی۔تو وہ بھی کم عقلوں کو حسین بن روح کے مقابلہ میں خصوصیت دینے کے مجرم قرار پاتے ہیں۔تیسری بات یہ ہے کہ دوسرا نائب یہ عذر تو کرتا ہے کہ مجھے مامور کیا گیا ہے کہ......مگر یہ نہیں بتاتے کہ امر کرنے والا یا حکم دینے والا کون ہے؟ نہ کوئی تحریر پیش کرتے ہیں نہ حضرت حجتؑ کا نام لیتے ہیں۔چوتھی بات یہ ہے کہ انہوں نے کیا وصیت کی تھی؟ یہ معلوم نہ ہوسکا اور وہ اسی محفل میں مذکورہ حضرات کے سامنے دنیا سے رخصت بھی ہوگئے۔اور آخری بات یہ ہے کہ یہ حضرت معاویہ کو بُرا کہنے والوں کو علی الاعلان سزا دیا کرتے تھے۔حالانکہ ان کے بائیس سالہ دورِ نیابت میں سے سولہ (16) سال خلیفہ مقتدر عباسی کے دور میں گذرے جس کو مجدّد و مروّج دینِ محمدیؐ مانا اور لکھا گیا ہے۔اور دو سال قاہر خلیفہ کے دور میں گذرے۔پھر آخری سات سال راضی خلیفہ کے دور میں گذرے اور یہ راضی باللہ عباسی وہی خلیفہ ہے۔جس نے فدک واپس کیا تھا۔اور عباسی خلفا میں کوئی اس دور میں معاویہ کو اچھا سمجھنے والا اور معاویہ کو برا کہنے والوں کو برا سمجھنے یا سزا دینے والا نہ تھا۔پھر یہ حسین بن روح صاحب کو کیا ہوگیا تھا کہ اس غلام کو گھر سے نکال دیا اس لئے کہ اس نے معاویہ کو برا کہا تھا؟

(چوتھا نائب) علی بن محمد سمری یا سیمری تھا

۔''حضرت حجتؑ کے چوتھے اور آخری نائب جناب ابوالحسن علی بن محمد سمری تھے۔اور حسین بن روح کے بعد نیابت کے عہدے پر فائز ہوئے اور نصف شعبان 329ھ کو رحمت الٰہی سے جا ملے''۔ قارئین ان کے لئے تو تقرر کا ایک لفظ بھی نہ کہا گیا

۔''از نواب خاصۂ حضرت حجةؑ جناب ابو الحسن علی بن محمد سمری بود۔که آخر نواب خاصه حضرتؑ حجة الله بود و بعد از جناب حسین بن روح بمنصب نیابت فائز گردید و درنیمه شعبان سنه سیصد ونه برحمت الهی و اصل گردید''۔(منتخب صفحہ ۷۰۶)

بہر حال جو کچھ کہا گیا ہے گو اس کی رو سے ان حضرات کو نائبِ امام عصرؑ قرار دینا دو اور دو چار کی طرح کوئی مادی دلیل نہیں رکھتا۔ سوائے اس کے کہ علمائے مجتہدین نے انہیں شہرت دی اور خود لکھا ہے۔لیکن ہم مانتے ہیں کہ یہ حضراتؓ زمانہ جناب امام علی نقی علیہ السلام یعنی دسویں امامؑ کے زمانہ سے بطور وراثت اور گدی نشینی کرتے چلے آئے تھے اور بس۔

(ہ) مذکورہ چار مشہور نائبوں کے متعلق چند اور حوالے

اب ہم قارئین کے سامنے علامہ مجلسی رضی اللہ عنہ کی وہ تشریح رکھتے ہیں جو انہوں نے کتاب کافی کتاب الحجۃ کے باب مولد حضرت حجۃؑ کی تیرہویں حدیث کی ذیل میں لکھی ہے۔

۔''معروف سفیر چار شخص تھے ابو عمرو عثمان بن سعید عمری اور جب وہ دنیا سے گئے تو ان کا بیٹا محمد بن عثمان ان کی جگہ بیٹھا۔ اور جب وہ گذر گئے تو حسین بن روح ان کی جگہ بیٹھا اور جب وہ بھی گذر گئے تو علی بن محمد ان کی جگہ بیٹھ گیا۔ اوران چاروں کی سفارت کا زمانہ ستر سال تھا''۔

یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ علامہ مجلسی ان سب کو گدی نشینوں کی طرح ایک کے بعد دوسرے کو اس کی جگہ بیٹھ جانے والے لکھتے ہیں نہ کہیں امام عصرؑ کے حکم ورضا کی بات ہے۔ نہ کوئی نص اور تکلف ہے۔ یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ آیا سفیر اور نائب کے معنی ایک ہی ہیں؟ اور کیا یہ دونوں عہدے خلیفہ کہلا سکتے ہیں؟۔

> سفراء معروف چهارتن بودند۔
> ۱۔ ابوعمر وعثمان بن سعید عمری وچون ازدنیارفت پسرش۔
> ۲۔ابو جعفر محمد بن عثمان بجای او نشست و چون او هم درگذشت۔
> ۳۔ابو القاسم حسین بن روح ازخاندانِ نو بخت بجائ اُو نشست وچُون اُودر گشت۔
> ۴۔ابو الحسن علی بن محمد سمری رضی اللّٰه عنهم اجمعین بجای اونشست ومدت سفارت آنان ۷۰سال بود۔ (کافی شرح علامہ محمدؒ باقر الکمرئی طبع ایران طہران صفحہ۵۹۲ جلد دوم)

(و) نہ سفیر نہ خلیفہ نہ قائم مقام نہ نائب بلکہ صرف بغداد شہر میں وکیل امامؑ تھے

چودہویں حدیث کے سلسلے میں وضاحت کرتے ہوئے شیخ صدوقؒ کی کتاب کمال الدین سے لکھا ہے کہ۔''وہ لوگ جو امام آخر الزمان علیہ السلام کے معجزات پر مطلع ہوئے اور ان حضرت علیہ السلام کی زیارت کی ان میں سے کچھ تو بغداد کے وکیل جیسے عمری اور ان کا بیٹا اور حاجزؒ و محمد بن صالح ہمدانی اور کئی دوسروں کو شمار کیا ہے''۔(مذکورہ کافی جلد 2 صفحہ 594)

> از مطلعین بر معجزات امام عصرؑ و کسانیکه او را دیده اند از وکلاءِ بغداد عمری و پسرش و حاجز و محمد بن صالح همدانی و دیگران را شمرده (کتاب الحجۃ باب مولد امامؑ)

یہاں علامہ صدوقؒ پہلے اور دوسرے نائب کو وکیل قرار دیتے ہیں اور ان کی وکالت کو بغداد شہر کے حدود میں محدود کردیتے ہیں۔ قارئین فیصلہ کریں کہ ان کا عہدہ کیا تھا؟

(ز) حقیقت وہی ہے کہ ان چاروں نائبوں کا سلسلہ امام علی نقیؑ نے قائم کیا تھا

مذکورہ بالا اور مجتہدین کے پسندیدہ اور مشہور کردہ چاروں نائب دسویں امامؑ کے قائم کردہ سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے مقرر کئے جانے پر امام غائب حضرت حجتہؑ کا کوئی با قاعدہ فرمان (توقیع) نہیں ہے۔ سنئے ہم یہاں امام علی نقی علیہ السلام کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہم ان چاروں حضرات کو آئمہؑ کے بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہ میں شمار کرتے ہیں۔ مگر مجتہدین کی پیدا کردہ صورت حال کی وجہ سے ان کے حق میں وہ باتیں نہیں مانتے جو نظامِ اجتہاد کی تقویت کے لئے مجتہدین نے گھڑیں اور حکومتوں کے توسط سے دنیا میں پھیلائیں۔ حدیث سنئے۔

۔''ابو علی احمد بن اسحاق نے حضرت امام علی نقی (دسویں امام) علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضورؐ میں اپنے معاملات کس کے سامنے پیش کیا کروں۔ اور کس سے آپ کے احکام وصول کیا کروں اور وہ کون ہے۔ جو میری درخواست آپ تک پہنچا تا رہے؟ اس کو بتایا گیا کہ وہ شخص عمری (عثمان بن سعید) ہے۔ میرا معتمد ہے۔ جو کچھ پہنچائے سمجھو کہ میری طرف سے پہنچا ہے۔ اور جو کچھ بتائے سمجھو کہ میں نے کہا ہے۔ چنانچہ اس کی طرف متوجہ رہ اور اس کی اطاعت کر۔ یقیناً وہ قابل اعتبار اور محفوظ شخص ہے۔ اور پھر ابو علی ہی نے مجھے بتایا کہ اس نے یہی سوالات جناب امام حسن عسکری (گیارہویں امام) علیہ السلام سے

> وقد اخبرنی ابو علی احمد بن اسحاق عن ابی الحسن علیه السلام قال: سألته وقلت: من اعامل او عَمَّنُ اخذوا قول من أقبل؟ فقال له: العمری ثقتی فما ادّی الیک عَنّی فعنّی یوڈی و ما قال لک عنی فعنّی یقول فاسمع له وأطع فانه ثقة المامون۔ و اخبرنی ابوعلی انّهُ سأل ابا محمدؐ (امام حسنؑ عسکری) عن مثلِ ذلک فقال له: العمری و ابنه ثقتان فما ادّیا الیک عنّی فعنّی یؤدیانِ و ما قالا لک فعنّی یقولان فاسمع لهما و اطعهما فا نهما الثقتان المامونان۔ فهذا قول اما مینؑ ''۔(ایضا کافی جلد۲ صفحہ ۱۵۶، و ۱۵۷ باب فی تسمیة من رَأه علیه السلام)

کئے تھے۔ اور انہوں نے جواب میں فرمایا تھا کہ۔''عثمان بن سعید اور اس کا بیٹا محمد بن عثمان دونوں قابل اعتبار ہیں۔ وہ دونوں جو کچھ میری طرف سے پہنچائیں سمجھو کہ میری طرف سے پہنچاتے ہیں اور جو کچھ تم سے کہیں سمجھو میری طرف سے کہتے ہیں ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو وہ دونوں قابل اعتماد اور امین ہیں''۔

قارئین نے نوٹ کر لیا ہوگا۔ کہ جناب امام علیؑ نقی نے جناب عثمانؓ بن سعید کو لین دین اور احکام کی ترسیل کے لئے مکمل سند عطا فرمائی ہے۔ لیکن لفظ نائب کہیں نہیں کہا۔ پھر یہ بھی نہیں کہا کہ وہ اس وقت پوری شیعہ دنیا کے لئے لین دین اور احکام کی ترسیل کے ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے یقیناً اُسے اپنا نمائندہ مقرر کیا تھا۔ اور ایسے

نمائندگان سینکڑوں کی تعداد میں لازم تھے۔ نہ کہ وہ اکیلے۔ پھر دوبارہ ثابت ہوا کہ گیارہویں امام علیہ السلام کے دور امامت تک دسویں امامؑ کا نمائندہ اور نمائندہ کا بیٹا بھی امامتِ دہم کی نمائندگی کرتے چلے آرہے تھے۔ اور یہ کہ دونوں کی کارکردگی گیارہویں امامؑ کو بھی پسند تھی چنانچہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے ان دونوں کو بحال رکھا اور وہ پہلے کے مقرر شدہ نمائندہ تھے یعنی گیارہویں امام علیہ السلام نے بھی ان کو بحال رکھا تھا۔ نہ کہ مقرر و متعین کیا تھا۔ رہ گیا امامِ نظامِ غیبت علیہ السلام کا نائب مقرر کیا جانا یا اُن حضرتؑ کی نیابت کرنا یہ ہی زیرِ غور ہے اور یہی ہرگز ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے اس کے کہ امام عصرؑ نے ان دونوں کو اور ان کے بعد ان کے خود مقرر کردہ کو جزوی اور مقامی نمائندگی سے کھلم کھلا طور پر معزول نہیں کیا تھا۔ اور بس۔ ورنہ نظام غیبت پر ناپسندیدہ ومخالف لوگوں کی نظریں جم جاتیں۔ یعنی حضورؑ نے سابقہ نمائندگان کو سامنے رکھ کر اپنا نیا اور مستقل خفیہ نظام تیار کیا۔ اس میں اپنے مخصوص نمائندگان وارکین و نائب اور ممبران مقرر فرمائے اور جب وہ نظام برسرکار آ گیا تو سابقہ نظام کو راہ سے ہٹا دیا یعنی غیبت کبریٰ کا اعلان کردیا۔ اور یہ اعلان ہی اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ وہ عارضی اور مجبوری کا نظام غیبت امام عصر والزمان علیہ السلام کا اپنا نظام نہ تھا۔ ورنہ اسے اور اس کے مذکورہ قسم کے نمائندگان کو برقرار رکھا جاتا۔ لہٰذا نہ صرف وہ چاروں نمائندگان مصلحتاً برقرار رکھے گئے تھے۔ بلکہ پورا سابقہ نظام حضورؑ کے نظام کے لئے موزوں نہ تھا۔ مصلحتاً اور تیاری کے لئے برقرار رکھا گیا تھا۔

(7) وہ نائبینؒ یا سفراء وغیرہ جن کو پیچھے دھکیلا گیا ہے

اب ہم اُن حضراتؒ کو سامنے لاتے ہیں۔ جن سے نظامِ اجتہاد کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اور جن سے شیعہ مجتہدین اپنا پیوند نہ لگا سکے۔ یعنی مجتہدین نے صرف ان لوگوں کو شہرت دی جن کے لئے انہیں یہ گنجائش ملی کہ وہ ملت شیعہ میں اجتہادی نظام کو جاری کرنے میں غلط یا صحیح مدد لے سکیں گے۔ اور یہ کہہ کر کہ دیکھو ہمارا فلاں اولین مجتہد فلاں نائب امام کے پاس آتا جاتا تھا۔ یا فلاں سے اس کا میل جول اور دینی تعلق تھا۔ اس لئے وہ امام عصر علیہ السلام کے مقرر کردہ نائب کا نائب تھا۔ اور پھر اس نائب کے نائب کے نائب ہم ہیں۔ اور یوں محکمہ آب رسانی (WATER WORKS) کی طرح نام نہاد نائب امامؑ کو واٹر ٹینک بنا کر اس میں سے لمبی پائپ لائن اور نل میں نل لگاتے جوڑتے علامہ ڈھکو صاحب کے یہاں تک اجتہاد کا زہریلا پانی پہنچا دیا ہے اور پوری شیعہ دنیا کے مذہب کو فاسد کردیا ہے۔ مگر قارئین مجتہدین کو یاد دلائیں کہ انہوں نے یہ مان کر اجتہاد کی خود ساختہ عمارت خود ہی مسمار کردی ہے۔ کہ امام غائب علیہ السلام نے آخری نام نہاد نائب کو آئندہ اپنا نائب مقرر کرنے سے منع کردیا تھا۔ اور سابقہ نظام کی ہر فرد سے منہ موڑ کر غیبتِ کبریٰ اختیار کرلی تھی۔ لہٰذا امامؑ سے اپنا تعلق جوڑنا ممنوع ومردود مان لینے کے بعد تم نہ امامؑ کے نائب ہو نہ نائب کے نائب بن سکتے ہو تمہیں جھٹک کر ملت شیعہ سے الگ کرنے اور مردود وملعون قرار دینے ہی کے لئے تو خفیہ نظام برسرکار لایا گیا تاکہ تم امامؑ کے فیوض وبرکات وعلوم وتوجہات سے مستقلاً وکلیۃً محروم ہو جاؤ۔ اور تمہیں کوئی سند نہ مل سکے

(الف) دسویں امامؑ کے نائب عثمانؓ بن سعید عمری کہاں ہیں؟

قارئین کرام کو اس عنوان میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے نظام غیبت پر نظر ڈالنا ہوگی اور یہ دیکھنا ہوگا۔ کہ شیعہ پبلک اور امامؑ کے درمیان جو رابطہ قائم تھا۔ اس میں جناب ابوعمرو عثمانؓ بن سعید عمری کہاں کہاں نیابت یا نمائندگی یا وکالت یا سفارت کا کام انجام دیتے ہیں؟ چونکہ جناب عثمانؓ صاحب گیارہویں امام جناب حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ان کے نائب خاص بتائے گئے ہیں۔ لہٰذا اگلے عنوان میں بھی آپ کو ان کی تلاش کرنا پڑے گی۔ یہی نہیں بلکہ گیارہویں امامؑ کے زمانہ میں تو جناب عثمان کے فرزند محمد بن عثمان کو بھی ڈھونڈ نا پڑے گا۔ اور اس طرح باقی دونوں نوابوں کی تلاش میں کتاب کافی کی گلیوں اور کوچوں میں سے گذرنا ہوگا اور اس سلسلے میں آپ کو کم از کم ساٹھ ستر احادیث میں مذکورہ لوگوں کو روک روک کران کا نام و پتہ اور حلیہ پوچھنا پڑے گا۔ اس مشکل میں ہم آپ کو مدد دینا چاہتے ہیں۔ تاکہ آپ ان چاروں کی تلاش میں زیادہ سرگردانی سے بچیں اور ٹھیک پتہ پر پہنچیں۔ چونکہ ہماری کتابیں بفضلِ مجتہدین مارکیٹ میں نہیں ملتیں۔ اس لئے قارئین کو زحمت کا سامنا رہتا ہے۔ بہرحال ہم یہ بتاتے ہیں کہ کافی کا ایک اردو ترجمہ لاہور اور کراچی کی چند دکانوں سے ملتا ہے۔ جسے جناب ظفر حسن صاحب امروہوی کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ اس کی پہلی جلد کے صفحہ چھ سو بائیس سے صفحہ چھ سو اکسٹھ تک دسویں گیارہویں اور بارہویں امام علیہم السلام کی پیدائش تا وفات یا غیبت تک کے حالات لکھے گئے ہیں اور اردو دان طبقہ کی سہولت کے لئے ہم اس ترجمہ کا حوالہ بھی دیتے چلیں گے۔ بہرحال آیئے اور تلاش حق میں ذرا سی محنت کیجئے۔

(ب) امام علی نقی علیہ السلام سے رابطہ اور خط و کتابت اور ترسیلِ مال میں عثمان نائب نہیں

۔''محمد بن فرج نے علی بن نوفلی سے بیان کیا کہ مجھے امام علی نقی علیہ السلام نے خط بھیجا کہ میں اپنے کاروبار کو سمیٹ لوں اور خطرہ سے اپنی حفاظت کروں۔ میں اس ہدایت کا منشا سمجھے بغیر اپنے کاروبار کو بلا عجلت سمیٹنے لگا۔ کہ خلیفہ کا بھیجا ہوا ایک افسر آیا مجھے گرفتار کر کے مصر سے لے گیا اور میری ملکیت میں جو کچھ تھا۔ سب ضبط کر لیا۔ اس طرح مجھے جیل میں آٹھ سال گذر گئے۔ پھر جیل کے اندر مجھے آنحضرتؑ کا خط ملا۔ لکھا تھا کہ دیکھو تم مغربی سرحد کی جانب قیام نہ کرنا۔ میں نے خط پڑھا۔ اور دل میں سوچا کہ میں

عن علی بن محمد النوفلی قال: قال لی محمد بن الفرج: ان ابا الحسن علیه السلام کتب الیه یا محمد! اجمع امرک وخذ حذرک قال: فانا فی جمع امری و لیس ادری ما کتب به الی حتی ورد علی رسول حملنی من مصر مقیداً وضرب علٰی کل ما املک و کنت فی السجن ثمان سنین،ثم ورد علی منه فی السجن کتاب فیه: یا محمد لا تنزل فی ناحیة الجانب الغربی، فقرات الکتاب فقلت یکتب الیّ بهذا و انا فی السجن

جیل میں قید ہوں اور مجھے یہ لکھا جا رہا ہے۔ یہ بڑی حیران کن تحریر ہے۔ ذرا بھی دیر نہ گذرنے پائی تھی کہ مجھے قید سے رہا کر دیا گیا۔ تب بات سمجھ میں آ گئی۔ پھر بتایا کہ محمد بن فرج نے امام علیؑ نقی سے بذریعہ خط دریافت کیا کہ میری چھینی ہوئی ملکیت اور جائیداد کے متعلق کیا ہوگا؟ جواب میں خط آیا کہ بہت جلد وہ تمہیں واپس کی جانے والی ہے۔ اور بالفرض محال واپس نہ بھی ہو تو تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اور جب محمد بن فرج کو سامرہ میں طلب کیا گیا تو اُسے اس کی املاک کی واپسی کا حکم نامہ صادر کیا جا چکا تھا۔ (فلما شخص محمد بن الفرج الی العسکر کتب الیہ برد ضیاعہ و مات قبل ذلک) مگر وہ اپنی املاک واپس لینے سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔ یہ بھی بتایا تھا کہ احمد بن خضیب نے محمد بن فرج کو لکھا تھا کہ دریافت کر کے بتاؤ کہ میں سامرہ چلا آؤں یا نہ؟ محمد بن فرج نے امام علی نقی علیہ السلام سے بذریعہ خط مشورہ طلب کیا۔ تو اسے امامؑ کا جواب ملا کہ سامرہ چلا آئے یہ اس کی مسرت کا باعث ہوگا انشاءاللہ تعالیٰ۔ چنانچہ احمد بن خضیب سامرہ چلا آیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد وفات پا گیا'' ۔ (اردو والی مذکورہ کافی جلد اول صفحہ 626-625)

ان ھذا لعجب، فما مکثت ان خلی عنی والحمد للّٰہ۔قال: و کتب الیہ محمد بن الفرج یسئالہ عن ضیاعہ فکتب الیہ سوف ترد علیک و ما یضرک ان لا تردعلیک فلما شخص محمد بن الفرج الی العسکر کتب الیہ بردضیاعہ ومات قبل ذالک۔ قال: و کتب احمد بن الخضیب الیٰ محمد بن الفرج یسالہ الخروج الی العسکر، فکتب الی ابی الحسن علیہ السلام یشاورہ، فکتب الیہ: اخرج فان فیہ فرجک ان شاء اللّٰہ تعالی، فخرج: فلم یلبث الا یسیراً حتی مات۔

یہاں قارئین چند تمہیدی باتیں سن لیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہم جس رفتار سے چلنے پر مجبور ہیں۔ اس میں آنے والی تمام احادیث کو مع عربی اور اردو ترجمہ کے لکھنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ لہٰذا ہم ترجمہ بھی سارا نہ لکھیں گے۔ بلکہ حقیقی منشا لکھتے جائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر حدیث میں بہت سی دل چسپ اور روح پرور باتیں ہوں گی۔ ہم ہر جگہ ان کا تذکرہ کرنے کے بجائے ابھی عرض کرتے ہیں۔ کہ مندرجہ بالا حدیث میں یہ ثابت ہے کہ سابقہ آئمہ کے عارضی نظامِ غیبت کا تقاضہ ہے کہ دربارِ خلافت سے ہرمنٹ پر صادر ہونے والے فیصلوں اور احکام اور مشوروں اور اسکیموں کی اطلاع فوراً بلا انقطاع صحیح صحیح امامؑ تک پہنچنے کا مادی انتظام موجود ہو۔ چنانچہ وہ نظام بیان ہو چکا ہے۔ پھر امامؑ سے لے کر رعایا کے افراد تک معصومؑ ہدایات کے پہنچانے کا بے روک اور بے تاخیر سلسلہ لازم ہے۔ چنانچہ اس عملہ (اسٹاف) کو کنٹرول کرنے والے ہی کو امامؑ کا نائب، قائم مقام، خلیفہ، اور جانشین وغیرہ کہا جائے گا۔ ذرا سوچئے کہ مذکورہ حدیث میں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر خط و کتابت ہو رہی ہے۔ ہدایات جاری ہو رہی ہیں۔ ان پر عمل ہو رہا ہے۔ دربارِ خلافت کو جائیداد واپس کرنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ مگر

جناب نواب خاص حضرت عثمان کا کہیں نام ونشان وخیر وخبر نہیں ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ حضرت عثمان امام علی نقی علیہ السلام سے کام لے رہے ہوں۔ اور خود اُس نظام کے راہنما ہوں؟ اور امامؑ ماتحتی یا نیابت میں کام کر رہے ہوں؟ امامؑ کا ذکر ہو رہا ہے۔ نام لے کر حدیث میں لکھا جا رہا ہے۔ دوسرے متعلقہ ہیروز نام بنام مذکور ہیں۔ تذکرہ نہیں ہے تو جناب عثمان عمری کا نہیں ہے۔ آگے بڑھیئے اور ساری کتاب کافی میں گذر جایئے اور عمل کے میدان میں کسی بھی خاص نواب کو ڈھونڈیئے اور جب مل جائیں تو ہمیں بھی دکھایئے۔

2۔ اگلی حدیث بتاتی ہے۔ کہ امام علی نقی علیہ السلام نے مذکورہ بالا محمد بن فرج کے پاس کپڑا ارسال کیا۔ لہٰذا وہ اُسی بیماری میں مرگیا اور وہی کپڑا کفن میں کام آیا''۔ (ایضاً صفحہ 626) مرنے کی اطلاع قبل از مرگ دینے والا عملہ بھی موجود تھا۔ لہٰذا امامؑ کے نائب کو ملائکہ پر بھی دسترس لازم ہے۔ مگر وہاں تو یہ بھی خبر نہیں کہ کپڑا بھیجنے کا حکم عثمان کو دیا تھا۔ یا کوئی اور نائب تھا؟

3۔ اس کے بعد کی حدیث میں خلیفہ متوکل کا خط امام علی نقی علیہ السلام کے نام آتا ہے۔ مگر حضرت عثمان وہاں کہیں نہیں جو پڑھ کر سنائیں یا متوکل کے پاس جانے کے انتظام اور سفر کی تیاری میں کوئی حصہ لیں (صفحہ 628-627)

4۔ پھر متوکل امام علی نقی علیہ السلام کے بھائی موسیٰ کو اس لئے اپنے دربار میں آنے کی دعوت دیتا ہے کہ اس کے ساتھ فسق وفجور اور شراب خوری کی محفل گرم کرے اور خاندانِ اہلبیتؑ کی بدنامی ہو۔ اگر اُس وقت عثمان نائب ہوتے تو امام علیہ السلام موسیٰ کو سمجھانے نہ جاتے بلکہ ان کو بھیج دیتے۔ بہرحال امام علیہ السلام کے نظام نے موسیٰ شرابی کو متوکل سے ملاقات کا موقعہ ہی نہ دیا۔ تین سال متوکل اور موسیٰ دونوں ناکام رہے (628,629) یہ تھے وہ مواقع جہاں جناب عثمان رضی اللہ عنہ کی نیابت ووکالت وغیرہ کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔ مگر ہمیں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے دورِ امامت میں ان کا تذکرہ نیابت کی حیثیت سے نہیں ملتا۔ اِس لئے ہم انہیں امامؑ کے نائبوں میں شمار کرنے سے قاصر ہیں۔

(ج) امام حسن عسکری علیہ السلام سے رابطہ اور خط وکتابت اور ترسیل مال میں عثمانؓ اور محمد کہاں ہیں؟

آپ نے سابقہ صفحات میں جناب عثمانؓ بن سعید اور محمد بن عثمان کی دیانت وامانت واطاعت پر امام حسن عسکری علیہ السلام کی بھی ایک حدیث پڑھی تھی۔ اور آئمہؑ جن صحابہ کی مدح وثنا کریں ہم ان کی بزرگی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر کسی کو امامؑ کا نائب، امامؑ کے حکم کے بغیر نہیں مان سکتے۔ اس لئے کہ بزرگی اور چیز ہے اور عام چیز ہے۔ لیکن نیابت وہ بزرگی ہے۔ کہ امامؑ کے علاوہ تمام بزرگوں پر حکومت عطا کرتی ہے۔ اطاعت بھی عام ہے۔ ماں باپ کی اطاعت بھی واجب ہے۔ دیانت دار وامانت دار ہونا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ لہٰذا یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ ہر نائب امامؑ بزرگ وامین وثقہ ہوتا ہے۔ لیکن ہر بزرگ اور ثقہ نائب امام نہیں ہوتا۔ آیئے اب جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے دورِ امامت کو پیدائش سے وفات تک کافی میں مسلسل

دیکھئے اور مجتہدین کے مشہور و معروف دو اوّلین نائبین کی تلاش کیجئے لہٰذا اس باب کی دوسری حدیث بتاتی ہے کہ :۔

1۔امام حسن عسکری علیہ السلام نے اسحاق بن جعفر زبیری کو خلیفہ معتز کے مرنے سے بیس روز پہلے بذریعہ خط خبردار کیا کہ تم برابر اپنے گھر میں بند رہو جب تک وہ حادثہ نہ گذر چکے۔ جب بریحہ قتل کر دیا گیا تو اسحاق نے یہ سمجھا کہ وہ حادثہ بریحہ کا قتل ہونا تھا۔ لہٰذا اس نے امامؑ سے بذریعہ خط دریافت کیا کہ جناب حادثہ تو گذر گیا اب کیا حکم ہے؟ جواب میں خط آیا۔ لکھا تھا کہ یہ وہ حادثہ نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے تمہیں گھر میں رہنے کی ہدایت ہے۔ وہ دوسرا خطرہ ہے۔ پھر خلیفہ معتز پر وہ حادثہ گذرا وہ قتل کر دیا گیا۔ (اور اسحاق اپنے گھر میں رہنے کی وجہ سے بچ گیا)۔ (کافی جلد 1 صفحہ 635-634)

پھر وہی سوچنا ہے کہ خط لکھوانے اور جوابات بھجوانے اور دوسرے احکامات اور ہدایات کی ترسیل میں نائب کہاں ہے؟ کیا سربراہِ نظام خود ہی اپنا منشی ہے؟ خود ہی قاصد ہے؟ یہ عملہ جو کئی ہزار جان فروش ماہرین پر مشتمل ہے۔ اُس میں ایک نہیں کم از کم سولہ (16) نائب درکار ہیں تاکہ ہر شعبہ بے روک کامیابی سے کام کر سکے۔

2۔چھٹی حدیث میں ابو علی مطہر نے امامؑ کی خدمت میں بذریعہ خط اطلاع بھیجی کہ حضورؑ قادسیہ کے باشندوں نے اس سال حج کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ اس لئے کہ انہیں خشک سالی کی بنا پر مکہ تک جانے میں پیاسا مرنا پڑے گا۔ فرمایئے کہ ہم جائیں یا نہ جائیں۔ خط کا جواب آیا کہ جاؤ انشاءاللہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے گی۔ چنانچہ قادسیہ کے باشندے صحیح سالم پہنچے۔

3۔ساتویں حدیث میں جعفری نے امامؑ کو خط بھیجا اور عرض کیا کہ حضورؑ آلِ جعفرؑ پر ایک ایسا گروہ حملہ کرنے والا ہے۔ کہ جس کے مقابلہ میں ہم تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔ آپ نے خط میں جواب دیا کہ گھبراؤ نہیں اس مہم میں تم لوگ محفوظ و کامیاب رہو گے۔ چنانچہ جعفری ایک چھوٹی سی جماعت لے کر میدان میں نکلے اور دشمن بیس ہزار سے زیادہ تعداد سے حملہ آور ہوئے اور جعفری کے ہاتھ سے ہزیمت اور ناکامی سے دوچار ہوئے۔ (جلد اول صفحہ 637)

4۔نویں حدیث میں سفیان بن محمد نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں خط بھیجا اور دریافت کیا کہ لفظ ولیجہ سے کون حضرات مراد ہیں کہ جنہوں نے اللہ، رسولؐ اور مخصوص مومنین کے علاوہ کسی کو اپنا راز دار نہیں بنایا؟ حضرت نے جواب میں لکھا کہ ولیجہ وہ ہستی ہوتی ہے جو مخالفین کی طرف سے سربراہِ اسلام یعنی ولیؑ و امامؑ عصر کے مقابلے میں مرکز اعتماد بنا لیا جائے۔ اور اس آیت (توبہ 9/16) میں لفظ مومنینؑ سے آئمہ معصومینؑ مراد ہیں۔ **لہٰذا پوری امت کے لئے صرف اللہ، رسولؐ اور آئمہؑ ہی مرکز ہدایت و اعتماد ہیں**۔ (جلد اول صفحہ 638-637)

5۔دسویں حدیث کہتی ہے۔ کہ ابو ہاشم جعفری نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو جیل سے خط بھیجا کہ حضورؑ میں طوق و زنجیروں اور بیڑیوں کی تکلیف سے بہت بے حال ہوں۔ سرکارؑ نے جواب میں خط سے اطلاع دی کہ تم آج ظہر کی نماز اپنے گھر

میں بجالاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا جیسا کہ حضورؑ نے لکھا تھا۔ جعفری نے یہ بھی کہا ہے کہ میں بہت تنگدست تھا ارادہ ہوا کہ کچھ دینار بذریعہ خط مانگوں مگر از راہِ شرم لکھ نہ سکا۔ لیکن جیسے ہی میں اپنے گھر پہنچا امامؑ نے میرے لئے ایک سو اشرفیاں بھیجیں اور پرچہ میں لکھا کہ جب ضرورتمند ہوتے ہو تو شرمایا نہ کرو۔ بلکہ طلب کیا کرو۔ اپنی ضرورتوں میں ہمیں کافی پاؤ گے۔ انشاء اللہ۔

قارئین کرام آپ کے سامنے کتاب کافی ہو یا نہ ہو مگر ہم ظفری ترجمہ والی کافی اور دو ایران میں طبع شدہ کافیوں کے ایک ایک لفظ اور ہر ایک حدیث میں سے تلاش کرتے گذر رہے ہیں مگر کہیں نہ تو حضرت ابو عمرو عثمان بن سعید عمری رضی اللہ عنہ کا ذکر ملتا ہے۔ نہ ان کے بیٹے حضرت ابو جعفر محمد بن عثمان رضی اللہ عنہ کا نام و نشان پایا جاتا ہے۔ نظامِ غیبت برسرِکار رہے۔ کام ہو رہا ہے۔ خط و کتابت جاری ہے۔ ترسیل اموال ہو رہی ہے۔ لیکن مجتہدین کے نائبوں کو کوئی بھی کام سپرد کیا ہوا نہیں ملتا۔ بہرحال تلاش کیجئے۔ جوئندہ یابندہ۔ دُنیا برامید قائم۔

6۔ بارہویں حدیث میں جناب اقرع خط کے ذریعہ امامؑ سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ آیا امام معصومؑ کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ اور دل میں یہ سوچا کہ احتلام تو ایک شیطانی صورت حال ہے۔ یقیناً امامؑ اس سے محفوظ ہوں گے۔ مجھے خط سے جواب دیا کہ آئمہ معصومینؑ کا سوتے ہوئے بھی وہی حال برقرار رہتا ہے۔ جو جاگتے ہوئے بیداری میں ہوتا ہے۔ نیندان کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کرتی۔ اور وہ جو تمہارے قلب میں گذرا صحیح ہے۔ اولیاء اللہ پر شیطان کسی حال میں اثر انداز نہیں ہوتا''۔ (جلد اول صفحہ 638)

یہاں علامہ محمد حسین ڈھکو کے بھائی بند اور ہم مذہب اور مقلدین بتائیں کہ معصومینؑ کا جسم و قلب و ذہن اگر اُسی مٹی سے بنا ہے؟ اگر اسی قسم کے نطفہ سے تیار ہوا ہے؟ اگر ماں کے پیٹ میں اسی حیض کے خون سے ان کا گوشت پوست تیار ہوا ہے؟ تو پھر ان کا سونا اور جاگنا کیسے برابر ہو گیا ہے؟ کیا کوئی کمپیوٹرفٹ کیا ہوا تھا؟ بہرحال نواب صاحبان کہیں نہیں ملتے۔ وہ بیچارے اس قابل بھی نہیں کہ احتلام کا مسئلہ بتا سکیں۔

7۔ تیرہویں حدیث میں حسن بن ظریف کہتے ہیں کہ میرے دل میں دو سوال الجھ کر رہ گئے۔ میں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے خط میں دریافت کیا کہ۔

1۔ امامؑ آخر الزمان اپنے عہد امامت میں اپنے سامنے آنے والے مقدمات کے فیصلے صادر کرنے میں کیا اصول اختیار فرمائیں گے؟ اور۔

2۔ ان کی عدالت انسانی آبادی میں کس جگہ ہوگی؟ یعنی مرکز کہاں رہے گا؟ اور ارادہ یہ بھی تھا کہ چوتھے روز باری کے بخار کا علاج بھی معلوم کروں گا۔ مگر لکھتے وقت بھول گیا۔ اور خط بھیج دیا۔ جواب میں خط آیا کہ حضورؑ قائم آل محمدؑ حضرت داؤدؑ کی

طرح فیصلے فرمایا کریں گے۔ ان کو گواہوں کی احتیاج اٹھادینا پڑے گی۔ اور ہاں تم چوتھیّا بخار کا علاج پوچھنا بھول گئے تھے اس کا علاج یہ ہے کہ ایک پرچہ پر لکھو یا نار کونی برداً وسلاما علیٰ ابراھیمؑ اِنشاءاللہ صحت ہوجائے گی۔ چنانچہ میں نے مریض کے گلے میں وہ تعویذ ڈالا تو تندرست ہوگیا‘‘۔ (جلد اول صفحہ 639-638)

قارئین کرام اس میں وہ بات دیکھیں جو مترجمین اور شارحین نے نظر انداز کردی ہے۔ یعنی امام علیہ السلام نے ایک سوال کا جواب غائب کرلیا۔ یا حسن بن ظریف نے یہ راز نہ کھولا کہ امام غائب علیہ السلام کی عدالت و مرکز کہاں رہے گا؟ علامہ محمد حسین ڈھکو ٹائپ کے شیعوں کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ امامؑ سینکڑوں میل دور بیٹھے ہوئے کس طرح ہر شخص کے دل میں گذرنے والے خیالات تک پر مطلع ہوتے ہیں؟۔

8۔ سولہویں حدیث میں کہا گیا ہے کہ جب خلیفہ مھتدی نے (یعنی محمد بن واثق بن معتصم جس کی بیعت خلافت 255ھ میں ہوئی تھی) ترکی غلاموں کو قتل کرانے کی مہم شروع کی اور اس کی ساری توجہ ادھر ہی لگ کر رہ گئی تو احمد بن محمد نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو لکھا کہ اللہ کا شکر ہے۔ کہ مھتدی ہماری طرف سے غافل ہو کر اُدھر الجھ گیا ہے۔ اور مجھے یہ خبر بھی ملی ہے کہ مھتدی نے آپ کو یہ دھمکی دی ہے کہ اس نے قسمیہ کہا ہے کہ وہ ہمارے لوگوں کو نئی روشن خیال آبادیوں سے جلاوطن کر کے چھوڑے گا۔ لہٰذا امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے اپنے ہاتھ سے لکھا کہ اے احمد بن محمد مھتدی کا یہ کہنا اس کی عمر کو منقطع کردے گا۔ تم آج سے پانچ دن شمار کرو۔ چھٹے روز وہ نہایت ذلت اور بے بسی کے عالم میں قتل کردیا جائے گا۔ چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا (یعنی ترکی غلاموں نے پہلے اس کے سردار اور معتمد صالح بن وصیف کو قتل کیا اور اس کا سر کاٹ کر خلیفہ مھتدی کے دروازے پر لٹکا دیا۔ پھر خلیفہ کو تہہ تیغ کردیا)۔ (جلد اول صفحہ 640)

(نوٹ) ہم ایک بہت بُری بات ظاہر کرنے پر مجبور ہوگئے

علامہ ظفر حسن صاحب نے کافی کا یہ ترجمہ کر کے ایک ایسا کام کیا تھا۔ جو مجتہدین کی قدیم پالیسی کے خلاف تھا۔ وہ نہیں چاہتے کہ مومنین مذہب شیعہ کی اہم ترین عربی کتابوں سے واقف ہوجائیں۔ تاکہ مجتہدین کا خودساختہ شیعہ مذہب برقرار رہے۔ گو ظفر صاحب کی تمام تصنیفات تجارتی اصول اور منافع اندوزی کے لئے مارکیٹ میں آئی ہیں۔ بہرحال ان سے پبلک کو کچھ نہ کچھ فائدہ بھی پہنچا ہے۔ اور اب ہمارے لئے بھی کافی کا حوالہ دے کر قارئین کو ادھر متوجہ کرنا سہل ہوگیا ہے۔ یعنی ہمیں بھی فائدہ پہنچا ہے۔ اس لئے ہم اس ترجمہ کے متعلق خاموشی سے گذر جانا چاہتے تھے۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے ہمیں یہ یقین ہوگیا کہ قارئین جب ہمارے ان مندرجہ بالا تراجم اور مفاہیم کو ظفری ترجمہ سے مقابلہ کر کے پڑھیں گے تو وہ ہماری ترجمانی اور تفہیم کو غلط سمجھیں گے۔ اس گنجلک کو رفع کرنے کے لئے ہمیں بلا تفصیلی تبصرہ کئے دو ایک بنیادی باتیں بتانا ہیں۔ اور یہ کہ ظفر صاحب نے

مصلحتاً یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے کافی کے کون سے قدیم نسخے سے اپنی اس کافی کی عربی اور حدیث کا متن نقل کیا ہے۔ پھر انہوں نے ہر جگہ دو قسم کی بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں۔ بعض جگہ انہوں نے نہ عربی عبارت پوری لکھی نہ بیچارے اُس رہ جانے والے جملے کا ترجمہ ہی کر سکے اور بعض مقامات پر عربی عبارت تو لکھ دی اور صحیح لکھ دی مگر ترجمہ قطعاً غلط کر دیا۔ اور بعض مقامات پر حدیث کا منشا الٹ کر لکھ دیا۔ اور اپنی طرف سے اردو میں ایسے جملے لکھ گئے جو عربی عبارات میں موجود نہیں ہیں۔ اور یہ عمل در آمد تو ان کا از اول تا آخر مستقل ہے کہ انہوں نے راویوں کے سلسلے کو ہر حدیث میں ترک کر کے محض ایک راوی کا نام لکھ دیا۔ اور نام بھی مثلاً یزید کی جگہ زید لکھ گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں سے انہوں نے عربی نقل کی ہے وہاں راویوں کا سلسلہ ہر جگہ پہلے ہی سے موجود نہ تھا۔ ایک نام تھا۔ جسے انہوں نے نقل کر دیا ہم اپنے ترجمہ کی حفاظت تک محدود رہیں گے۔ اس لئے دو تین مثالیں لکھے دیتے ہیں۔ تا کہ قاری ہمیں غلط بھی نہ کہیں اور ظفری ترجمہ خریدنے سے بھی نہ رک جائیں۔

<u>مثال اوّل</u> مندرجہ بالا حدیث سولہ ہی کو دیکھ لیں۔ وہاں عربی عبارت میں۔ ''شیعیان علیؑ''۔ تو کہاں لفظ شیعہ بھی نہیں ہے۔ وہاں لے دے کر عربی کا یہ جملہ ہے کہ:۔ حِیۡنَ اُخِـــذَالۡـمُـھۡـتَـدِیۡ فِـیۡ قَتۡلِ الۡمَوَالِیۡ ۔ جس کا لفظی **(WORD BY WORD)** ترجمہ یہ ہے کہ:۔ ''جب مہتدی نے موالیوں کا قتل کرنا اختیار کر لیا''۔ یہاں علامہ نے یہ سمجھا اور خود اپنے ذہن سے سمجھا کہ مہتدی نے شیعیانِ علیؑ کے قتل کی مہم شروع کر دی۔ یعنی لفظ موالی سے انہوں نے شیعیان علیؑ سمجھ لیا اور لفظ قتل سے یہ سمجھا کہ مہتدی اور کسی کو قتل کرا ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا کسی خلیفہ کا نام آئے اور قتل یا قتل عام کا ذکر بھی ہو رہا ہو وہاں یہی سمجھنا حق ہے کہ ہو نہ ہو یہ شیعیانِ علیؑ کا قتل ہے۔ یہ تاریخ سے ناواقفیت اور مجتہدین کی پیدا کردہ ذہنیت کا نتیجہ تھا۔ جو بھائی صاحب کے دماغ سے اُبھرا۔ اور کافی کے ترجمہ میں شامل ہو گیا۔ حالانکہ اگلا جملہ مولوی صاحب کو ہوشیار و خبر دار کرنے کے لئے کافی تھا۔ یعنی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ﴿یَاسَیِّدِی اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ الَّذِیۡ شَغَلَهٗ عَنَّا﴾ اور ظفر صاحب نے اس جملہ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ۔ ''خدا کا شکر ہے (کہ ترکوں کے خروج کی وجہ سے) اُس کی توجہ ہمارے قتل کی طرف سے ہٹ گئی''۔ یہ جملہ جو ہم نے بریکٹ میں کر دیا ہے۔ ایجادِ بندہ ہے۔ عربی عبارت میں نہیں ہے۔ ترکوں کے لئے عربی میں لفظ اتراک ہونا چاہئے تھا۔ خروج اور وجہ خود عربی کے الفاظ ہیں اور حدیث میں نہ اتراک ہے نہ خروج لفظ ہے۔ نہ کہیں وجہ موجود ہے۔ اب یہ سوچیے کہ مہتدی شیعیان علیؑ کو قتل کرا رہا ہے۔ ایک مہم ہے جو جاری ہے۔ دھڑا دھڑ شیعہ قتل ہو رہے ہیں۔ اور ظفر صاحب کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ وہ شیعوں کے قتل عام کی وجہ سے ان کی طرف سے غافل ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کا شکر ادا کرنے والا ہرگز شیعہ نہیں ہے۔ نہ وہ امام کو شیعہ سمجھتا ہے۔ نہ انہیں شیعوں کے قتل عام پر رنجیدہ ہونے والا خیال کرتا ہے۔ اور وہ اپنی حفاظت پر خوش ہیں۔

<u>اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّااِلَیۡهِ رَاجِعُوۡن</u> ۔ اب قارئین ہمارے ترجمہ کو غلط نہ کہیں گے۔

مثال دوم۔ آپ ہماری پیش کردہ دسویں (نمبر۱۰) حدیث کی عربی اور اردو ظفری ترجمہ کے صفحہ 638 پر پڑھیں۔ وہاں کی عربی اور اردو ترجمہ ہم لکھتے ہیں۔ حدیث کا جملہ یہ ہے کہ:۔(فَلَمَّا صِرُتَ اِلٰی مَنُزِلِی وَجَّهُ اِلَیَّ بِمِائَةِ دِیُنَارٍ وَ کَتَبَ اِلَیَّ اِذَا کَانَتُ لَکَ حَاجَةٌ فَلا تَسُتَحِیُ وَلا تَحُتَشِمُ وَاطُلِبُهَا فَاِنَّکَ تَرَیٰ مَاتَحَبُّ اِن شَاءَ اللّٰه)اس کا صحیح ترجمہ تو آپ نے ہمارے یہاں دیکھ لیا۔ اب ظفری ترجمہ دیکھیں لکھتے ہیں کہ:۔

۔''جب میں اپنے گھر آیا۔ تو حضرتؑ تشریف لائے اور سو دینار دے کر فرمایا کہ حیا اور رنج نہ کرو جب ضرورت ہوا کرے مانگ لیا کرو انشاءاللہ تمہیں مل جایا کرے گا''۔

اس ترجمہ میں۔''حضرت تشریف لائے''۔ کیسے اور کہاں سے لایا گیا؟ ہم سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ پھر جملہ کَتَبَ اِلَیَّ (لکھا میری طرف) چھوٹے چھوٹے بچے سمجھتے ہیں۔ مولٰنا کی سمجھ میں کیوں نہ آیا؟ میرے فہم کی رسائی سے بہر حال باہر ہے۔ شاید اولین مجتہد کی نوازش ہوئی ہو؟۔

مثال سوم۔ ہم نے جناب امام علی نقی علیہ السلام سے بات شروع کی ہے۔ اور زیرعنوان سلسلہ کی پہلی حدیث پوری کی پوری لکھ دی ہے۔ اس حدیث کو ظفری کافی کے صفحہ 625 اور صفحہ 626 پر ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ وہاں صفحہ 626 پر حدیث کی عبارت میں یہ جملہ موجود ہے کہ:۔'' فَلَمَّا شَخَص مُحَمَّدُ بُنُ الُفَرَجِ اِلَی الُعَسُکَرِ کتبَ اِلَیُهِ بِرَدِّ ضِیَاعِهِ ''(یعنی جب محمدؒ بن فرج کو سامرہ میں طلب کیا گیا تو اسے اس کی املاک کی واپسی کا حکم نامہ صادر کیا جا چکا تھا) یہ ترجمہ ظفر صاحب نے نہیں لکھا۔ ایک دم۔''مَاتَ قَبُلِ ذٰلِکَ ''۔ پر چھلانگ لگادی۔''اور وہ اس سے پہلے ہی مر گیا''۔ لکھ کر فارغ ہوگئے۔ اگلے جملہ میں لفظ یَسُاَلُهُ حدیث سے ساقط کر کے ترجمہ درخواست کرنا لکھ دیا۔ بس جناب اس سے زیادہ روشنی ڈالنے سے ظفر صاحب کا ترجمہ خطرہ میں پڑ جائے گا۔ یہی حال نہج البلاغہ اور قرآن کریم کے تراجم کا ہے۔ اور جب تک ہمارے تراجم پبلک کے ہاتھوں تک نہ پہنچ جائیں ہم عوام کو معذور سمجھتے ہیں۔ اور ہماری عزلت گزینی اور پلیٹ فارم پر عدم موجودگی کی بنا پر پبلک ہم سے ناواقف ہے۔ یہ بھی ان کی خطا نہیں ہے۔ اور ناواقفیت ہی اس کا سبب ہے کہ وہ ہماری تصنیفات کی نشر و اشاعت پر متوجہ نہیں ہے۔ اور چونکہ ہم چندہ مانگنے اور دستِ سوال دراز کرنے میں تکلف کرتے رہے ہیں۔ یوں بھی عوام معذور ہیں۔ اور ہم بھی معذور ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے سرکار حجۃ امام عصر والزمان علیہ السلام کس کا عذر قبول فرماتے ہیں؟ آیئے ہم دونوں انتظار کریں۔ .... ☆اِنۡتَظِرُوۡا وَنَحۡنُ مَعَکُمۡ مِنَ الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ ☆ ....

9۔ محمدؒ بن حسنؒ بن شمعون نے بتایا کہ میں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے خط میں درخواست کی کہ میری آنکھوں کے درد کو دور کرنے کے لئے دعا فرمائیں۔ میری ایک آنکھ تو پہلے ہی ختم ہو چکی ہے۔ اور جو ایک باقی ہے وہ بھی اس درد کی وجہ سے

جانے کی تیاری میں ہے۔ مجھے سرکارؑ نے جواب میں لکھا کہ اللہ نے تیری آنکھ کو محفوظ کر دیا ہے۔ چنانچہ میری وہ آنکھ درست ہوگئی۔ اورخط کے آخر میں یہ بھی لکھا تھا کہ خدا تمھیں نیک اجر وثواب عطا کرے۔اس جملے سے میں غمگین ہوگیا اورمیرے خاندان میں کوئی موت بھی نہ ہوئی تھی کہ یہ جملہ موزوں ہوجاتا۔مگر چندروز کے بعدمیرے بیٹے طیّب کے مرنے کی مجھے اطلاع پہنچی تب میں سمجھا کہ وہ جملہ تعزیت اورتسلی کے لئے لکھا تھا''۔(جلداول صفحہ 640 صفحہ 641)

قارئین بھول نہ جائیں کہ ہم حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی زندگی کے حالات میں مسلسل ہر حدیث کی تلاشی اس لئے لیتے ہوئے گذر رہے ہیں کہ کہیں ہمیں یہ پتہ لگے کہ جن دوحضرات کوامامؑ کا خاص نواب مشہور کرنے کی سرتوڑ کوشش ایک ہزار سال سے جاری ہےاورجن کے نام شیعوں کورٹا کر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔اورجنہیں بعض اجتہادی کارندوں نے معصوؑم تک بنانے کی کوشش کی ہے۔اورجن میں کوئی بھی تلوار یا زہر سے شہید نہیں ہوا۔ بلکہ اپنی فطری موت مرا ہے۔ان کوآج زندہ جاوید لکھا جارہا ہے۔اورآج بھی انہیں زندہ سمجھ کران کی معرفت امامؑ عصر کوعریضے اوردرخواستیں بھجوائی جارہی ہیں۔کیاوہ اپنی زندگی میں کبھی کہیں نائب کی حیثیت سے مذکور ہیں؟ کبھی کوئی خط کسی امؑام کو یا کسی امؑام سے کسی اورکوان کی معرفت پہنچنا لکھا ہوا ہے؟ اورتاکہ شاید یہی پتہ چل جائے کہ وہ کون سا مغالطہ تھا۔جس کی آڑ لے کران غریبوں کوخواہ مخواہ نیابت کے جھنڈے پر چڑھا دیا ہے۔اوراگر وہ ان تینوں آئمہؑ (دسویں،گیارہویں اور بارہویں) کے اِن زیر تفتیش عملی زندگی کے بیانات میں نہیں ملتے تو قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ یہ ایک ڈھونگ تھا۔جومجتہدین نے اپنا سلسلہ جوڑنے کے لئے رچایا تھااس کے بعد:۔

10۔اٹھارہویں حدیث بتاتی ہے۔کہ عمر بن مسلم کہتے ہیں کہ مصر کی جماعت میں سے ایک شخص بنام سیف بن لیث سرمن رائے میں ہمارے پاس آیا۔تاکہ وہ خلیفہ مھتدی سےاس کے ایک اہلکار کی شکایت کرے جس نے سیف بن لیث کی زمین چھین لی تھی اوراسے بے دخل کردیا تھا۔ہم نے اسے اشارہ کیا کہ تم خلیفہ کے بجائے حضرت امام حسنؑ عسکری کوشکایت کا خط لکھو اوردرخواست کروکہ اس مشکل کوحل فرمادیں۔ چنانچہ اس نے جیسے بتایا تھا خط لکھا۔اسے امامؑ نے بذریعہ خط اطلاع فرمائی کہ کوئی ڈر کی بات نہیں ہے۔تمہاری چھینی ہوئی زمین تمہیں واپس مل جائے گی۔خلیفہ کے پاس مت جاؤ بلکہ تم اس وکیل سے جاکرملو جو اس علاقہ کی زمینوں کا انتظام کرتا ہے۔اوراسے اس حاکمِ حقیقی اللہ سے ڈرنے کی تاکید کردواوربس تمہارا کام ہوگیا۔چنانچہ سیف بن لیث متعلقہ افسر سے ملاتو اس افسر نے بتایا کہ بھائی تمہارے مصر سے نکلتے ہی مجھے لکھا گیا کہ میں تمہیں تلاش کرکے تمہاری زمین تمہیں واپس کردوں۔ چنانچہ اس افسر نے قاضی ابوالشوراب کا باقاعدہ حکم صادر کرایا گواھیاں ثابت کراکے وہ زمین سیف بن لیث کو باقاعدہ واپس کی اوراسے خلیفہ مھتدی کے پاس جانے اورفریاد کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔پھروہی سیف بن لیث کہتا تھا کہ جب میں مصر سے چلا تھاتو میرا بڑا بیٹا میری جگہ اہل خانہ کا ذمہ داراورمیرا جانشین تھا۔اوراس سے چھوٹا بیٹا بیمار تھا۔

میں نے امامؑ کو خط میں بیمار بچہ کے لئے دعا کرنے کی درخواست بھی کی تھی۔ تو خط کے جواب میں مجھے لکھا گیا کہ تمہارا چھوٹا بیٹا بالکل تندرست اور محفوظ ہو گیا ہے۔ مگر بڑے بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے۔ جو تمہارا وصی اور قائم مقام تھا۔ تمہیں ہائے واویلا نہ کرنا چاہیئے تاکہ تمہارا اجر ضائع نہ ہو۔ جس دن مجھے یہ خط ملا اسی دن فوتیدگی کی اطلاع بھی مجھے مل گئی''۔ (جلد اول صفحہ 641)

قارئین کرام ہمارے آئمہ علیہم السلام کے خفیہ یا نظام غیبت کا اثر ونفوذ دیکھیں اور سوچیں کہ آئمہؑ کی وہ تصویر جو مجتہدین نے شیعوں کو دکھائی ہے۔ کتنی غلط اور بے بسی و بے کسی کی ہے۔ اور ان مکاروں نے کبھی شیعوں کو یہ نہ بتایا کہ اُسی نظام غیبت کو مستقلاً اور لامحدود اور بے پناہ طریقہ پر چلانے کے لئے غیبت کبریٰ کا اعلان ہوا تھا۔ اور یہ کہ آج بھی ضرورت ہے کہ تم اس نظام غیبت پر نہ صرف یہ کہ ایمان لاؤ بلکہ وہ معاہدہ پورا کرو جو تم سے لیا گیا تھا۔ اس بیعت کا حق ادا کرو جس کا دہرانا ہر روز تم پر واجب ہے۔ (اس کتاب میں اس کی بھی تفصیل آئے گی۔)

11۔ وکیل وسفیر کی پوزیشن اور رہنے وکام کرنے کی جگہ؟

وہ لوگ غور کریں جو مجتہد کے بہکانے سے یہ سمجھنے لگے ہیں کہ امام معصومؑ جسے بھی اپنا وکیل یا نمائندہ یا سفیر بنائے گا۔ وہ معصوم ومقدس ضرور ہوگا۔ آیئے اور دیکھئے کہ مجتہد نے سراسر فریب دیا ہے۔ چنانچہ انیسویں (۱۹) حدیث بتاتی ہے کہ (ظفری ترجمہ)

۔''راوی کہتا ہے کہ مجھ سے یحییٰ بن قشیری نے قریہ قیر میں بیان کیا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کا ایک وکیل تھا۔ جسے آپؑ نے اپنے مکان کے ایک حجرہ میں جگہ دی تھی۔ اور اس کے ساتھ اپنے ایک سفید فام غلام کو رکھ دیا تھا۔ وکیل نے غلام سے بدکاری کرنا چاہی۔ اس نے اس شرط سے قبول کیا کہ وہ اس کے لئے شراب مہیا کرے۔ وکیل نے شراب کو حاصل کیا اور غلام سے اپنا منہ کالا کیا۔ اس کے اور امام علیہ السلام کے درمیان تین دروازے مقفل تھے۔ وکیل نے بیان کیا کہ میں اپنی غلطی پر آگاہ ہوا۔ ناگاہ دروازے کھلے اور حضرتؑ تشریف لائے۔

کان لابی محمد علیه السلام وکیل قد اتخذ معه فی الدار حجرة یکون فیها معه خادم ابیض فاراد الوکیل الخادم علی نفسهٖ فابی الا ان یاتیه نبیذ فاحتال له نبیذ، ثم ادخله علیه وبینه وبین ابی محمدؐ ثلاثة ابواب مغلقة، قال: فحدثنی الوکیل قال: انی لمنتبه اذا انا بالابواب تفتح حتّٰی جآء بنفسهٖ فوقف علی باب الحجرة ثم قال: یا هؤلآءِ اتقوا اللّٰه خافوا اللّٰه فلما اصبحنا أمر ببیع الخادم واخراجی من الدار (جلد اول صفحہ ۶۴۱، صفحہ ۶۴۲ ظفری ترجمہ)

اور دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو تم خدا سے ڈرو اور پرہیزگار بنو۔ جب صبح ہوئی تو حضرتؐ نے غلام کو فروخت کرنے کا حکم دیا اور مجھے گھر سے نکال دیا''۔ (جلد اول صفحہ 641-642)

مولانا ظفر صاحب آج تو بہت ضعیف وکمزور ہیں لیکن جب وہ (1960ء) میں یہ ترجمہ کر رہے تھے۔ اس وقت بھی

جوان نہ تھے بُڈھے تھے۔مگر ترجمہ میں جوانی جھلکتی ہے۔عربی عبارت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے وہ مطلب برآمد ہو جائے جو مولٰنا نے سمجھ لیا ہے۔اوراگر واقعی امام علیہ السلام اس حادثہ کو گذر جانے کا انتظار فرماتے رہے۔تو آدھی رات کو تین دروازوں میں سے گذر کر آنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔بقول ظفر صاحب منہ کالا کرہی چکے تھے تو صبح کو دونوں کو نکال دیتے۔ حدیث میں امام علیہ السلام کا محیّر العقول طریقہ پر پہنچنا اور مقفل دروازوں کا کھلتے چلا جانا اور حضورؑ کا اُس فعلِ قبیح پر مطلع ہو چکنا ظفر صاحب مانتے ہیں۔لیکن ہم یہ کیسے مانیں کہ ایسی خطرناک اطلاع کے ہوتے ہوئے امامؑ نے یہ موقعہ دیا کہ وہ اپنا منہ کالا کر لیں تو معجزہ دکھاؤں؟ بہر حال علامہ علامہ ہیں۔حدیث کے واضح الفاظ یہ ہیں کہ ''ثُمَّ اَدْخَلَهُ عَلَيْهِ''۔ پھر وکیل اُس غلام کے پاس حجرہ میں شراب لے کر پہنچا۔اور اس کے بعد کہا کہ میرے اور امامؑ کے درمیان تین دروازے بند تھے کہ۔ ''اِذَا اَنَا بِالْاَ ابْوَابِ تُفْتَح''۔ میں نے دیکھا کہ تینوں دروازے کھل گئے ہیں اور امامؑ بنفسِ نفیس آ گئے اور ہمیں خوف خدا وتقویٰ کا حکم دیا۔حالانکہ اس فعلِ قبیح کے وقوع میں آ جانے کے بعد دونوں کو گرفتار کرنا اور ان پر شرعی حد جاری کرنے کا حکم نافذ کرنا لازم تھا۔امامؑ کا اب تقویٰ اور پرہیز گاری اور خوفِ خدا کا حکم دینا جرم کو ختم نہیں کرتا۔ایسے جرم پر غلام کو فروخت کر دینا اور وکیل کو گھر سے نکال دینا تو کوئی سزا نہیں ہے۔نہ آئندہ اُن کے نیک چلن ہونے کی گارنٹی بنتا ہے۔بہر حال حدیث کے الفاظ ہی مولانا کے ذوقِ علم کے خلاف نہیں۔بلکہ فطری صورتحال بھی ان کے خلاف ہے۔ان دونوں میں نہ جانے کتنا عرصہ یہ معاملہ زیر بحث ہوگا۔وہ دونوں سوچ سمجھ کر اس معاملہ میں رضامند ہوتے ہیں۔وکیل صاحب جس شب میں شراب فراہم کرتے ہیں۔اس روز دونوں مطمئن ہیں۔کسی کا خطرہ نہیں ہے۔وہ مولانا ڈھکو صاحب کی طرح اس پر یقین نہیں رکھتے کہ امام تین بند دروازوں اور کمروں کے آر پار دیکھ سکتے ہیں۔لہٰذا وہ مولانا کی طرح مطمئن اور پوری طرح لطف اندوزی کا اہتمام کرتے ہیں۔کوئی عجلت نہیں۔گھبراہٹ نہیں کئی دن سے سوچی سمجھی اسکیم ہے۔جناب وکیل صاحب شراب لیکر حجرہ میں داخل ہوتے ہیں۔ابھی تو اس غلام نے یا دونوں نے شراب پینا ہے اور جب نشہ وسرور ایک کو یا دونوں کو مست کر دے گا۔تب جا کر کہیں وہ کام ہوگا جو مولانا ظفر حسن صاحب کے ذہن میں تھا۔لیکن ہوا یہ کہ جیسے ہی نبیذ یا شراب لے کر وکیل داخل ہوا (فَاحْتَالَ لَهُ نَبِيْذٍ) اور اس غلام کے لئے نبیذ لایا اور (اَدْخَلَ) اور داخل کیا (اس مذکر وکیل نے) ہُ (اس مذکر نبیذ کو) حجرہ میں (عَلَيْهِ) سامنے اس مذکر غلام کے۔ یہاں سے جو کام پہلے ہونا چاہئے تھا وہ یہ ہے کہ غلام شراب کو دیکھے پسند کرے اور پیئے۔لیکن نبیذ لیکر داخل ہوتے ہی وکیل صاحب کو کسی طرح تین دروازوں کی طرف انتباہ ہوتا ہے۔اور ابھی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ دروازوں کی آہٹ ہے یا کیا ہے۔کہ دروازے چوپٹ کھل گئے اور امام حسن عسکری علیہ السلام سامنے تھے۔اور ظاہر ہے کہ وکیل ابھی اپنے حجرہ کے دروازہ ہی کے پاس کھڑا تھا۔ورنہ وہ نہ دروازوں کا کھلنا دیکھ سکتا تھا۔نہ اسے اندر سے امامؑ نظر آتے۔جیسا کہ حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ غلام نے

بھی دروازوں کا کھلنا اور امامؑ کا تشریف لانا دیکھا تھا۔ وجہ ظاہر ہے کہ وکیل شب کی تاریکی میں شراب لینے کے لئے گیا اور نہ معلوم کتنی دیر میں واپس آیا۔ ہوسکتا ہے کہ غلام نوجوانی کی نیند سو چکا ہو۔ اور ابھی وکیل اسے بیدار کرنے، شراب دکھانے اور پلانے کی تمہید ہی میں چوکنا اور خیالات میں گھرا ہوا ہو کہ اچانک رات کے سناٹے میں دروازوں کی جنبش نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے پر مجبور کیا تو دیکھا کہ وہ ہستی سامنے ہے۔ جسے دیکھ کر ابلیس بھی بھاگ جاتا ہے۔ اس صورت حال میں امامؑ نے جو نصیحت کی وہ کافی ہی نہیں بلکہ ڈوب کر مر جانے پر آمادہ کرنے والی تھی۔ آپ واپس تشریف لے گئے صبح کو انہیں رخصت کر دیا۔ مگر مولانا نے تو چٹ روٹی اور پٹ لڑکا والی بات کر دی۔ غالباً مولانا نے **ثم ادخله** سے کوئی اور چیز داخل کرنا سمجھ کر مغالطہ کھایا ہے۔ اور گھبراہٹ میں نبیذ کو اور مذکر و مؤنث کو بھلا بیٹھے۔ قارئین پڑھیں **وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالصَّوَاب**۔

قارئین اس حدیث سے ثابت ہے کہ آئمہ علیہم السلام کے صحابہ اور وکلا و نائبین و سفرا وغیرہ معصومؑ نہیں ہوتے۔ ان سے غلطیاں اور کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں اور ہوسکتی ہیں۔ ان کو بہکایا جاسکتا ہے۔ دھوکا اور فریب دیا جاسکتا ہے۔ وہ عمداً گناہ کر سکتے ہیں۔ دوسروں کے ہاتھوں بِک سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم چہاردہ معصومینؑ اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کے تیار کردہ اور مشخص شدہ عصمتِ صغریٰ کے حامل معصومین مثلاً جناب زینبؑ، حضرت عباسؑ اور جناب علیؑ اکبر وغیرھم کے اور کسی کو نہ تنقید سے ارفع و اعلیٰ سمجھتے ہیں نہ خطا و لغزش سے منزّہ و معصوم مانتے ہیں۔ اور صرف لیبل لگانے یا پروپیگنڈے سے مشہور ہو جانے کو کوئی مقام نہیں دیتے ہیں۔ کام دیکھتے ہیں۔ معصومؑ کی سند اور تصدیق حاصل کرتے ہیں۔ تب جا کر کسی کا کوئی مقام مانتے ہیں۔ یہ تاریخیں یہ تفسیریں وغیرہ سب حکومت کے احکام سے اور ان کی سرپرستی میں ان کے اپنے تنخواہ دار لوگوں اور بکے ہوئے اہل قلم نے تیار کی ہیں۔ ان کی وہ بات بلا ثبوت اور بلا تکلف مانتے ہیں۔ جو خود ان کے خلاف ہو ورنہ غیر جانبدار گواہ مانگتے ہیں۔ کلام اللہ اور کلام معصومؑ پر جانچتے ہیں۔ تب کہیں تسلیم کرتے ہیں۔

دوسری بات جو زیرِ قلم حدیث میں ثابت ہے۔ وہ یہ ہے کہ وکیل ہو یا امام علیہ السلام کا نائب خاص ہو۔ اس کو امامؑ سے قریب ترین جگہ پر ہونا چاہئے خواہ وہ مذکورہ بالا قسم ہی کا گھٹیا شخص کیوں نہ ہو۔ اور ہم یہی تلاش کر رہے ہیں کہ کہیں جناب عثمان بن سعید یا محمدؒ بن عثمان یا دونوں کا امامؑ کے آس پاس رہنا مل جائے یا کم از کم کسی کام میں حصہ لینا ہی معلوم ہو جائے۔

12۔ محمدؒ بن حُجر نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو خط میں عبدالعزیز بن دلف اور یزید بن عبداللہ کے مظالم کی شکایت لکھی تو امامؑ نے خط میں جواب لکھا کہ عبدالعزیز توفِٹ (FIT) کر دیا جائے گا۔ مگر یزید بن عبداللہ کا معاملہ اللہ کے سامنے پیش ہو کر رہنا ہے۔ چنانچہ عبدالعزیز تو مر کر راہ سے ہٹ گیا۔ لیکن یزید نے محمدؒ بن حجر کو قتل کر دیا''۔ (حدیث نمبر 25 جلد اول صفحہ 644)

13۔امامؑ کی تحریر کا شناخت کرنا لازم، تاکہ کوئی دھوکہ نہ دے سکے

ستائیسویں(27)حدیث حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے سوانح حیات پر آخری حدیث ہے۔اس میں یہ ذکر ہے کہ:۔''احمد بن اسحاق امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضورؑ آپ میرے سامنے کچھ لکھ کر دکھائیں تاکہ میں آپ کو لکھتے ہوئے خود دیکھوں اور آئندہ آپ کی تحریروں کو شناخت کرسکوں۔فرمایا کہ اے احمد موٹے قلم سے لکھا ہوا اور باریک قلم سے لکھا ہوا آپس میں مختلف نظر آسکتا ہے۔چنانچہ شک کو دور کرلو۔پھر حضورؑ نے قلم دوات منگائی اور لکھنا شروع کیا اور کبھی کھینچ کر اور کبھی رواں لکھتے رہے۔میں دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ قلم حضور سے تحفتہً مانگ لوں گا۔جب آپ لکھ کر فارغ ہوئے تو قلم کو صاف کیا اور مجھ سے فرمایا کہ یہ قلم تم لے لو۔(حدیث آگے بڑھتی ہے لیکن ہمارے عنوان سے تعلق ختم ہوگیا ہے''۔ (جلداول صفحہ 645,644)۔

یہاں قارئین یہ نوٹ کریں کہ جب کوئی مجتہد اپنا داؤ مارنے کے لئے امامؑ کے خط کا ذکر کرے تو اس سے یہ پوچھو کہ کیا وہ شخص جس کو امامؑ کا خط ملا تھا۔یا ملتا رہتا تھا۔امامؑ کی تحریر پہچانتا تھا؟ لہٰذا پہلے ایک ایسی حدیث دکھاؤ جس میں امامؑ نے اس شخص کا نام لے کر یہ سند دی ہو کہ فلاں شخص ہمارا رسم الخط پہچانتا ہے۔پس یہ کہتے ہی مجتہد صاحب کی چلتی ہوئی گاڑی کی ہوا نکل جائے گی۔اور پنکچر لگانے کی حاجت ہوجائے گی۔اور کسی اور کو امامؑ کے خط کی شناخت ہو یا نہ ہو مگر جن کو امامؑ کا نائب کہا جائے گا۔ان کے متعلق تو ضروری ہوگا کہ وہ امامؑ کا خط پہچان سکیں اور ساتھ ہی نائب امامؑ کی تحریریں بھی امامؑ کے پورے عملہ کے لئے جانی پہچانی ہونا چاہئیں۔

(د)نظام غیبت کی تکمیل وتطہیر اور حضرت حجۃؑ کی تمہید و تدبیر

اوّل۔یہاں سے امام عصر والزمان قائم آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے اعلان غیبت کبریٰ تک کے حالات کا باب شروع ہوتا ہے۔قارئین نے دیکھ لیا کہ نظامِ غیبت کوئی ایسی نئی چیز نہیں تھی جو اچانک بارہویں امامؑ سے شروع ہوگئی ہو۔یہ نظام واقعہ کربلا کے بعد باقاعدہ برسرکار آیا۔دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا ہوا حضرت امام حسن عسکریؑ تک پہنچا اور یہاں سے ضروری ہوگیا کہ بارہواںؑ راہنما اس نظام کو ایک ایسی صورت عطا کرے کہ جو سابقہ تمام سیاسی ومذہبی لیڈروں کے فہم وتجربہ کی رسائی سے ارفع واعلیٰ ہو۔چنانچہ سابقہ آئمہ علیہم السلام ہی کے زمانہ میں یہ طے پاگیا تھا کہ آخری سربراہِ اسلام سو فیصد مخفی نظام کو لے کر آگے بڑھے گا۔اور سابقہ نظام کو برقرار رکھتے ہوئے اُس کے پس منظر میں چلا جائے گا اور نئے اراکین اور نئی نیابت تیار کرے گا۔سابقہ عملہ کے تمام مشہور اور مجتہدین کے پہچانے ہوئے تمام افراد کو الگ کرنے کا انتظام برسرکار لائے گا۔اور خود روز پیدائش سے کسی مشہور ومعروف فرد کو نظر نہ آئے گا۔چنانچہ جناب امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں یہ بتادیا تھا کہ:۔

۔''یقیناً تم لوگ ان کو ذاتی طور پر نہ دیکھو گے اور نہ تمہارے لئے نام لے کر ان کا تذکرہ کرنا حلال ہوگا۔ یہ سن کر داوٗد بن قاسم نے عرض کیا کہ پھر ان کا ذکر کیسے کیا جائے؟ فرمایا کہ نام کی جگہ حجتؑ آلِ محمدؐ کہا کرو۔اس سے اگلی حدیث میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے

> انکم لا ترون شخصه و لا یحل لکم ذکره باسمه،فقلت فکیف نذکره؟ فقال : قولوا : الحجة من آل محمدؐ صلوات الله علیه وسلامه (ظفری کافی جلد اول صفحہ۳۹۴،۳۹۵)

انتقال کے بعد چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہا کہ جناب ابوعبداللہؓ صالحی صحابی کی معرفت حضرت حجۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اور ملنے کی جگہ معلوم کریں۔تو ابوعبداللہؓ نے یہی سوال دریافت کیا تو انہیں جواب دیا گیا کہ اگر تم ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضورؑ کے نام پر مطلع کردو گے تو وہ اُسے پالیسی کے خلاف ظاہر کردیں گے۔(ان دللتهم علی الاسم اذاعوه وان عرفوا المکان دلوا علیه)(ایضاً جلد اول صفحہ 395) اور اگر ملنے کی جگہ سے متعارف ہوگئے تو حضرتؑ حجۃ پر دلیل قائم کردیں گے''۔ مطلب یہ کہ اے ابوعبداللہؓ تم نہ حضورؑ کا کسی کو نام بتاؤ نہ کسی کو مکان کا پتہ دو۔ یہاں چونکہ راز فاش کرنے کے امکان میں جناب ابوعبداللہؓ صالحی رضی اللہ عنہ کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی نام و مکان دونوں جانتے تھے۔ورنہ جواب یہ ملتا کہ تم نام ظاہر کردو گے اور تم دلیل قائم کرلو گے۔ساتھ ہی یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے۔کہ اگر صالحی کی پوزیشن مخصوص نہ ہوتی تو مذکورہ صحابہؓ ان کے پاس دریافت کے لئے نہ آتے۔ پھر یہ کہ صالحیؒ صاحب نے جہاں سے مندرجہ بالا جواب حاصل کیا۔وہ وہی مکان تھا جہاں سے صحیح جواب مل سکتا تھا۔اور یقیناً وہاں خود سرکار حجۃؑ یا ان کے قائم مقام کو موجود ہونا چاہیے۔لہٰذا یا تو جناب ابوعبداللہؓ خود ہی نائب اور قائم مقام ہیں اور امامؑ سے براہ راست رابطہ رکھتے ہیں یا پھر وہ امامؑ کے قائم مقام سے براہ راست وابستہ ہیں۔لیکن یہاں بھی نہ جناب عثمان بن سعیدؓ کا کہیں ذکر وفکر ہے نہ ان کے بیٹے محمد بن عثمان ہی نظر آتے ہیں۔ بہرحال حضرت حجۃؑ کے نظامِ غیبت کی پیشنگوئیاں،اس کا انتظام،اس پر ہدایات اور رازداری میں برابر شدت بڑھتی چلی آرہی تھی اور طے کردیا گیا تھا۔کہ آنحضرتؑ کو دیکھنا اور آپ سے ملنا تو بڑی بات ہے آپ کا نام لینا اور کسی کو بتانا بھی ناجائز کیا جاچکا تھا۔ایسی صورت میں لازم تھا کہ حضورؑ کا تعارف اور رابطہ صرف ان حضرات سے رہے جو نئے نظام میں برسرکار آئیں گے۔ یہ بات جناب علی نقی علیہ السلام کی مندرجہ بالا حدیث سے ثابت ہے کہ سابقہ نظامِ غیبت کے مشہور و معروف اور آئمہؑ تک رسائی رکھنے والے صحابہؓ سرکار حجتؑ کو براہ راست نہ دیکھ سکیں گے اور نہ وہ آپس میں نام لے کر بات چیت کرسکیں گے۔رہ گئے مذکورہ بالا صحابی جن کو ہم نے نائب امام علیہ السلام سمجھا ہے۔ان کے متعلق جناب علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ:۔

۔''ابوعبداللہ صالحی وہی عبداللہ بن صالح ہے جس کے بارے میں ہم بات کرچکے ہیں اور یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ عبداللہ بن صالح حضرت حجتؑ کے سفیروں میں سے ایک ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ بالا جواب انہیں سفیروں ہی کی وساطت

سے ملا ہو''۔

مگر ہمارا سوال وہی ہے کہ عثمان بن سعیدؓ اوران کے بیٹے محمد بن عثمان بہرحال نہ حضرت حجتؑ کے خاص نائب یا سفیر ہیں نہ ان دونوں کو خاص نائبین وسفراء سے رابطہ حاصل ہے۔ ورنہ یہاں ان کا ذکر ضروری تھا اور چونکہ وہ دونوں حضرات امام حسن عسکری علیہ السلام کے بھی مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کو نہ امامؑ سے نہ نائب امامؑ سے ملنے کی اجازت ہونا چاہئے۔ اور یہ ممانعت خود امام علی نقی علیہ السلام نے مندرجہ بالا حدیث میں کی ہے اور فرمایا کہ ''تم لوگ نہ انہیں دیکھ سکو گے نہ ان کا نام لینا تم پر حلال ہوگا''۔ لہٰذا وہ تمام حضرات جو امام علی نقی علیہ السلام کے صحابہ میں مشہور ومعروف ہوں اوران تک رسائی رکھتے ہوں ملاقاتِ امام عصرؑ سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اوران کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے دیکھا تھا۔ یا وہ حضورؑ سے ملے تھے۔ بلا مخصوص ثبوت کے قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ ممانعت امام معصومؑ نے کی ہے۔ اور ظاہری آئمہ علیہم السلام ہی کا قول درکار ہے ملاقات کے ثبوت میں۔ اور ایسا کوئی معصومؑ قول موجود نہیں ہے۔

> (شرح از مجلسی ره : ابو عبداللّٰه صالحی همان عبد الله بن صالح است که ما در اُو سخن کردیم و این روایت دلالت دارد که از سفراء بوده و ممکنست سوال بتوسط سفراء انجام شده باشد) (کافی شرح محمدؑ باقر الکمرئی جلد۲ صفحہ۱۶۲)

قدیم زمانہ سے رازداری کی تاکید چلی آ رہی تھی

علامہ مجلسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

۔''اُسی کی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان کیا کہ جناب امیر المومنینؑ سے بھی حضرت حجتؑ امام مہدیؑ کے متعلق سوالات ہوتے رہے ہیں۔ پوچھا گیا کہ یا ابنؑ ابیطالبؑ مہدی کا نام کیا ہوگا؟ فرمایا تھا کہ مہدؑی کا نام نہ پوچھو اس لئے کہ مجھے میرے حبیب وخلیل حضرت محمدؐ نے تاکید فرمائی ہے کہ میں بھی مہدیؑ کا نام پھر نہ دہراؤں۔ یہاں تک کہ اللہ ان کو برسرِ عام مبعوث کردے۔ امام مہدؑی کے متعلق تمام معلومات اللہ اور رسولؐ کے علم میں امانت ہیں''۔ علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ نام کو پوشیدہ رکھنے اور رازداری پر بہت سی احادیث موجود ہیں۔

> بسندِ او از جابر از ابی جعفر علیه السلام فرمود از امیرؑ المومنین از مهدی پرسیدند، عرض کرد یا بن ابیطالبؑ بمن بگو نام مهدی چیست؟ فرمود از نامش مپرس۔ زیرا حبیب و خلیلم بمن سفارش کرده نامش را باز نگویم تا خدا او را مبعوث کند وآن را خدا و رسولشؐ در علم خود سپرده است۔ و در این موضوع اخبار بسیارے وارد است۔ پایان نقل از مجلسی ره''۔ (ایضاً شرح کافی محمدؑ باقر جلد۲ صفحہ۱۶۲)

یہاں تک علامہ مجلسی کا بیان نقل کیا گیا ہے‘‘۔(ایضاً صفحہ 162)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے خود بھی فرمایا ہے کہ:۔﴿قال: صاحبٌ هذا الامر لا يسميه باسمه الا كافر﴾

۔’’اِس نظام کے سربراہؑ کو نام لے کر کافر کے سوا کوئی اور نہ پکارے گا‘‘۔**(جلد اول ظفری کافی صفحہ 395)**

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:۔﴿ **فقال لا يرىٰ جسمه و لا يسمى اسمه** ﴾

۔’’نہ اُن کا جسم دیکھا جائے گا۔نہ اُن کا نام پکارا جائے گا‘‘۔(ایضاً ظفری صفحہ395)

اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام عصرؑ کے زمانہ کے لوگوں سے اسمی اور جسمی دونوں قسم کی مکمل غیبت رہے گی۔یعنی ان تمام لوگوں کو ان کے نام اور زیارت سے محروم رکھا جائے گا جو اُن کے مخفی نظام میں رکاوٹ بن سکتے ہوں۔اس محروم گروہ میں شیعہ بھی ہوں گے یا نہیں؟ یہ بات حضرت امام جعفرؑ صادق نے واضح فرمادی ہے کہ:۔’’سوائے اس کے نہیں کہ اللہ اس غیبت کے ذریعہ سے شیعوں کا امتحان لے گا۔اور باطل پرست شک میں پڑ جائیں گے‘‘۔(ظفری جلد اول صفحہ 401)

اور خود امام عصر علیہ السلام نے واضح کیا ہے کہ:۔

۔’’اگر ہمارے شیعہ قلبی ہم آہنگی کے ساتھ ہمارے چاروں طرف جمع ہو جاتے۔اور اُس معاہدہ کو پورا کرتے جو اُن سے لیا گیا تھا۔تو بہت جلد ہماری ملاقات کے مرتبہ تک پہنچتے اور ہمیں دیکھنے کے نتیجے میں سعادت ان کی طرف بڑھ کر پہنچتی اور جس چیز کی وجہ سے ہم ان سے پوشیدہ ہیں وہ اُن کے وہ اعمال ہیں جو ہم تک پہنچتے ہیں۔جن سے ہمیں کراہت و ناگواری ہوتی ہے۔اور جو ہمیں ناپسند ہیں۔اور ہم شیعوں سے ایسے بُرے اعمال کے لئے انتظار نہیں کرتے۔لہٰذا ہم اللہ سے مدد کے خواستگار ہیں۔خدا ہمیں کافی ہے۔اور بہترین وکیل ہے۔اور اللہ ہمارے سیّد و سردار بشیر و نذیر رسولؐ پر اور اُن کی پاک و پاکیزہ آلؑ پر درود و سلام بھیجے۔

لکھنے کی تاریخ ماہ شوال کی آخری تاریخ ۴۱۲ ہجری‘‘۔

۔’’اگر چنانچه شيعيانِ ما بادِلهای مجتمع گرد آمده بودند و بعهد يكه از ايشان گرفته شده وفامی كردند بميمنت ملاقاتِ ما زود ترنائل می شدند و بامشاهدهٔ ما سعادت بسوى ايشان می شتافت و بكمالِ معرفت می رسيدند پس مارا ازايشان محجوب نمی دارد مگر آنچه بما می رسد از اعمال ايشان كه كراهت داريم و نمی پسنديم و انتظار چنين اعمالی راهم از ايشان نداريم ۔از خداوند استعانت می جويم خدا مارا كافيست و بهتر و كيلی است و خداوند بر سيّد ما كه بشير و نذير است و بر اهلبيتؑ پاك و پاكيزه اش سلام و صلوات بفر ستد۔بتاریخ غُرّہ شوال ۴۱۲ھ‘‘۔(کتاب احتجاج طبرسی و نجم ثاقب)

قارئین یہ امام عصر علیہ السلام کا وہ خط ہے جو اعلان غیبت کبریٰ کے تراسی (83) سال کے بعد حضرت شیخ مفید رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا۔ اور یہ خط اس پورے راز کو طشت از بام کر دیتا ہے جو مجتہدین نے ایک ہزار سال سے چھپا رکھا تھا۔ اس میں پہلی بات تو وہی ہے جو اس عنوان سے متعلق ہے۔ یعنی امامؑ غائب سے رابطہ اور ملاقات وہدایات حاصل کرنے کی راہیں کھلی ہیں اُس راہ میں رکاوٹ وہی ہے جو غیبت کبریٰ کے اعلان کا سبب ہے۔ یعنی شیعوں کا ایک معصومؑ پر مجتمع اور ہم آہنگ نہ رہنا بلکہ ہر مجتہد کے پیچھے تقلید کے لئے لگ جانا جو تیسری صدی کے اواخر سے آج تک جاری ہے۔ اور جس کی وجہ سے شیعوں کے اعمال میں حلال وحرام کا فرق واقع ہو گیا۔ مثلاً ایک مجتہد کی تقلید میں ایک کام حلال تھا تو دوسرے کے یہاں وہی فعل حرام تھا۔ اور دونوں کی تقلید اس دنیا میں ہونے لگی اور ہو رہی ہے۔ بہر حال شیعوں کی کثرت نے معصومؑ قیادت کو چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے انہیں امام عصر والزمانؑ نے دین ودنیا دونوں میں محروم کر دیا اور اسی کی پیشین گوئیاں سابقہ آئمہ علیہم السلام کرتے چلے آرہے تھے۔ لہٰذا حضرت حجتؑ نے اس 83 سال کے دور میں سابقہ نظام کے تمام اہل کاروں سے خود کو الگ رکھا۔ انہیں اپنی ہوا تک نہ لگنے دی۔ تاکہ نظام اجتہاد کے قائدین امامؑ سے منقطع ہو کر رہ جائیں۔ یہ مغالطہ بھی دور رہنا چاہیئے کہ جسے امامؑ کا خط مل جائے یا جس سے حضورؑ ملاقات فرمالیں وہ ان کا نائب ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں ملاقات اور خط، نیابت کے لئے دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا ہم جناب شیخ مفید رضی اللہ عنہ ہی کو نہیں بلکہ اعلان غیبت کبریٰ کے بعد کسی کو بھی حضرت حجت علیہ الصلوٰۃ کا نائب یا نائب کا نائب نہیں مانتے۔ اور جو ایسا دعویٰ کریں کہ وہ نائب امام ہیں ان کو جھوٹا، فریب ساز اور لعنتی وجہنمی لکھتے اور مانتے ہیں۔ یہ ہے مذہب شیعہ کا صحیح عقیدہ۔

دوم۔ نظامِ غیبت میں امامؑ غائب کے نائب کون تھے؟

یہاں سے قارئین کرام کو قائم آلِ محمدؑ بن حسن عسکری علیہما السلام کی پیدائش سے لے کر اعلان غیبت کبریٰ تک پھر ان حضرات کو تلاش کرنا پڑے گا۔ جن کو مجتہدین نے اپنے اثر ورسوخ اور پروپیگنڈے کے زور سے اچھال اچھال کر امامؑ عصر کا نائب مشہور کیا۔ اور جن کا پتہ امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام کے حالات زندگی کے ابواب میں کہیں نہ ملا اور جن کو کسی معصومؑ حدیث میں معصومؑ کی زبان سے نائب نہیں کہا گیا ہے۔ اور جن کو ہمارے علمائے حقّہ میں سے اکثر نے ازراہِ مغالطہ نائب سمجھا ہے۔ لیکن کسی کو کسی کا نائب سمجھنا اس کو کسی کا نائب نہیں بنا دیتا۔ خلفائے بنی عباس کو لفظ خلیفہ سے تمام تاریخوں میں مخاطب کیا گیا خلفاء کو ساری دنیا امیر المومنین کہتی رہی ہے اور خود احادیث میں خلفائے بنی عباس کو آئمہؑ نے امیر المومنین کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ لیکن ہم اس خطاب کے معنی جانتے ہیں۔ اس لئے آئمہ علیہم السلام کے کہتے رہنے کے بعد بھی خلفا کو نہ خلیفہ خداوندی مانتے ہیں نہ مانیں گے، نہ انہیں رسوؐل کا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں، نہ کریں گے، نہ انہیں امیر المومنین یا مومنین کا امیر وحاکم قبول کرتے ہیں نہ کریں گے۔ یہ تو ایک نام تھا جو رکھ لیا گیا تھا۔ اگر ایک چور اور زانی کا نام محمد متقی ہو تو کیا میں اور ہر کوئی اس کو متقی کہہ کر نہ پکارے

گا؟اور کیا اسے متقی کہہ کر پکارنا اسے واقعی پارسا بنادے گا؟ لہٰذا بہت سے ڈاکوؤں نے ڈنڈے کے زور سے اپنا نام جو چاہا مشہور کیا۔ خلاف ورزی کرنے والوں اور کسی اور کو امیر المومنین کہنے والوں کی زبانیں گدی سے کھینچ لی گئی تھیں۔ آخر تمام سرفروشوں کی زبانیں کٹوانے اور کھنچوانے کے بجائے خاموش مگر خطرناک نظام غیبت قائم کیا گیا اور فداکاروں سے کہہ دیا گیا کہ حضرت علیؑ کے سوا کسی اور کو امیرؑ المومنین کہنا حرام ہے۔ (تمام حدیث کی کتابیں) اس سے دو فائدے ہوئے۔ پہلا یہ کہ سرفروشوں کی زندگی کی قربانی ٹھیک مقام پر پیش کر کے مخالف نظام کی بنیاد ہلادی جائے۔ دوسرا یہ کہ حضرت علیؑ کو مخالف محاذ بھی امیر المومنین مانتا، لکھتا اور کہتا تھا۔ یہ امیری اور حاکمیت برقرار رہی اور باقی لوگوں کو امیر المومنین کہنا حرام ہو گیا۔ یعنی امیرؑ المومنین صرف ایک گذرا ہے اور کوئی امیر المومنین تھا ہی نہیں۔ مصنوعی امیر المومنون یعنی خلفائے بنی عباس اس لئے خوش ہو گئے کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ امام معصومؑ کا یہ حکم صرف شیعوں کے لئے ہے۔ لہٰذا اب کوئی شیعہ تحریک کسی معصومؑ امام کو حاکم بنانے میں سرفروشی نہ کرے گی۔ یہ تھے خاموش نظام غیبت کے دوہری مار دینے والے احکام واحادیث۔ پھر ہم کسی بات کو ماننے اور نہ ماننے میں بہت سخت ہیں۔ سنئے۔ قرآن میں اللہ نے سینکڑوں جگہ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا فرمایا ہے۔ اور وہاں ایسے لوگوں کو بھی مومنین فرمادیا ہے۔ جو ہرگز مومن نہ تھے۔ (نساء 4/136 پانچواں پارہ رکوع نمبر 17) بلکہ دشمنانِ خدا اور رسولؐ تھے۔ تو کیا ہم ہر اس شخص کو مومن مان لیں جو مومن کے روپ میں تھا؟ پھر اللہ نے قرآن کریم میں بادشاہِ مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی رَبّ کہلوایا ہے۔ (یوسف ۴۱ تا ۱۲/۵۰) کیا ہم اسے رب مان لیں؟ سنو! سیاسین کے رکھے ہوئے نام پکارنا گناہ نہیں ہے۔ نام رکھنے سے کوئی نہ خلیفہ بن جاتا ہے نہ صادق وصدیق ہو جاتا ہے نہ امیر المومنین اور رب بن جاتا ہے۔ اسی طرح شیعہ کہلانے سے کوئی شیعہ نہیں بن جاتا۔ ہر سنی کہلانے والا سُنتِ رسولؐ کا پابند نہیں مانا جاسکتا۔ تو پھر لوگوں نے اگر چار یا چار سو لوگوں کو نائبِ خدا یا نائبِ رسولؐ و امامؑ کہہ دیا ہو تو کیا وہ نائب ہو بھی جائیں گے؟ لا واللہ ہرگز نہیں۔ اور اگر اُٹھا پٹخ کر کسی کو نائب بنا بھی دیا جائے تو کیا وہ خود بخود معصومؑ بھی ہو جائے گا؟ چنانچہ ایک وکیل اور بقول مجتہدین نائب کا حال ہم نے لکھ دیا ہے۔ امامؑ کی صحبت میں امامؑ کے گھر میں رہتا تھا۔ مگر کیا ہوا؟ شرم کی بات ہے۔ مجتہدین نے جھوٹ بول کر بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ جسے وہ نہ ادا کر سکتے ہیں نہ ثبوت لا سکتے ہیں۔ ہم نے آیات کے الفاظ سے مومن ہونے اور رب ہونے کا ثبوت دیا مگر ہم ماننے میں سخت اور انکار میں نرم ہیں۔ اور یہی حقیقی شیعوں کی شناخت ہے کہ وہ دشمنان دین کے ہر فریب اور ہر مقدس جال سے محفوظ رہیں اور انہیں ایسا سبق دیں کہ اسے یاد کرنے میں نہ چھٹی ملے نہ یاد ہو اور اس طرح الجھیں کہ ساری مکاری اور عیاری بھول جائیں۔

9۔ اموال پیش کرنے والوں اور نائب لوگوں کی پوزیشن

یہاں یہ دوبارہ سن لیں کہ امامؑ کے نائبوں کو ملت شیعہ میں نہ شک وشبہ اور جُرم وخیانت سے مبّرا سمجھا جاتا تھا۔ نہ ان

لوگوں کا کوئی مقدس مقام طے شدہ تھا۔ حدیث سنئے اور ظفر صاحب کی زبانی سنئے :۔ ''علی بن محمد نے سعید بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ حسن بن نضر اور ابو صدام اور کچھ اور لوگوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد اس بارے میں گفتگو کی کہ :۔

۔''حضرت حجتؑ کے وکلاء کی معرفت جو مال حضرتؑ کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ وہ آپؑ تک پہنچتا بھی ہے یا یہ لوگ اپنے ہی پاس رکھ لیتے ہیں؟ ان لوگوں نے اسکی تحقیق کا ارادہ کیا''۔

یہاں رک جایئے اور سوچئے کہ جناب عثمان بن سعید العمری اور ان کے صاحب زادے جناب محمد بن عثمان رضی اللہ عنھما کو اگر خدانخواستہ امام عصر کا نائب یا وکیل مان بھی لیا جائے تو یہ کیسے مانا جائے کہ وہ اس وقت کے ذمہ دار شیعہ بزرگوں میں ایسے مقدس مانے جاتے تھے کہ ان سے خیانت کا سرزد ہونا ممکن نہ رہا تھا۔ اور یقیناً مذکورہ بالا لوگوں کو بھی وہ حدیث معلوم ہوگی کہ :۔

۔''عثمان بن سعید اور محمد بن عثمان دونوں ثقہ اور امین ہیں۔ ان پر اعتماد کرو ان کی بات سنو اور اطاعت کرو''۔ مگر بزرگان وعوام شیعہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی حدیث کا یہ مطلب نہیں سمجھتے تھے۔ کہ امامؑ نے ان دونوں کو معصومؑ قرار دے دیا ہے۔ اور نہ یہ کہ وہ کبھی خیانت وجرم نہیں کر سکتے۔ یہ غلط مطلب بعد میں مجتہدین نے اس حدیث کے ساتھ چپکا دیا ہے۔ وہ وکیل بھی ثقہ اور مامون تھا۔ جس کو آخر گھر سے نکالا گیا۔ جب تک ثقاہت اور امانت باقی رہی قریب ترین مقام پر رہا۔ جب خلاف ورزی کی۔ راندہ درگاہ ہوگیا، حدیث آگے بڑھتی ہے پھر سنئے :۔

۔''حسن بن نضر نے ابو صدام سے کہا کہ میں حج کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ اس سال نہ جاؤ۔ حسن نے کہا کہ مجھے اس فکر میں نیند نہیں آتی ہے میرا جانا ضروری ہے۔ اور اس نے احمد بن یعلی بن حماد کو اپنے مال کا وصی بنایا اور وصیت کی کہ یہ مال ناحیہ مقدسہ (امامؑ کے ٹھکانے کا نام) لے جائے اور کوئی چیز کسی کو نہ دے۔ بلکہ اپنے ہاتھ سے حضرت حجت علیہ السلام کی خدمت میں پہنچائے''۔ (جلد اول صفحہ 650 ختم صفحہ 651 شروع)

مطلب پھر واضح ہے کہ کسی وکیل یا نائب کا اعتبار نہ کیا جائے بلکہ براہِ راست حضورؑ کی خدمت میں مال واسباب پہنچانا چاہیے۔ قارئین یہ بھی نوٹ کرلیں کہ یہ شکوک وشبہات اُن ہی وکلا یا نائبین پر ہو سکتے تھے جو ملت شیعہ میں مشہور ومعروف تھے۔ جن وکلا یا نائبین کو دیکھا ہی نہیں ان پر شکوک وشبہات کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ حدیث جاری ہے۔

۔''حسن بن نضر نے کہا کہ جب میں بغداد پہنچا تو کرایہ پر ایک گھر لے لیا۔ میں اس میں ٹھہرا۔ ایک وکیل میرے پاس ﴿فَجَاءنِی بَعْض الوکلا﴾ کپڑے اور دینار لایا۔ اور میرے پاس رکھ دیئے۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ ﴿فَقُلْتُ لَه ماھٰذا ؟﴾ اس نے کہا کہ جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے وہی ہے ﴿قَالَ ھُوَ مَاتَرَی﴾ پھر دوسرا آیا پھر تیسرا آیا ﴿ثُمَّا جاء نی آخر بمثلھا و آخر حتیٰ﴾ یہاں تک کہ گھر سامان سے بھر گیا۔ پھر احمد بن اسحاق جو کچھ اس کے پاس تھا لے کر آیا۔ مجھے بڑا تعجب

ہوا اور فکر بھی دامن گیر ہوئی۔ میرے پاس امام علیہ السلام یعنی حضرت حجتؑ کا خط آیا ﴿فَوَرَدَتُّ عَلَيَّ رُقْعَةُ الرجلِ عليه السّلام ﴾ اس میں لکھا تھا کہ جب دن کا اتنا حصہ گذر جائے تو جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے لے کر آؤ۔ میں سب سامان لے کر چلا راستہ میں ساٹھ (60) ڈاکوؤں کا ایک گروہ تھا۔ لیکن میں راستے سے صحیح وسالم گذر گیا اور مقام عسکر پہنچا۔ وہاں حضرتؑ کا ایک اور خط ملا۔ میں نے حمالوں کے بوروں میں سامان لدوایا جب دروازہ پر پہنچا۔ تو وہاں ایک حبشی غلام کھڑا تھا۔ اُس نے کہا کہ تم حسن بن نضر ہو؟ میں نے کہاہاں۔ اس نے کہا اندر آؤ۔ میں صحن خانہ میں آیا۔ حمالوں کے ساتھ سب سامان بھی لایا۔ میں نے گھر کے ایک گوشہ میں بہت سی روٹیاں دیکھیں۔ میں نے ہر حمال کو دو (2) دو (2) روٹیاں دیں وہ چلے گئے تو میں نے دیکھا کہ گھر کے ایک دروازے پر پردہ پڑا ہوا ہے اندر سے آواز آئی۔ اے حسن بن نضر خدا کا شکر کر کہ اس نے تجھ پر احسان کیا۔ پس ہمارے معاملہ میں شک نہ کر شیطان تجھے مشکوک کرنے کو پسند کرتا ہے۔ مجھے دو کپڑے دے کر فرمایا کہ یہ لے لو ان کی تمہیں ضرورت پڑے گی۔ میں نے لے لئے سعد کہتا ہے کہ حسن بن نضر وہاں سے لوٹ آیا اور ماہ رمضان میں اس کا انتقال ہو گیا اور ان ہی دونوں کپڑوں میں اسے کفن دیا گیا''۔ (جلد اول صفحہ 651)

حدیث میں غور طلب باتیں

حدیث میں امامؑ کے جملوں کا مطلب واضح ہے کہ ترسیل مال میں حضورؑ نے ایسا محکم اور تہہ در تہہ خفیہ انتظام فرما دیا ہے۔ کہ جو کچھ مال امامؑ کے نام سے دیا جائے وہ ہرگز درمیان میں خرد برد نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا اس سلسلے میں ہر شک وشبہ قانون ترسیل کے ماتحت فضول ہے۔ چنانچہ تمام وکلا کو جس نظام نے وہ گھر بتایا جس میں حسن بن نضر نے قیام کیا تھا۔ اس کی نظر سے کوئی متعلقہ شخص غائب نہیں ہوسکتا ہے نہ اس کی گرفت سے باہر نکل سکتا ہے۔ چنانچہ حسن بن نضر خود حیران تھا کہ وکلا لوگ کس اطمینان سے مال واسباب لا رہے ہیں۔ نہ کوئی رسید مانگتا ہے نہ میزان بتاتا ہے۔ رکھتا ہے اور خاموشی سے چلا جاتا ہے۔ اور جب خفیہ نظام یہ دیکھتا ہے کہ آنے والا تمام مال واسباب جمع ہو چکا تو بذریعہ خط وہ مقام و پتہ بتاتا ہے جہاں سامان پہنچانا ہے۔ حبشی غلام پہلے سے نام جانتا ہے، پہچانتا ہے، اور پہلے ہی سے اندر بلانے کا مجاز ہے۔ پھر یہ سوچنا ہے کہ مکان میں روٹیاں پہلے سے موجود ہیں۔ یہ تیاری پہلے سے کی ہوئی ہے کہ فلاں وقت حمال آئیں گے۔ اور حمال بلا چوں وچرا دو دو روٹیاں لے کر خاموشی سے نکل جاتے ہیں۔ یہ بھی غور طلب ہے کہ جنہیں وکیل کہا گیا ہے۔ وہ دربار امامؑ تک نہیں جاتے۔ یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر وکیل براہ راست امامؑ غائب تک رسائی حاصل کرے تو نائب یا وکیل کہلائے۔ یعنی اس معاملہ میں بھی حضرت حجت علیہ الصلوٰ ۃ والسلام کا خفیہ نظام یا نظام غیبت سابقہ آئمہ علیہم السلام سے زیادہ محتاط وجداگانہ ہے۔ پھر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ حسن بن نضر یہ کیسے سمجھ گئے کہ وہ لوگ وکیل تھے؟ جو مال لا لا کر اس گھر میں بھرے جا رہے تھے؟ یہ بھی سوچنے کی بات ہے۔ کہ اس رفتار سے مال واسباب کا

آنا تو امامؑ کے گھر میں رکھنے اور رہنے کی جگہ بھی نہ چھوڑے گا۔ ظاہر ہے کہ اس مال ومتاع کے مستحقین تک پہنچانے کا انتظام بھی خفیہ ہی ہونا چاہئے۔ ورنہ یہ ٹھکانہ غائب یا پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور یہ لازم ہے کہ نظام غیبت کا ہر شعبہ اور ہر ممبر اور ہر ٹھکانہ بھی لوگوں کی رسائی سے غائب و پوشیدہ رہے۔ یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ حسن بن نضر امام عصرؑ سے چند گز کے فاصلہ پر ہے۔ اُسے عزت عطا کی گئی ہے۔ مگر اپنی زیارت کا موقع نہیں دیا گیا ہے اور پردہ کے پیچھے سے بات کی گئی ہے۔ یعنی وہ سابقہ پیشنگوئیاں کہ سرکارؑ کا جسم یا شخصیت لوگوں کی نظروں سے غائب رہے گی، صادق آ رہی ہیں۔ پھر حسن بن نضر نے بھی نام نہیں لیا ہے۔ یہ کہا کہ ایک مرد کا خط آیا اس پر سلام ہو۔ پھر خط لانے والا بھی غائب ہے۔ اس کا بھی ذکر نہیں ہوتا۔ یہ بھی آپ ہی نے سوچنا ہے۔ کہ راہ میں ساٹھ ڈاکو ہیں۔ مگر امامؑ کے آدمی اور مال و اسباب سے تعارض نہیں کرتے۔

اور یہ بھی سمجھ لیں کہ ہم اختصار کی غرض سے سرپٹ چلیں گے۔ آئندہ آنے والی احادیث میں آپ نظام غیبت اور سربراہؑ نظام غیبت کے بیانات کی اہم باتوں کو خود ہی نوٹ کرتے چلیں۔ جب اشد ضروری ہوگا۔ تو ہم بھی نوٹ کرائیں گے۔

(دوسری حدیث) حضورؑ کے دو (2) وکیلوں کا تذکرہ مگر مشہور وکلا لا پتہ ہیں

صحیح سلسلہ کی پانچویں حدیث (ظفر صاحب نمبر غلط شروع کرتے ہیں) بتاتی ہے کہ محمد بن ابراہیم بن مہز یار کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی رحلت کے بعد مجھے امامت کے بارہ میں شک ہو گیا۔ میرے والد ابراہیمؒ کے پاس امام عصرؑ کو پہنچانے والا بہت سا مال وسامان جمع ہوا پڑا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اس مال ودولت واسباب کو اور مجھے ہمراہ لے کر بذریعہ کشتی ایک قافلہ کے ساتھ سفر شروع کیا۔ لیکن راہ میں انتہائی شدید بخار ہو گیا تو مجھے کہا کہ واپس بصرہ چلو یہ میرا مرض الموت ہے اور یہ بھی کہا کہ اس مال کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہنا۔ اور وصیت کی کہ اسے حضرت حجۃ علیہ السلام تک پہنچا دینا۔ اس کے بعد وہ انتقال فرما گئے۔ میں نے سوچا کہ میرے والد نے غلط وصیت نہیں کی ہوگی۔ میں اس مال کو ضرور عراق لے جاؤں گا اور لب دریا ایک مکان کرایہ پر لے کر پوشیدہ قیام کروں گا۔ اور کسی پر اصل غرض ظاہر نہ کروں گا نہ مال کی موجودگی ظاہر ہونے دوں گا۔ اگر اسی طرح باقاعدہ مال کی طلبی اور مال کی وضاحت کر دی گئی جیسا کہ سابقہ دور امامت میں معمول تھا تو مال دے دوں گا ورنہ اپنے مصرف میں لاؤں گا۔ چنانچہ میں بصرہ سے سامرہ آیا اور دریا کے کنارے مکان لے کر خاموشی سے رہنے لگا۔ ایک روز ایک شخص آیا اور مجھے سرکار رجعت علیہ السلام کا خط دیا۔ اس میں تحریر تھا کہ اے محمد تمہاری تحویل میں اتنا اور اتنا مال ہے۔ اور فلاں اور فلاں چیز کے اندر ہے۔ حد یہ ہے کہ وہ تمام چیزیں اور شناخت بھی بیان کر دی گئی تھیں۔ جو خود میں نے بھی نوٹ نہ کی تھیں اور کسی اور کو ہرگز معلوم نہ ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا میں نے حسب الحکم وہ تمام سامان قاصد کے حوالہ کر دیا۔ بعدہ چند روز میں دردسر میں مبتلا رہا۔ اس کے بعد سرکار کا دوسرا خط ملا لکھا تھا۔ ﴿قد اقمنا ک مکان ابیک فاحمدالله﴾ یقیناً ہم نے تمہیں تمہارے

والد کی جگہ اپنا قائم مقام بنا دیا ہے۔ لہٰذا تم اللہ کی حمد و ثنا بجالاتے رہو‘‘۔

وکلاء، سفراء، اور نائب مقرر کیے جانے کا ثبوت

قارئین دیکھیں کہ نظام غیبت کا غائب راہنماً ایسا غائب ہے۔ کہ دنیا کی ہر غائب اور سیکڑوں پردوں اور حجابوں میں پوشیدہ چیزیں اس کے سامنے حاضر کھڑی نظر آتی ہیں۔ یہی وہ غائب ہستیؑ ہے۔ جس پر ایمان لانے کی شرط سے اُس کتاب سے ہدایت ملنے کی ابتداء ہوتی ہے۔ جسے (الف لام میم) ’’الٓمّٓ ذٰلک الکتب‘‘ فرمایا گیا ہے۔ اور جس میں کسی قسم کی الجھن (ریب) نہیں ہے۔ پھر اس غائب راہنمائی اور راہنماً پر ایمان لانے والے مومنین اپنے راہنماً کو ہر لحہ اپنے سامنے دیکھتے ہیں۔ یعنی ان کے سامنے بھی لفظ غائب حقیقی شہود سے بدل جاتا ہے۔ اور دنیا کی تمام مشکلات و خطرات ہیچ نظر آنے لگتے ہیں۔ اور آخری بات یہ کہ ہمیں حضور حجتؑ کے نائب یا سفیر و وکیل وغیرہ ہونے کے لئے مندرجہ بالاقسم کا غیب کشا حکم تقرری (Letter Of Appointment) درکار ہوتا ہے۔ نہ کہ مجتہدین وغیرہ کے خود اپنے بیانات و کرامات۔ کلام اللہ اور کلام معصومؑ کے الفاظ میں اگر حکم و تفصیل موجود نہیں تو خلافت و نیابت و وکالت باطل ہے۔ لہٰذا قارئین کرام یہاں رک جائیں اور حضرت حجۃ علیہ السلام کے دو نائبوں یا دو وکلاء یا دو سفراء کے نام الگ سے نوٹ کرلیں۔ (1) جناب محمد بن ابراہیم رضی اللہ عنہ۔ بصرہ میں (2) جناب ابراہیم بن مھزیار رضی اللہ عنہ۔ بصرہ میں **(جلد اول صفحہ 652)**

(تیسری حدیث) مقام غیبت ہی عالم شہود و موجود پر محیط ہوسکتا ہے

۔’’ابی عبداللہ نسائی نے بیان کیا کہ میں نے مرزبانی الحارثی کو کچھ چیزیں دے کر صاحب العصر والزماں کی خدمت میں بھیجا۔ ان میں کچھ سونے کے بازو بند بھی تھے۔ باقی چیزیں تو قبول کرلی گئیں۔ لیکن بازو بند واپس فرما دیئے گئے اور مجھے حکم بھیجا گیا کہ میں وہ بازو بند سنار سے پگھلوا کر دیکھوں۔ جب انہیں توڑا گیا تو اندر سے چند مثقال لوہا، تانبہ اور پیتل برآمد ہوا۔ پھر خالص سونا بھیجا گیا تو قبول فرمالیا‘‘۔ **(جلد اول صفحہ 652)**

مومنین غیبت اور امامؑ غائب کے معنی سمجھ لیں۔ وہ ہستی جو ہر غائب پر شاہد و شہید ہونے کا مجسم ثبوت ہو اور ہر شے کے اجزاء اور ظاہر و باطن پر نظر رکھنے والے سلسلۂ نیابت خداوندی کی نظری و عقلی پوزیشن کو عملی صورت میں بدل دے۔ (سبحان اللہ و بحمدہ)

(چوتھی حدیث) قلوب و اذہان اور زبان پر نظر رکھنا اور اموال کا عادلانہ مصرف

۔’’امام محمد باقر علیہ السلام کی بیٹی جناب خدیجہ علیہا السلام کے آزاد کردہ غلام فضلؓ نے جو مدائن کا باشندہ تھا۔ بیان کیا کہ مدینہ منورہ میں اولاد ابو طالب علیہ السلام (طالبین کہلاتے تھے) میں سے جو حضرات مذہب حقہ رکھتے تھے۔ اُن کو اُن کے مالی حقوق سابقہ آئمہ علیہم السلام کی طرف سے باقاعدہ پہنچتے رہتے تھے۔ لیکن جب جناب امام حسن عسکری علیہ السلام رحلت فرما گئے تو

اولاد ابوطالبؑ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ایک جماعت یہ ماننے سے منکر ہو گئی کہ جناب حسن عسکریؑ کے فرزند حضرت حجتؑ اور امام زمانہ ہیں اور باقی خاندان صحیح عقیدہ پر برقرار رہا۔لہٰذا ان کے مالی حقوق پہنچتے رہے۔اور منکروں کا وظیفہ بند کر دیا گیا۔اور ان کو اہل حق کی فہرست اور تذکرہ سے خارج کر دیا گیا''۔(جلد اول صفحہ 653-652)

نوٹ۔ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے؟

حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السلام 57ھ میں پیدا ہوئے اور 114ھ میں وفات پا گئے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام 83ھ میں پیدا ہوئے اور 148ھ میں رحلت فرمائی۔اور آپ امام محمدؑ باقر کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔اب قارئین یہ فرض کر لیں کہ حضرت امام محمدؑ باقر کی ایک بیٹی خدیجہؑ بھی تھیں۔جو ظاہر ہے کہ جعفرؑ صادق کے بعد پیدا ہوئی ہوں گی۔اب آگے بڑھیں اور سوچیں کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات 260 ہجری میں ہوئی۔تب حضرت حجتؑ نے چارج سنبھالا۔اسی زمانہ میں خاندان ابوطالبؑ کے بعض افراد کے وظائف بند کر دیئے گئے اس وقت جناب فرضی خدیجہؑ کا آزاد کردہ ایک غلام موجود تھا۔جس نے خاندان ابوطالبؑ کے منکروں کو دیکھا اور وظائف بند ہونے کی وجہ بیان کی ہے۔اب یا تو یہ مانئے کہ فرضی خدیجہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد بھی زندہ رہیں اور برابر موجود رہتی ۲۶۰ھ ہجری تک چلی آئیں یعنی ان کی عمر شریف اس وقت کم از کم ایک سو ستتر (177) سال کی تھی۔یا یہ کہئے کہ وہ ان کا آزاد کردہ غلام برابر جیتا رہا اور ایک سو ستتر (۱۷۷) سال کی عمر تک زندہ تھا یا دونوں ہی اس وقت موجود تھے۔بتائیے کیا اسے لطیفہ کہا جا سکتا ہے؟

یہ کیا تماشہ ہے؟

ہمارے لئے بڑی مشکل ہے۔اگر کوئی لٹیرا آپ کی تجوری سے آپ کے نوٹوں کی گڈیاں بیگ میں بھر کر چلنے لگے اور آپ کی آنکھ کھل جائے۔آپ ریوالور لے کر اسے آگھیریں۔اور وہ جلدی سے آپ کے ننھے منے بچہ کو سینہ سے لگا کر اور ایک بچہ کو آگے کھڑا کر لے تو آپ کیسی مشکل میں ہوں گے؟ گولی ڈاکو کو بعد میں لگے گی پہلے بچہ تڑپے گا؟ ہمیں دودھ بھی پیارا ہے۔پوت بھی پیارا ہے۔کس کی قسم کھائیں۔

بہر حال اس حدیث میں روایت کا شروع یوں ہے:۔﴿**عن الفضل الخزاز المدائنی مولی خدیجة بنت محمد ابی جعفر**﴾ مطلب یہ کہ ''اس روایت کو اس فضل نے بیان کیا ہے جو ریشمی کپڑے کا تاجر اور مدائن کا باشندہ اور اس خدیجہ کا غلام تھا۔جو بیٹی تھی اس محمدؑ کی جس کی کنیت ابی جعفر تھی''۔ یہ سمجھانے کا وہ طریقہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی سو فیصد صحیح سمجھ جائیں گے۔بشرطیکہ خود سمجھنا اور سمجھانا آتا ہو۔بہر حال جہاں آ کر بات الجھ گئی وہ یہ ہے۔کہ مذکورہ خدیجہ کس کی بیٹی ہے؟ جواب یہ ہے۔کہ خدیجہ محمدؑ کی بیٹی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ معصومؑ سلسلہ میں اگر سب کو محمدؑ نہ بھی سمجھا جائے تو پھر بھی کئی محمدؑ ہیں۔محمدؑ کا

تعیّن کرنے کے لئے جب ابوجعفرؑ یا ابی جعفرؑ (جعفرؑ کا باپ) بھی لکھا ہوامل جائے تو لامحالہ یہ سمجھنا پڑے گا کہ یہ وہ محمدؐ ہے جو امام جعفرؑ صادق کا باپ تھا۔اس طرح خدیجہؑ جناب امام محمدؐ باقر کی بیٹی بنادی گئیں۔مگر اس سے مذکورہ بالا الجھن پیدا ہوئی۔لیکن خیریت یہ ہے کہ نظام اجتہاد نے تاریخ اور حساب ایسے مشرکانہ علوم کو اپنے نصاب (سلیبس) میں جگہ نہیں دی ہے۔

بہرحال جناب امام محمد تقی علیہ السلام خود بخود محمدؐ بھی ہیں۔نام بھی محمدؐ ہے۔اور آپ کی کنیت بھی ابوجعفر ہے۔لہٰذا مذکورہ حدیث میں ابی جعفرؑ سے حضرت امام تقی علیہ السلام مراد ہیں جب کہ ظفر صاحب نے یہاں ابی جعفر سے مراد امام محمد باقر علیہ السلام لکھ دیا ہے۔کیونکہ مولانا حضرات خود حجت اللہ ہوتے ہیں انہیں کسی دوسری حجت کی پرواہ کیوں ہوگی؟ رہ گیا کاروباری مصروفیات کا الجھاؤ؟ وہ تجارتِ یتامٰی، تجارت کتب، تجارت فضائل ومصائب ومنبر کی وجہ سے سامنے نہیں آنے پاتا۔

قارئین نے شاید یہ بھی نوٹ کرلیا ہو کہ اس حدیث میں لفظ مولیٰ کو غلام کے معنی میں استعمال کرکے نظام اجتہاد کی تقلید کی گئی ہے کہ سند رہے اور وقت ضرورت مولیٰ و اولیٰ کو منہ چڑا دیا جائے۔

(پانچویں حدیث) امامؑ غائب سے انسانوں کے موروثی حقوق غائب نہیں ہوسکتے

۔''علی بن محمد نے بتایا کہ حبش کے لوگوں میں سے ایک شخص نے سرکارؑ کی خدمت میں کچھ مال بھیجا تو واپس لوٹا دیا گیا اور اسے بتایا گیا کہ اس مال میں تمہارے چچا کے بیٹے کے حصے میں سے چار سو درہم بلا اُس کی اطلاع اور اجازت کے شامل ہیں۔اس لئے ہمارے یہاں یہ سرمایہ قابل قبول نہیں ہے اور یہ ایک حقیقت تھی کہ مال بھیجنے والے صاحب کے قبضہ میں اس کے چچازاد بھائی کی کچھ زمین تھی اور بلاحساب ساری ملی جلی آمدنی کا مال بھیج دیا گیا تھا۔اب جو غور کیا اور حساب لگایا تو واقعی مذکورہ چار سو درہم چچازاد بھائی کا حصہ تھا۔لہٰذا وہ نکال کر جب بھیجا گیا تو حضورؑ نے قبول فرمالیا''۔(جلداول صفحہ 653)

قارئین آپ حضرات غالباً جناب عثمان بن سعیدؓ محمد بن عثمانؓ، حسینؓ بن روح اور علی بن محمد رضی اللہ عنہم کو تلاش کرنا بھول چکے تھے۔خدا کے لئے ایسا نہ کریں۔کافی کو اسی لئے تو چھانا جا رہا ہے کہ اگر کہیں یہ چاروں حضرات بھی چار سو درہم کی طرح ملے جلے ہوں تو چھلنی میں نکل آئیں؟۔

(چھٹی حدیث) امامِ غائب سے لوح محفوظ غائب نہیں لہٰذا دُعا و احکام اُس کے مطابق

۔''قاسم بن علا نے بیان کیا کہ میرے کئی ایک بیٹے پیدا ہوئے اور ہر دفعہ میں نے حضورؑ قائم آل محمدؐ سے دعا کے لئے لکھا مگر ایک دفعہ بھی خط کا جواب نہ ملا۔جب میرا بیٹا حسن پیدا ہوا تو میں نے حسب دستور پھر دعا کی التجا کا خط لکھا تو اس دفعہ جواب آیا کہ وہ زندہ رہے گا۔شکر خدا''۔(جلداول صفحہ 653)

(ساتویں حدیث) قافلوں اور مسافروں کی منزلیں اور قیام و ورود بھی غائب نہ تھا

۔''کئی برسوں میں ایک سال بغداد میں سے چلنے لگا تو بقیۃ اللہ سے روانگی کی اجازت طلب کی مگر اجازت نہ ملی۔ میں بائیس (22) روز قافلہ سے بچھڑ گیا اور قافلہ نہروان روانہ ہو چکا۔ چنانچہ مجھے ایک بدھ کے دن روانگی کی اجازت اور حکم ملا۔ میں روانہ تو ہو گیا مگر اب قافلہ سے جا ملنے کی آس ختم ہو چکی تھی۔ لیکن جب میں نہروان پہنچا تو قافلہ وہاں رکا پڑا تھا۔ جب میں اپنے جانوروں کو کھانا دانا کھلا پلا چکا تب قافلہ روانہ ہوا اور میں ساتھ ہی چلا۔ حضورؑ کی دعا کے سبب بخیر و خوبی پہنچا''۔(جلد اول صفحہ 653)

یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ خط و کتابت جاری ہے ترسیلِ مال اور اصلاح حال زیر نظر ہے مگر مجتہدین کے فرضی نائب نہ نیابت میں ہیں۔ نہ سفارت و وکالت میں دخل ہے۔

(آٹھویں حدیث) صحت و علالت پر قابو اور حکمرانی

۔''محمد بن یوسف شاشی کہتے ہیں کہ میرے ایک ناسور تھا۔ علاج کرایا روپیہ خرچ کیا۔ حکیموں اور جراحوں نے لاعلاج قرار دے دیا۔ آخر میں نے حقیقی حکیم علیہ السلام کی خدمت میں اپنا حال لکھ بھیجا اور توجہ کی درخواست کی۔ جواب میں امامؑ نے لکھا کہ اللہ نے تمہیں صحت عطا کی اور اللہ تمہیں دنیا و آخرت میں ہمارے ساتھ رکھے گا۔ اگلا جمعہ آیا تو میں صحت مند اور حکیم حیران تھا''۔(جلد اول صفحہ 653,654)

(نویں حدیث) مستقبل پر نظر، حق داروں کا تحفظ

۔''علی بن حسین یمانی سناتے ہیں کہ میں بغداد میں مقیم تھا کہ ایک یمن جانے والا قافلہ روانگی کی تیاری کر رہا تھا۔ میں نے اس قافلے کے ساتھ جانے کے ارادے سے صاحب العصرؑ والزمان سے اجازت مانگنے کے لئے خط بھیجا۔ جواب ملا کہ ان کے ساتھ نہ جانا تمہارے لئے بہتر ہے تم کوفہ میں قیام کرو۔ میں کوفہ میں ٹھہرا رہا اور قافلہ چلا گیا۔ پتہ چلا کہ اس قافلہ کو حنظلہ قبیلے کے ڈاکوؤں نے راستے میں لوٹ لیا۔ پھر میں نے کشتی سے سفر کر جانے کی اجازت مانگی لیکن اجازت پھر بھی نہ ملی۔ معلوم ہوا کہ وہ تمام کشتیاں بھی ایک ہندوستانی قوم بوارح (بورہ) کے قزاقوں نے لوٹ لی تھیں۔ اس کے بعد عسکر (سامرہ امامؑ کے والدؑ و داداؑ کا شہر) آیا اور آئمہؑ کی زیارت بجالایا اور مغرب کے قریب در دولت پر پہنچا۔ کسی سے نہ بات کی نہ اپنا تعارف کرایا اور مسجد میں نماز پڑھی اتنے میں ایک خادم آیا اور کہا کہ اٹھو اور چلو۔ میں نے کہا کہ ابھی چلوں؟ مگر جانا کہاں ہے؟ جواب دیا کہ گھر چلتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں کون ہوں؟ تم شاید کسی اور کے دھوکے میں مجھ سے بات کر رہے ہو؟ اور کسی اور کو بلانے آئے ہو؟ کہنے لگا نہیں جناب میں کسی اور کو نہیں تمہیں بلانے بھیجا گیا ہوں۔ تم علی بن حسین ہو اور تمہیں جعفر بن ابراہیم نے بھیجا ہے۔ مجھے لے کر چلا یہاں تک کہ مجھے حسین بن احمد کے مکان پر لے آیا۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ خادم نے حسین بن احمد سے راز میں کیا باتیں

کیں۔ آخر کار مجھے جو بھی احتیاج تھی وہ سب پوری کر دی گئی اور میں نے وہاں تین دن قیام کیا۔ پھر میں نے گھر کے اندر جانے اور زیارت کرنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے مجھے اجازت دی تو رات کو میں نے اندر جا کر زیارت کی‘‘۔ (جلد اول صفحہ 654) مولانا نے ترجمہ کو کافی الٹ پلٹ کر دیا ہے۔

قارئین نوٹ کریں کہ یہاں اندرون خانۂ امامؑ جانے اور زیارت کرنے کی اجازت حسین بن احمد سے طلب کی گئی ہے۔ اور اسی حسین بن احمد نے خادم سے علی بن الحسین کو طلب کیا تھا اور علی بن حسین اسی حسین بن احمد کے ساتھ تین دن مقیم رہا اور خادم نے اسی حسین بن احمد سے راز داری کی کچھ باتیں کی تھیں۔ جن کو علی بن حسین نہ سمجھا کہ خادم نے حسین بن احمد سے کیا کہا تھا؟ لہٰذا نوٹ کریں کہ یہ خادم خاص معتمد ہے۔ اور حسین بن احمد حضورؑ کے دروازے پر بطور نائب مقیم ہے۔ اور اندرون خانہ جا کر علی بن حسین نے حضرت حجت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی تھی۔

(دسویں حدیث)   ایک ایسا مجتہد جو شیعوں میں بطور جاسوس کام کر رہا تھا

۔’’حسن بن فضل بن یزید یمانی کہتے ہیں کہ میرے والد نے اپنے ہاتھ سے حضورؑ کی خدمت میں خط لکھ کر بھیجا تو جواب ملا۔ اس کے بعد میں نے اپنے ہاتھ سے خط لکھا تو اس کا بھی جواب آیا ﴿ثم کتب بخطه رجل من فقهآء اصحابنا فلم یرد جوابه﴾ پھر ایک ایسے شخص نے اپنے ہاتھ سے خط لکھ کر بھیجا جو ہمارے صحابہ میں سے ایک فقیہ (فقہ کا عالم یعنی مجتہد) تھا۔ مگر اس کے خط کا جواب نہ آیا۔ چنانچہ جب ہم نے نظر دوڑائی اور تفتیش کی تو پتہ لگا کہ وہ فقیہ قرمطی ماحول سے وابستہ تھا (فنظرنا فکانت العلة ان الرجل تحول قرمطیًا)‘‘ (جلد اول صفحہ 655-654) حدیث ابھی جاری ہے۔

فقیہ، مجتہد اور محدث کا فرق

(1)   یہاں رک جایئے اور سنیئے کہ محدث تو وہی علماء ہیں جن کو مجتہدین اخباری علماء کہتے ہیں اور خود کو اصولی عالم قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ اصولِ دین کی وجہ سے اصولی نہیں کہلواتے۔ بلکہ انہوں نے اہل سُنت مجتہدین کے تیار کردہ اصولِ فقہ کو اپنا راہنما بنایا ہے اور ہر مسئلہ ان اصول کے ماتحت رکھ کر بیان کرتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ مجتہدین اور اصولیین کہلانا پسند کرتے ہیں۔ رہ گیا لفظ فقیہ اور اس کے معنی سمجھدار یا سمجھنے کی قوت رکھنے والا ہیں۔ لہٰذا یہ لفظ عام ہے۔ ہر سمجھدار کو بھی ہر محدث کو بھی اور ہر مجتہد کو بھی فقیہ کہا جا سکتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ (الانعام 6/65) لفظ مجتہد اور اجتہاد اور اجتہادی مسائل اصطلاحی حیثیت سے ہماری احادیث میں مردود ہیں۔ بہر حال دیکھنا یہ ہے کہ ایک فقیہ کو جناب حضرت حجت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خط کا جواب نہیں دیا۔ اور یہ کہ وہ ایسا فقیہ تھا کہ شیعہ عوام اسے اپنے شیعہ صحابہ میں سے ایک سمجھتے تھے۔ مطلب سامنے آ گیا کہ مجتہدین لفظ فقیہ یا فقہا کی نقاب پہن کر پبلک میں نظامِ اجتہاد پھیلا رہے تھے۔ اور اسی نظام کو آپؑ نے محروم کرنے کے لئے مستقل نظامِ غیبت کا اعلان کیا

اور مجتہدین امامؑ سے مصنوعی رشتہ جوڑنے پر مجبور ہوئے۔ اور یہی ہم ثابت کر رہے ہیں کہ امامؑ نے مجتہد تو مجتہد ہر مشہور و معروف حقیقی شیعہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی کھلا رابطہ نہ رکھا تا کہ مجتہدین کو نل میں نل لگانے کا موقعہ نہ ملے۔ اور اسی لئے ہم بڑی فراخدلی سے آخری تینوں آئمہ علیہ السلام کے حالات زندگی میں سے گذرتے اور ان چاروں صحابہ کو تلاش کرتے آ رہے ہیں۔ جنہیں مجتہدین نے حضرت حجتؑ کا نائب خاص بنانے کی مہم چلائی اور بہت سے حقیقی علمائے شیعہ کو بھی اس مغالطہ میں مبتلا کر دیا اور ان سے منوا کر لکھوالیا کہ وہ چاروں واقعی نائب تھے۔ لیکن ہم اس مغالطہ اور فریب کی دھجیاں اڑا کر چھوڑیں گے۔ اور آئندہ کوئی شیعہ مومن ہرگز ان کو نائب امامؑ نہ کہے گا۔ اور جب وہ نیابت سے خارج ہو جائیں تو مجتہد بیچارے نائب امامؑ کیسے رہ سکتے ہیں؟

مسلسل دسویں حدیث سنیں

(2)۔ ''حسن بن فضل کہتے ہیں کہ میں نے عراق میں زیارت کی اور پھر شہر طوس میں وارد ہوا۔ اور یہ تہیہ کر لیا کہ میں یہاں سے اس وقت تک باہر نہ جاؤں گا۔ جب تک مجھے میرے دین کی بنیاد پر واضح دلیل نہ مل جائے اور میری تمام احتیاج و ضروریات پوری نہ کر دی جائیں۔ خواہ اس دوران میں کنگال ہو جاؤں اور خواہ مجھے یہاں بھیک ہی کیوں نہ مانگنا پڑ جائے۔ رہتے رہتے اور مایوسی کے عالم کے بڑھتے بڑھتے میری ہمت نے جواب دے دیا اور یہ خوف بھی دامن گیر ہوا کہ کہیں میں حج کے موسم میں حج سے بھی محروم نہ ہو جاؤں۔ بہرحال ایک روز میں محمد بن احمد کے پاس پہنچا اور اس سے درخواست کر دی۔ تو اس نے بتایا کہ تم فلاں فلاں اور ایسی مسجد میں جاؤ۔ وہاں تم سے ایک شخص ملاقات کرے گا۔ چنانچہ میں اس مسجد میں گیا۔ اور میرے پاس ایک مرد پہنچا اور جیسے ہی قریب آیا ہنسا اور کہا کہ غم نہ کر تو اس سال ضرور ہی حج بھی کرے گا۔ اور صحیح و سلامت اپنے بیٹوں اور اپنے خاندان میں واپس بھی جائے گا۔ لہٰذا میں مطمئن اور خوش ہو گیا۔ اور دل میں کہا کہ یہ وہی بات ہے الحمدللہ''۔ (صفحہ 655 جلد اول)

(۳) حضرت حجتؑ کے زیر پردہ نظامِ غیبت کے چند نائبین نوٹ کر لیں

قارئین نوٹ فرمائیں کہ حسن بن فضل جس محمد بن احمد کے پاس جا کر کامیاب و خوش ہوا وہ محمد بن احمد رضی اللہ عنہ امام غائب علیہ السلام کے نظامِ غیبت کا نیا نائب ہے۔ جس کو اس کے زمانہ کے مشہور و معروف صحابہ رضی اللہ عنہم اور مخالف محاذ کے مجتہدین نہیں جانتے تھے۔ اور اسی لئے نظام غیبت کے اراکین و وکلاء و سفراء و نوابین سے رشتہ نہ جوڑ سکتے تھے۔ اور نظامِ غیبت کی رازدارانہ پالیسی کا ایسا دباؤ جاری رہا کہ امامؑ غائب کے غائب نائبین کا ذکر احادیث معصومینؑ میں موجود ہوتے ہوئے بھی ان کے نام و ولدیت پڑھتے رہنے کے باوجود بھی ان کو حضرت حجتؑ کے نوابوں، وکیلوں اور سفرا میں شمار نہ کیا اور چونکہ ان سے شاگردی یا نیابت یا تعلقات و ملاقات کا رشتہ نہ جوڑ سکے۔ تو کہا بھی تو یہ کہا کہ بہرحال یہ حضرات رضی اللہ عنہم حضرت حجتؑ کے خاص نائبین میں سے نہیں ہیں۔ سنئے ہمارے بعد والے (دسویں اور گیارہویں صدی کے) علماء میں حضرت علامہ مجلسی رضی اللہ عنہ

سے بھی یہ لکھوالیا یا ان کی طرف سے خود لکھ لیا کہ :۔

۔''محمد بن احمد جس کا نام اس حدیث میں لیا گیا ہے۔حضرت حجتؑ کے شہرت یافتہ سفیروں میں سے نہیں ہے۔لیکن حدیثوں کے ایک مجموعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشہور کردہ نائبین کے علاوہ ایک اور گروہ بھی امامؑ کا نائب تھا۔اس لئے کہ شیعوں کے پاس ان کی معرفت بھی خطوط آتے رہے ہیں۔شیخ مفیدؒ کی کتاب ارشاد میں یوں لکھا ہے کہ :۔''ایک روز میں محمد بن احمد کے پاس آیا جو اس زمانہ میں امامؑ کے سفیر تھے۔ میں نے ان سے درخواست کی''۔اور علامہ صدوقؒ کی لکھی ہوئی روایت کی بنا پر محمد بن احمد سے ابوجعفر محمد بن عثمان بن سعید عمری مراد لیا ہے۔ جو کہ مشہور شدہ سفیروں اور نائبوں میں کا دوسرا نائب ہے۔اس لئے کہ شہرت یافتہ سفیر تو صرف چار ہی تھے''۔

قارئین غور فرمائیں کہ علامہ صدوق رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ کہہ دیا گیا کہ محمد بن احمد، محمد بن احمد نہیں تھا۔بلکہ وہ محمد بن عثمان تھا۔یعنی جتنے کالے وہ سب ......کوئی ان فریب خوردہ لوگوں کو بتاتا کہ ارے عقل کے اندھو کہاں احمد اور کہاں عثمان؟ یہ ہے چوراہے میں ابلہ فریبی کی شاندار مثال کہ احمد کو عثمان بنا دیا گیا۔بہرحال علامہ مجلسیؒ نے ہی نہیں بلکہ تمام مجتہدین نے بھی یہ مانا ہے۔کہ نائب وہ ہوتا ہے۔جس کی معرفت شیعوں کو امامؑ کے خطوط ملتے ہوں۔لیکن امامؑ کی طرف سے شیعوں کو

''محمد بن احمد که در این خبر نامبرده شده از سفرای معروفِ امامؑ نیست۔ولی از پارۂ اخبار ظاهر میشود که جُز نوابِ معروف جمعی دیگر هم بوده اندکه توقیعاتی بوسیله آنها برای شیعه میرسیده است۔و عبارت ارشاد چنین است:''روزی نزد محمد بن احمد آمدم که در آن روز سفیر بود و از اُو درخواست کردم'' و بنا بر روایت صدوقؒ مقصود از ابی جعفر محمد بن عثمان بن سعیدعمری است که دومین از سفراء و نواب خاصه است۔زیرا سفراء معروف چهار تن بودند۔ ۱۔ابو عمر و عثمان بن سعید عمری و چون از دنیا رفت پسرش ۔۲۔ ابو جعفر محمدؒ بن عثمان بجائی او نشست و چُون اُو هم در گذشت ۳۔ ابو القاسم حسین بن روح نو بخت بجائی او نشست. وچون او در گذشت ۴۔ ابو الحسن علی بن محمد سمری رضی الله عنهم اجمعین بجائی اونشست''۔

(شرح کافی محمدؐ باقر الکمرئی جلد۲ صفحہ۵۹۲ طبع ایران)

اور شیعوں کی طرف سے امامؑ کو نہ صرف خطوط کی بھر مار ہے۔بلکہ مال و اسباب کے بھی دونوں طرف ڈھیر لگائے جا رہے ہیں۔ اور کہیں وہ چار تن خاص سفیر اور نائب ڈھونڈھے نہیں ملتے۔چونکہ وہ چاروں ان فرائض میں کہیں شمار نہیں ہوئے لہٰذا وہ چاروں ہرگز ہرگز امامؑ عصر کے نائب نہیں تھے۔اور نہ کوئی اور شہرت یافتہ شخص نائب وسفیر ووکیل امامؑ ہو سکتا تھا۔وہ چاروں تو وہ حضرات

ہیں جن کو امام عصرؑ نے معزول وممنوع قرار دیا تھا۔لیکن نظام اجتہاد نے ان کی آڑ لے کر خود کو حضرت حجتؑ کے نائب بنا لیا اور یوں ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہِ امامتؑ ہو گئے۔

دسویں حدیث پھر سنیں

° ۔''اس کے بعد حسن بن فضل سناتے ہیں کہ میں سر من رای میں پھر آیا تو وہاں میرے لئے ایک تھیلی میں چند اشرفیاں اور ایک جوڑا کپڑوں کا بھیجا گیا۔ مجھے بہت صدمہ ہوا کہ دیکھو اس آدمیؑ کے نزدیک میری اسی قدر قیمت ہے۔ میں نے بہت نادانی کا کام کیا۔اور اس سامان کو حقیر سمجھ کر واپس کر دیا اور ایک خط بھی لکھ مارا۔ اور جس شخص نے مجھ سے وہ سامان اور خط لیا کسی قسم کا تاثر اور اشارہ نہ دیا۔اور میری اس حرکت پر ایک لفظ تک بھی نہ کہا۔اس کے جانے کے بعد میں بہت نادم ہوا۔میں سمجھ رہا تھا کہ میں نے بڑی ناشکری اور بے دینی کی حرکت کی ہے۔انتہائی پشیمانی کے عالم میں معافی مانگتے ہوئے دوسرا خط بھیجا اپنے گناہ کا اقرار کیا۔آئندہ محتاط رہنے کا اعلان کیا۔مجھ سے ایک جگہ بیٹھا نہ جاتا تھا۔ہاتھ ملتا تھا۔بے چینی گلوگیر ہو کر رہ گئی تھی۔میں اس بے قراری کے عالم میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر مجھے معاف کر دیا گیا اور میرا واپس کیا ہوا سامان اور اشرفیاں پھر بھیج دی گئیں تو میں انہیں خرچ نہ کروں گا۔کھول کر بھی نہ دیکھوں گا۔اسی حالت میں اپنے والد کو پہنچا دوں گا۔اس لئے کہ اس معاملہ میں وہ مجھ سے زیادہ دانا ہیں۔تاکہ جو وہ مناسب سمجھیں اس عطیہ کے ساتھ کریں۔ چنانچہ جو شخص میرے لئے پہلے وہ سامان لایا تھا۔اسی کے ہاتھ میں میرے پاس اس مضمون کا خط آیا کہ۔''تم نے یہ برا کیا کہ اس شخص کو اطلاع نہ دی۔ہم اپنے بعض دوستوں سے اسی قسم کا سلوک کرتے ہیں۔اور انہیں جزوی طور پر عطیات دے دیا کرتے ہیں۔اور بعض دفعہ وہ خود بھی بطور تبرک مانگ لیا کرتے ہیں۔اور بات بھی یہی ہے۔کہ کم مقدار کے عطیات اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ جہاں جہاں پہنچیں وہاں برکت وفراوانی کر دیں۔تمہارا معافی نامہ پہنچا تم اپنی غلطیوں پر نادم ہو ہم معاف کرتے ہیں۔اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔چونکہ تم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر اشرفیاں دوبارہ ملیں تو تم انہیں سفر میں خرچ نہ کرو گے۔لہٰذا ہم ان کو فی الحال تمہیں نہیں بھیجتے البتہ کپڑے بھیج رہے ہیں۔ان کو حج کے دوران احرام کی جگہ استعمال کرنا۔حسن بن فضل نے یہ بھی بتایا کہ میں نے دو خواہشیں تو لکھ دی تھیں۔مگر تیسری خواہش لکھتے ہوئے ڈر گیا تھا۔بہرحال جواب تینوں کا پورا دیا گیا۔

پھر یہ بھی بتایا کہ نیشاپور میں میں نے جعفر بن ابراہیم سے وعدہ کیا تھا۔کہ حج کے لئے ہم دونوں اکٹھے جائیں گے۔مگر بغداد میں آکر حالات کی تبدیلی سے مجھے پشیمانی کے ساتھ جعفر بن ابراہیم سے معذرت کرنا پڑی اور کسی اور ساتھی کی تلاش میں نکلا۔ابن الوجنا مجھے مل گیا۔اور قبل اس کے کہ میں نے اس سے اونٹ کرایہ کرنے کا ذکر کیا ہوتا۔وہ پہلے ہی اس معاملے میں خوش نہ پایا گیا کہ وہ اس ذمہ داری کو قبول کرے۔لیکن اس کے بجائے یہ کہا کہ میں تو خود ہی تمہاری تلاش میں رہا ہوں۔اس لئے کہ مجھے حکم پہنچا ہے

کہ میں تمہاری خاطر داری کروں اور تمہارے ساتھ ایک ہی اونٹ پر سفر کروں اور اونٹ کرایہ پر لوں''۔(جلد اول صفحہ 656)

قارئین کرام اس طویل حدیث میں امام علیہ السلام سے رابطہ اور راز دارانہ عمل درآمد نوٹ کریں اور دیکھیں کہ علامہ مجلسی کے قائم کردہ معیار کے مطابق اس حدیث میں محمد بن احمد اور ابن الوجنا دونوں حضرت حجتؑ کے نائب وسفیر ووکیل ہیں۔ مگر مجتہدین سے ان کا تعلق نہ تھا۔اس لئے شمار نہیں کیا گیا۔اوریہی نظام غیبت کا مقصد تھا کہ حضور علیہ السلام کے اہلکاروں اور ارا کین سے کوئی مجتہد یا موٹا دعویدار علم واقف نہ ہوسکے۔ادھر حسن کے والد جناب فضلؒ بھی امامؑ کے سفیر و نائب تھے۔

(گیارہویں حدیث) حضرت حجتؑ کے ایک اور نائب اور سفیر و وکیل

۔''حسن بن عبدالحمید بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت حجتؑ کے وکیل جناب حاجز رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ شک ہوا کہ آیا وہ وصول شدہ اموال امامؑ غائب تک پہنچاتے ہیں یا نہیں؟ اس بات کو جانچنے کے لئے میں نے کچھ مال واسباب جمع کیا اور ذاتی طور پر لے کر عسکر (سامرہ) شہر میں پہنچا۔تو حضورؑ کا تحریری حکم پہنچا لکھا تھا کہ ﴿لَیُسَ فِیُنَا شَکٌّ وَّ لا فِیُمَنُ یَقُوُمُ مَقَامِنَا بِاَمُرِنَا ۔ رَدِّ مَا مَعَکَ اِلٰی حَاجِز بِنُ یَزِیُد﴾۔''ہماری ذات اور پوزیشن میں اور ان لوگوں میں جو ہمارے نظام کو چلانے میں ہمارے قائم مقام کی حیثیت میں ہماری جگہ کھڑے ہوتے ہیں۔کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کرنا چاہئے۔لہٰذا جو کچھ تم لائے ہو وہ سب حاجزؒ بن یزید کے حوالے کردو''۔(جلد اول صفحہ 656)

(ا) فریب خوردہ علماء کی گھبراہٹ اور اپنے خودساختہ نائبوں کے نام گھسانے کی ایک مثال

یہاں قارئین چند اور نائبوں کے نام نوٹ کرلیں اور دیکھ لیں کہ کس طرح بعد والے علماء نے مذکورہ چاروں حضرات کو خواہ مخواہ حضرت امام عصرؑ کے نائبین میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔چنانچہ مندرجہ بالا حدیث پر علامہ مجلسیؒ کا تشریحی نوٹ پڑھیں فرماتے ہیں کہ:۔

۔''حدیث میں راوی محمد بن الحسن بن عبدالحمید کا مطلب یہ تھا کہ میں نے حاجز کے بارے میں یہ یقین حاصل کرنا چاہا کہ آیا وہ امامؑ عصر کے وکیلوں میں سے ایک وکیل ہے بھی یا نہیں؟ اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حاجز بنؒ یزید یقیناً

''یعنی تردید پیدا کردم که او (حاجز بن یزید) هم از وکلای امامِؑ قائم است یا نه؟ و این خبر دلالت دار دکه از وکلاء بوده است۔ و شیخ صدوق در کمال الدین در روایت از محمد بن ابی عبداللّٰه کوفی در شمارهٔ کسانیکه باُو (حضرت حجةؑ) رسید است از مطلعین بر معجزاتِ امامؑ عصر و کسانیکه اوؑ را دیده اند۔ از وکلاء بغداد عمری و پسرش و حاجز و محمد بن صالح همدانی و دیگران را شمرده است''۔(شرح محمد باقر کمرئی جلد۲ صفحہ۵۹۴)

حضرت حجتؑ کے وکیلوں میں سے ایک وکیل تھا۔ اور شیخ صدوقؒ نے بھی اپنی کتاب کمال الدین میں محمد بن ابی عبداللہ کوفی سے روایت لکھی ہے اور اس میں ان سب حضرات کا نام بنام ذکر کیا ہے۔ جو حضرت حجتؑ تک رسائی رکھتے تھے اور وہ جو حضورؑ کے معجزات پر مطلع تھے اور وہ جو انؑ کو دیکھے ہوئے تھے۔ بغداد کے وکیلوں میں سے انہوں نے (یعنی شیخ صدوق نے) عثمان بن سعید عمری اور اس کے بیٹے محمد بن عثمان اور حاجز بن یزید اور محمد بن صالح ہمدانی اور دوسرے وکلا کو شمار کیا ہے''۔

صاف ظاہر ہے کہ کارکردگی کر کے دکھانے والے حضراتؒ کے ناموں کو لکھتے تو رہے۔ مگر لوگوں میں صرف ان ہی چاروں کو شہرت دی اور جگہ جگہ ضرورت و بلاضرورت ان کا نام خود ہی گھساتے اور لکھتے رہے۔ ہم کافی کے مقابلہ میں موجودہ کتابوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں دیتے اور کافی سمیت کسی کتاب کو نظام اجتہاد کی دست برد سے محفوظ نہیں سمجھتے۔ اسی لئے اس دست برد کی مثالیں قارئین کے سامنے پہلے ہی لکھ دی ہیں۔

(بارہویں حدیث) چھپائے جانے والے اور نائب نوٹ کریں

آپ نے علامہ مجلسی کے نوٹ میں ابھی ابھی جناب محمد بن صالح رضی اللہ عنہ کا نام حضورؑ کے نائب کی حیثیت میں پڑھا تھا۔ اب ان کا اور ان کے والد گرامی کا نام دوبارہ حضرت حجتؑ کے نائبین میں ملاحظہ فرمائیں۔ حدیث میں ہے کہ:۔

۔''محمد بن صالح رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے والد جو حضرت حجتؑ کے وکیل تھے ہمدان میں انتقال فرما گئے (**لما مات ابی وصار الامر لی** ''۔ جب میرا باپ مر گیا اور نظام کی ذمہ داری مجھ پر عاید ہوئی) تو میں نے سرکار حجتؑ کو خط سے اطلاع دی کہ حضورؑ میرے والد کے زمانہ کے کچھ اموال و تحفہ جات اور پرونوٹ (ہنڈیاں) لوگوں کی تحویل میں ہیں۔ ان کے لئے اب کیا حکم ہے؟ حضرتؑ نے جواب میں لکھا کہ ان لوگوں پر تقاضہ کرو، وصول کرو، جو ڈھیل دے اس پر سختی کرو اور وصول یابی کے بعد یہاں روانہ کردو۔ چنانچہ میرے مطالبہ پر تمام متعلقہ لوگوں نے تمام چیزیں میرے پاس جمع کر دیں مگر ایک مرد نے جس کی طرف چارسو اشرفیوں کی مالیت کا سامان تھا۔ آج دوں گا۔ کل لے لینا کر کے ٹالنا شروع کر دیا۔ اور یہی نہیں بلکہ اس کے بیٹے نے میری خوب خبر لی اور بہت بے عزتی کی اور بے وقوف بنا کر بھگانے میں کوشاں ہوا۔ میں نے اس کی شکایت اس کے باپ سے کی تو اس نے کہا کہ اگر میرے بیٹے نے ایسا کیا تو کیا برا کیا؟ یہ سن کر میں نے اسے داڑھی سے پکڑ کر گرایا اور پیر پکڑ کر گھسیٹتا ہوا گھر سے باہر کھینچ لایا اور خوب ہی تو اس کی دھنائی کی۔ اس کی ہائے واویلا پر اس کا بیٹا بھاگا ہوا گیا۔ اور بغداد کے باشندوں سے مدد چاہی اور کہا کہ ایک قمی رافضی نے میرے والد کو مار ڈالا ہے۔ بہت سے بغدادی لوگ ہجوم کر کے جمع ہو گئے اور میں بھی جلدی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اور اس ہجوم سے میں نے کہا کہ اے بغدادیو تمہیں آفرین ہے کہ تم ایک غریب اور بے یار و مددگار شخص کے مقابلہ میں ظالم و غاصب کی مدد کے لئے دوڑ کر آ گئے۔ شاباش شاباش اس کی خوب طرفداری کرو اور اپنی شرافت اور مذہبی

حمیت کا خوب مظاہرہ کرو۔سنو میں ایک سُنّی اور ہمدان کا باشندہ ہوں اور یہ مردود مجھے قمی اور رافضی کہتا ہے۔ ناحق میرا مال مار بیٹھا ہے۔میرا یہ بیان ایسا کارگر ہوا کہ سارا ہجوم اس پر ٹوٹ پڑا اور سب چاہتے تھے کہ اس کی دکان لوٹ کر تباہ کردیں۔ میں نے انہیں نرم کیا۔وہ لوگ اس نادہندہ شخص کو میرے سامنے لائے اور اس کو اس کی بیوی کے طلاق کی قسم دلوا کر مجھے وعدہ دلوادیا کہ وہ بہت جلد میرا مال واپس کردے گا۔اس طرح میں نے اس کی جان چھڑوائی''۔(جلداول صفحہ 657-656)

قارئین پہلے یہ نوٹ کریں کہ نظامِ غیبت میں لفظ شیعہ وسُنی اور رافضی اور قمی کو سیاسی استفادہ کے لئے استعمال کرنے کی یہ بڑی عمدہ اور عملی مثال ہے اور اس کا علاج بھی آپ کے سامنے ہے۔اور یہ طریقہ اختیار بھی ایسے شخص نے کیا ہے۔جو نظام غیبت میں ایک نائب اور اہم ہستی ہے۔لہٰذا نظامِ غیبت کو نقصان سے محفوظ رکھنا بنیادی ضرورت ہے۔لہٰذا آپ الفاظ وجذبات میں کبھی نہ الجھیں حقیقی مقصد کو سامنے رکھیں اور ہر سیاسی چال اور داؤ پیچ کو پیٹ کر رکھ دیں۔مضبوط وطاقتور رہنا دس بیس دشمنوں کو شکست دینے کے قابل رہنا اور طاقتوری میں ہمیشہ بڑھتے جانا ہر اس شخص پر واجب ہے۔جو نظام غیبت پر ایمان رکھتا ہو اور اس کے مقاصد کو عملاً نافذ کرنا چاہتا ہو۔پھر یہ بھی ایک لطیفہ ہے کہ اس شخص نے محمد بن صالح کو شیعہ نہیں کہا۔بلکہ رافضی اور قُمی کہا۔ اور محمد بن صالح نے بھی شیعہ ہونے کا انکار نہیں کیا۔بلکہ رافضی اور قُمی ہونے کا انکار کیا تھا۔وہ واقعی رافضی یعنی منکر اور منہ پھرانے والا یا سرتابی کرنے والا نہ تھا۔بلکہ فرمانبردار ووفادار وجانفروش تھا۔کس کا؟ یہ وہ جانتا تھا۔اس حقیقی اور صحیح انکار سے لوگ خوش اور اس کے طرف دار ہوگئے۔پھر وہ قُم کا باشندہ اور قمی بھی نہیں تھا۔بلکہ ہمدانی تھا اور محمد بن صالح کا اپنا مذہب بھی وہ نہ تھا۔جو قمیوں کا ہوا کرتا تھا اس زمانہ کے قمی ڈبل رافضی تھے۔یعنی سنی ان کو اس لئے رافضی کہتے تھے کہ وہ اصحاب ثلاثہ کو ناپسند کرتے تھے۔اور حقیقی شیعہ ان کو اس لئے ناپسند کرتے تھے اور رافضی کہتے تھے کہ وہ محمدؐ وآل محمدؐ کے فضائل کو اس حد تک نہ مانتے تھے۔ جو احادیث میں معصومینؑ نے بیان کئے ہیں۔مثلاً وہ حضرت علیؑ کو لِسَانُ اللّٰہ۔عَیۡنُ اللّٰہ وغیرہ ماننے والوں کو غالی کہتے تھے۔یعنی فضائل کے منکر ہونے کی بناء پر شیعوں میں بھی رافضی اور ناپسندیدہ مشہور تھے۔خود جناب شیخ مفید رضی اللہ عنہ ان کو برا کہتے اور لکھتے رہے ہیں۔ہم مناسب مقام پر قُمّیوں کا تذکرہ کریں گے۔

(تیرہویں حدیث) مال امامؑ کہیں ہو کوئی غائب، امامؑ سے غائب نہیں کرسکتا

۔''جب یزید بن عبدالعزیز نے انتقال کیا تو احمد بن حسن کے غلام بدر کو وصیت کی کہ اس کا گھوڑا،تلوار اور پٹکا سرکار حجتؑ کی خدمت میں پہنچادے۔لیکن اس نے چپکے سے یہ سامان سات سو دینار میں فروخت کردیا۔اور قیمت اپنے پاس رکھ کر بیٹھ گیا۔حالانکہ کسی سے ذکر نہ کیا تھا۔اس کے باوجود امامؑ کا خط پہنچا اور لکھا گیا کہ گھوڑے،تلوار اور پٹکے کی قیمت سات سو دینار یہاں پیش کرو''۔(جلداول صفحہ 657) مگر وہ نواب خاصہ کہیں نہ ملیں گے۔ان کو تلاش کرنا نہ بھولیں۔

(چودہویں حدیث) علم غیب ولوح محفوظ محمدؐ وآل محمدؐ کی اپنی چیزیں ہیں

۔''ایک شخص نے نومولود بچے کے ختنہ کرنے کی اجازت طلب کی تو خط کے جواب میں ممانعت آئی ۔اس لئے کہ بچہ سات آٹھ روز کے اندر مرجاتا تھا۔ بچے کے انتقال کی اطلاع دی گئی تو امام علیہ السلام کا خط ملا کہ جلد دوسرا اور پھر تیسرا بچہ پیدا ہوگا۔ پہلے کا نام احمد رکھنا اور دوسرے کا نام جعفر رکھنا۔ چنانچہ اسی کے مطابق واقع ہوا۔میں نے حج کی تیاری مکمل کرلی لوگوں سے رخصت ہونے کی رسم بھی ادا کر بیٹھا۔اور سرِ راہ تھا کہ خط آیا اور فرمایا کہ ہم تمہارے اس سفر سے خوش نہیں ہیں ۔لیکن تمہارا اختیار بھی نہیں چھینتے تم جانے نہ جانے میں آزاد ہو۔ میں الجھن میں پھنس گیا۔سفر سے رک تو گیا لیکن ایک خط بھیج دیا۔کہ حضور میں اطاعت شعار اور گوش بر آواز رہنے والا غلام ہوں ۔مگر دل ذرا رنجیدہ سا ہے۔اس کا کیا کروں؟ حکم آیا کہ دل تنگ نہ ہو سال آئندہ تم ضرور حج کروگے ۔اگلے سال خط سے میں نے اجازت طلب کی اور یہ بھی چاہا کہ مجھے محمد بن عباس کے ساتھ جانے کی اجازت ملے اور میں نے اس کی دیانت وامانت وخودداری کی بھی تعریف کی۔اجازت کا خط آیا مگر یہ بھی لکھا تھا کہ اسدی کوفی کے ساتھ سفر کرو اور ان پر کسی اور کو مقدم نہ کرنا چنانچہ اسدی آ گئے اور میں ان کے ساتھ ہم سفر ہوا''۔(صفحہ 658-657)

(ا) حقیقی نائبوں کو چھپانے اور بدنام کرنے کی بھی کوششیں ہوتی رہی ہیں

قارئین کرام نوٹ کریں کہ مندرجہ بالا حدیث میں جناب محمد بن جعفر بن محمد حضرت حجت علیہ السلام کے ایک نائب ووکیل وسفیر تھے۔ یہ مان لینے کے بعد بھی ان کو شہرت نہیں دی گئی۔شیعہ پبلک کو ان کے نام تک کا علم نہیں پھر یہ زیادتی یہاں ختم نہیں ہوجاتی۔ بلکہ انہیں بدنام کرنے اور بدعقیدہ ثابت کرنے کا انتظام کیا تھا۔سنئے علامہ مجلسی اس راز کو فاش کرتے ہیں۔

ترجمہ۔''اسدی ! اصل میں محمد بن جعفر بن محمد اسدی کوفی ہے ۔ اور اسے عموماً محمد بن ابی عبداللہ کہا جاتا ہے۔نجاشی نے کہا ہے کہ اسدی قابل اعتماد بھی ہے اور صحیح حدیثیں بیان کرنے والا بھی ہے مگر اتنی سی بات ہے کہ وہ ضعیف العقیدہ لوگوں سے حدیث اختیار کرلیتا ہے اور ساتھ ہی جبر کا قائل یعنی عدل کا منکر ہے ۔اور اللہ کے متعلق تشبیہ دینے کا عقیدہ بھی رکھتا ہے۔اور شیخ طوسی رضی اللہ عنہ

''اسدی! محمد بن جعفر بن محمد اسدی کوفی است که ساکنِ ریَ بوده است وباُو محمد بن ابی عبدالله میگفتند ۔ نجّاشی گفته ثقه ایست صحیح الحدیث جز آنکه از ضعفا نقل میکرده وقائل به جبر وتشبیه بوده وشیخ (یعنی شیخ طوسیؓ) گفته که یکی ازابواب است .ودر کمال الدین گفته استکه اواز آن وکلائی است که برمعجزات صاحب الزمانؑ واقف شده است۔ واوؑ رادیده است۔ من میگویم نسبت به اُو به جبر وتشبیه برای این است که اخبار دالّه برآنها را روایت کرده واین دربزرگواری او ضرر ندارد ''۔(شرح کافی محمدؐ باقر کمرئی جلد۲ صفحہ ۵۹۶)

نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو امامؑ کے دروازے (باب) تھے۔اور شیخ صدوق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسدی اُن وکیلوں میں سے ہے جو صاحبؑ الزمان کے معجزات سے واقف اوران سے ملاقات کا شرف رکھتے تھے۔اور میں (یعنی علامہ مجلسی) کہتا ہوں کہ ان کو نجاشی نے جو جبر اور تشبیہ کے عقیدہ سے منسوب کیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسدی ایسی حدیثیں بیان کرتے تھے۔جن میں آئمہ معصومینؑ یا محمد مصطفیٰؐ نے اللہ کے جبر وتشبیہ کا ثبوت دیا ہے۔اوراللہ کے عادل ہونے کا انکار کیا ہے۔ لہٰذا ایسی احادیث بیان کرنے سے اسدی کی بزرگی میں کوئی فرق یا کمی پیدا نہیں ہوتی''۔(اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن)

علامہ مجلسی کے بیان کی قابل قبول اور پسندیدہ باتیں

ہم اس بیان پر پوری توجہ حاصل کرنے کے لئے مومنین اور قارئین کے سامنے اس کی دونوں حیثیتیں پیش کرتے ہیں۔ تاکہ شیعوں کو جو باتیں اپنے مذہب کے حق میں پسند ہوں۔ان کو اختیار کرلیں اور جو بُری ہوں ان کو مع ان کے کہنے والوں کے مردود قرار دے دیں۔پہلے اچھی باتیں اخذ کیجئے۔

1۔محمد بن جعفر اسدی رضی اللہ عنہ امامؑ زمانہ کے معجزات سے واقف تھے۔آپؑ سے ملاقاتیں کرتے تھے۔اور سرکار حجتؑ کے ساتھ وہی مقام رکھتے تھے۔جو حضرت علی علیہ السلام کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ حاصل تھا۔اس لئے کہ وہ باب علم نبیؐ تھے۔اور اسدی باب حضرت حجتؑ تھے۔یعنی حضرت حجتؑ سے جو کچھ ملتا تھا۔وہ حضرت محمد بن جعفر اسدی کے توسط سے ملتا تھا۔لہٰذا

2۔جناب اسدیؒ ثقہ اور حدیث کے بیان میں سو فیصدی صحیح مقام رکھتے تھے۔اور یہ کہ اسدیؒ کی بزرگی میں کوئی کلام اور نقص نکالنا باطل ہے۔

علامہ مجلسی کے بیان میں محمدؐ وآل محمدؐ اوران کے قائم مقام کی کھلی توہین کی گئی ہے

جو کچھ علامہ نجاشی نے کہا اور جو کچھ علامہ محمد باقر مجلسی نے تسلیم کیا وہ نوٹ فرمالیں۔

1۔احادیثِ محمدؐ وآل محمدؐ میں عدل کا انکار ہے۔اور یہ حضرات اللہ کو جابر مانتے تھے۔

2۔عدل کے منکر اور جبر کے قائل لوگ آئمہ معصومینؑ کے وکیلوں، نائبوں اور ابواب میں بھی موجود تھے اور۔

3۔عدل وتشبیہ کے قائل لوگ بزرگ ہوتے ہیں۔ثقہ ہوتے ہیں۔

4۔ضعیف العقیدہ لوگوں سے حدیثیں لینا اور انہیں آگے بڑھانا بزرگی کی ایک علامت ہے۔اور امامؑ کے مقربین ونائبین میں اسی قسم کے لوگ تھے۔مومنین چاہیں تو ان عقائد کو اپنے معمول میں داخل کرلیں۔مگر ہم خفا ہیں۔

(پندرہویں حدیث) نائبِ امامؑ جن پر کیچڑ اچھالا گیا

۔''محمد بن علی بن شاذان نیشاپوری نے بیان کیا ہے۔کہ میرے پاس چارسواسی (480) درہم جمع ہو گئے مگر میں نے یہ اچھا نہ سمجھا کہ میں پانچ سو درہم سے کم حضورؑ کی خدمت میں ارسال کروں۔لہٰذا میں نے اپنے پاس سے بیس درہم ڈال کر وہ رقم پوری پانچ سو کردی۔اور امامؑ کے نائب جناب اسدیؓ کے پاس بھیج دی۔اور اپنے اضافہ کردہ بیس درہموں کا کوئی ذکر نہ کیا۔مگر رسید میں یہ لکھا ہوا آیا کہ ہمیں تمہارے ذاتی بیس درہموں سمیت پانچ سو درہم وصول ہوئے''۔(صفحہ 659)

اب قارئین سوچیں کہ اس زمانہ کے شیعہ عوام میں جناب اسدی رضی اللہ عنہ حضورؑ کے نائب ہیں۔اموال وخطوط ان کی معرفت بھیجے جاتے ہیں۔اور انہیں نظام اجتہاد کے پٹے ہوئے علماء بدنام کرنے میں کمی نہیں کرتے۔مگر کہیں ان اجتہاد پسند نوابوں، وکیلوں اور سفیروں کا تذکرہ نہیں۔نہ غریبوں کو کوئی خط بھیجتا ہے نہ اموال کی تحویل میں انہیں پوچھا جاتا ہے۔اس کے باوجود مجتہدین نے انہیں نیابت کے مینار پر زبردستی چڑھا کر بٹھا دیا۔

(سولہویں حدیث) کسی کی مجال نہیں کہ امامؑ عصر کے نام سے مال آئے اور غائب کرلیا جائے

۔''جناب مرداسؓ کے پاس ایک تو تمیم بن حنظلہ نے مال بھیجا اور دوسرے جناب مجروح شیرازی نے امامؑ کے لئے مال ارسال کیا۔دیر ہونے پر مرکز سے حکم پہنچا کہ دونوں کے اموال جلد ارسال کرو''۔(صفحہ 658 جلد اول)

(1) قارئین نقلی نائبوں کے ہم پلہ حقیقی نائب یا وکیل نوٹ کرلیں

مجتہدین کی طرف سے نائب اور سفیر و وکیل کی شناخت یہ بتائی جاتی ہے۔کہ وہ شخص جس کی معرفت خطوط اور اموال امامؑ تک پہنچیں۔اس اصول پر مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں محمد بن علی بن شاذان اور جناب مرداس رضی اللہ عنہم وکیل بھی ہوئے، نائب اور سفیر بھی قرار پائے۔

(سترہویں حدیث) مجتہدین کے بزرگوار کا تذکرہ تو ہوا لیکن ان کے نائبین کا یہاں بھی پتہ نہ چلا

۔''ابو محمد حسن بن عیسیٰ نے بیان کیا کہ ایک شخص مصر سے کچھ مال لے کر مکہ پہنچا۔تاکہ امامِ زمانہؑ کو مرکز (سامرہ) میں پہنچا دیا جائے۔مکہ آ کر اسے معلوم ہوا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کا انتقال ہو چکا ہے۔اور ان کے بعد امامت میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ امام حسنؑ عسکری کا بھائی جعفر (مجتہد) امام ہے۔کچھ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔امام عصرؑ والزمان حسنؑ عسکری کے بیٹے......حضرت حجتؑ ہیں۔اس کی تحقیق کے لئے مصری آدمی نے ابوطالب نام کے ایک شخص کو خط دے کر سامرہ بھیجا۔وہ جعفر کے پاس پہنچا اور اس سے اس کے امام زمانہ ہونے کا ثبوت مانگا۔اس نے کہا کہ ابھی ثبوت موجود نہیں ہے۔اس کے بعد حضرت حجتؑ سے منسوب دروازہ پر پہنچا۔اور وہ خط ہمارے صحابہؓ میں سے ایک کو دیا۔وہ صحابی اس خط کا

جواب لے کر خانہ امامؑ سے باہر آیا۔اور امامؑ کی طرف سے جواب دیا کہ :-

۔''اللہ تمہیں تمہارے ساتھی کے لئے اجر عطا کرے۔تمہارا ساتھی مر چکا ہے۔اور مرحوم نے اس کے پاس جو مال تھا۔اس کے لئے ایک امانت دار شخص کو وصیت کردی ہے۔لہٰذا اس کی وصیت کے مطابق وہ مال خرچ کرنا لازم ہے۔اور اس کے مرسلہ خط کا جواب بھی دیا گیا ہے''۔(جلداول صفحہ 658)

مومنین دیکھیں کیسے کیسے ٹیڑھے سوال ہورہے ہیں۔ان کو حل کیا جارہا ہے۔وکیل ونائب برابر لوگوں کی مدد کررہے ہیں۔مگر؟بس مگر ہی بھلی ہے۔

(18ویں حدیث)حقیقی نائبانِ امام حضرت حجتؑ کی شانِ مجلسی کا بیان

علامہ مجلسی نے قدیم ریکارڈ سے ایک طویل بیان لکھا ہے جو مندرجہ ذیل حدیث کی شرح میں ضروری ہے۔ پہلے یہ حدیث سن لیں فرمایا گیا ہے کہ:۔''احمد بن الحسنؒ نے فرمایا کہ یزید بن عبداللہ نے وصیت کی تھی کہ ایک چوپایہ جانور اور ایک تلوار اور کچھ رقم امام عصرؑ والزمان کے مرکز میں سامرۃ بھیج دیا جائے۔لہٰذا لوگوں نے چارپائے کی قیمت وغیرہ ارسال کردی مگر تلوار نہ بھیجی گئی۔وہاں سے اطلاع دی گئی کہ تم نے جو کچھ ارسال کیا ہے۔اس میں ایک تلوار بھی ہونا چاہئے تھی۔وہ نہیں آئی۔یا کچھ اس قسم کے الفاظ تھے''۔

یہ حدیث کافی (جلداول صفحہ 659) میں اس قدر بیان پر ختم ہوگئی ہے۔اس لئے کہ کافی کے مؤلف حضرت محمد یعقوب کلینی رضی اللہ عنہ یہ نہ جانتے تھے کہ ان کے انتقال کے بعد چند ہی سال کے اندر اندر نظامِ اجتہاد نے ملت ومذہب شیعہ کا تمام سابقہ دینی ریکارڈ ضائع اور ضبط کردینا ہے۔اور ایسا غدر مچانا ہے کہ علمائے حقیقی بھی بہکی بہکی باتیں کرنے لگیں گے اور انہیں تلوار کی باڑھ پر رکھ لیا جائے گا۔بہر حال علمائے حقیقی نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ اس قسم کی احادیث واضح ہوجائیں۔چنانچہ علامہ مجلسی نے اس کوشش کو ہم تک پہنچایا ہے۔لہٰذا مندرجہ بالا حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ:۔

۔''مجلسی صاحب کی تشریحات ۔''کتاب دلائل الاعجاز میں طبری نے اپنی اس سند سے جو احمد دینوری تک پہنچی ہے لکھا ہے کہ احمد کہتا ہے کہ میں شہر اردبیل سے واپس آیا اور حج کا ارادہ کیا یہ حضرت امام حسن عسکریؑ کے انتقال

شرح از مجلسی:۔''ا زطبری در دلائل الاعجاز بسند خود که آن را با حمد دینوری میرساند گوید۔''من از اردبیل برگشتم بدینور بقصد حج و یکی دوسال پس ازدرگذشت امام عسکریؑ بود، ومردم سرگردان بودند ۔ شیعه نزد من گرد آمدند و گفتند سوله هزار اشرفی ازمال دوستداران نزد ماجمع شده و میبایست آن را بهمراه توفرستیم۔تادر آنجاکه باید مصرف گردد وتحویل شود۔

کے دوایک سال بعد کی بات ہے اس زمانہ میں لوگ امامؑ عصر کے متعلق الجھنوں میں مبتلا تھے۔ چنانچہ بہت سے شیعہ میرے چاروں طرف جمع ہوگئے ۔اور کہا کہ سولہ ہزا ر اشرفیاں محبانِ محمدؐ وآل محمدؐ کی ہمارے پاس اکٹھا ہوگئی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ تمام مال آپ کے ہاتھوں بھیجیں تا کہ جہاں اسے پہنچنا چاہئے وہاں پہنچے اور خرچ ہو۔ میں نے جواب دیا کہ اے لوگو تم جانتے ہو کہ امامؑ کے معاملہ میں الجھا پڑا ہوا ہے۔اور ہم امامؑ کے باب یعنی قائم مقام کو نہیں پہچانتے۔ایسے عالم میں میں کیا کرسکتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے تو آپ کو اس معاملہ میں چن لیا ہے۔ اور یہ تمہاری وثاقت اور دیانت داری کی بنا پر ضروری ہوا ہے۔لہٰذا آپ ہی یہ مال لے کر جائیں گے۔ اور کوشش کریں گے کہ مال ٹھیک ہاتھوں میں پہنچے اور دلیل لے کر دیا جائے ۔اور ہم نے اس کا یہ انتظام کیا ہے کہ ہر شخص کا مال اس کے نام کی تھیلی میں سربمہر ہے۔یعنی جو بلا کھولے یہ بتادے کہ فلاں تھیلی میں اتنا مال اور فلاں شخص کا بھیجا ہوا ہے۔بس وہی حقدار وامامؑ ہے۔اُسی کودینا۔چنانچہ وہ تمام مال میرے پاس لایا

گوید: من گفتم اے مردم امروز روز سرگردانی است۔و باب امام عصرؑ رانمیشناسیم ۔ گفتند ما ترا برای بردن این مال برگزیدیم برای وثوق بتو وکرم تو ۔ تو بکوش که آنرا از دست نه دهی مگر با دلیلی و این اموال را در کیسه هایَ که بنام صاحبانش مهر بود نزد من آوردند و من آنرا برداشتم و آمدم تاکرمانشاه ۔ که احمد بن حسن بن حسن در آنجا بود ۔ نزد اُو رفتم وسلام دادم۔چون مرا دید شاد شد ۔ یک کیسه که هزا ر اشرفی در آن بُود بمن داد با چند بسته جامه های الوان تیره دار که نمیدانستم درمیان آنها چیست؟ با من گفت اینهاراهم باخود ببر،ولی بے دلیل تحویل مده۔ چون بغداد رسیدم هدفی نداشتم جز تشخیص نائب امام (ع) و برأی من باقطانی و اسحاق احمر و ابو جعفر عمری را نام بُردند ۔و من نزد اسحاق احمر و باقطانی رفتم۔ و بانها گذارش دادم۔ دلیلی نیاوردند۔ پس از آن رفتم نزد ابو جعفر، شیخی بود متواضع در اطاق کوچکی روی نمدی نشسته بُود باُوسلام کردم وجواب دادوچون اورا از وضیعت خبر دادم ۔ گفت اگر دوست داریکه ایں مال بکسی برسدکه میخواهی بروبسامره واز خانهٔ ابن الرضا پرسش کن و از فُلان بن فُلان وکیل ۔ درین تاریخ خانهٔ ابن الرضا بوجود اهلش آبادان و معمور بود۔تو در آنجا آنچه را خواهی بجوئی ___ گوید بسامره رفتم و آن خانه را جُستم و از آن وکیل پرسیدم۔دربانان گفتند در خانه کاری دارد و اکنون بیرون می آید۔ پس از ساعتی بیرون آمد۔ و من

گیا۔اورمیں نے اس کا چارج سنبھال لیا۔ اور وہاں سے چل کر کرمانشاہ میں آیا۔اس لئے کہ وہاں احمد بن حسن بن حسن مقیم تھے۔ میں ان سے ملا سلام کیا۔جیسے ہی مجھے دیکھا بہت خوش ہوئے اور مجھے ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی پکڑا دی۔جو کئی ایک گہرے رنگ کے کپڑوں میں لپٹی ہوئی تھی کہ میں یہ نہ جان سکتا تھا کہ اندر کیا کیا ہے ؟مجھ سے کہا کہ یہ بھی اپنے سامان کے ہمراہ رکھ لو لیکن اندر کا حال بیان نہ کرنے والے کو نہ دینا۔جب میں بغداد پہنچا تو مجھے امامؑ کے نائب کی تلاش اور شناخت کے علاوہ کوئی اورکام ہی نہ تھا۔چنانچہ تفتیش کے بعد مجھے باقطانی اوراسحاق احمراورابوجعفرعمری کے نام بتائے گئے۔چنانچہ میں اسحاق اور باقطانی سے ملا مگر انہوں نے میرے مقصد کی کوئی دلیل نہ دی۔اس کے بعد میں ابوجعفرعمری کے پاس گیا جو بڑھا آدمی تھا۔صورت سے تواضع کرنے والا معلوم ہوا۔ایک نمدہ کے اوپرایک چھوٹے سے کمرہ میں بیٹھا تھا۔میں نے سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا۔ اورجب میں نے اپنی پوزیشن اورمقصد بیان کیا توانہوں نے کہا کہ اگرتم کو یہ بات

برخاستم باُ و سلام دادم و او دست مرا گرفت و بخانه خود بُرد ـ و از حال من ومقصود من پُرسید ـ و باُو گفتم که مالی از سُوی کوهستان آوردم و نیاز دارم آن را طبق دلیلی رسانده باشم ـ گفت بسیار خوب ـ سپس برای من خوراکی آورد و گفت این رابخور و استراحت کن ـ گوید ـ من خوردم و خوابیدم و هنگام نماز برخاستم نماز خواندم و رفتم لب شط غسل کردم و زیارت کردم و برگشتم بخانهِ آنمرد ـ و ماندم تایک چهارم شب گذشت و سپس او آمد و نوشته لوله کرده ای باخود داشت که در آن نوشته بود : بسم الله الرحمن الرحیم ـ احمد بن محمد دینوری آمد ـ و شانزده هزار اشرفی در چنین و چنین کیسه سر بسته آورد ـ کیسه فلان بن فلان اینقدر است. و از فلان بن فلان اینقدر اشرفی است ـ تاهمه کیسه ها را شمرد ـ و کیسه فلان بن فلان ذراع هم با شانزده (۱۶)اشرفی درمیان آنها است ـ و از ذکر اینجمله شیطان بمن وسوسه کرد (چون ازآن اطلاعی نداشتم) باز گفتم مولای من بدان ازمن دانا تر است ـ و من نام یک یک کیسه هاونام صاحبش را خو اندم تا بآخر آن رسیدم ـ پس یاد آور شده بود که از کرمانشاهان از نزد احمد بن حسن مادرأی برادر صواف کیسه آورده که درآن هزار دینار طلا است با چنین و چنین بسته از جامعه ها که جامه ای از فلانی است و جامه ای از فلانی و همه جامه هارا بانسب و رنگش شرح داد ـ گوید ـ من حمد و شکر خدا را کردم که برمن منت

پسند ہو کہ یہ مال اسی کو پہنچے جسے تم پہنچانا
چاہتے ہو تو تم سیدھے سامرہ چلے جاؤ
اور وہاں جا کر رضا کے بیٹے کا مکان تلاش
کرو اور فلاں بن فلاں وکیل کا پتہ لگاؤ
(یہاں یہ نوٹ دیا ہے کہ ان دنوں ابن الرضا
کا گھر گھر والوں سے بھرا پڑا تھا۔مصنف)
وہاں تمہیں جو تم چاہتے ہو سب ملے گا۔یہ سن
کر میں سامرہ پہنچا اور اس گھر کو تلاش کیا پھر
اس وکیل کی بابت دریافت کیا۔دربانوں
نے کہا کہ اس وکیل کو گھر کے اندر کچھ کام ہے
ابھی باہر آیا جاتا ہے۔میں بیٹھ گیا۔تھوڑی
دیر بعد وکیل آ گیا۔میں نے اٹھ کر سلام کیا۔
اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے آیا
وہاں میرا حال اور مقصد دریافت کیا۔میں
نے اس کو بتایا کہ میں پہاڑی علاقہ سے کچھ
اموال لے کر آیا ہوں۔اور چاہتا ہوں کہ
اس مال کو دلیل ملنے کے بعد حوالہ کروں۔
اس نے کہا بہت ہی خوب بات ہے۔اس
کے بعد وہ میرے لئے کھانا لایا اور کہا کہ یہ
کھاؤ پھر آرام کرو۔میں نے کھانا
کھایا۔سویا۔نماز کے وقت جاگا۔نماز پڑھی،
دریا پر گیا۔غسل کیا۔زیارت بجالایا۔اور اس
شخص کے مکان پر واپس پہنچا اور وہاں ٹھہرا

گذاشت و شک را از دلم برد۔و دستور داد هر چه آوردی
بانجا تحویل بده که ابو جعفر عمری فرماید۔گوید بر
گشتم ببغداد۔و نزد عمری رفتم وسه روز رفتن و برگشتم
طول کشیده بود۔چون مرا دید۔بمن گفت چرا نه رفتی؟
گفتم ای آقای من، من اکنون از سر من رای (سامره)
برگشتم۔و داستان خود را باُ و می گفتم که نامه ای از مولای
ما صاحب الزمان بابوجعفر رسید باصورتی، چون صورتی که
بمن داده بودند که همه پول و جامه در آن بیان شده
بود۔و دستور رسیده بود که همه آنچه ذکر شده تحویل
ابی جعفر محمد بن احمد بن جعفر قطان قمی گردد۔ابو
جعفر فوراً جامه در برکرد وبمن گفت که هر چه همراه
داری بردار ببریم منزل قطان۔گوید۔همه را بر داشتیم و
بردیم منزل قطان و آنهارا بوی تحویل داد۔گوید۔من
بحج رفتم و چون بدینور برگشتم مردم نزد من جمع
شدند ومن آن طومار را آوردم که وکیل امامِ عصر برای
من آورده بود و آنرا برای مردم خواندم وچون نام کیسه
ذراع راشنید افتاد و از هوش رفت۔و ما اورا معالجه کردیم
تا بهوش آمد۔وسجده شکر برائی خدا بجا آورد و گفت
الحمدللّٰه که برمن منّت نهاد ومرا هدایت کرد۔اکنون
دانستم که زمین خالی از حجةٍ نماند۔این کیسه را بخدا
این ذراع بمن داد وجز خدا عزوجل احدی از آن مطلع نه
بود؟گوید۔من بیرون آمدم و بعد از آنکه روزگاری گذشت
ابوالحسن مادرائی را دیدم و باُ و خبر

یہاں تک کہ ایک چوتھائی رات گذری وہ شخص آیا تو اس کے پاس کچھ لکھا ہوا اورنلکی کی طرح گول کیا ہوا تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔احمد بن محمد دینوری آیا ہے ۔ اس کے ساتھ سولہ ہزار اشرفیاں ہیں ۔ اوروہ ایسے اورایسی تھیلیوں میں بند ہیں ۔فلاں بن فلاں کے تھیلے میں اتنی ہیں ۔اورفلاں شخص کی طرف سے اتنی ہیں ۔ یہاں تک کہ ساری تھیلیوں کی تفصیل شمار کر کے بتادی گئی تھی ۔اورکیسہ فلاں بن فلاں ذراع کا بھی سولہ اشرفی اپنے اندر رکھتا ہے ۔یہ جملہ پڑھ کر میرے دل میں شیطان نے وسوسہ پیدا کیا ۔ اس لئے کہ مجھے اس ذراع والے تھیلے کی اطلاع نہ تھی ۔ لیکن میں نے دل میں کہا کہ میرا مولاؑ مجھ سے زیادہ واقف کار ہے ۔ بات ٹھیک ہی نکلے گی ۔ لہٰذا میں نے ہر تھیلی اوراس کے مالک کا نام پڑھ پڑھ کرآخر تک دیکھا پس یاد آیا۔ کہ کرمانشاہ میں صواف کا بھائی ایک تھیلی احمد بن حسن مادرانی کے پاس لایا تھا۔جس میں وہ ایک ہزار سونے کے دینار تھے ۔اور جو یوں اوریوں کپڑوں میں لپٹی ہوئی تھی اوراس پرفلاں اورفلاں کے کپڑے

دادم و برائی اُو خواندم آن طومار را ۔ گفت سبحان اللّٰه من در چیزی شک نه کردم و شک نداشته باش که خداوند عزوجل زمین خود را بازحجةٌ تہی نگذارد و بدان که چون از کو تکین بایزید بن عبد اللّٰه درشهر زور جنگید و بلاد اُورا گرفت ۔ و بر خزینه های او دست انداخت مردی بود که گفت یزید بن عبداللّٰه فلان اسپ بافلان شمشیر را نذر آستانِ امامِ زمان کرده بود و گفت من همه خزائن یزید بن عبدالـلّٰه را بتدریج باُ وتحویل دادم وآن اسپ و شمشیر را نگهداشتم بامید انیکه از اُو باز گیرم و بامامؑ برسانم ۔ و او بسختی آنهارا از من خواست و من ناچار شدم آنهارا ببهای یک هزار (۱۰۰۰) اشرفی درگردن گرفتم و پول راشمردم وبخزینه دارِ خود سپردم و باُو سفارش کردم اینها را نگهدار و اگر خود من هم بدان نیاز مند شدم از آن دریغ دار و سپس اسپ و شمشیر را تحویل دادم و بتوسط ۔ ابو الحسن اسدی از ناحیه مقدسه از من آن هزار اشرفی مطالبه شد ۔ وچون برای مطالبه نزد من آمد من در انجام امور مردم بودم وبسیار نشست تا حاجت اورا پُرسیدم و گفت محرمانه است ۔ من به خادم گفتم در خزانه جای برای ما آماده کرد و بخزانه رفتیم ۔ و او نامه کوچکی از امامؑ زمان بمن نشان داد که درآن نوشته بود که ۔" ای احمد بن الحسن آن هزار اشرفیکه از بابت بهای اسپ و شمشیر از ما نزد تو است به ابو الحسنؒ اسدی بپر داز" ۔ من بخاک افتادم و سجدهٔ شکر کردم که بمن مَنّت نهاد و دانستم که اُو بحق

لپٹے ہوئے تھے۔اور پھر | حجت خدا است"۔ (شرح کافی جلد دوم صفحہ ۵۹۸تا۵۹۹ از علامہ محمد باقر الکمری طبع ایران) |
تمام کپڑوں کے رنگ اور کیفیت کی تفصیل لکھی ہوئی تھی۔اس کے بعد بیان کیا کہ میں نے اللہ کی حمد وثنا کی اور شکر ادا کیا کہ اس نے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے اور میرے قلب سے شکوک وشبہات کو دفع کر دیا ہے۔آگے یہ حکم لکھا تھا۔کہ جو کچھ تم لائے ہو۔وہ سب اس شخص کے سپرد کر دو جسے ابوجعفر عمری تمہیں بتائیں۔یہ پڑھ کر میں بغداد میں واپس آیا اور ابوجعفر عمری کے پاس روانہ ہوگیا۔اور تین ہی روز بغداد سے جانے اور اب واپس آنے میں صرف ہوئے تھے۔لہٰذا جیسے ہی ابوجعفر عمری نے مجھے دیکھا تو یہ سمجھ کر کہ میں ابھی تک سامرہ نہیں گیا، کہنے لگے کہ ارے تم ابھی تک سامرہ کیوں نہیں گئے؟ میں نے عرض کیا کہ جناب عالی میں تو ابھی ابھی وہاں سے ہوکر واپس پہنچا ہوں۔اور پھر میں نے اپنی پوری داستان کہہ سنائی۔اور انہیں بتایا کہ میرے امامؑ صاحب زمان علیہ السلام کا ایک خط جناب ابوجعفر (محمد بن احمد بن جعفر قطان قمی) کو پہنچا ہے۔اسی صورت اور تفصیل کا جیسا کہ یہ مجھے دیا گیا ہے۔کہ تمام رقومات اور کپڑوں وغیرہ کی تفصیل ان میں بیان کر دی گئی ہے۔اور حکم یہ دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ جس کا خط میں ذکر ہوا ہے۔جناب ابوجعفر محمد بن احمد بن جعفر قطان قمی کو دے دیا جائے۔ابوجعفر (عثمان بن سعید) العمری نے فوراً کپڑے پہنے اور مجھ سے کہا کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہے۔اسے اٹھاؤ اور آؤ قطان کے گھر چلیں۔چنانچہ ہم دونوں نے تمام سامان اٹھایا اور قطان کے گھر پہنچے اور وہ سب کچھ ان کے سپرد کر دیا۔اس کے بعد بتایا کہ جب میں فارغ ہوگیا تو حج کے لئے روانہ ہوا۔اور جب اپنے شہر دینور واپس پہنچا تو جن لوگوں نے رقومات بھیجی تھیں۔وہ سب میرے پاس جمع ہوئے اور میں نے وہ گول لپٹا ہوا خط نکال کر پیش کیا جو امامؑ کے وکیل نے مجھے سامرہ میں دیا تھا۔اور لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنانا شروع کیا۔اور جب ذراع صاحب کے تھیلے کا ذکر پڑھا تو وہ گر کر بے ہوش ہوگیا اور ہم اسے سنبھالنے اور ہوش میں لانے کی تدابیر میں لگ گئے یہاں تک کہ وہ ہوش میں آ گیا۔اور خدا کا سجدۂ شکر بجالایا اور کہا کہ الحمدللہ کہ اس نے مجھ پر احسان کیا اور مجھے ہدایت عطا کی۔اب میں سمجھ گیا کہ زمین حجتؑ خدا سے خالی نہیں رہتی۔اس تھیلے کو اسی ذراع نے مجھے دیا تھا اور سوائے خدا کی ذات بزرگ کے کوئی بھی اس تھیلے کی حقیقت سے واقف نہ تھا۔پھر بیان کیا کہ میں باہر نکلا اور کافی عرصہ گذرنے کے بعد میں نے ابوالحسن مادرائی سے ملاقات کی۔اور اسے تمام مذکورہ حالات کی اطلاع دی اور اسے بھی وہ خط پڑھ کر سنایا۔کہنے لگا سبحان اللہ میں نے تو کسی بھی قسم کا شک نہ کیا تھا۔اور تم اس میں شک نہ کرنا کہ خدائے بزرگ وبرتر اپنی زمین کو بلا حجتؑ خالی نہیں چھوڑتا۔اور یہ بھی سمجھ لے کہ جب کو تکین نے یزید بن عبداللہ سے جنگ کر کے زبردستی اس کی آبادیاں اور علاقہ چھین لیا اور اس کے خزانوں پر بھی قابو پالیا۔تو ایک مرد تھا جس نے کہا تھا کہ یزید بن عبداللہ نے فلاں گھوڑا اور فلاں شمشیر آستانہ امام زمانؑ کے لئے نذر کی تھی۔اور کہا تھا کہ میں نے یزید بن عبداللہ کے تمام خزانے رفتہ رفتہ اس کے قبضہ میں واپس دلا دیئے۔اور اس گھوڑے اور تلوار کو نظر میں رکھے ہوئے تھا۔اس امید پر

کہ اس سے واپس لے کر امامؑ کے حضور میں پہنچا دوں گا۔لیکن اس نے مجھ پر سختی سے مطالبہ کیا اور میں مجبور ہو گیا تو میں نے ان دونوں کی قیمت ایک ہزار اشرفی اپنے ذمہ واجب الادا سمجھ کر اور ایک ہزار اشرفی گن کر اپنے خزانچی کو دے دیں۔اور کہہ دیا کہ اگر کبھی خود مجھے بھی ان اشرفیوں کی ضرورت پڑے اور میں مانگوں تو مجھے بھی نہ دینا۔اس کے بعد میں نے وہ گھوڑا اور تلوار حوالہ کر دی۔اور پھر ابوالحسن اسدی کی معرفت سامرہ سے مجھ پر ان ایک ہزار اشرفیوں کا مطالبہ ہوا۔اور جب وہ مطالبہ کے لئے میرے پاس پہنچا تو میں لوگوں کے مختلف کاموں میں اتنا مصروف تھا کہ انہیں بہت دیر تک بیٹھنا پڑا۔یہاں تک کہ آخر میں نے فارغ ہو کر اُن کے آنے کا مقصد دریافت کیا۔تو انہوں نے کہا کہ میری بات رازداری سے متعلق ہے میں نے نوکر سے کہا ہمارے لئے خزانہ میں بیٹھنے کا انتظام کرے۔چنانچہ ہم دونوں خزانہ میں جا بیٹھے اور انہوں نے مجھے ایک چھوٹا سا خط حضرت امامؑ زمانہ کا دیا جس میں لکھا تھا کہ۔''اے احمد بن الحسن وہ ایک ہزار اشرفیاں جو گھوڑے اور تلوار کی قیمت سے متعلق ہماری امانت تمہارے پاس ہے۔وہ تم ابوالحسن اسدی کے حوالے کر دو''۔میں یہ پڑھ کر زمین پر گرا اور سجدہ شکر ادا کیا کہ مجھ پر احسان کیا گیا اور مجھے یقین آ گیا کہ وہ حضرتؑ واقعی خدا کی حجت ہیں''۔(کافی مذکور صفحہ 599-598)علامہ مجلسی کی شرح یہاں ختم ہو گئی۔

10۔مجتہدانہ نیابت پہلے ہی قدم پر معزول و منسوخ و ممنوع ہو گئی

(الف) قارئین کرام نے اس روایت کے طویل بیان میں کوئی نئی بات نہیں دیکھی سوائے اس کے کہ اس میں دو دفعہ جناب ابوجعفر عثمان بن سعید عمری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا ہے۔اور دو چار جملے ایسے بھی نئے ہیں جو امامِ عصر والزمان کے نظام کے شایانِ شان نہیں ہیں۔مثلاً وہ گھر جس پر سب کی نظر ہو اور جو ابن الرضا کے نام سے مشہور چلا آ رہا ہو۔جہاں امام حسن عسکری علیہ السلام کی رہائش تھی۔حضرت حجتؑ کی خفیہ پیدائش ہوئی تھی۔اور جہاں پیدا ہوتے ہی سرکار حجت علیہ السلام غائب ہو گئے تھے۔اور جہاں حضورؑ کے ملنے کی امید کی جاتی تھی۔اس گھر میں لوگوں کا ہجوم رہنا ایک ایسی بات ہے جو غیبت کی پالیسی کے خلاف ہے۔اس گھر کو تو سنسان رکھنا ضروری تھا۔صرف ایک دربان باہر بیٹھا رہتا تھا۔اور غیروں کے لئے گھر میں کوئی ذی حیات نہ ملتا تھا۔ایک کمرہ کے دروازے پر ایک پردہ لٹکا رہتا تھا۔اپنوں کی آمد پر حضورؑ اس کمرہ میں موجود ہوتے تھے۔بعض بعض کو اندر بلا کر بالمشافہ ملاقات سے نوازتے تھے۔بعض کو باہر رکھ کر ان سے باتیں کر لیتے تھے۔ورنہ کمرہ میں دوربین و خوردبین سے بھی کسی کو نظر نہ آتے تھے۔یہیں وہ تہہ خانہ (سرداب) بھی تھا۔جس میں جا کر غائب ہو جانا مشہور ہے۔اور جس سرداب کی آج تک زیارت ہوتی چلی آتی ہے۔بہرحال وہ گھر گھر والوں سے اٹا کٹ بھرا رہنا مجتہدانہ بات ہے۔لہٰذا اس روایت میں ہر وہ جملہ جو نظام غیبت کی پالیسی یا امامؑ کے علم پر اثر انداز ہوتا ہے۔وہ متعلقہ راویوں کی اپنی ناواقفیت اور ذہنی تربیت کا مظاہرہ ہے نہ کہ حقیقت واقعی۔

(ب) جناب ابوجعفرؓ عثمان بن سعید العمری کی پوزیشن

قارئین جانتے ہیں اور ہم مانتے ہیں کہ عثمان بن سعید رضی اللہ عنہ جناب امام علی نقی و جناب امام حسن عسکری علیہما السلام کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں۔ دونوں مذکورہ اماموںؑ نے ان کی دیانت وامانت واطاعت کی تصدیق فرمائی ہے۔ لیکن ان کے لئے نیابت یا وکالت وسفارت پر کوئی حکم جاری نہیں کیا۔ اور ہم اس قسم کی دلیلوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔ کہ فلاں شخص نے نماز کی جماعت کی تھی لہٰذا وہ جانشین و نائب تھا۔ ہم کسی بھی امامؑ کے نائب کے لئے اُس قسم کا واضح حکم اور عملی سند چاہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ یہاں تک احادیث میں پڑھتے چلے آئے ہیں۔ اور اگر ہم مجتہدین کی بات مان بھی لیں تو صرف اس قدر ہی تو پتہ چل سکتا ہے کہ ہر امامؑ کے سینکڑوں وکیلوں سفیروں نائبوں میں سے یہ بھی ایک مقامی بغدادی وکیل وسفیر یا نائب ہوں گے۔ اور بس۔ لیکن یہ تو نہ کسی طرح ثابت ہوسکتا ہے۔ نہ ہم مان سکتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی حضرت حجت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خفیہ نظام کا سفیر یا وکیل یا نائب تھا۔ یا غیبت کبریٰ کے اعلان کے بعد بھی ان میں سے کوئی نائب یا وکیل یا سفیر رہتا چلا آ رہا ہے۔ (لاحول ولاقوۃ الا باللہ)

(ج) حضرت عثمانؓ بن سعید عمری کی تکونی پوزیشن

قارئین مذکورہ بالا طویل بیان کو چھان ماریں تو آپ کو حضرت عثمان بن سعید کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہ ملے گا کہ :۔

اوّل۔ عثمان بن سعید لوگوں میں اس حیثیت سے مشہور تھے کہ وہ اپنے زمانہ کے امامؑ کے متعلق معلومات رکھتے ہیں۔ اور کچھ نہ کچھ بتا بھی سکتے ہیں۔ لیکن عوام اس پوزیشن میں عثمان بن سعید کو یگانہ نہیں سمجھتے بلکہ ان کے ساتھ اسحاق احمر اور باقطانی کو بھی برابر مانتے ہیں۔ لہٰذا یہ پوزیشن سمٹ کر صرف بغداد شہر میں محدود ہوئی اور ٹوٹل پوزیشن کی (1/3) ایک تہائی جناب ابوجعفر عثمان بن سعید العمری کے حصہ میں آئی۔

دوم۔ عثمان بن سعید کو شہر سامرہ کا اور ایک وکیل کا اور ایک مکان کا نام و پتہ معلوم تھا۔ اور اس علم میں ان کی یگانگت ثابت نہیں۔

سوم۔ بڑے سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ خط میں عثمان بن سعید کا نام لکھا ہوا ہونا بتایا گیا۔ اور یہ کہ وہ بغداد کے ایک وکیل ابوجعفر محمد بن احمد بن جعفر قطان قمی کے گھر کا پتہ بھی جانتے تھے۔ اور وہاں تک سامان اٹھا کر احمد دینوری کے ساتھ گئے بھی تھے اور بس ختم۔

(د) حضرت عثمان بن سعید العمری نہ وکیل تھے نہ سفیر نہ نائب ہی تھے۔ اور تھے تو معزول ہوگئے تھے

اگر عثمان رضی اللہ عنہ نائب ہوتے اور انہیں یہ اختیار ہوتا کہ وہ خط بھیج کر امامؑ غائب کا حکم حاصل کریں؟ تو بات نہایت سہل ہی نہ تھی بلکہ ایک مومن احمد دینوری کا روپیہ اور محنت اور تین روز بھی ضائع نہ ہوتے۔ اس لئے کہ مذکورہ اموال واسباب اسی بغداد شہر میں وصول کئے گئے۔ چنانچہ احمد کی درخواست پر انہیں خط سے حکم منگا لینا چاہئے تھا۔ جیسا کہ قارئین پڑھتے چلے آ رہے

ہیں کہ تمام اپنے اور پرائے خط بھیجتے ہیں اور احکام حاصل کرتے ہیں۔ موت و پیدائش کی اطلاع دیتے ہیں، دعا کی درخواست کرتے ہیں اور ہر کسی کو جواب ملتا ہے۔ سوائے فقہا اور مجتہدین کے کوئی جواب سے محروم نہیں رکھا جاتا ہے۔ اب سوچئے کہ ہم جناب ابوجعفر عثمان بن سعید العمری کو کن لوگوں میں شمار کریں؟ یہ مان لیا گیا ہے کہ وہ دو سابقہ اماموںؑ کے اچھے اور مشہور صحابہؓ میں سے ہیں۔ اور یہ بھی دکھا دیا گیا کہ نظامِ غیبت کا امامؑ سب سے تعلق رکھے گا مگر مشہور و معروف لوگوں سے قطعاً غائب رہے گا۔ یہ اس نظام کی اس وقت ابتدائی اور بنیادی پالیسی تھی تاکہ نظام اجتہاد کو کوئی ایسا شخص نہ مل جائے جس کا امامؑ غائب سے تعلق رہنا ثابت ہو سکے۔ اور یوں نظام اجتہاد اور اس کے ممبر مجتہدین اس شخص کو کھلونا بنا کر ڈگڈگی بجائیں اور اس کے جمورے بن کر نائب امام عصرؑ والزمان بن جانے کا تماشہ شروع کر دیں۔ لہٰذا عثمان بن سعید کا خط نہ لکھنا اس کا ثبوت ہے کہ ان سے امامؑ کی خط و کتابت نہیں ہو سکتی تھی۔ اب رہ گیا ان کا چند نام و پتے جاننا یہ بالکل فطری اور عملی پوزیشن کا نتیجہ ہے ۲۶۰ہجری تک ان کا امام حسن عسکری علیہ السلام سے رابطہ تھا۔ لہٰذا وہ اس خاندان اور اس سے متعلق چند اہم شخصیتوں کے اگر نام بھی نہ جانتے تو ان کی سابقہ پوزیشن بھی خاک میں مل جاتی۔ پھر کسی وکیل یا نائب کا نام جاننے سے نظام غیبت کی پالیسی پر کوئی آنچ نہیں آتی ہے۔ آنچ آتی ہے امامؑ غائب کے کسی غلط آدمی سے غائب نہ رہنے سے۔ چنانچہ مجتہدین کے مشہور کردہ چاروں نائبوں کی امامؑ سے ملاقات پر کوئی مادی، غیر جانبدارانہ اور عقلی ثبوت موجود نہیں ہے۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ بغداد شہر میں خرچ ہونے والا اور وصول کیے جانے والا مال امام بھی جناب ابوجعفر عثمان بن سعید عمری وصول نہیں کر سکتے بلکہ خود جا کر جناب ابوجعفر محمد بن احمد بن جعفر قطان قمی رضی اللہ عنہ کو سپرد کراتے ہیں تو پھر اگر وہ کبھی کسی امامؑ کی طرف سے بغداد میں نائب تھے بھی تو اب اس بارہویں امام علیہ السلام کے نظامِ غیبت میں ان کی نیابت و وکالت وسفارت ممنوع و مقطوع و منسوخ ہو کر رہ گئی ہے۔ اور یہ کافی ہے۔

1۔ حضرت ابوجعفر عثمان بن سعید العمری پر عقلی واخلاقی نظر

قارئین کو یاد ہے کہ جب جناب احمد دینوریؒ سامرہ پہنچے اور وہاں حضرت حجتؑ کے نائب نے ان کو دیکھا تو کس پیار سے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اپنے گھر لائے کھانا از خود پیش کیا۔ آرام کرنے اور سونے کا انتظام کیا اور خلوت کا موقعہ فراہم کیا۔ حضورؑ کے پاس سے رات گئے ہدایات لا کر دیں۔ لیکن اس کے برعکس صورت سے متواضع ہونے کا تاثر دے کر بھی جناب عثمان نہ بیٹھنے کو کہتے ہیں۔ نہ دینور سے آنے والے مسافر کو کھانے کو پوچھتے ہیں۔ اب یا تو یہ مان لیں کہ جناب عثمان کو یہ حکم تھا۔ کہ تم ہمارے آدمیوں کے ساتھ زیادہ گھل مل کر نہ رہو گے۔ یا یہ تسلیم کر لیں کہ وہ بداخلاق آدمی تھے۔ ہم پہلی بات مانتے ہیں۔ ورنہ آئمہ علیہم السلام بداخلاق آدمی سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ پھر یہ دیکھیں کہ جناب عثمان صاحب احمد دینوری کو یہ بتاتے ہیں کہ۔ ''سامرہ میں

فلاں فلاں سے ملو وہاں تمہیں سب کچھ ملے گا''۔ معلوم ہوا کہ عثمان کے پاس وہ سب کچھ نہ تھا۔ پھر عثمان کو یہ بتادیا گیا ہے کہ جو شخص اموال کے بھیجنے والوں کی اور تھیلی کے اندر کی تفصیلات بتائے گا مال اسی کو دیا جائے گا۔ تو انہوں نے یہ کیوں کہا کہ ''اگر تم یہ دوست رکھتے ہو کہ مال اسی کو پہنچے جسے تم چاہتے ہو''۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب عثمان کو نہ مال بھیجنے کے قواعد پر اطلاع ہے۔ نہ مال وصول کرنے کا تجربہ ہے نہ نظام غیبت کی پالیسی ہی معلوم ہے۔ پھر وہ احمد دینوری کی باتیں سن کر یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ وہ مشورہ ملتے ہی فوراً روانہ ہوگا۔ یعنی انہیں احمد کی صورت پر وہ بے چینی نظر نہ آسکی جو اُسے اُن امانتوں کو پہنچانے کے لئے دامن گیر تھی۔ پھر جب احمد سامرہ سے واپس آیا تو انہیں اُس کے چہرہ پر وہ اطمینان نظر نہ آسکا جو اُسے امامؑ کی طرف سے فراہم ہوا تھا۔ اور گھبرا کر جلدی سے کہا کہ ''تم ابھی تک کیوں نہیں گئے''۔ یعنی عثمان صاحب قیافہ اور نفسیات سے بالکل کورے تھے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں عموماً سیدھے سادے بھولے بھالے مومن ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن تحریک تشیّع اور نظام غیبت میں صرف مومنین کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو پہلے نمبر پر طاغوت کو اور اس کے پورے ادارہ کو پہچانتے ہوں اور سمجھ بوجھ کر طاغوت اور طاغوتی ادارہ کے کافر ہو گئے ہوں (بقر 2/256) اور اس کے بعد اُس مرکزی ذمہ داری کو ایسی انتظامی مضبوطی سے اختیار کیا جائے کہ گرفت ڈھیلی نہ ہونے پائے (2/256) (نساء 4/60) پھر انہیں اتنا عقلمند و بابصیرت ہونا چاہئے کہ وہ طاغوت اور طاغوتی ادارہ کے ان دانشوروں کو چکر پر چکر اور ہزیمت پر ہزیمت دیں جن کی پالیسیوں کے سامنے پہاڑ متزلزل ہو جاتے ہیں۔ (سورہ ابراہیم 14/46) اور نظامِ ولایتؑ وغیبت سے مدد لے کر ہمیشہ غالب رہنے والا گروہ بن کر رہیں (5/55-56) ورنہ مجتہدین کے بنائے مومنین تو وہی ہوتے ہیں جو دنیا کی تمام اقوام کے محتاج ہوں۔ اور بات بات میں۔ ''پدرم ومولایمؑ سلطان بود''۔ کے نعرے مارتے اور کافروں ولادینوں کے سامنے ہاتھ پسارتے ہوں۔ قرآن گھر میں، قرآن بغل میں، قرآن سینہ میں مگر نہ خود پر قابو نہ کائنات کی کسی اور چیز پر اختیار۔ ہاں کفر سازی، فتنہ انگیزی اور نفرت نوازی میں دنیا میں سب سے آگے۔ سب کے راہنما و ماہر۔

زیرِ نظر روایت میں نظام اجتہاد نے دو جملے بڑھائے ہیں

اگر آپ نے غور کیا ہے۔ تب؟ نہیں تو روایت آپ کے سامنے ہے۔ اب دیکھ لیں کہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ:۔

۔ ''جس کو عثمان سعید عمری کہہ دیں یہ تمام اموال اس کے سپرد کر دو''۔

لیکن اس ہدایت نامہ میں واضح الفاظ میں یہ لکھا رہ گیا ہے کہ:۔

۔ ''وہ تمام اموال وسامان ابو جعفر محمد بن احمد بن جعفر قطان قمی کو دیدو''۔

لہٰذا مجتہدین کا جملہ محض بکواس بن کر رہ گیا ہے۔ دوسرا وہ جملہ ہے جس میں احمد دینوری کو ابتدا میں ابو جعفر عثمان بن سعید

عمری کے پاس جاتا ہوا دکھا دیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اکثر علماء جس چیز میں دھوکہ کھاتے رہے ہیں۔وہ یہ کنیت۔''ابو جعفر یا ابی جعفر''۔ہے دونوں ابو جعفر بغداد میں رہتے تھے۔اس لئے نظام اجتہاد اُدھر کی بات اِدھر اور اِدھر کی بات اُدھر کرتا رہا۔ اور علامہ صدوق رضی اللہ عنہ ایسے حضرات ان کے مغالطہ میں آ گئے۔

2۔ پہلی فرضی نیابت ہی قائم نہ ہوئی تو باقی تین نائب کہاں جائیں؟

یہاں یہ غور طلب ہے کہ جب جناب ابو جعفرؒ عثمان بن سعید العمری ہی کی نیابت ثابت نہیں ہے۔تو پھر ان کے بیٹے محمد بن عثمان رضی اللہ عنہ کیسے اور کس کے نائب بنیں گے؟ اور جب وہ خود نائب امام نہیں تو ان کے خود ساختہ نائب حسین بن روح رضی اللہ عنہ کی نیابت کی کیا قیمت ہوگی اور پھر جناب سمری صاحب رضی اللہ عنہ کے لئے کیا کہا جائے گا؟۔

ہم اس کا جواب لکھ چکے ہیں کہ یہ ایک گھریلو انتظامی سلسلہ تھا۔حضرت عثمان اور محمد بن عثمان دونوں دو اماموںؑ کے صحابہ تھے۔قابل اعتماد اور جان فروش قسم کے لوگ تھے۔آنا جانا اور احکام پہنچانا لوگوں کو معلوم تھا۔لہٰذا پبلک میں نائب مشہور ہوئے اور اس زمانہ میں نیابت کی شہرت خطرناک نہ تھی وسیع معنی میں ہر شیعہ امامؑ کا نائب ہوتا ہے۔اور پھر آج تک یہ ہمہ گیر دستور جاری ہے کہ ہر باپ کے بعد اس کا ایک بیٹا پورے خاندان واموال کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔اور اگر مرنے والا چاہے تو کسی بھی مفید اور ہم خیال کو اپنا نائب بنا سکتا ہے۔لہٰذا عثمان بن سعید عمری نے اپنا نائب اپنے بیٹے محمد بن عثمان کو بنایا اور خود بخود لوگوں کی نظر میں وہ باپ کی تمام ذمہ داریوں میں نائب ہوا۔اس نے اپنے بعد حسین بن روح کو ذمہ داریاں سونپ دیں۔وہ ان کا نائب کہلایا۔اور اسی طرح وہ ذمہ داریاں سمری صاحب تک آ گئیں۔لیکن چاروں طرف یہ شہرت پھیل گئی کہ یہ لوگ امامؑ غائب کے بھی نائب ہیں اور مجتہدین حضرات کا مشن چلنے لگا۔اسے اس کے کاموں میں ان نام نہاد نائبوں سے سند چپکا دینے کا موقع مل گیا۔اور چونکہ وہ امامؑ عصر کے نائب مشہور ہو گئے تھے۔اس لئے مجتہدین کے اجتہادی احکام کے لئے یہ سمجھا جانا قدرتی تھا کہ ان کے احکام کو امامؑ کی تصدیق وسند حاصل ہے۔جب نوبت یہاں تک پہنچنے والی تھی تو اعلانِ غیبت کبریٰ کر کے ان کا یہ راستہ روک دیا گیا اور سمری صاحب کو حکماً روک دیا گیا کہ اپنا ذاتی نائب بھی مقرر نہ کریں گے۔اس اعلان نے مجتہدین کے تمام دینی راستے بند کر دیئے۔صرف ایک راہ کھلی رہ گئی اور وہ ان کی اپنی عقل وقیاس وبصیرت تھی۔اور اب ہر امتی یہ سمجھ گیا اور خود مجتہدین کو ماننا پڑا کہ ان کے احکام وفیصلے امامؑ کی سند سے خالی ہیں۔غلط ہوں تب بھی غلطی ان کی اپنی یعنی اجتہادی غلطی یا خطائے اجتہادی ہے۔اور صحیح ہوں تو بھی وہ اجتہادی مسائل ہیں۔جن میں ہر وقت خطا اور غلطی وغلط فہمی کا امکان ہے۔اور یہی مقصد تھا اور یہی وجہ تھی غیبت کبریٰ کے اعلان کی۔اس طویل روایت میں جناب ابو الحسن اسدی رضی اللہ عنہ کی نیابت کا پھر اعلان ہوا ہے۔جو ایران وتوران وکرمان کی پبلک پر منجانب امام عصرؑ والزمان حاکم تھے۔اور ان ہی کے عملی کردار پر روایت کا اختتام

ہوا ہے۔ بہرحال مجتہدین کی مصنوعی نیابت نے گودم توڑ دیا ہے۔لیکن ہم ابھی حضرت حجت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باب میں ہر حدیث چھانتے ہوئے گذریں گے۔ ہوسکتا ہے کہیں مجتہدانہ نیابت مرنے کے بعد بھوت کی صورت ہی میں مل جائے۔

(انیسویں حدیث) نائبین کا دائرہ کار، سابقہ نیابت بلاتجدید باطل تھی

اس عنوان میں آپ یہ دیکھیں گے۔ کہ اگر نظام غیبت قانون ملکی سے کام نہیں لے سکتا تھا۔اس لئے کہ مجرم شاہی یا اجتہادی پناہ میں رہ کر جرم کرتا تھا۔تو مرکز سے ایسے مجرم کے لئے قتل کا شرعی حکم جاری کر دیا جاتا تھا۔اوراس کی باقاعدہ تعمیل کی جاتی تھی۔ دوسری چیز یہ دیکھیں گے کہ گیارہویں امامؑ کے زمانہ کے نائبین کو اگر حضرت حجت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے نیابت برقرار رکھنے کے لئے تجدیدی حکم نہ ملا ہوتو سابقہ نیابت خود بخود معزول و معطل ہو جاتی تھی۔ہم یہاں عربی عبارت بھی لکھیں گے تاکہ حدیث کے الفاظ بھی ہماری ذمہ داری لیں فرمایا گیا کہ:۔

"حسین بن محمد الاشعری نے بیان کیا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت جُنید رضی اللہ عنہ کو ،جن سے فارس کو قتل کرایا تھا، احکام نافذ کرنے کے خطوط آیا کرتے تھے۔ اور جناب ابوالحسنؓ اورایک دوسرے صاحبؓ کو بھی احکام کے اجرا

> الحسین بن محمد الاشعری قال: کان یرد کتاب ابی محمدٌ فی الاجرآء علی الجنید قاتل فارس ، وابی الحسن و آخر، فلما مضٰی ابو محمد علیه السلام و رد استئناف من الصاحبٌ لاجرآء ابی الحسن وصاحبه و لم یرد فی امرا الجنید بشیءٍ قال: فاغتممت لذلک فور د نعی الجنید بعد ذلک ۔(شرح کافی جلد۲صفحہ۶۰۰ کتاب الحجۃ باب مولد الصاحب)

کے خطوط ملتے تھے۔لیکن جب امام حسن عسکری علیہ السلام کا انتقال ہوگیا۔تو مالکؑ یا صاحبؑ نظام امامت وغیبت کی طرف سے تجدیدا جرائے احکام کا خط جناب ابوالحسنؓ اوران کے ساتھی رضی اللہ عنہ کے نام تو آئے مگر جناب جنید رضی اللہ عنہ کے لئے تجدیدی خط نہ آیا تو مجھے اس پر غم ہوا لیکن بعد میں امامؑ کی طرف سے جنیدؓ کے سوگ منانے کا خط ملا"۔(ظفری ترجمہ جلد اول صفحہ 659)

اس حدیث کی تشریح میں مجتہدین سے متاثر ہوکر بعض علماء نے خود بھی اس میں حصہ لیا اور اپنی حماقتوں کی نمائش کی ہے۔اور حضرت جنیدؓ کو بھی جناب ابوالحسن محمد بن جعفر اسدی کی طرح بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہرحال نظام اجتہاد جو چاہے کرتا پھرے اسے اپنے چاروں نائبوں کے لئے نہ نیابت کا حکم دستیاب ہوگا نہ کسی نام نہاد نیابت کی تجدید کی سند ملے گی البتہ پہلے نائب کو بے دست و پا دکھا دیا گیا۔ چوتھا بیچارا ویسے محروم کر دیا گیا۔

(بیسویں حدیث) حقیقی شیعہ تو زندگی کے ہر شعبہ میں امامؑ کی رضامندی طلب کرتے ہیں

یوں تو آج بھی شادی بیاہ سے پہلے استخارہ کا رواج ہے۔مگر یہ استخارہ اسی قسم کا ہوتا ہے۔جیسا فٹ پاتھ پر بیٹھنے والوں

کی چڑیا، جولفافہ گھسیٹ لائی جو اندر سے پرچہ میں نکلا وہی جواب ہوگیا۔فرق یہ ہے کہ آج استخارہ دیکھنے والے گھر پر شریعت کدہ کا بورڈ لگاتے ہیں اور امامؑ کی مسند پر بیٹھ کرایک تسبیح کے دانوں سے شیعوں کو نادان بناتے ہیں۔ہم نے کئی ماہرین استخارہ کو استخارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔مگر جوشان جناب قبلہ علامہ السید محمد محسن مجتہد العصر والزمان (آج کل مہتمم یتیمان) کراچی کی دیکھی وہ بالکل انوکھی ہے۔آپ جب استخارہ کی دعا پڑھتے ہیں توان کے دھن مبارک سے شُوں شَاں ،شُوشی کی آوازیں نکلنا شروع ہوتی ہیں۔حاضرین پر سناٹے کے ساتھ ایک مقدس ذہنی ماحول چھا جاتا ہے۔اہل نظر کو معلوم ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ سے رابطہ قائم ہوگیا ہے۔اوراس کے بعد قبلہ حضور تیزی سے لٹکتی ہوئی تسبیح کو دہنے ہاتھ سے دبوچ لیتے ہیں۔اور ذرادیر بعد حتمی اور صحیح جواب سنا دیتے ہیں۔اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ان کا استخارہ غلط نہیں نکلا۔ان کے استخارہ کے ماتحت ہونے والے نکاح میں طلاق نہیں ہوئی۔بہر حال مجتہد کا طریقہ یہ ہے لیکن ہمارے یہاں کا قدیم دستور یہ تھا۔کہ(مولانا ظفر کے قلم سے سنئے)۔

۔''محمد بن صالح نے بیان کیا کہ میری ایک کنیز تھی۔جس کے حسن نے مجھے تعجب میں ڈالا تھا۔میں نے حضرتؑ کو لکھا کہ اس سے اولاد پیدا کرنے کا حکم دیجئے۔حضرتؑ نے جواب دیا کہ اس سے خواہش اولاد نہ رکھو۔اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔پس میں نے اس سے جماع کیا وہ حاملہ تو ہوگئی۔مگر حمل ساقط ہوگیا اور وہ مرگئی''۔(کافی صفحہ 660)

قارئین مولانا کی جوان مزاجی بدستور موجود ہے۔حدیث کے الفاظ میں کہیں لفظ۔''حُسن''۔موجود نہیں ہے۔لیکن علامہ نے حُسن پیدا کردیا۔ہمیں تو یہ بتانا تھا کہ نظام اجتہاد میں پیسے دے کر جو بھی عورت خرید لی جائے اس سے جنسی تعلقات کے لئے نہ نکاح کی ضرورت ہے۔نہ کسی کی اجازت کی ضرورت پڑتی ہے۔مگر حقیقی مومنین کنیز ہو یا کوئی اور عورت ہو بلا امامؑ کی اجازت کے کوئی قدم نہیں اٹھاتے اور اپنے تمام اقدامات کو حکم معصومؑ کے ماتحت رکھتے ہیں۔اور اگر آپ مانتے ہیں کہ حدیث ثقلین صحیح ہے۔تو جہاں جہاں قرآن موجود ہو وہاں امامؑ زمانہ علیہ السلام کا بلا فاصلہ اور بلا فرق موجود ہونا اور ماننا بھی لازم وواجب ہے۔(لَنْ یَّتَفَرقَا) ہرگز جدا نہ ہوں گے۔

(اکیسویں حدیث) جوحقیقی نائب امامؑ تھےان کا بار بار ذکر ہورہا ہے

حضرت ابوالحسن محمد بن جعفر اسدی رضی اللہ عنہ کا تیسری مرتبہ ذکر سنئے۔(اور مولانا ظفر صاحب سے بھی ملاقات کرلیں)

۔''ہارون بن عمران ہمدانی کہتا ہے کہ حضرت صاحبؑ الامر کے میرے اوپر پانچ سو دینار قرض تھے۔جب میرا ہاتھ تنگ ہوا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میری دکانیں ہیں۔جن کو میں نے پانچ سوتیس دینار میں خریدا ہے۔اور ناحیہ مقدسہ(مرکز امامؑ) کو دینے ہیں پانچ سو(لہٰذا یہ دکانیں دے دوں گا)۔اس خیال کا اظہار میں نے کسی پر نہیں کیا تھا۔حضرتؑ نے محمد بن جعفر وکیل کو لکھا کہ محمد بن ہارون کی دکانوں پر ان پانچ سو دینار کے بدلے جو ہمارا ان پر قرض ہے۔قبضہ کرلو''۔(جلد اول صفحہ 660)

علامہ مجلسی نے محمد بن جعفر کے لئے لکھا ہے کہ۔ ''محمد بن جعفر ہمان اسدی است کہ گذشت''۔یعنی محمد بن جعفر وہی اسدی ہے۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ (ہماری کافی جلد 2 صفحہ 601) غور طلب ہے کہ مذکورہ چاروں حضرات کہیں وکیل یا سفیر یا نائب کی حیثیت سے مذکور نہ ہوئے وجہ معلوم ہو چکی ہے۔

(بائیسویں حدیث) سو فیصد غیبت، ہر رکن پوشیدہ، ہر اقدام خفیہ اور فیض عمومی بند کر دیا گیا

یہ باب ابھی نو(9) عدد احادیث ایسی اور رکھتا ہے۔جن سے نظام غیبت کے مقاصد، دائرہ کار، وسعت عمل، کائناتی علوم وموت وزیست اور قلبی واردات پر احاطہ واختیار ثابت ہوتا ہے۔اور یہ کہ امام علیہ السلام کی طرف سے فیض عام جاری تھا۔ ہر اس مسلمان مرد وعورت وخاندان کی مدد کی جارہی تھی ۔ جسے حکومت کی طرف سے محروم کیا جاتا تھا۔ادھر حکومت کے اراکین اور مجتہدین خصوصاً وہ شیعہ سر برآوردہ لوگ جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد اپنا رابطہ امامؑ زمانہ سے قائم کرنا چاہتے تھے۔دن رات ہر آہٹ پر کان لگائے ہوتے تھے۔ ہر اجنبی کا تعاقب کرتے اور اپنے عملے سے اس کا پیچھا کراتے تھے۔تاکہ پتہ چلے کہ محروم لوگوں میں یہ فارغ البالی اور خوشحالی کہاں سے آرہی ہے؟ کون سے ہاتھ پس پردہ کام کررہے ہیں؟ یہ نہتے لوگوں کے پاس اسلحہ کہاں سے آجاتا ہے؟ پھر وہ سب موٹے موٹے لوگ بارگاہ امامتؑ سے استفادہ کرنے میں ناکام ہوگئے تھے۔ جو خود کو قوم کا یا ملتِ شیعہ کا لیڈر اور امامؑ کا نائب کہتے اور دینی ودنیاوی فائدہ اٹھاتے چلے آرہے تھے۔اور اب ایک دم پانسہ ہی پلٹ گیا تھا۔ وہ لوگ تاک لگائے ہوئے اگر کچھ سن پاتے تو بڑھا چڑھا کر اِدھر اُدھر افواہیں پھیلاتے اور ردِّعمل پر نظریں جمائے رہتے تھے۔ چنانچہ یہ حدیث آپ کے سامنے وہ صورت حال رکھ دے گی ۔جس کی وجہ سے اعلان غیبت کبریٰ کردیا گیا۔سنیں اور سوچیں اور دیکھیں کہ حقیقی نائبینِ امام علیہ السلام نے کس طرح دشمن کی اسکیم کو تباہ کیا اور امامؑ غائب کے ساتھ پردہ غیب میں چلے گئے اور اعلان ہوگیا کہ روئے زمین پر اب کوئی نیابت، وکالت، سفارت یا بابیت کا دعویٰ کرنے والا مومن نہیں ہوسکتا۔اسے کافر وفریب ساز سمجھنا لازم ہے۔

۔''حسین بن حسن علوی نے بیان کیا کہ روز نامی شخص کے ساتھیوں میں سے ایک شخص حسنی تھا۔اور ایک اور اس کا جوڑی دار تھا۔دونوں نے روز کو اطلاع دی کہ امامؑ غائب کے پاس چاروں طرف سے اموال واسباب وغیرہ کی دھکا پیل ہورہی ہے۔اور انؑ کے وکیل اور اراکین ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں ۔ اُن کے اشاروں پر ہر کام خاموشی سے انجام پاتا ہے۔ اسی قسم کی رپورٹ خلیفہ کے وزیر عبیداللہ بن سلیمان کو پیش کی گئی ۔ وزیر نے یہ ہمت کرنا چاہی کہ حضورؑ کے تمام نائبوں اور وکیلوں اور اہلکاروں کی گرفتاری کا ایک عام فرمان جاری کردے۔انہیں سابقہ نمایاں لوگوں کا پہلے سے پتہ تھا۔اور ان کے نام بھی معلوم تھے۔لیکن خلیفہ نے فرمان گرفتاری جاری کرنے سے روک دیا تاکہ شیعوں میں ہیجان اور تحفظ کا نیا جوش نہ ابھر آئے۔ پہلے ہی ان

کی کثرت غالب آ چکی ہے۔ (چاروں طرف مصر و دیلم و افریقہ میں ان کی مستقل اور مضبوط حکومتیں قائم ہیں) ایسا کرو کہ کچھ دیہاتی اور اجنبی لوگ جمع کرو، انہیں مختلف قسم کا مال واسباب دو اور کہو کہ وہ ان آدمیوں کو تلاش کریں جو امامؑ کے لئے مال واسباب وصول کرنے پر تعینات ہیں۔ جو جو مال لیتا جائے اسے خاموشی سے گرفتار کرتے جاؤ۔ یہ اسکیم ادھر بنی اور ادھر امامؑ کی طرف سے پوری مملکت میں احکام نافذ ہو گئے اور ہر قسم کا مال لینا قطعاً بند کر دیا گیا۔ چنانچہ حکومت کے تعینات کردہ لوگ چاروں طرف پھیل گئے ہر اس شخص کے پاس پہنچے جو کسی وکیل کا پتہ بتا سکتا تھا (جیسے جناب احمدؒ دینوری ان لوگوں کے پاس پہنچے تھے جن کو شیعہ پبلک جانتی تھی اور یوں انہوں نے جناب ابوجعفر عثمان بن سعید عمری سے اتا پتا دریافت کر ہی لیا تھا) چنانچہ وہاں تو تمام وکلاء پہلے ہی تیار تھے۔ اُنہیں ہر مال لانے والے کو جاسوس سمجھنا تھا۔ اور کسی اپنے یا پرائے واقف و ناواقف شیعہ اور سنی سے مال لینا ہی نہ تھا۔ لہٰذا سرکاری لوگ قدم قدم پر بے وقوف بنائے جا رہے تھے۔ اسی گروہ کے کچھ لوگ مال لے کر جناب ابوجعفر محمد بن احمد بن جعفر قطان قمی کے پاس بھی پہنچے اور ایک نے ان سے رازدارانہ انداز میں کہا کہ میرے ساتھ کچھ مال واسباب ہے۔ جسے میں امامؑ علیہ السلام کی خدمت میں پہنچانا چاہتا ہوں۔ اس سے محمد بن جعفر نے کہا کہ میں اس قسم کی کسی بات سے واقف نہیں ہوں۔ تم بالکل غلط جگہ آ گئے ہو۔ جاسوسوں نے بڑی منت سماجت کی مگر وہ انہیں بے وقوف بناتے رہے۔ ہر وکیل نے اسی قسم کا سلوک کیا اور یوں تمام جاسوسی ناکام ہو کر رہ گئی۔ اور یہ لوگ نامراد و ناکام جہاں سے آئے تھے۔ وہیں چلے گئے''۔

یہاں قارئین سوچیں کہ جناب عثمان بن سعید ایسے بزرگوں نے تو غنیمت سمجھا ہو گا اور شیعوں سے ہمدردی کے جذبہ کے ماتحت پوری پوری راہنمائی کی ہو گی۔ اس اسکیم میں کافی لوگ گرفتار ہوئے مگر نظام غیبت کا کوئی رکن گرفتار نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے کہ ان کا رابطہ ایسی ہستیؑ سے تھا جو اس کائنات کی کسی چیز سے ناواقف و غافل نہ تھی۔ جس نے وہ تمام معجزاتی قوتیں برسرکار لگا دی تھیں۔ جو تمام انبیاءؑ اور آئمہؑ کو ملی تھیں۔ جو قصہ کہانیاں بن کر رہ گئی تھیں۔ بس اس روز کے بعد امام عصر علیہ السلام نے عام فیض رسانی کو بند کر دیا۔ اور صرف ان لوگوں سے رابطہ رکھنا طے کیا۔ جو کسی اور کو اپنا حاکم وفرمانروا نہ سمجھیں جو ہر لمحہ انؑ کا انتظار کریں۔ انؑ ہی سے رابطہ کی تلاش میں رہیں اور وہ ذمہ داریاں سنبھالیں جو اس دورِ امامت کے انصار پر عاید ہوتی ہیں۔ جو ہر صبح وشام اپنے ذمہ عاید شدہ معاہدوں کو زبانی دہرائیں، روزانہ تجدید معاہدہ کریں اور اس پر عمل کریں اور اپنا محاسبہ جاری رکھیں۔

8۔ نظامِ غیبت نظامِ قربت وشہادت ہے

(الف) نظام اجتہاد کے ماحول میں پرورش پانے والی عقل یہ بات سمجھنے سے قاصر رہے گی کہ ہر غائب ہستی جو مادی وجود رکھتی ہو ہمہ گیر غیبت کے بغیر عالم شہود پر نہیں لائی جا سکتی۔ وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر آج کے محققین اسی اصول پر اس عظیم الشان کائنات کے کروڑوں اربوں میل دور دراز کی غائب ہستیوں سے پردۂ غیب اٹھا رہے ہیں۔ اور تھرڈ کلاس مادی بوجھ تلے دبے ہوئے

انسانوں کو گھر بیٹھے بلند کر کے وہ کچھ دکھا رہے ہیں ۔ جو دیکھنے کے بعد بھی نظام اجتہاد کے راہنماؤں کے لئے قابل فہم نہیں ۔ اور وہ اپنے خودساختہ اِسلامی علوم کی بند کوٹھڑی میں دَم بندوزبان بند صُمٌّ بُکمٌ انگشت بلب بیٹھے ہیں ۔

بہرحال ہزار ہا سال سے یہ موقعہ سامنے رہا کہ لوگ اسلامی حقائق پر ایمان لاتے تعلیماتِ خداوندی کو آزماتے اور پھر بلا ذاتی اجتہادات وقیاسات وتشکیک کے انبیاء وآئمہ علیہم السلام کی اتباع وتقلید کرتے اور وہ قوتِ تسخیر حاصل کرتے جو انبیاء وآئمہ صلوٰۃ اللہ علیہم دینا چاہتے تھے۔کیا وہ حضراتؑ لوہے کو موم کی طرح استعمال کرنا نہ سکھا سکتے تھے؟ کیا وہ ہواؤں اور فضاؤں پر قابو نہیں رکھتے تھے؟ کیا انہوں نے مٹی اور مادی اشیاء کو زندگی عطا کرنے کا مظاہرہ نہیں کیا؟ کیا انہوں نے بیماریوں پر مکمل قابو اور مُردوں کو از سرنو سامانِ حیات عطا نہیں کیا؟ کیا انہوں نے گہوارہ میں دانش مندی کا انتہائی مقام اور نبوت کا عملی سبق نہیں دیا؟ کیا انہوں نے جلا کر خاک کر دینے والے آتشیں مادہ کو اپنی مستقل خصوصیت بدلنے اور سامانِ حیات وسلامتی فراہم کرنے والا بنتے ہوئے نہیں دکھایا؟ کیا انہوں نے بکھرے ہوئے ذرات کو جمع ہوتے اور زندہ وجود بنتے ہوئے حشر ونشر وقیامت کا مرقع نہیں پیش کیا؟ کیا سمندروں کی گہرائی میں مچھلی کے پیٹ میں بلا آب وغذا وہوا کا زندہ رہ سکنے پر قدرت نہیں دکھائی ؟ کیا ہواؤں وفضاؤں اور کائناتی تغیّر وتبدل کو بے اثر کر کے زندہ رہنے کی دوہزار سالہ نظیر پیش نہیں کی؟ کیا چرندو پرندو جنات پر اپنا قہری تسلط نہیں دکھایا؟ کیا اللہ کے سب سے بڑے اور محیر العقول اور معجزات کی بنیاد ملائکہ کے ادارہ کو تعلیم دینے اور اپنے حضور سجدہ ریز رہنے سے ادارہ نبوت کو شروع نہیں کیا؟ کیا اس ادارہ کا اولین مادی وجودؑ کائنات کی تمام ظاہر وباطن، حاضر وغائب اشیاء پر معلومات سے مرصع ہو کر تعلیمات خداوندی کی ابتداء نہیں کرتا؟ کیا اس کی بددعا سے کرہ ارض تباہ ہوتے نہیں دیکھا گیا؟ کیا یہاں جمادات ونباتات ان کے حضور سجدہ ریز نہیں رہے؟ کیا آناً فاناً سیکڑوں میل کی مسافت سے سامان منگا لینے کو بھلایا جا سکتا ہے؟ کیا گھروں کے اندر صندوقوں میں بند چیزوں کو بتا سکنے کی قابلیت کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا زمین پر رہتے ہوئے عرش اعظم وملأ اعلیٰ پر گذرنے والے حالات دیکھنے والے لوگ یہاں موجود نہیں رہے؟ کیا پوری کائنات کو سدرۃ المنتہیٰ سے آگے تک بچشم خود ملاحظہ کرنے اور مادی جسم وسامان کو ہمراہ لیجانے اور محفوظ لاتے رہنے کا کئی سو مرتبہ مظاہرہ نہیں ہوا؟ ۔

الغرض ایک مستقل کتاب لکھی جانا چاہیے اُن حقائق وواقعات وحالات وتجربات کے بیان کرنے کے لئے جس کو طاغوتی نظام نے دیکھا اور اجتہاد کی چادروں سے ڈھک دیا اور اجتہادی بیانات سے دیو مالائی قصے بتا کر انسانی دماغ سے محو کر دیا۔انہوں نے انبیاء وآئمہ علیہم السلام کی ہر بات اور تمام معجزات کو اجتہاد کے رنگ میں رنگ کر نوع انسان کے سامنے رکھا۔ ان کی آمریت وحکومت واقتدار سے پبلک کو خوفزدہ رکھتے اور قومی وقبائلی وملکی تعصب کی آگ شعلہ زن رکھتے ،لوگوں کو ابلیسی حریّت ،شخصی آزادی، جمہوریت اور نظام اجتہاد ومشاورت کا جھانسہ دیتے؛ ''رعایا کی حکومت رعایا کے ذریعہ رعایا کے لئے'' کا

طاغوتی نعرہ سناتے اوراللہ اورانبیاءؑ کے الفاظ کوانسانی دماغ کی ایجاد سمجھتے۔اور مذہب اور مذہبی احکام وعبادات کو پبلک پر قابو اورتسلط کا ذریعہ بناتے چلے آئے۔آخر یہ موقعہ ان سے چھین کران کی مذہبی سیادت وقیادت وخلافت پرغیبتِ کبریٰ کی ضرب شدیدلگانا پڑی۔یہ ثابت کرنے کے لئے کہ انبیاء وآئمہ علیہم السلام کواقتدار ومال ودولت کی احتیاج ولالچ نہیں۔وہ حضراتؑ اوران کے بچے بھوکے رہے۔پھٹے پرانے کپڑوں میں زندگیاں گذاردیں۔انہیں مال ودولت فراہم کی۔انہیں غنی ومستغنی بنادیا۔ انہیں حکومتیں سونپ دیں۔انہیں صحیح مشورے دیئے۔ان کی بہبودی کے لئے خودقربان ہوئے اوراپنے بچوں کوان پرقربان کیا۔مگر وہ ملاعین وہ شیطان زادے کسی طرح اپنی مخالفت سے باز نہ آئے اورنبوت وامامت کے کانٹوں کوراہ سے ہٹادینے کے لئے تمام انبیاءؑ ورسلؑ کے وارث خانوادہؑ کوتہہ تیغ کردیا۔صرف ایک مردؑ اورایک بچہؑ باقی رہ گیا۔یہی نہیں کیا پھران کا ذکر کرنے والوں اورنام لینے والوں کوتباہ کرنا شروع کیا۔قیدوبندوقتل وغارت جاری رکھا۔اُن سے بچنے اورتعلیمات خداوندی کوجاری رکھنے کے لئے ایک مجبورنظام غیبت جاری ہوا۔اورآخر کارآپ نے دیکھا کہ نظام اجتہادنے اس سے بھی رشتہ جوڑنے کا اہتمام کیااور پھر نظام غیبت نے انہیں جھٹک کرالگ کردیا۔توانہوں نے چندبے وقوف مگرمقدس قسم کے شیعہ عوام کونیابت کا پُغہ پہنا کرآگے بڑھایا۔حکومت وقت کا سہارالیا۔اوررفتہ رفتہ تیغ وشمشیراوردولت وتدبیر سے شیعوں میں بھی مجتہدانہ تقلید کارواج جاری کردیا۔ سرکاری محکموں میں ملازمت،درباروں اورعدالتوں میں عزت،وظائف اورجاگیریں ملنے کا ایک ہی راستہ رہ گیا تھا۔یعنی جوحکومت کے مقررکردہ شیخ الطائفہ یا شیخ الاِسلام یا قاضی کی تقلید کرےاوردوسروں کونظام اجتہادکاممبربنائے اسی کے لئے تمام راہیں کھلی تھیں۔غربافقرااورامراءنے رخ بدل لیا۔(تفصیل مذہب شیعہ میں)بہرحال یہ مشہورکردیاگیا کہ:۔

۔"غیبت کبریٰ میں معصومؑ امام سے رابطہ ختم ہوگیاہے۔اب دین کوسمجھنے کے لئے قرآن اورحدیث رہ گئی ہے۔ان دونوں میں متشابہات ومنسوخات ومجملات وعمومات ومخصوصات،ومقیدات ومطلقات بھرے پڑے ہیں۔ان دونوں سے حتمی اوریقینی علم حاصل کرنے کے لئے اصولِ فقہ،علم الدرایت،علم الرجال ومنطق وغیرہ اجتہادی علوم وقواعد کی احتیاج ہے۔لہٰذاامت کومجتہدین سے رجوع کرناہوگا۔اوروہ اپنی مجتہدانہ کوششوں اورکاوشوں سے اللہ ومعصومؑ کاحکم اخذکرکے دیں گے۔(وغیرہ وغیرہ)اوریہ کہ اب مجتہدین ہی نائب خداوندی اورنائب امامؑ ہیں"۔

اورساری دنیانے دیکھااورسارے مسلمانوں نے ایک ہزارسال سے مجتہدین کی پیروی وتقلیدواتباع کا تجربہ کیا۔نتیجہ سامنے ہے۔تمام دنیا کے اخبار پڑھ جایئے۔ساری دنیا کے ریڈیوسن لیجئے۔صبح سے شام تک اورشام سے صبح تک دنیا کی ساری حکومتوں کے حالات میں ہمارے ملک کے علاوہ کسی طرف سے لفظ مولوی،مولانا،مفتی وعلامہ نہ بولا جائے گا۔دنیا کی مسلم وغیرمسلم حکومتوں نے اس گروہ کومدت ہوئی جھٹک کرالگ کردیا۔اوراب چین سے کاروبارحکومت چلارہے ہیں۔اورامکان بھر

ترقی بھی کررہے ہیں۔لیکن ہمارے یہاں ابھی تک حکومت کی گردن اس گروہ کے پنجہ سے آزادنہیں ہے۔اوراگرخدانخواستہ کبھی پاکستان تباہ ہوا تو مولانا حضرات کے ہاتھوں یاوزارتِ امورمذہبی کے ہاتھوں تباہ ہوگا۔آج مسلمانوں میں جس قدرنفرت وتعصب کے جذبات ہیں۔ان کے خالق علامہ اورمفتی حضرات ہیں۔کسی مسلم نام کے ملک میں جایئے آپ کوسوائے چند بےکار وبےاثرقسم کےلوگوں کےایک بھی ایساشیعہ سنی ادارہ نہ ملےگا۔جیسے یہاں پاکستان میں سینکڑوں فربہ قسم کےمنظّم وبااثر ادارے ہیں۔ہم مذہبی حیثیت سے ووٹنگ اورالیکشن میں حصہ لیناحرام سمجھتے ہیں۔لیکن جب ہم نے دیکھا کہ ملک میں سوشلسٹ نظام کے خلاف تمام ملانٹے جمع ہوگئے۔اورمسلمان سوشلسٹوں پرکفر کےفتوے داغدئے گئے۔توہم نے اِسلامی سوشلزم کےحق میں فتویٰ دیاتمام ملکی اخباروں کوعموماًاورشیعہ اخباررضاکارکوخصوصاًللکارااورتمام شیعوں کومسٹرذوالفقارعلی بھٹوکوووٹ دینے پرآمادہ کیا۔وہ کامیاب ہوئے تومولاناحضرات نے انہیں چاروں طرف سےگھیرلیااورپیش پاافتادہ حالات واجتہادی جذبات سے دب کرانہوں نے مولوی ازم کوسوارکرلیا۔آج ان کے مخالفوں میں سب سے طاقتور جماعتیں مولاناوعلامہ حضرات کی ہیں۔ اورملک کادانشورطبقہ جانتاہےکہ اگرملک میں نام نہادِاسلامی راج یعنی ملاازم قائم ہوگیا۔توایک سال کےاندراندرپاکستان تباہ ہوجائےگا۔اورساری دنیاسن رکھےکہ میں اُس اِسلامی راج کاسب سے بڑادشمن ہوں گا۔اس لئےکہ اس سے بڑااسلام کےنام پراورکوئی فریب نہیں ہوسکتا۔مولاناکاطرزحکومت چودہ سوسال سے ہرقدم پرپٹتاہوااسلام کوبدنام کرتاہواآیاہےاب اس کوپھر ہماری گردن پرسوارکرناناممکن ہے۔ہم ایسی کوشش کرنے والوں کوتباہ کرنے کےنظام کوتحریک تشیّع اورنظام غیبت سے یادکرتے ہیں۔یہی نظام تھے جنہوں نے ملاازم کے جنازےاورجلوس نکالے۔کمیونسٹ ایسے مذاہب کےاتنے دشمن نہیں جتنے ہم دشمن ہیں۔اورہمارے پاس اورصرف ہمارے ہی پاس نظام اجتہادکوتباہ کرنے والےہتھیارہیں۔

(ب)نظامِ اجتہادکےلئےواقعی علومِ حضرت حجتؑ کادروازہ بندہے

لیکن حقیقی مومنین کے لئے مرکزِنظامِ غیبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کادروازہ کھلا ہے بلکہ یہ کہیے کہ مجتہدین اوران کے مقلّدین کےعلاوہ دنیاکےتمام انسانوں کے لئے دن رات علومِ خداوندی کی بارش ہورہی ہے۔نظام غیبت نام،لیبل اورنعروں کےفریب میں نہیں آتاوہ عمل اورعملی لگن دیکھتاہے۔اورجہاں جہاں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں وہیں علومِ خداوندی کے پوشیدہ دروازوں سے راہنمائی پہنچ جاتی ہے۔وہ کمیونزم،سوشلزم،جوڈاازم(یہودیت)کے چکروں کوجانتاہے۔اسے نہ لاالٰہَ الّا اللہ محمدٌ رسولُ اللہ پڑھ کردھوکہ دیاجاسکتاہے۔نہ وہ انکارِخداوندی سے متاثرہوتاہے۔وہ جانتاہےکہ یہ حقیقی معبودکااقرارو انکارنہیں ہےاللہ کامنکرآج کوئی نہیں ہے۔رسوؐل کی توہین کرنے والا(معاذاللہ)انہیں اپنےایساخطاکارسمجھنےوالاکوئی نہیں ہے۔ البتہ ماشاءاللہ اگرکوئی ہے؟تووہ مسلمانوں کےاندرمجتہدہے۔ہاں مجتہدوں کی قسمیں اورٹولےالگ الگ ہیں۔کوئی سُنی مجتہدہے

کوئی شیعہ مجتہد ہے۔کوئی شیخی مجتہد ہے۔کوئی بابی اور بہائی مجتہد ہے۔کوئی سارے مذاہب کوملا کرایک کرنے والا مجتہد ہے۔کوئی لقمانی مجتہد ہے۔لیکن نظام ہدایت وتقلید ایک معصومؑ نظام ہے۔اس میں اجتہاد کی تمام شاخیں مردود وملعون ہیں۔اورصرف ان کے لئے امام عصروالزمان، قائم آل محمدؑ بن الحسن عسکری علیہم السلام کے ساتھ رابطہ کے تمام دروازے بند ہیں۔سنئے اورسوچئے کہ کیااس حدیث سے دروازہ بند ہونے کا کہیں شبہ بھی ہوسکتا ہے؟ کیااس میں کوئی لفظ ایسا ہے۔کہ امامؑ زمانہ قیامت تک کسی سے تعلق نہ رکھے گا؟ کیاجناب شیخ مفیدرضی اللہ عنہ کو412ہجری میں آیا ہوا خط امامؑ کے روپوش ہوجانے کی دلیل ہے؟ یا مجتہدین اورمقلدین کی بغاوت کا ثبوت ہے۔آپ چنداحادیث دیکھ لیں۔موزوں مقام پرہم ان بزرگوں کوپیش کریں گے۔جن سے امامؑ نے نہ صرف خط وکتابت کی اور ہدایات سے نوازا بلکہ بالمشافہ ملاقاتیں کیں اور مجتہدین کے گروہ کوبھی ماننا پڑا مگرعوام کونہیں بتایا۔ عوام کو یہ بتایا کہ ایک عرضی مجتہد سے خرید کرلکھواوراس میں ان چاروں نام نہاد نائبوں کا وسیلہ واسطہ لکھو آٹے میں لپیٹو اور۱۵شعبان کوکسی کنویں میں یادریا میں پھینک دوبس امامؑ کومل جائے گی۔یعنی مجتہدین جسے امام مانتے ہیں وہ کوئی دریائی یاپانی میں رہنے والی مخلوق ہے اور یہ کہ مذکورہ نائبین بھی کسی طرح دریاؤں یاکنویں میں کہیں بند ہیں۔

(ج)حضرت حجتؑ ہرجگہ آپ کے آس پاس رہتے ہیں۔وہ گوشہ نشین نہیں ہیں

وہ آپ کواورآپ کے اعمال وافکارکودیکھتے ہیں۔شیخ مفیدؒ کو یہی لکھا تھا کہ آپ متحدوہم آہنگ ہوجائیں اپنے اعمال کو امامؑ کے معیار پرپسندیدہ بنالیں آپ سے حجاب نہ رہے گا۔ورنہ،

لاکھ گھٹنے گھسو لاکھ رکھوسربسجود امامت نہیں مقصودتو سب کچھ مردود

> عَنْ اَبِیْ بَصِیْر ،عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ علیه السلام قَالَ :لا بدَّ لِصَاحِبِ ھٰذَا لْاَمْرِ مِنْ غَیْبَةٍ وَ لا بدَّ لَهٗ فِیْ غَیْبَةٍ مِنْ عُزْلَةٍ وَ نِعْمَ الْمَنْزِل طیّبة وَ مَا بِثلاثین مِنْ وَحْشَةٍ۔

سنئے ارشاد ہے کہ :۔’’حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے امامؑ جعفر صادق سے سنا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اِسلام کے آخری راہنماؑ کے لئے کچھ عرصہ یاکسی قدرغیبت کازمانہ لازم ہے۔اور یہ بھی لازم ہے کہ وہ حضرتؑ اپنی غیبت کے زمانہ میں گوشہ نشین اورالگ تھلگ نہ رہیں ۔ اوران کامرکزی مقام کتنا پسندیدہ ہوگا اورتیس (30)کے ساتھ کوئی وحشت بھی نہ ہوگی‘‘۔(شرح کافی جلددوم صفحہ 177 **كتاب الحجة باب فى الغيبة**).

قارئین نوٹ کریں کہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ مجلسی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ :۔

۔''کافی کے بعض نسخوں میں۔'' لَا لَهُ فِيْ غَيْبَتِهٖ عُزْلَةٌ ''۔ (1)غیبت کی حالت میں وہ لوگوں سے الگ تھلگ نہیں رہیں گے (2)۔ بلکہ ان کے اندر رہیں گے۔اور وہ اسے پہچانیں گے نہیں۔اس میں پہلی بات زیادہ ظاہر وواضح ہے اور دوسری کتابوں کے مطابق ہے۔اور طیّبہ مدینہ کا نام ہے۔اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آنحضرتؑ غالبًا مدینہ میں یا مدینہ کے اطراف میں رہتے ہیں۔ یا تو ہمیشہ وہیں رہیں گے یا غیبت صغریٰ میں وہاں قیام فرمائیں گے۔اور لوگوں کا یہ کہنا کہ طیبہ کسی خاص جگہ کا نام ہے مدینہ کے علاوہ اور یہ کہ آنحضرتؑ وہاں پر اپنے مخصوص یاروں کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔یہ علم غیب کے دعویٰ کرنے والی بکواس ہے۔اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ تیس میں وحشت نہیں۔مطلب یہ ہے کہ چونکہ آنحضرتؑ غیبت کے زمانہ میں اپنے تیس محرم راز یاروں کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔یا یہ کہ دوسرے یار انتیس (29) ہوں گے۔ اور تیسویں خود ہوں گے۔لہٰذا ان کی موجودگی میں آنحضرتؑ کو کوئی وحشت اور ہراس یعنی خوف نہ ہوگا۔اور بعض علماء نے تیس کا مطلب یہ لیا ہے کہ آنحضرتؑ کی عمر تیس سال کی ہے۔مگر یہ بات حقیقت سے بہت دور ہے''۔

شرح از مجلسیؒ (رہ) ''در بعض نسخ است کہ '' لَا لَهُ فِيْ غَيْبَتِهٖ عُزْلَةٌ '' يعنی ۱۔ درحال غیبت هم از مردم بر کنار نیست ۲۔ بلكه درمیان آنها است و اورا نشا ند وا وّل اظهر است و موافق با کتب دیگر است ۔وطيبة اسم مدينه است۔واین دلیل است كه آنحضرتؑ غالباً درمدينه واطراف آنست یا همیشه یا در زمانِ غیبت صغرٰی۔ و اینکه گفته اند طيبه نام محلّ مخصوصی است جز مدینه که آنحضرتؑ با یارانِ مخصوصِ خود در آنجا بسر میبرد۔ رجم بغیب است ۔ در۔سی وحشتی نیست''۔ یعنی چون آنحضرتؑ درحالِ غیبت باسی تن از یارانِ محرمِ خُود بسر میرد یا بابیست و نه که باخود اُو سی هستند و حشتی وهراسی ندارد وبعضی سی رامیزان ثابت آنحضرتؑ دانسته اندولی بسیار دور است''۔ (ایضاً کافی صفحہ ۱۷۷ حاشیہ)

قارئین ہم نے اس ڈانواں ڈول بیان کو اس لئے لکھا ہے کہ نظام اجتہاد کے شیعہ مجتہدین نے کتاب کافی میں ہر اس جگہ ایک آدھ حرف یا لفظ یا جملہ بڑھا یا گھٹا دیا ہے۔ جہاں نظام اجتہاد پر آنچ آتی تھی۔لہٰذا جناب محمد باقر مجلسیؒ کو گواہی میں پیش کیا ہے۔اس لئے کہ ہم وہ کافیاں آپ کو دکھانے سے قاصر ہیں۔جن میں یہ حدیث اُسی طرح لکھی ہے جیسا کہ ہم نے آپ کے سامنے پیش کی ہے۔اور علامہ مجلسی کا یہ بیان بھی نہ لکھتے اگر آپ کو ظفری ترجمہ کا حوالہ نہ دیا ہوتا۔رہ گئی علامہ مجلسی رضی اللہ عنہ کی باقی

باتیں؟ان پر خود علامہ کو یقین نہیں ہے۔طیبہ ہرگز مدینہ کا نام نہیں ہے۔یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم بعض شہروں کے ساتھ لفظ شریف لگا دیتے ہیں۔جیسے اجمیر شریف وغیرہ۔طیبہ کے معنی شریف۔پسندیدہ۔عمدہ۔نفیس وغیرہ ہوتے ہیں۔پھر وہاں اگر تیس آدمی بتانا ہوتے تو بثلاثین رجلٍ (تیس مرد) کہنا لازم تھا۔اور اگر ہم وہاں تیس مرد یا بقول مجلسی تیس محرم راز یار ہوں گے تو یہ بھی ماننا فطری ہے کہ وہاں کم از کم تیس ورنہ ایک سو بیس عورتیں بھی رہیں۔ورنہ وحشت ہی نہیں بلکہ فطری مصیبت و آفت وکوفت و بے قراری بھی ہوگی یا پھر وہ سچ مچ کے مرد نہ ہوں گے بلکہ......ہوں گے۔کہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔یہ سب بکواس ہے۔یا اجتہادی قیاس ہے۔پھر ہم یہ کیوں نہ کہیں کہ وہ جو باقی تیس ہیں ان کو وحشت نہ ہوگی۔یہ وحشت امام علیہ السلام سے کیوں وابستہ کی جائے؟اور کیوں اپنے امامؑ کو تیس کے چکر میں ڈالیں اور قیاس آرائیاں کریں؟۔کیوں نہ ان مجتہدین کو یہ حدیث سنائیں کہ:۔

(د)نظام غیبت کا سربراہؑ ہمیشہ جنت میں رہتا ہے

''حضرت صالح بن سعید رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں جناب امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ مخالفین ہر ہر معاملے میں آپؑ کے نور کو بجھا دینے کا انتظام کرتے ہیں۔اور ہر بات میں آپ کی شان اور مرتبہ گھٹانا چاہتے ہیں۔یہ بھی اسی سلسلے کا ایک ثبوت ہے کہ آپ کو اس بدترین گھر میں لا کر اتارا ہے۔جسے اس علاقہ میں محتاج خانہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔یہ سن کر امامؑ نے فرمایا کہ سعید کے بیٹے ذرا ٹھہرو۔اس کے بعد ہاتھ سے ایک اشارہ فرمایا اور مجھ سے کہا کہ ذرا اس گھر کو غور سے دیکھو۔اب جو دیکھتا ہوں تو میں روح پرور چمنستان اور پھلوں پھولوں سے لدے ہوئے باغات میں ہوں جہاں معطر و مہکتی ہوئی حوریں اور موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے غلمان کا ہجوم ہے۔خوشنوا پرندے اور ہرن اور جوش میں بھری ہوئی نہریں رواں ہیں۔میری آنکھیں پھٹی رہ گئیں نظروں نے ہار مان لی۔اب فرمایا کہ ہم لوگ جہاں بھی ہوں یہ سامان ہمارے لئے حاضر رکھا جاتا ہے''۔

عن صالح بن سعید قال: دَخَلْتُ عَلٰی اَبِیْ الْحَسن علیه السلام فَقُلْتُ له. جَعَلْتُ فداک فی کل الامور اَرَا دُوا اطفاء نورک و التقصیر بک، حتی انزلوک هذا الخان الا شنع خان الصعالیک !! فقال : ههنا انت یا ابن سعید ثم أو مأ بیده و قال: اُنْظُرْ فَنَظَرْت، فاذا أنا بروضات انقات و روضات باسرات، فِیْهِنَّ خیرات عطرات و ولدان کَانهن اللؤلؤ المکنون وَ اَطْیَارٌ وَظَبَاءٌ و اَنْهَارٌ تفور، فحارَ بصری و حسرت عینی، فقال : حَیْثُ کُنَّا فَهٰذَا لَنَا عتید لَسْنَا فِیْ خَانِ الصعالیک۔(جلد۲صفحہ۵۵۳)(ظفری جلداول صفحہ۶۲۳)

قارئین ذرا پلٹ کر علامہ مجلسی رضی اللہ عنہ اور دیگر علمائے مجتہدین کی علمی بے چارگی اور دیوالیہ پن پر نظر ڈالیں اور سوچیں کہ ان حضرات سے وحشت و ہراس کا کیا تعلق ہے؟اور انہیں تیس مردوں کی کیا احتیاج ہوسکتی ہے۔بات یہ ہے کہ یہ

حضرات نظام غیبت اور سربراہؑ نظام غیبت سے قطعاً ناواقف ہیں۔ یہی نہیں بلکہ انہیں بفضل اجتہاد نہ قرآن سے واقفیت ہے نہ احادیث ہی نے ان کی ذہنیت پر اثر ڈالا ہے۔ اگر کچھ پڑھ لیا تھا۔ تو دنیاوی عیش ومصروفیات نے بھلا دیا۔ اور وہ بھی گلے سے نیچے نہ اترا۔ اسی قرآن میں ہر اس ہستی کو جسے محمدؐ وآل محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم پر ایمان واطمینان حاصل ہو جاتا ہے اسے اللہ اس کی اسی زندگی میں کہتا ہے کہ:۔ ''اے مطمئن نفس تو بڑی مسرت اور رضامندیوں میں

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ O ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً O فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْO وَ ادْخُلِىْ جَنَّتِىْO (سورہ الفجر 89/27-30)

لپٹا ہوا اپنے ربوبیت کرنے والے کے پاس آ جا اور میرے اپنے معیاری بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنتوں میں داخل ہو جا۔ یہ ہے جوارِ معصومینؑ میں جگہ ملنے کی دعا کا مطلب۔ قارئین یہ سمجھ لیں کہ مجتہدین محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے مقام کو گھٹانے میں ہر وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو امانت ودیانت سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو۔ وہ ایک عنوان یا موضوع پر وہ تمام احادیث سامنے رکھ کر بات کریں جو اس سے متعلق ہوں تو حقیقت ابھر کر سامنے آ جائے۔ جیسا کہ صرف ایک حدیث لکھ دینے سے معلوم ہو گیا کہ کوئی امامؑ کسی حال میں جنتوں سے باہر نہیں ہوتا۔ لہٰذا وحشت کے اجتہادی معنی غلط ہو گئے۔ بات سیدھی سی ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے مان لو کہ ہم نہیں سمجھے اور بس۔ اگر اللہ وامامؑ سمجھانا چاہیں گے تو بتا دیں گے بہر حال وہاں کسی سے اور کسی کو وحشت ونفرت نہیں اور حضورؑ اپنے فرائض سے نہ معزول ہیں نہ نوع انسان سے الگ تھلگ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ آ ؤ یا تو ہم خود ہی اپنے اپنے اقوال واعمال وعقائد کو پسندیدہ بنا لیں۔ کہ حضورؑ ہمیں خود ہی آ کر ملیں۔ یا پھر ان خاص موالیوں کے کیریکٹر کی اتباع کریں تا کہ ہم بھی ان میں شمار ہو جائیں۔ اور یہ پردہ درمیان سے ہٹ جائے۔ نظام غیبت میں حضورؑ نے وہ مکمل پوزیشن اختیار کر لی ہے۔ جو ان تمام قوتوں اور قدرتوں کے اجراء کے لئے ضروری تھی۔ جن کا انبیاؑ وآئمہ نفاذ چاہتے تھے اور ذرا دیر پہلے بیان ہو چکیں اُس پوزیشن میں وہ خود چاہیں تو انہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ ملاقات ہو سکتی ہے۔ ورنہ وہ کسی کو کسی کی اپنی کوشش سے نظر نہیں آ سکتے ہیں۔

(ہ) ایسی پوزیشن کہ سب کچھ نظر کے سامنے اور خود نظر نہ آئے

تمام آئمہ اہل بیتؑ یہ اعلان کرتے رہے کہ یہ ساری کائنات ہماری نظر کے سامنے اس طرح حاضر ہے جیسے میری ہتھیلی میرے سامنے ہے۔ یہ وہ صورت تھی کہ امامؑ ہمارے سامنے تھا۔ اور کائنات اور ہم اس کے سامنے تھے۔ مگر نظامِ غیبت میں امامؑ ہمیں نظر نہیں آتا تا کہ ہم وہ نظر حاصل کریں جو اُن کی زیارت کے لئے ضروری ہے۔ یعنی ہمیں ترقی کی راہ تلاش کرنا لازم ہو گیا۔ مگر باقی صورت حال تو وہی ہے۔ جو سابقہ آئمہؑ بیان فرماتے رہے۔ اور یہ صورت حال بھی ایسی نہیں جو نہ پہلے سنی ہو نہ تجربہ میں آئی ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ ابلیس نے ادارہ نبوتؑ وامامتؑ کو چیلنج کیا تھا۔ لہٰذا مقابلہ درحقیقت ابلیس اور ابلیسی اداروں سے ہے۔ ابلیس کو عدل خداوندی نے جو بے پناہ قوت وقدرت دی تھی۔ ان کے استعمال کے لئے لازم تھا کہ:۔ اِنَّہٗ یَرٰکُمْ ھُوَ

وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَاتَرَوْنَهُمْ (اعراف 7/27) ابلیس اوراس کا خانوادۂ کسی کونظر نہ آئے اور وہ تمام انسانوں کو دیکھ سکے۔ لہٰذا وہ انبیاءؑ اور آئمہؑ اور تمام انسانوں کو دیکھ سکتے تھے۔ اور دیکھتے رہے۔ اوراس قوت وقدرت سے خوب خوب اور ہزار ہا سال فائدہ اٹھایا۔ وہ جس صورت میں چاہتے لوگوں کو نظر آتے اوراغوا کرتے رہے۔ اب اگر یہی قدرت ان کے مدمقابل ادارہ کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی جائے تو کیا بے انصافی ہے؟ فرق یہ ہوگا کہ ابلیس صرف انسانوں کو دیکھ سکتا تھا۔ اور امامؑ کی ممانعت تک اس میں یہ قدرت باقی رہے گی لیکن نظام غیبت میں وہ بھی امامؑ کو از خود نہ دیکھ سکے گا۔ اور امامؑ کے سامنے وہ، اس کا خاندان وقبیلہ اور پوری کائنات ہر لحہ موجود رہیں گے۔ لہٰذا امامؑ کے لئے سادہ سے الفاظ یہ ہیں کہ:۔

عَنْ عُبَید بن زراره قال: سَمِعْتُ أَبَا عبد اللّٰہِؑ یقول: یفقد الناس امامھمؑ ، یَشْھَدُ الموسم، فَیَرا ھم وَ لاَ یَرَوْنَهٗ یہ بھی فرمایا کہ لِلْقَائِمِؑ غَیْبَتَانِ ، یَشْھَدُ فِیْ احدیھما المواسم یَرَی الناس وَ لاَ یَرَوْنَهٗ (شرح کافی جلد۲ صفحہ۱۷۳، صفحہ۱۷۵) (ظفری جلد اول صفحہ۴۰۱ اور۴۰۳)

۔''عبید بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا فرماتے تھے کہ لوگ اپنے امامؑ کو نہ پاسکیں گے۔ امامؑ ہر موسم میں مشھو دو ظاہر وموجود رہیگا اور لوگوں کو دیکھتا رہے گا۔ مگر لوگ انہیں نہ دیکھ سکیں گے''۔ (پانچ حدیث کے بعد یہ فرمایا کہ۔'' قائم آل محمدؑ کے لئے دو غیبتیں ہیں۔ ان میں سے ایک غیبت میں ہر موسم میں مشہود و حاضر وموجود رہیں گے اور لوگوں کو دیکھیں گے لیکن لوگ انہیں نہ دیکھیں گے''۔

یہاں امامؑ کی وہ پوزیشن واضح ہوگئی جس کا ذکر عنوان میں ہوتا رہا ہے۔ مگر نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ مجتہدین کی پالیسی یہ نہیں چاہتی کہ حضرت حجتؑ کا ایسا موجود ہونا معلوم ہوسکے جس میں وہ لوگوں سے مل سکیں اور کاروبارِ اجتہاد چوپٹ کررہ جائے۔ لہٰذا اُن دونوں حدیثوں میں کہیں بھی نہ تو لفظ۔'' حج''۔ موجود ہے۔ نہ وہاں کہیں حج کے ذکر کی گنجائش واحتمال یا شبہ ہے۔ مگر مجتہد نے لوگوں کو یہ بتایا کہ صرف حج کے موسم میں امامؑ مکہ میں آیا کریں گے۔ چلا پھرا کریں گے۔ مگر لوگ پہچان نہ سکیں گے حالانکہ ایک حدیث میں لفظ۔''الموسم''۔ ہے جس کے معنی تمام موسمیں بھی ہیں۔ اورایک خاص موسم بھی اس کے معنی ہوسکتے ہیں لیکن اس گنجائش کو دوسری حدیث میں لفظ جمع۔''المواسم''۔ کہہ کر ختم کردیا بتایئے امامؑ ہر موسم میں ظاہر ومشہود رہیں گے۔ لیکن مجتہد انہیں حج کرانے کی فکر میں حج کا پابند کردیتا ہے۔ اور حدیث میں الفاظ کو نہیں تو معانی بدل دیتا ہے۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ معصومؑ نظام نے نظامِ اجتہاد کی ہرراہ بند کرکے رکھ دی ہے۔

(فَمَا تَنْکَرُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ اَنْ یَفْعَلَ اللّٰه جَلّ وَعَزّ بِحُجّة کما فَعَلَ بیوسفؑ اَنْ یمشی فی اسواقھم و یطأ بسطھم حتّٰی باذن اللّٰه فی ذلک له کما اذن لیوسف۔ الخ (شرح جلد2 صفحہ 171 ظفری جلد اول صفحہ 400,401)

مگر پبلک کو کون بتائے اور بتائے تو گھر گھر اپنا بیان کیسے پہنچائے؟۔'' اگر اللہ اپنی حجتؑ امامؑ غائب کے ساتھ بھی وہی

صورت حال وابستہ کردے جو یوسف علیہ السلام کے ساتھ گذری تو کیا اس امت محمدؐ یہ کو انکار کا جائز حق ہوسکتا ہے؟ کہ اللہ کی حجتؑ بھی یوسفؑ کی طرح بازاروں میں گلیوں میں چلا پھرا کرے، لوگوں سے ملا جلا کرے اور خرید و فروخت کیا کرے۔ پھر اللہ اسے یوسفؑ کی طرح خود کو لوگوں پر ظاہر ہونے کی اجازت دے دے۔ جیسے حضرت یوسفؑ اپنے بھائیوں پر ظاہر ہوگئے تھے اور کہہ دیا تھا کہ ہاں ہاں میں وہی یوسفؑ ہوں جس کو تم نے فروخت کیا تھا۔ کنویں میں پھینکا تھا''۔

اب مجتہدین سے دریافت کریں کہ جناب حج کے موسم کی قید کہاں گئی؟ امام عصرؑ والزمان تو روزانہ گلی کوچوں اور بازاروں میں ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ لوگوں سے ملتے ہیں اور جہاں جہاں اور جن جن پر ظاہر ہو جانا مفید ہو خود اپنا تعارف کرادیتے ہیں۔ بتایئے ہم نے اپنے عنوانات میں کیا غلط بات کہہ دی ہے؟ پھر ابلیس کو یہ قدرت اور اجازت دی گئی تھی کہ:۔

(وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ...الخ (بنی اسرائیل 17/64) قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِي لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَO ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ (اعراف 7/17)

وہ لوگوں کے خون میں، جسم میں داخل ہو جائے اور ان کی اولاد میں اپنی خصوصیات پیدا کردے۔ ان کے دہنے بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے حملہ کرسکے۔ انہیں سبز باغ دکھا سکے اور جیسا چاہے بنا سکے۔ ان کے مال و متاع اور دولت کو نظام اجتہاد پر صرف کرا سکے۔ ان قدرتوں کے ملنے پر اُس نے اعلان کردیا کہ میں تیرے صراط مستقیم پر اپنی چھاؤنی قائم کروں گا اور ان پر بیک وقت چاروں طرف سے حملہ کروں گا۔ اور تو ان کی کثرت کو میرا تیار کیا ہوا ناشکرا پائے گا۔

ذرا سوچئے کہ دشمنِ انسانیت اور دشمنِ خدا و انبیاؑ کو یہ قدرت ہو تو اُس ہستی کے پاس کس قدر قدرت و اختیار ہونا چاہئے۔ جو خود خدا کا نمائندہ ہو؟ دستِ خُداوندی ہو؟ اللہ کی آنکھیں رکھتا ہو؟ اللہ کی ذات جس میں اپنا کام کر رہی ہو (نفس اللہ) جس کو ہر حال میں ابلیس اور ابلیسی اداروں پر غالب رکھنے کا اعلان خود ہی کردیا ہو؟ یہ ہیں وجوہات اس پوزیشن کی جو نظام غیبت میں غیبت کا امامؑ رکھتا ہے۔ وہ ہر جگہ ہر چیز پر نظر رکھتا ہے۔ خود ابلیس اس سے ایک لمحہ کے لئے پوشیدہ نہیں ہوسکتا۔ ابلیس کے تمام ادارے اور ان اداروں کے ممبر سب نظر کے سامنے۔ ایسی پوزیشن ان مادی آنکھوں سے اسی وقت دیکھی جاسکتی ہے جب اللہ یا امامؑ چاہے۔ اور وہ آنکھیں عطا کرے جن سے ایک ویران مکان چمنستان و جنت بدوش نظر آجاتا ہے۔ لہٰذا قارئین ہر جگہ، ہر موڑ پر، ہر کمرہ میں ہر سڑک پر ہر دفتر میں اپنی ایمانی بصیرت کو حاضر رکھیں، چوکنا رہیں، مجتہد کی پیدا کردہ غفلت اور ابلیسی اطمینان دور رکھیں۔ آپ انشاء اللہ نوازے جاسکتے ہیں۔ اسپرٹ ہی نہیں۔ توجہ ہی نہیں۔ خیال تک بھی نہیں۔ امکان بھی ختم کردیا۔ تو اگر نظر بھی آجائیں تو تم اسی طرح پچھتاؤ گے جیسے اکثر لوگ پچھتاتے رہے ہیں۔

(و)زیارت امامؑ کی تیاری اور امید نہیں تو آپ خود بدبخت ہیں

آپ کو ایسے انتظار سے کئی دفعہ واسطہ پڑا ہے۔ جب آپ کو دنیا کی ہر راحت موجود ہوتے ہوئے بے قراری تھی۔ ایک جگہ بیٹھنا مشکل تھا۔ بار بار تمہاری نگاہیں دروازے اور گھڑی کی طرف اٹھتی تھیں۔ گھڑی بند معلوم ہونے لگتی تھی۔ سانس ٹھکانے نہ تھا۔ آہٹ کہیں ہو کسی کی ہو تم سنبھل کر بیٹھتے تھے۔ دروازے کے سینکڑوں چکر لگائے تھے۔ بھوک و پیاس نیند سب غائب ہو گئے تھے۔ کیا تم کبھی امامؑ کے انتظار میں اس طرح رہے ہو؟ کیا تم نے اور تمہارے راہنما مجتہد نے اپنا لقب ''مُنْتَظِر'' اور حضورؑ کا لقب '' مُنْتَظَر'' نہیں رکھا ہے؟ کیا تم شیعہ نہیں کہلاتے ہو؟ کیا تم دونوں ظہور کی ظہور میں جلدی کی دعائیں نہیں مانگتے ہو؟ واللہ تم دونوں کاذب ہو۔ تم فریب ساز اور ڈھونگی ہو۔ تم نہ شیعہ ہو نہ تم امامؑ کے منتظِر ہو۔ اور خطا امامؑ کی سمجھتے ہو؟ رونا غیبت کبریٰ کا روتے ہو؟ سنو اے فریب ساز گروہ سنو۔ غیبت کبریٰ تو اس لئے اختیار کی گئی کہ نہ تمیں آدمیوں سے بیک وقت ملنے میں کسی کو دقت ہو نہ ایک کروڑ انسانوں کو یہ سوچنا پڑے کہ اس لمبی لائن (LINE) میں میرا نمبر کب آئے گا؟۔ اور نہ اس آدمی سے نفرت ہو جس نے لمبا قصہ چھیڑ دیا اور آپ کو دیر ہونے کی وجہ سے اس سے نفرت اور دیر سے وحشت ہو۔ سنو وہاں لائن کی احتیاج نہیں رہی وہ مادی طریقہ تھا۔ وہ مادی پابندیاں غیبت کبریٰ میں اٹھادی گئیں۔ جہاں چاہو جتنی دیر چاہو ملاقات کرسکنے کا موقعہ نظام غیبت نے فراہم کیا۔ ایک ارب انسان بیک وقت ملاقات کرسکتے ہیں اور کوئی کسی کی ملاقات میں حارج نہیں ہوسکتا۔ یہ تو بہت پہلے کر کے دکھا دیا تھا۔ مگر مجتہد کے یہاں حضرت علیؑ کا چالیس جگہ دعوت میں بنفس نفیس رہنا اور ادھر عرش اعظم پر اور رسولؐ کی خدمت میں بھی موجود ہونا۔ شرک ہے باطل ہے۔ اور یہ ہی سبب ہے کہ اور کوئی ہو یا نہ ہو مجتہد و مقلِّد فیوضِ خداوندی سے محروم ہیں۔ اس لئے کہ مجتہد اور مقلِّد اللہ کی قدرتوں اور اختیارات میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ کی مجال نہیں کہ وہ ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر کسی نبیؐ یا امامؑ کو مذکورہ قدرت واختیار دے سکے۔ یعنی یہ دونوں حقیقی معنی میں مشرک ہی نہیں بلکہ معاذ اللہ خود اللہ پر اختیار و قدرت بھی رکھتے ہیں۔

(ز)غافل مقلِّدین اور ملاقاتِ امامؑ اور امامؑ کی قدرت کا مظاہرہ

ابواحمد بن راشد نے ایک مدائن کے باشندہ کی زبانی سنایا کہ وہ کہتا تھا کہ میں اور میرا ایک ساتھی حج کر رہے تھے۔ اور اس سلسلے میں ہم دونوں عرفات کے میدان میں آئے وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نوجوان تنہا بیٹھا ہوا ہے۔ ایک ردا اور پیجامہ پہنے ہوئے ہے۔ پیروں میں زرد رنگ کے جوتے

عن ابی احمد بن راشد عن بعض اهل المدائِن قال : كنت حَاجًّا مع رفيق لِیُ ،فوافينا الى الَموقف فَاِذَا شَابٌّ قَاعِدٌ عليه اِزَارٌ وَرِدْاء وَفِی رِجليه نَعُلٌ صفراءٌ ، قومت الا زاروالرداء بمائة وخمسين دينارا ً وليس عليه اثر السَّفر ،فَدَنَا مِنّا سَائِلٌ فَرَدَدُناه ،

ہیں۔ہم دونوں نے نوجوانؑ کے کپڑوں ہی کپڑوں کی قیمت کااندازہ ایک سوپچاس اشرفیاں (150 x 20 = 3000روپیہ اس زمانہ کا)لگایا۔ اس نوجوانؑ کے چہرے پر سفر کی تھکاوٹ وغیرہ کا کوئی بھی اثر نہ تھا۔

فَدَنَا مِنَ الشَّابّ فَسَأَلَهُ فَحَمَلَ شَيْئاًمِنَ الارضِ وناوله ،فدعاله السائل واجتهد فی الدعاء واطال ،فَقَام الشَّابّ وغاب عنا ، فَدَلونا مِنَ السائل فقلنا له ،وَيُحک مَااعطاک ؟ فَارَنَا حصاة ذهب مُضَرَّسَةً،قَدَرْنَا هَا عِشرين مثقالاً ،فَقُلْتُ لِصَاحِبی : ''مولاناً عندنا ونحن لاندری '' ثُمَّ ذهبنا فی طلبه ،فدرنا الموقف کلهٗ ،فلم نقدر عليه ،فسالنا کُلّ مَنْ کَانَ حوله من اهل المکة والمدينة۔فقالوا شَابٌّ عَلَوِیٌّ يَحَجُّ فی کُلِّ سنةٍ ماشيّاً۔(شرح جلد۲صفحہ ۱۶۰۔۱۶۱ظفری جلداول صفحہ۳۹۴)

اس دوران ہمارے پاس ایک فقیر آیا ہم نے (مجتہد کی طرح) اسے ٹرخا دیا پھر وہ فقیر اس نوجوان کے پاس پہنچا اور سوال کیا۔ اس نے زمین سے کچھ اٹھا کر فقیر کو دے دیا۔ فقیر نے اسے دعائیں دیں اور اپنی دعا میں خوب اجتہاد کرتا ہوا معلوم ہوا یعنی جیسا کہ بہت بڑی دولت مل گئی ہو۔ ہم دعا پر کان دھرے ہوئے تھے کہ ناگاہ وہ نوجوانؑ وہاں نہیں تھا۔ ہم نے حیران ہو کر چاروں طرف دیکھا کہیں اس کا پتہ نہ تھا۔ ہم فقیر کے پاس پہنچے اور اس سے پوچھا کہ تو بھی عجیب احمق ہے۔ وہ کیا چیز تھی جو تجھے ملی اور تو نے دعاؤں کی ریل چھوڑ دی؟ فقیر نے ہمیں ایک کنکر دکھایا۔ دیکھتے ہیں تو تقریباً نوتولے سونے کی ڈلی تھی۔ میں نے یہ دیکھ کر دست تاسف ملتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا:۔

۔''افسوس کہ ہمارے مولاؑ ہمارے نزدیک تھے اور ہمیں اب معلوم ہوا''۔ اس کے بعد ہم نے میدان حج اور ادھر ادھر مکہ ومدینہ میں تلاش کیا ہر کسی سے حلیہ بتا کر پتہ لگانا چاہا مگر بے سود۔ کچھ لوگوں نے کہا تو یہ کہا کہ ایک نوجوان ہر سال پاپیادہ حج کو آیا کرتا ہے''۔

قارئین باقی قصہ تو چھوڑیں اس لئے کہ سرکارؑ دن میں نہ معلوم کتنے لوگوں سے ملتے رہتے ہیں۔ آپ تو یہ سوچیں کہ فقیر کے سوال پر کیا ہوا؟ سونے کی ڈلی اگر پہلے سے زمین پر پڑی ہوتی تو کوئی اور نہ سہی فقیر کو نظر آجاتی۔ کم ازکم اس وقت نظر آجانا چاہئے تھی جب حضورؑ نے زمین کی طرف دیکھا اور اس کو اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ وہاں کوئی چیز نہ تھی۔ یہ حضورؑ کی اپنی قدرت تھی کہ جو چاہا زمین نے آناً فاناً اگل دیا۔ ذرا سوچئے کہ جس قیمت کا لباس تھا اسی قیمت کا فقیر کو سونا دے دیا۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ نہ ان کا کھانا دنیاوی ہو نہ لباس مادی ہو۔ یا پھر اس قدر قدرت ہو کہ مادی سامان ہوتے ہوئے کسی کو نظر نہ آتا ہو۔ اور صحت وعمر پر اثر انداز نہ ہوتا ہو۔ اور جس عمر میں اللہ نے چاہا تھا اس کو برقرار رکھتا ہو۔ بہرحال نقلی اور مجتہدانہ شیعوں اور مولائیوں کی بدنصیبی سامنے آچکی ہے شاید ہماری تحریر مذہبی جذبات کو جگانے میں کامیاب ہوجائے؟ اور قلوب واذہان سے اجتہادی شرک صاف ہو کر محبت مولاؑ جاگ اٹھے۔ اور وہ سچ مچ اسم با مسمی مُنتظِر بن جائیں؟۔

(ح) ہر پسندیدہ شکل وصورت میں ملاقات کرنے کی قدرت رکھتے ہیں

ہم اپنی اصولی گفتگو میں یہ بتا چکے ہیں کہ ہر وہ قوت وقدرت واختیار جو ملائکہ اور جنات اور ابلیس کو جزوی حیثیت سے اللہ نے دیا ہے۔ وہ تمام اور مکمل صورت میں محمدؐ وآل محمدؐ اور حضرت حجۃ علیہم السلام کے پاس ہونا لازم ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک بہت طویل حدیث کے ایک دو جملے ملاحظہ ہوں۔

۔''لیکن امامؑ کی عملی تقرری اللہ کے سپرد ہے۔ وہ جہاں چاہے امامت کو قائم کرے۔ چنانچہ علیؑ رضا کی امامت کی تقرری کی خبر خود رسولؐ اللہ لے کر میرے پاس آئے اور علیؑ رضا کو مجھے دکھایا اور یہ بھی دکھایا کہ علیؑ رضا کے ساتھ کون کون رہے گا۔ چنانچہ ہم آئمہؑ میں سے کسی کی بھی تقرری اور وصیت جاری نہیں ہوتی جب تک رسولؐ اللہ اور میرے دادا علی علیہما السلام حکم لے کر نہ آئیں''۔(شرح جلد2 صفحہ 127)(ظفری جلد اول صفحہ 367-366)

> ولکن ذلک الی اللہ عزّوجلّ یجعلہ حیث یشاء ولقد جاء نی بخبرہ رسوّل اللّٰہ ثم ارانیہ وارانی من یکون معہ وکذلک لا یوصی الیٰ احدمنا حتیٰ یاتی بخبرہ رسولؐ اللّٰہ وجدی علی صلوات اللہ علیہما

قارئین ان جملوں کی عربی عبارت میں نہ لفظ۔ ''رویا''۔ ہے نہ لفظ۔ ''نوم یا منام''۔ ہے۔ یعنی نہ یہ ذکر ہے کہ رسولؐ اللہ اور علیؑ خواب میں آتے ہیں۔ نہ نیند کی حالت بیان ہوئی ہے۔ مگر مجتہد نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد کوئی شخص حتیٰ کہ محمدؐ اور علیؑ بھی زندوں کی طرح کہیں آئیں جائیں۔ لہٰذا ظفر صاحب نے تو ترجمہ میں بلا تکلف۔ ''اور خواب میں رسولؐ اللہ نے مجھے خبر دی''۔ لکھ دیا۔ لیکن علامہ مجلسیؒ نے ذرا تفصیل سے اپنے اور علماء کے تصورات لکھے ہیں۔ وہ پڑھ کر ہمارے مندرجہ بالا عنوان اور ترجمہ کی تصدیق کر لیں اور اگر پسند آجائے تو اپنا عقیدہ بھی درست کر لیں۔ کہا گیا کہ:۔

۔''اور یقیناً میرے پاس رسولؐ اللہ اس کی اطلاع لے کر آئے''۔ یہاں رسولؐ اللہ کا آنا اور چاہنا خواب میں واقع ہوا یا بیداری کی حالت میں رسوّل کا آنا دیکھا؟ یا یہ کہ رسولؐ اللہ اپنے اصلی جسم کے ساتھ تشریف لائے یا ہم مثل جسم کے ساتھ آئے؟ بعض کے کہنے کے مطابق اصلی جسم سے تشریف لائے۔ اور یہ بھی

> ۔''شرح از مجلسی (رہ)''وَلَقَدْ جَاءَ نِیْ بِخَبْرِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہ''
> آمدن وخواستن رسوّل خدا ۔یادرعالمِ خواب بوده ؟یا در بیداری باپیکر مثالی یا با پیکر اصلی ؟بنا بر گفته بعضی ۔ وگفته اند که ارواحِ کامله می توونند برای هر که خواهند درپیکر خودمجسم شوند ۔ ودراین دنیا خودرا باوبنمایند۔ چنانچه پیغمبرؐ برای ابوبکر مجسم شد و قتی ابوبکر حقِ علیؑ رامنکر شد۔من گویم درعیون تصریح شده است که

کہا گیا ہے کہ جو روحیں مکمل اور کامل ہوتی ہیں وہ جس جسم میں چاہیں خود کو ظاہر کر سکتی ہیں۔ اور اس دنیا میں اپنے آپ کو اس اختیار کردہ جسم میں دکھائیں۔ چنانچہ پیغمبرؐ نے خود کو ابوبکر پر

درخواب بوده ۔ زیرا عبارت چنیں است که من رسولِ خدارا درخواب دیدم ۔ و امیرؑ المومنین بهمراء اوبوده ۔ ومقصود از اَرَائهُ کسانیکه باویند یاخلفای جائر معاصر اوهستند یا شیعیان ودوستان او یا همه آنان بطور عموم (شرح جلد۲ صفحه ۱۲۷۔۱۲۸)

ظاہر کیا جب کہ انہوں نے علیؑ کے حق خلافت کا انکار کر دیا تھا۔ میں کہتا ہوں (یہ مجلسی کا قول ہے) کہ کتاب عیون میں اس کی تصریح ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب کا ہے۔ اس لئے کہ وہاں یہ عبارت ہے کہ ''میں نے رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا اور امیر المومنینؑ ہمراہ تھے'' اور لفظ اَرَائهُ سے مقصود یا تو ان کے زمانہ کے عباسی خلفا ہیں۔ یا ان کے پسندیدہ شیعہ اور دوست ہیں۔ یا دونوں پارٹیاں مراد ہیں''۔

قارئین آخری جملے بتاتے ہیں کہ جن حضرات کو اس دنیا میں یہ تحقیق نہ ہوسکا کہ لفظ اَرَائهُ سے کون لوگ مراد ہیں؟ یعنی جنہیں تاریخ وحدیث سے ان مادی ہستیوں کا علم نہ ہوسکا ان کی رائے کا کیا وزن ہوسکتا ہے۔ اس صورت حال کے متعلق جو مادیت سے بلند وارفع ہو؟ بہرحال ہمارے یہاں ایسے شیعہ علماء گذرے ہیں اور اس بیان میں ان کا قول موجود ہے۔ جو رسولؐ اللہ اور علیؑ کو اپنے حقیقی جسم کے ساتھ ہر جگہ جانے اور دکھائی دینے کے قائل ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ مجتہدین یہ بھی نہیں مانتے کہ شہادت حسین علیہ السلام کے بعد رسولؐ اللہ خاک بسر لوگوں کو نظر آئے تھے۔ بہرحال ادھر حدیث کے الفاظ میں لفظ خواب نہیں بلکہ سچ مچ تشریف لانا موجود ہے۔ ادھر قرآن کریم تمام شہداء کی حیات اور رزق دیئے جانے کا اعلان کرتا ہے۔ روح رزق نہیں کھاتی نہ اس کے لئے زندہ اور مردہ کی لفظیں صادق آتی ہیں۔ بہرحال زیدی کہتا ہے کہ کتاب عیون میں کسی شیطان نے ''خواب'' کی لفظ کا اضافہ کیا اور مجلسی صاحب نے مومن ہونے کی بنا پر دھوکہ کھایا ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ خود تمہارے اصول جمع وتالیف کی رو سے یہ کیوں نہ کہہ دوں کہ آنحضرتؐ ایک مرتبہ خواب میں اور ایک مرتبہ بیداری میں تشریف لائے تھے؟ تاکہ حدیث کا تعارض اور تضاد رفع ہو جائے؟ قارئین یاد کریں کہ ہم نے مجتہدین کی تحریف وتدلیس وتلبیس دینی ریکارڈ میں ہمہ قسمی چار سو بیس ثابت کر دی ہے اور یہ اصول عدل قائم کر دیا ہے کہ ہم تاریخ وحدیث وتفسیر کی ہر اس بات کو تسلیم نہ کریں گے جو نظام اجتہاد کے حق میں جانبدار ہو۔ اس لئے کہ تمام دینی ریکارڈ ان کے قابو میں رہا ہے۔ ورنہ سُنی مجتہدین ہمیں وہ احادیث دکھائیں جو امام اسماعیل بخاری کو نہ لکھنے دیں جنکی تعداد چھ لاکھ چورانوے ہزار ہے۔ اور شیعہ مجتہدین ہمیں چار سو حدیث کی کتابیں دکھائیں اور ستر ہزار وہ احادیث دکھائیں جو حضرت جابر کو روایت کرنے سے روکا گیا۔ ان میں ہم وہ سب کچھ دکھائیں گے۔ جو علامہ مجلسیؒ کو اس لٹے پٹے ریکارڈ میں نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کبھی بھولے سے بھی اس غارتگری کا تذکرہ نہیں

کرتے جوان کے بزرگوں نے شیعہ سُنی ریکارڈ پر دھاوا بول کر کی تھی۔ مگر ہم ان قزاقوں، لٹیروں اور ڈاکوؤں کو ایک لمحہ کے لئے نہیں بھلاتے۔ یہ کیا ظلم ہے؟ یہ کتنی بڑی ڈھٹائی ہے کہ ہمارا گھر لوٹ کر ہم سے کہا جائے کہ تمہارے پاس کرسی کہاں تھی؟ بستر کہاں تھا؟ یہ وہ ملاعین ہیں جنہیں شرم وشرافت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا قارئین نوٹ کریں کہ کائنات کی ہر چیز تک پہنچنے والا رسولؐ رحمۃ للعالمین ہر انسان کے، از آدمؑ تا آخر، ہر عمل پر شاہد وشہید حضراتؑ اپنے اصلی جسم کے ساتھ ہر جگہ، ہر حال میں، ہر صورت میں موجود رہتے ہیں۔

(ط) جھوٹوں کو گھر تک پہنچا کر چھوڑنا چاہیئے

قارئین کے مزید اطمینان کے لئے صرف ایک اور حدیث لکھی جاتی ہے اور خود علامہ مجلسیؒ سے ان کی اپنی بقلم خود تردید کرائی جاتی ہے۔ سنئے کہ:۔ مسجد نبوی کی مرمت کے لئے لوگوں کو اس بات کی ضرورت پڑی کہ وہ مسجد کی چھت پر چڑھیں اس کا ذکر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے کیا تو آپ نے ان الفاظ میں منع فرمایا کہ:۔

> فقال : ما احب لاحدمنهم ان يعلو فوقه ولا آمنه ان يرى شيئاً يذهب منه بصره اويراهؐ قائمًا يصلى اويراه مع بعض ازواجه صلى الله عليه و آله وسلم (شرح جلد۲ صفحہ ۴۶۵) (ظفری جلد اول صفحہ ۵۵۹)

۔"میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم میں سے کوئی ایک آنحضرتؐ سے بلند ہو جائے اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو میں یہ ضمانت نہیں دوں گا کہ وہ وہاں سے کوئی ایسی چیز دیکھ لے کہ اپنی بصارت ہی کھو بیٹھے۔ یا وہ آنحضرؐت کو نماز پڑھتے ہوئے کھڑا دیکھے یا اپنی بعض زوجہ کے ساتھ دیکھے"۔

قارئین سوچیں کہ قول معصومؑ کی رو سے آنحضرؐت ظاہری انتقال کے بعد بھی نماز پڑھتے ہیں۔ جو اِسی جسم کے ساتھ واجب ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ انسان پیدا ہوتا ہے۔ اور جس کے ساتھ قیامت میں حساب اور جنت وجہنم میں رہنا ہوگا۔ پھر ازواج کے ساتھ کسی اور جسم کے ساتھ رہنے کے معنی کیا ہوئے اور جب کہ یہ حضراتؑ جنتوں پر تصرف رکھتے ہوں؟ لہٰذا ثابت ہے کہ آنحضرتؐ اپنے اصلی جسم کے ساتھ موجود رہتے اور دکھائی دیتے ہیں۔ اب آپ نظام اجتہاد کے پروردہ خیالات وقیاسات ملاحظہ فرمائیں پہلے ظفر صاحب کو سنیں۔

ظفر صاحب کی توضیح

۔"مراۃ العقول میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ کیوں کہ اس کے راوی جعفر بن مثنیٰ اصحاب امام رضا علیہ السلام سے ہیں۔ انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ نہیں دیکھا۔ دوسرے علماء امامیہ کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ انبیاء وآئمہ علیہم السلام مرنے کے بعد زندہ تو ضرور ہیں۔ لیکن ایسی زندگی وہ نہیں ہوتی۔ جیسی مرنے سے پہلے کی ہوتی ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ بغیر کسی خاص ضرورت کے قبر سے اونچا ہونا اور بلندی سے اسے دیکھنا جائز نہیں''۔(ظفری جلد اول صفحہ 559)

جن لوگوں کو منظور ہو ہم انہیں چیلنج کرتے ہیں کہ وہ علماء امامیہ کا اس مسئلہ پر اتفاق ثابت کردیں۔اسی پر نہیں بلکہ جس مسئلہ پر وہ پسند کریں اس پر تمام علماء امامیہ کا متفق ہونا دکھادیں یا کم از کم بلاثبوت آج کوئی تحریری بیان ہی دیدے کہ تمام علماءِ امامیہ فلاں مسئلہ پر متفق ہیں۔ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم بلاثبوت طلب کئے وہ تمام تحریر واپس لے کر معافی مانگ لیں گے جو ہم نے آج تک مجتہدین کے خلاف لکھی ہیں۔مگر ظفر صاحب سمیت سب کو یہ بتادیں کہ علمائے امامیہ میں تمام شیخی وبابی وآغاخانی وغیرہ کم از کم تیں قسم کے علماء شامل ہیں۔لہٰذا یہ ماننا پڑے گا۔کہ لفظ علماء امامیہ کہنے والا نہ صرف تاریخ سے جاہل ہے۔بلکہ جھوٹا وفریب ساز بھی ہے۔اب آپ علامہ آیت اللہ الحاج الشیخ محمدؐ باقر الکمرئی کی شرح سے علامہ محمد باقر مجلسی کا بیان سنئے اور ہمیں بتایئے کہ دونوں میں سے آپ کسے کاذب وغادر وخائن قرار دینا پسند کریں گے؟۔

''شرح از مجلسی (رہ)''در نزد اهل مدینه معروف است که چشم انداختن بقبر آنحضرتؐ مایه کو ریست۔واگر چیزی درضریح افتد دستمالی بچشم کود کی بیند ند واو را وارد کنند تاآن را درآورد۔ اینکه فرموده:۔ ''دوست ندارم''۔ معنی کراهت دارد ولی علتی که بیان کرده دلیل برحرمت است۔ واز فقهائی مادرین باره حکم صریحی ندیدم۔ رَآهُ یُصَلِّیْ مقصود این استکه باکالبد مثالی ایستاده ونماز میخواند۔دراخبار بسیار یست که پیغمبرؐ وآئمهؑ بلکه پیغمبر ان دیگر بعد از مُردن احوالی غریبی دارند که برخلاف دیگر انست۔گوشت آنها برزمین حرامست۔وتن آنها بآسمانها بالا میرود''۔(شرح جلد دوم صفحه ۴۶۵)

۔''مجلسی نے لکھا کہ۔'' مدینہ کے رہنے والوں میں یہ حقیقت جانی پہچانی ہے کہ آنحضرتؐ کی قبر پر نظر ڈالنا اندھا کردیتا ہے۔اوراگر کوئی چیز ضریح کے اندر گرجاتی ہے۔تو وہاں کے لوگ کسی ننھے بچے کی آنکھوں پر رومال باندھ کر اندر اتارتے ہیں اور یوں وہ بچہ وہ چیز نکالتا ہے۔اورامام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ جوفرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا۔اس کے معنی صرف مکروہ ہونے کے ہوئے۔مگر قبر سے بلند ہونے اوراونچائی سے نظر ڈالنے سے منع کرنے میں جوعلت یا سبب بیان کیا ہے۔وہ ایسا ہے کہ یہ بلند ہونا اورنظر ڈالنا حرام ہونے کی دلیل ہے۔مگر میں نے اپنے فقہا میں سے اس مسئلہ میں کوئی بھی صاف حکم نہیں دیکھا ہے۔(یعنی علامہ کے مذہب کے فقہا نے اس کو نہ جائز کہا نہ منع کیا ہے لوگ آزاد ہیں جو چاہیں کریں۔اور مجتہدین سے یہی امید بھی ہونا چاہئے کہ وہ نہ ایمان رکھیں نہ لوگوں کو روکیں اوراس قسم کی حدیثوں اورقصوں کوضعیف سمجھ کر پی جائیں)اورامامؑ نے یہ جوفرمایا کہ رَآهُ یُصَلِّیْ ان کونماز پڑھتا ہوا دیکھیں۔اس کا مطلب یہ ہے۔کہ آنحضرتؐ ایک مثالی جسم کے ساتھ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہوں۔بہت سی حدیثوں میں

یہ بیان ہوا ہے کہ پیغمبر محمدؐ اور آئمہؑ بلکہ باقی سب پیغمبروں کی مرنے کے بعد بہت عجیب وغریب حالت ہوتی ہے۔ جو عام لوگوں کی حالت ہوا کرتی ہے اس کے خلاف ہوتی ہے۔ان کا گوشت زمین پر حرام ہے۔اوران کے بدن اوپر آسمان پر چلے جاتے ہیں''۔

قارئین کہئے آپ کا مزاج کیسا ہے؟ چکر تو نہیں آرہا ہے؟ دوستو علماء کا حال ہماری کتاب اِسلام وعلمائے اِسلام میں پڑھنا چاہئے۔ بہر حال اس کو چھوڑ دو کہ ان میں سے کون سچا ہے۔اور کون جھوٹا ہے۔ یہ سنو کہ نظام اجتہاد نے ان لوگوں کو تماشہ بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ یہ شرح ظفر صاحب کو دکھاؤ تو وہ مراۃ العقول میں اپنا صحیح معائنہ کرسکیں گے۔مرأۃ کے معنی ہیں آئینہ اور ہم ان سب کو دراصل آئینہ میں ان کی صورتیں دکھارہے ہیں۔اور بتارہے ہیں کہ جب پیغمبروںؑ کا گوشت کھانا اور گلانا سڑانا زمین پر اور ہر جگہ پر حرام ہے۔اور جب ان کا جسم آسمانوں پر چلا جاتا ہے۔اور جب ان کا سونا جاگنا برابر ہے۔اور جب وہ باقی انسانوں کے خلاف حالات رکھتے ہیں۔تو تمہیں کس خبیث نے یہ کہہ دیا کہ وہ اپنے اصلی جسم کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔کوئی ایسی حدیث ہے؟ یا یہ اجتہادی اور ابلیسی قیاسات ہیں۔ان لوگوں نے پھونکیں مار کر نور خداوندی کو بجھانے کا ارادہ کررکھا ہے۔اور اللہ نے اپنے نور کو مکمل کر کے چھوڑنا طے کیا ہے۔خواہ کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو(توبہ 9/32)۔

(ی) آناً فاناً جس کو چاہیں جہاں چاہیں لے جانے کی قدرت

آنحضرتؐ کی معراج اس کا ثبوت ہے۔ کہ محمدؐ کے لئے کائنات کا کوئی ایسا مقام نہیں جہاں سے آپ نہ جاسکتے ہوں۔ لیکن اب یہ دکھانا ہے کہ امامِؑ زمانہ ناظمِ نظامِ غیبت بھی اپنے آباواجدادؑ کی وراثت کے وارث تھے۔اورانہوں نے عملاً جو پوزیشن اختیار کی تھی اس کی رو سے آپؑ کائنات کے چپے چپے اور ظاہر و پوشیدہ چیزوں اور ذہنی وقلبی حالات وواردات پر مطلع تھے۔اور یہ حقیقت آپ نے بائیس احادیث میں مسلسل ملاحظہ کی ہے۔اب ایک مثال دیکھ لیں۔جس سے یہ معلوم ہوگا کہ محمدؐ وآل محمدؐ کا ہر فرد محمدؐ ہے اوران سب کو اللہ نے اس کائنات پر ہر وہ قدرت واختیار عطا کیا ہے۔جو ممکن الوجود کے فہم وگنجائش میں سمانا ممکن تھا۔ چنانچہ ہم قارئین کرام کو حضرت حجت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردادا جناب امام محمد تقی علیہ السلام کا واقعہ سناتے ہیں۔جس سے ہمارے قائم کردہ عنوان کا ثبوت ملے گا اور ساتھ ہی وہ ہتھکنڈے بھی معلوم ہوں گے ۔جن سے محمدؐ وآل محمدؐ کے مشن کی راہیں روکی جاتی تھیں اوران کے ماننے والوں کو بدنام وقید کیا جاتا تھا۔ یہ حدیث جناب ظفر صاحب کے ترجمہ کی خامیاں دور کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں تاکہ ترجمہ حدیث کے عربی الفاظ کے مطابق ہوجائے اور تاریخی وجغرافیائی لاعلمی بھی رفع ہوجائے۔

۔''محمد بن حسان نے یہ روایت علی بن خالد (جو زیدی مذہب رکھتا تھا) سے روایت کی ہے۔کہ علی بن خالد نے کہا کہ میں شہر عسکر (یعنی شہر سامرہ) میں تھا۔ مجھے یہ خبر ملی کہ ملک شام سے ایک شخص کو بڑے اہتمام وانتظام کے ساتھ گرفتار کرکے عسکر کی جیل میں لایا گیا ہے۔اور کہا جاتا ہے کہ اسے نبوت کا دعویٰ کرنے پر گرفتار کیا گیا ہے۔

علی بن خالد (زیدی المذہب) نے بتایا کہ میں نے جیل کے عملے اور افسران سے رابطہ قائم کیا اور جس طرح ہوسکا اس قیدی تک پہنچا۔ میرے مشاہدہ میں وہ آدمی ایک دانش مند وتندرست وشریف معلوم ہورہا تھا۔ میں نے اس سے درخواست کی کہ مجھے اپنی گرفتاری کی وجہ سناؤ۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں ملک شام کا باشندہ ہوں۔ اور عموماً اس مقام پر عبادت کیا کرتا تھا۔ جسے راس الحسینؑ (جہاں امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کا دفن کرنا مشہور ہے) کہا جاتا ہے۔ ایک روز میں عبادت میں مشغول تھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا اٹھ اور میرے ساتھ چل۔ شاید دو چار قدم چلے ہوں گے کہ ہم کوفہ شہر کی مسجد میں داخل ہوگئے اور اس شخص نے دریافت کیا کہ پہچانتے ہو کہ ہم کہاں ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ جی ہاں ہم کوفہ میں مسجد کوفہ میں ہیں۔ اس آدمی نے وہاں نماز پڑھی میں بھی نماز بجالایا۔ میں ہر عمل میں اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ کہ ناگاہ ہم مدینہ پہنچ گئے۔ اس نے رسولؐ اللہ پر درود وسلام پڑھا میں نے اس کی اتباع کی پھر مسجد نبوی میں نماز پڑھی میں نے بھی نماز ادا کی۔ پھر رسولؐ اللہ پر درود وسلام پڑھا میں نے بھی پڑھا۔ میں ساتھ ساتھ عمل پیرا تھا کہ اچانک ہم مکہ پہنچ گئے۔ وہاں اس نے کعبہ میں ضروری اعمال کئے میں نے بھی مناسک ادا کئے۔ اور میں ساتھ ساتھ رہا اسی دوران دیکھتا کیا ہوں کہ ہم اسی مقام پر آ پہنچے جہاں سے وہ شخص مجھے لے گیا تھا۔ اسی حیرانی میں تھا کہ وہ شخص چلتا بنا۔ ایک سال اس واقعہ کو گذرا تھا۔ کہ ایک دن وہ شخص پھر آ گیا اور مجھے لے کر پچھلے سال کی طرح سفر کرایا اور واپس راس الحسینؑ پر چھوڑ کر چلنا چاہتا تھا کہ میں نے اسے قسم دی کہ تجھے اسی کی قسم جس نے تجھے یہ قدرت واختیار دیا ہے۔ یہ تو بتادو کہ آپ کون ہیں؟ یہ سن کر فرمایا کہ میں محمد تقیؑ بن علیؑ رضا بن موسیٰؑ کاظم ہوں۔ چنانچہ وہ حضرتؑ رخصت ہو گئے۔ میں نے یہ واقعہ اپنے حلقہ میں بیان کیا اور رفتہ رفتہ یہ خبر پھیل گئی اور خلیفہ معتصم کے وزیر محمدؐ بن عبدالملک زَیّات (یہ ایک تیل فروش کا بیٹا تھا۔ اس لئے یہ بھی زیات کہلاتا تھا) تک جا پہنچی۔ اس نے گرفتاری کے لئے لوگوں کو بھیجا مجھے پابہ زنجیر وطوق وہتھکڑی کر کے یہاں بھجوادیا ہے۔ یہ سن کر میں نے (راوی علی بن خالد نے) قیدی سے کہا کہ تم یہ پورا واقعہ محمد بن عبدالملک وزیر کو لکھو اور بتاؤ تم ہرگز نبوت کے دعویدار نہیں ہو اور یہ الزام ایک تہمت ہے۔ قیدی نے میرے مشورہ پر عمل کیا مگر محمد بن عبدالملک نے اسی درخواست پر لکھ دیا کہ جو شخص تمہیں آناً وفاناً شام سے کوفہ پھر کوفہ سے مدینہ اور وہاں سے مکہ اور مکہ سے شام لاتا اور لے جاتا رہا۔ اُس سے کہو کہ وہ تمہیں جیل خانے سے بھی لے جائے۔ مجھے یہ اطلاع ملی تو حد بھر صدمہ ہوا۔ بہر حال مجبوراً میں نے اُس سے صبر اور تحمل کرنے کو کہا وہ اس کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا۔ میں اس کی مدد کے لئے کچھ لے کر ایک دن جیل کے دروازے پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں؟ کہ دوڑ بھاگ مچی ہوئی ہے۔ فوجیوں، چوکیداروں اور سپاہیوں میں ہلچل مچی ہے۔ مخلوق جمع ہے۔ میں نے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ دعویٰ نبوت کرنے والا قیدی جو شام سے لایا گیا تھا۔ رات کو جیل سے غائب ہو گیا ہے۔ اس کی تلاش وتفتیش ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہوا؟ زمین میں اتر گیا یا کوئی پرندہ اسے اڑا لے گیا؟'' حدیث ختم ہوئی (ظفری

جلداول صفحہ 616-615)اس حدیث کی ذیل میں علامہ مجلسیؒ نے لکھا ہے کہ :۔

۔''یہ علی بن خالد زیدی مذہب رکھتا تھا۔ جیسے ہی امام محمد تقی علیہ السلام کے اس معجزہ

۔''ایں علی بن خالد زیدی بُودہ وچُون این معجزہ را ازامام محمدؑ تقی دیدہ است بمذہب امامیہ گرائیدہ ''۔(کافی جلد۲صفحہ۵۴۲۔۵۴۳)

کو دیکھا اس نے مذہب امامیہ اختیار کرلیا''۔ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ تمام علماء جن کی ذہنی تربیت مجتہدانہ ماحول میں ہوئی یا وہ کسی طرح نظام اجتہاد کے ہتھے چڑھ گئے وہ سب مجتہدین کی جاری کردہ اصطلاحی زبان بولنے اور حقائق کو مشکوک کرنے میں مددگار رہے ہیں۔علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ کے والد جناب محمد تقی مجلسی رضی اللہ عنہ اجتہاد اور مجتہدین کے کھلے دشمن تھے۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ علامہ محمد باقر مجلسی مجتہدانہ ذہنیت نہ رکھتے تھے۔مگر وہ جناب ایران کی شیعہ حکومت میں گویا وزارت امور مذہبی کے سربراہ تھے۔اوراس لئے چاروں طرف سے شیعہ سنی مجتہدین اور قاضیوں ،مفتیوں اور وزراء وامراء اور رؤسا اور سرمایہ داروں کے نرغہ میں گھرے رہتے تھے۔اور مجبور تھے کہ سرمایہ دارانہ نظام اور نظام حکومت واجتہاد کا تحفظ کریں یہ سبب ہے کہ ان کی اپنی تصنیفات میں بھی اوران تصنیفات میں بھی جوان کے نام سے لکھی گئیں ہمہ قسمی سامان بھراپڑا ہے۔ان میں ایسے بیانات وروایات بھی ہیں۔جن سے علامہ ڈھکو اینڈ کمپنی سند لیتی ہے۔اور جن پر سُنی مجتہدین ناز کرتے ہیں۔اور قدم قدم پر شیعوں کو للکارتے ہیں۔اوراپنا مذہب علامہ مجلسیؒ کے سہارے ثابت کرتے ہیں۔بہرحال وہ دل سے مذہبِ حقہ اثناعشریہ پر ایمان رکھتے تھے۔اوراجتہاد و مجتہدین کے مخالف تھے۔مگر مجبور تھے۔یہی اس ماحول کی مجبوری تھی کہ انہوں نے بلا تکلف لفظ مذہب امامیہ لکھ دیا۔اور یہ خیال نہ کیا کہ اس ڈھیلی مجتہدانہ اصطلاح میں شش(6)امامی یعنی آغاخانی ،ہشت(8)امامی یعنی بوہرے اور بارہ اماموں کو ماننے والے اور بہت سے شیخ وشیخی ولقمانی سب شامل ہیں۔پھرانہوں نے علی بن خالد کو۔''زیدی بودہ''۔لکھ مارا یعنی وہ زیدی تھا۔حالانکہ محمد باقر کو معلوم ہے کہ حضرت زید کی اولاد بھی زیدی ہے۔مطلب یہ ہے کہ اجتہادی ماحول کے لٹے پٹے ہوئے تمام علماء بڑی ڈھیلی ،بے معنی اور خطرناک زبان استعمال کرنے کے عادی ہوجاتے ہیں اس لئے ان کے تراجم وتفاسیر مشکوک ہوجاتی ہیں۔یہاں تک بات اتنی خطرناک نہیں ہے۔لیکن جس لفظ سے مذہب حقہ اثناعشریہ کی بنیاد پر ضرب لگتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ علامہ محمد باقر مجلسی نے ان چند جملوں میں اس واقعہ کو جوامام محمد تقی علیہ السلام سے ظہور میں آیا ایک معجزہ قرار دیدیا۔ جس کا مطلب مجتہدانہ زبان میں یہ ہے کہ وہ سب کچھ جو امام محمد تقیؑ نے کیا۔وہ سب کچھ اللہ نے کیا تھا۔اس میں امام کو ذرہ برابر اختیار وقدرت نہ تھی۔اورنہ ایسا اختیار وقدرت اللہ نے کسی کو دی ہے نہ دے سکتا ہے۔اور جو کوئی آئمہؑ میں ایسی قدرت کا وجود مانے وہ مشرک ہے۔یعنی میں اور میرے سلسلے کے سارے علماء اور خود محمد باقر مجلسی کے والد بھی مشرک ٹھہرے۔ہم مشرک ہیں یا نہیں ؟یہ تو حدیث کے الفاظ پر منحصر ہے ۔ وہاں وہ شخص جب دوبارہ کوفہ ومدینہ ومکہ سے شام واپس لایا گیا تو یوں

(**سالتک بالحق الذی اقدرک علی مارأیت الااخبر تنی من انت ؟**)سوال کرتا ہے۔کہ ''میں تجھ سے اُسی کے حق کا واسطہ دے کرسوال کرتا ہوں جس نے تجھے اس کی قدرت دی ہے۔ جو میں نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھا ہے۔کیا تم مجھے یہ نہ بتاؤ گے کہ تم ہوکون؟''۔

قارئین کسی بھی شیعہ سُنی عربی مدرسہ میں جا کر کسی بھی چوتھی جماعت کے طالب علم سے اِس جملے کے یا الّذِی اَقدَرَکَ کے معنی یا ترجمہ دریافت کریں۔اور دور کیوں جائیں؟ خود ظفر صاحب کا ترجمہ کیوں نہ دیکھ لیں لکھا ہے۔

۔''جس نے آپ کو یہ قدرت دی ہے''۔

پھر محمد باقر کمرئی کا ترجمہ یوں ہے:۔'' بحق کسیکہ تورا برآنچہ دیدم توانا کردہ است''۔

ساری دنیا کے عربی دان یہی معنی کریں گے کہ اللہ نے آئمہ علیہم السلام کو مذکورہ بالا قدرت عطا کردی تھی۔مگر یہ دشمن خدا ورسولؐ اور انسانی ترقی سے دشمنی رکھنے والا گروہ یہی کہتا رہے گا کہ جب ضرورت پڑتی تھی۔تو وہ حضرات پہلے اللہ سے دعائیں مانگتے تھے۔اگر اللہ منظور کر لیتا تھا تو پھر مذکورہ قسم کے حالات پیدا کر دیتا تھا۔جن میں آئمہؑ کو کسی قسم کا ارادی اختیار اور قدرت نہ تھی۔خدا ایسا عقیدہ رکھنے والے تمام گروہوں پر لعنت کرتا ہے۔یہ ہیں وہ کمالات جن کو نظام اجتہاد نے ہمارے اچھے خاصے علماء کے دماغ پرطاری کر دیا اور وہ بھی اس رَو میں بہہ گئے۔لیکن میں نے طے کیا ہے کہ بلا رُو رعایت اپنا ہو یا پرایا تنقید کروں گا اور تنقید بھی ادب واحترام کے پردوں میں لپیٹ کر بے اثر نہ کردوں گا۔غلطی کو غلطی اور غلط کار کو غلط کار کہوں گا۔اور جو بات صحیح ہو اُسے شکریہ کے ساتھ قبول کروں گا۔یہ تمام اختلافات جن میں پوری اُمت مبتلا ہے۔نظامِ طاغوت نے پیدا کئے ہیں۔اور اس سے ان کو دوام حاصل ہوا ہے کہ لوگوں نے اپنے اپنے فرقہ کے علماء کی غلطیوں پر پردے ڈالے ہیں اور یہ سمجھا ہے کہ علماء کی مذمت سے مذہب کی مذمت ہو جائے گی۔اور ہم نے بار بار اور ہر بار لکھا ہے کہ۔'' یہ علماء مذہب شیعہ نہیں ہیں''۔علماء کو مذہب کے معیار پر جانچنا چاہئے نہ کہ مذہب کو علماء کے معیار پر؟ یہ خاطی گروہ ہے۔یہ سب مل کر بھی اور فرداً فرداً بھی خطا کار ہیں۔اور مذہب شیعہ میں تو محمدؐ وآئمہؑ اہل بیتؑ ہی عالم ہیں۔اور کوئی عالم نہیں سب طالبعلم ہیں۔لیکن طاغوتی گروہ نے واضح احادیث کے خلاف اور کلام اللہ کی مخالفت میں نہ صرف خود کو عالم کہا بلکہ وہ علماء بن بیٹھنے کی کوشش کی جن کو رسولؐ اللہ نے انبیاءِ بنی اسرائیل کے مانند فرمایا تھا۔اور یہی نہیں بلکہ آئمہ علیہم السلام کے القاب غصب کر کے خود ساختہ حجت اللہ، آیت اللہ اور امام بن بیٹھے اور نائبان خدا ورسولؐ وآئمہؑ منوا کر چھوڑا ۔(**لعنة الله علی الکاذبین**)

بہرحال یہاں تک یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آج بھی سربراہِ نظام غیبت سے رابطہ کی راہیں کھلی ہیں اور اسی گفتگو پر ہمارا گیارہواں معصومؑ اصول مکمل ہو گیا ہے۔

(12) بارھواں معصومؑ اصول

غیبتِ کُبریٰ میں ہدایات اور تقلید کیسے اور کس کی؟

سابقہ عنوانات کو سمجھ کر پڑھنے والے حضرات یہ نوٹ کر چکے کہ غیبتِ کُبریٰ ہو یا غیبتِ صُغریٰ ہو نظامِ ہدایت وتقلید کے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہے نہ ہونا چاہئے۔اور نہ ثابت کی جاسکتی ہے۔اور ہمارے بیانات اور احادیث کے الفاظ سے ثابت ہے کہ غیبتِ کُبریٰ اُن تمام مادی پابندیوں کو مومنین کی راہ سے ہٹادیتی ہے۔جو کسی سربراہِؑ نظامِ ہدایت سے ملاقات پر عاید تھیں۔یعنی اب طالب ہدایات کو مکہ یا مدینہ یا سامرہ جا کر ملاقات کرنے اور سوالات کرنے کی احتیاج نہیں۔وہ جہاں ہوں، جس حال میں ہوں، امام عصروالزمان علیہ السلام ان کے آس پاس ہی ہوتے ہیں۔ان کے قلوب واذہان میں گذرنے والے خیالات تک سے سابقہ آئمہ علیہم السلام کی طرح مطلع ہوتے ہیں۔لہٰذا اگر وہ واقعی سرکار علیہ السلام کے مُقلّد ومُنتظِر ہیں۔انہیں ہدایات عطافرمادیں گے۔یہ بھی فطری اور لازمی ہے کہ مذکورہ ہدایات ایسی نہیں ہونا چاہئیں جو آپ کے آس پاس کے لوگوں کو پہلے سے معلوم ہوں۔یعنی آنجنابؑ سے وہ سوال کرنا چاہئے جس کا جواب اور کوئی نہ دے سکے۔جیسا کہ نزلہ زکام کے علاج ومعالجہ کے لئے سول سرجن یا دنیا کے سب سے بڑے معالج تک جانا یا اسے بُلانا حماقت ہے۔اور کوئی سادہ عقل کا آدمی ایسا نہ کرتا ہے نہ کرے گا۔اور اگر کوئی اس قسم کی غلطی کرے گا ناکامیاب ہوگا اور خسارہ بھی اٹھائے گا۔لہٰذا بطور تجربہ یا باغوائے مجتہد ایسا کرنے والا نہ مومن ہوگا۔نہ کامیاب ہوگا۔نظامِ غیبت فطری نظام ہے۔اور اس پر ساری دنیا کا عمل ہزاروں سال پہلے سے چلا آرہا ہے۔نظام اجتہاد خود ہر جگہ موجود نہیں۔پاکستان کے لوگوں نے علامہ بروجردی اور علامہ محسن حکیم کی تقلید تو کی ہے۔لیکن نہ ان دونوں سے ملاقات ہوئی نہ تقلید کے لئے بالمشافہ ملنے اور مسائل معلوم کرنے کی ضرورت لازم سمجھی۔نہ ہر کوئی سربراہ مملکت سے ملنا ضروری سمجھتا ہے۔نہ پوسٹ ماسٹر سے۔لہٰذا یہ سیدھی سی، قابل فہم اور روزازل سے زیرعمل رہنے والی بات ہے۔فرق یہ ہے کہ نظام غیبت کے سربراہؑ سے طالبِ ہدایت کی ملاقاتیں ہوتے رہنا مجتہد کے قلم اور زبان سے بھی ثابت ہے اور ہر لمحہ ممکن ہے۔اور یہ ملاقاتیں کسی خاص جگہ یا مرکز میں جا کر کرنا نہیں پڑی تھیں۔بلکہ سرکارِ حجتؑ خود ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے تھے۔لہٰذا نظام غیبت میں باقی تمام نظام ہائے انسانی سے زیادہ سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔

1۔ہدایات کی فراہمی اللہ، انبیاؑء اور آئمہؑ کی ذاتی ذمہ داری ہے

اللہ نے بوقتِ تخلیق ہر مخلوق کی ہدایت کا انتظام رکھا (طٰہٰؑ 20/50) پھر مسلسل تاحیات ہدایات بھیجتے رہنے کا اعلان کیا (مومنون 23/44، طٰہٰ 20/123) اور طرح طرح ہدایات کی ترسیل پر قرآن میں بیانات دیئے اور تصدیق کی کہ ہر رسولؑ نے

بڑی محنت اور جانفروشی کے ساتھ ہدایاتِ خُداوندی پہنچائیں (کہف 18/6، شعرا 26/3) حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے کروڑوں سال پہلے ایک ادارۂ غیبت یا نظامِ غیبتِ کُلیہ کے ذریعہ سے ہر اس مخلوق کی ہدایت کا انتظام فرمایا جو خلعت وجود حاصل کرتی جائے اور اِسلام اور اِسلام لانے والوں کے لئے پہلے ہی مسلم بنتی جائے (عمران 3/83) اور وقت آنے پر انسانی اطاعت وتسخیر کے لئے تیار رہے (لقمان 31/20) اور نعمت بن کر ضابطہ حیات (اِسلام) میں مددگار رہنے۔اس ادارہ غیبت کے سربراؐہ کو تمام کائنات پر رحمت بنا کر پھیلا دیا (انبیاءؑ 21/107) اور اس پوشیدہ سربراؐہ کو کائنات کی ہر ہر چیز پر وسعت وقدرت عطا کر دی تھی (اعراف 7/156) پھر تخلیق انسانی کے بعد سربراہؐ نظامِ غیبت کلیہ کو ہر نبیؑ اور تمام امتوں کے تمام افراد پر نگراں وہدایت کار بنایا تھا تاکہ جب پوری انسانیت کا محاسبہ کیا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نظامِ غیبت کا ہر سربراہ ہر انسان کے خیال واقوال واعمال پر چشم دید گواہ کی صورت میں تصدیق یا تکذیب کریں (عمران 3/81، نساء 4/41) جو تمام کائنات کے لئے نذیر رہتے چلے آئے (فرقان 25/1) یہاں تک کہ آپؐ کے نظامِ غیبت کی انسانی شاخ کو آخری تعلیمات ونعمات عطا کرنے کے لئے آپ کو شھود کی مادی صورت عطا کی گئی۔نوع انسان کو علومِ کائنات، دائمی حیات اور تسخیرِ دوجہاں ولامحدود قدرت واختیار سونپنے کا عملی پروگرام پیش کیا گیا۔لیکن رسوؐل کی قوم نے اس پروگرام کو ٹھکرا دیا (25/30 فرقان) اور اپنا ذاتی وقومی وملکی اجتہادی طریقہ رسوؐل کے خلاف جاری کرلیا (فرقان 28-25/27) اور ابلیس کو اپنا راہنما بنالیا (فرقان 25/29) اور رفتہ رفتہ رسوؐل، آثارِ رسوؐل، جانشینانِ رسوؐل، خاندانِ رسوؐل اور طرفدارانِ رسوؐل کا قلع قمع کرتے تین سو سال گذار دیئے۔ ہر جانشینِ رسوؐل کو پرامن رہنے کی صورت میں بھی تلوار یا زہر سے قتل کیا۔آخر نظامِ غیبت نے مذکورہ کلیّت اختیار کرلی۔لیکن ہدایت کی ترسیل ازاول تا آخر تیزتر، وسیع تر اور سہل تر ہوتی چلی گئی۔اس لئے کہ انسانوں پر حجتؑ خداوندی قائم رہے چنانچہ قائم آلِ محمدؑ، ہادیؑ دوجہاں، راہنمائے کون ومکان علیہ الصلوٰۃ والسلام برابر طالبانِ ہدایت کو نوازتے چلے آرہے ہیں۔اور اپنے اباواجداد آئمہ علیہم السلام کے تمام معیار برقرار رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

2۔انسانوں پر صرف مُنزّل من اللہ احکام نافذ کیئے جائیں گے

قرآن کریم ہر اُس شخص کو کافر وظالم وفاسق قرار دیتا ہے۔جو انسانوں پر ایسے احکام وفتاویٰ اور فیصلے ٹھونسے جو اللہ کی طرف سے نازل نہ ہوئے ہوں (47-5/44) اور چونکہ قرآن کلام اللہ اور کلام رسوؐل کریم بھی ہے۔(حاقہ 42-69/41) اور آنحضرؐت کی ہر بات وحی خُداوندی ہوتی ہے (نجم 4-53/2) اس لئے کلام اللہ وکلام معصومؑ کے الفاظ میں انسانوں کو ہر ہدایت وہر حکم وفیصلہ دیا جانا واجب ہے۔اور خلاف ورزی کفر وظلم وفسق ہے۔چنانچہ نظامِ اجتہاد اور مجتہدین کے اجتہادی احکام، ہدایات وفیصلے قبول کرنا۔ان پر عمل کرنا اور ایسے فیصلے وہدایات دینا کافروں ظالموں اور فاسقوں کا کام ہے۔لہٰذا آئمہ علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ:۔

(اول) نظام اجتہاد کی عدالت کا صحیح فیصلہ بھی اللہ کو منظور نہیں ہے

۔''عمر بن حنظلہ نے بتایا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایسے دو شیعہ مومنین کے متعلق سوال کیا جن میں کسی مذہبی مسئلہ میں یا دنیاوی مسئلہ میں جیسے وراثت وغیرہ پر تنازع ہو جائے تو کیا وہ دونوں شیعہ اپنا مقدمہ خلیفہ یا سلطانِ وقت اور قاضیوں کی عدالت میں لے جا کر فیصلہ کرا سکتے ہیں؟ اور کیا یہ طریقہ شیعوں کے لئے حلال ہے؟ فرمایا کہ جو شخص بھی ان لوگوں کے

عن رجلین من اصحابنا بینھما منازعة فی دین اومیراث فتحاکما الی السلطان والی القضاۃ ایحل ذلک ؟قال : من تحاکم الیھم فی حق اوباطل فانما تحاکم الی الطاغوت وما یحکم له فانما یاخذ سحتاً وان کان حقاً ثابتا له ۔لانه اخذه بحکم الطاغوت وقد امرالله ان یکفر به قال اللّٰه تعالیٰ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْآ اِلَی الطَّاغُوتِ وَقَدْ اُمِرُوْآاَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ(نساء۶۰/۴)

یہاں اپنا مقدمہ لے جائے خواہ وہ مقدمہ حق ہو یا باطل ہو بہر حال اس نے قرآن کریم کے حکم کے خلاف طاغوت سے حکم اور فیصلہ طلب کیا ہے۔اور طاغوت کے یہاں سے جو بھی فیصلہ اس کے حق میں صادر ہوگا۔خلافِ قانونِ خداوندی (سحت) ہوگا۔ حرام ہوگا۔خواہ یوں وہ اپنا صحیح حق ہی حاصل کیوں نہ کرلے۔اس لئے کہ جو جو کچھ اس نے اس طریقہ کار سے حاصل کیا ہے۔وہ طاغوتی حکم اور فیصلے سے لیا ہے۔اور یقیناً اللہ نے حکم دیا ہے کہ طاغوت سے ہر حال میں کفر کیا جائے چنانچہ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے یہ طے کرلیا ہے کہ وہ طاغوت سے حکم وفیصلہ کرایا کریں گے اور یقیناً انہیں یہ حکم دیا جاچکا ہے کہ وہ طاغوت سے کفر اختیار کرلیں''۔اس آیت کو قرآن میں اور حدیث کو کافی (ظفری جلد اول صفحہ 74-73) میں پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ میں کیوں مجتہد،اجتہاد اور طاغوت کے لئے کلمہ خیر استعمال نہیں کرتا؟ میں ان کا اور ان کے نظام کا کافر ومنکر ودشمن ہوں۔بہر حال یہ آیت اور یہ حدیث بتاتی ہے۔کہ اجتہادی فیصلہ ایسا مکروہ وملعون ہے کہ ہمارے آئمہ علیہم السلام اس فیصلے اور حکم کے ماتحت اپنے صحیح حق کو حاصل کرنا بھی شیعوں کے لئے حرام قرار دیتے ہیں۔تاکہ قرآن کریم کا مندرجہ بالا حکم نافذ کیا جائے کہ ہر حکم وہر فیصلہ کلام اللہ سے لینا ہوگا (5/44-47 مائدہ) اور ہر اس حکم اور فیصلے کو مردود قرار دیا جائے گا (جو نظامِ اجتہاد کی رائے،قیاس اور بصیرت سے کیا گیا ہو) حتیٰ کہ اپنا جائز حق بھی چھوڑ دیا جائے گا۔قرآن کریم ان لوگوں کو اسی بناء پر کافر وظالم وفاسق کہتا ہے کہ دعویٰ ایمان کے بعد بھی اللہ کے نازل کردہ حکم اور فیصلے کو اختیار نہیں کرتے (نساء 4/60) بلکہ طاغوت کو اپنا حاکم بناتے ہیں۔حالانکہ ایمان لانے کے بعد کسی مومن مرد وعورت کو اپنے تمام معاملات میں کسی قسم کا اختیار نہیں رہتا ہے (احزاب 33/36) اور ہر مومن پر واجب ہو جاتا ہے کہ ہر معاملہ کو ہر جھگڑے کو اللہ ورسولؐ کے حکم اور فیصلے سے طے کریں اور کلام اللہ وکلام معصومؑ کے سوا کسی کا حکم وفیصلہ نہ مانیں۔(نساء 4/59)

(دوم) دینی احکام میں انبیاءؑ اور آئمہؑ کی رائے بھی داخل نہیں کی جاسکتی

قارئین، شیعہ سُنی مجتہدین کس شمار میں ہیں؟ اِسلام کے احکام اور فیصلے تو ہر انسانی رائے، مشورے، بصیرت اور تجربات سے پاک اور منزّہ رکھے جانا لازم ہیں ۔اس لئے کہ انبیاءؑ وآئمہ علیہم السلام کا خالق ورب بہرحال ان کا مُربی ہے۔ وہی ہے جس نے انہیں انتہائی بزرگی اور علم دیا ہے اور اس کے سامنے یہ حضراتؑ ہمیشہ محتاجِ رہنمائی ہیں۔ جس طرح ایک مسلمان اپنی ترقی کے انتہائی مقام پر پہنچ کر بھی انبیاءؑ اور آئمہؑ کے سامنے محتاج علم وقدرت رہے گا۔ اسی طرح یہ حضرأت بھی اللہ کے حضور میں محتاج علم وقدرت رہتے چلے جائیں گے۔ اور ہر لمحہ ان کے علوم واختیار وقدرت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اور ایسی کوئی صورت تسلیم کرنا کہ یہ حضراتؑ اللہ کے برابر ہوگئے یا ہوسکتے ہیں۔ خالص شرک ہے۔ یہ ممکن الوجود کسی طرح واجب الوجود کے برابر لایا ہی نہیں جاسکتا۔ یہ بھی ایک مجتہدانہ اور طاغوتی وابلیسی فریب ہے کہ فلاں فضیلت کا ماننا شرک یا غلو ہے۔ تاکہ کسی طرح یہ فریب ساز گروہ محمدؐ وآل محمدؐ صلوات اللہ علیہم کو اپنے برابر رکھ سکے۔ ہم ان مشرکوں کی کسی دھمکی میں نہیں آسکتے۔ ہم کسی معاملہ میں آیت وحدیث کے بغیر بات ہی نہیں کرتے اور اُن سے ان کے تمام دعووں پر آیت وحدیث طلب کرتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام معصومؑ ہوتے ہوئے، (علم ما کان و مایکون و ماھو کائن) (ماضی وحال واستقبال کا) علم رکھتے ہوئے اپنی ذاتی رائے اور نظریہ سے کوئی فیصلہ کرنا جائز نہیں سمجھتے سنئے۔

(ارایت ان کان کذاو کذا مایکون القول فیھا ؟فقال : مہ ،ما اجبتک فیہ من شی ءٍ فھو عن رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم،لسنا من ۔''ارایت''۔ فی شی ءٍ (ظفری جلداول صفحہ ۶۴ اورشرح جلداول ۱۰۰۔۱۰۱)

۔''قتیبہؒ کہتے ہیں کہ ایک مرد (مجتہد) نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک مسئلہ دریافت کیا آپ نے جواب دے دیا۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ اگر یہ بات یوں ہو یا یوں نہیں تو یوں ہو تب آپ کیا کہیں گے؟ آپ نے فرمایا ٹھہرو بھائی سنو(Take It Easy) میں نے تیرے سوال کے جواب میں جو کچھ بھی کہا ہے۔ وہ فرمان رسولؐ ہے۔ ہم لوگ (آئمہؑ) کسی بھی حیثیت سے اپنی رائے سے بات نہیں کرتے''۔

بار بار سوچئے کہ اس فیصلے کے بعد مجتہد کے سوا کوئی شیعہ مومن تو دین کے معاملے میں رائے زنی کرکے، فلسفہ ومنطق بگھار کے کوئی فیصلہ نہ کرے گا۔ بلکہ کلام اللہ وکلامِ رسولؐ میں جواب تلاش کرے گا۔

(سوم) کلام اللہ کی موجودگی میں کسی اجتہاد یا رائے زنی کی ضرورت ہی نہیں ہے

نظامِ اجتہاد کی بنیاد اس یقین پر قائم کی گئی ہے۔ ''کہ بعض احکام، بعض معاملات کے فیصلے اور بیان، بعض حالات و اشیاء کی تفصیل نہ قرآن میں اللہ نے بتائی نہ احادیثِ رسولؐ اور سنتِ رسولؐ میں بیان ہوئی۔ لہٰذا ایسے معاملات وحالات کے

پیش آنے پر ہم مجتہد لوگ قرآن اور حدیث میں جو کچھ ہے اسے سامنے رکھتے ہیں۔ پھر عقلی اصول وقواعد وعلمی بصیرت وتجربہ اور مصلحت عمومی کو سامنے رکھ کر ہم کوشش یعنی اجتہاد کرتے ہیں۔ اور ایک ایسے فیصلے پر پہنچتے ہیں جو خدا اور رسولؐ کو پسند ہو۔ اور اگر ان کے سامنے وہ صورت حال آئی ہوتی تو وہ بھی وہی فیصلہ کرتے جو ہم نے اپنے اجتہاد ورائے وعلم وبصیرت سے اخذ کیا ہے''۔

یہ حسین دل لگتا اور خلوص سے لبریز بیان درحقیقت ایک ابلیسی فریب ہے۔ مگر شیعہ سُنی عوام یہ نہیں جانتے کہ یہ بیان **اللہ کے علم ودانش کا اور رسولؐ اللہ اور قرآن کریم کا بڑا مکارانہ کفر وانکار ہے**۔ سنئے اور دیکھئے کہ ہمیں اس مکار گروہ کے اجتہاد اور عقلی تُک بندیوں کی ضرورت ہے بھی یا نہیں؟ ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

(1) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یقیناً اللہ نے قرآن میں ہر چیز کا بیان نازل فرمایا ہے (نحل 16/89) حدیہ ہے کہ قسم بخدا قرآن میں کوئی ایسی چیز بیان کرنے سے نہیں چھوڑی کہ بندوں کو جس کی احتیاج پیش آئے اور وہ قرآن میں نہ ملے۔ حتیٰ کہ کوئی بندہ یہ کہنے کی مجال نہیں رکھتا (مجتہد کے سوا) کہ کاش فلاں چیز بھی قرآن میں ہوتی۔ مگر وہ بھی اللہ نے قرآن میں نازل کردی ہے''۔ (جلد اول صفحہ 64 اور صحیح کافی جلد 1 صفحہ 101)

(2) امت کی ضرورت کی ہر چیز قرآن میں ہے۔ اور رسولؐ کے لئے اس کی وضاحت کردی ہے۔ ہر چیز کی حدبندی کردی ہے۔ اور ہر بات کی دلیل دی ہے۔ حدود شکن لوگوں کی سزا بھی مقرر کردی ہے (حدیث نمبر 2 وہی باب)

(3) ایسی کوئی بات نہیں جس میں کوئی دو آدمی اختلاف کریں اور سمجھنا چاہیں قرآن میں اس کی اصلیت موجود ہے۔ لیکن لوگوں کی عقلیں وہاں تک رسائی نہیں رکھتیں۔ (چھٹی حدیث)

(4) میں رسولؐ زادہ ہوں۔ میں کتاب اللہ کا عالم ہوں۔ اُس میں آغاز آفرینش (تخلیق کائنات) سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے۔ آسمانوں کی خبریں، زمینوں کے حالات وواقعات، جنت وجہنم کی اطلاعات، اور جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ سب تفصیل سے موجود ہے۔ اور میں اُس سب کا اور اُس پوری کائنات کا ایسا عالم ہوں جیسا کہ میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ اللہ نے خود قرآن میں فرمایا ہے۔ کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان کردیا گیا ہے۔
(نحل 16/89) (حدیث نمبر 8)

(5) قرآن میں تم سے پہلے کے حالات وواقعات، تم سے بعد کے حالات وواقعات اور جو کچھ آج کل تمہارے اندر گذر رہی ہے وہ سب قطعی فیصلوں کے ساتھ موجود ہے اور ہم آئمہؑ اُس سب کا علم رکھتے ہیں''۔ (حدیث نمبر 9)

(چہارم) بیانِ معصومؑ پر نظر اور اسلامی احکام میں اجتہاد ورائے کی نفی

قارئین سنیں کہ اس باب میں دس حدیثیں بیان ہوئی ہیں۔ اور ہم نے صرف پانچ احادیث کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ اس

حقیقت کوقرآن نے بیسیوں آیات میں مختلف عنوانات کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قرآن کریم کی وسعتوں میں اس کائنات کی ہر تفصیل موجود ہے (یوسف 12/111) کوئی خشک وتر ایسی چیز نہیں جو قرآن کے احاطہ سے باہر ہو (انعام 6/59) زمین اور آسمان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو قرآن سے غائب ہو (نمل 27/75) تمام چرندو پرند اور اُمتوں کا حال قرآن میں موجود اور اس میں کسی قسم کی کمی نہیں رہنے دی ہے (انعام 6/38) قرآن میں انسانوں کے لئے ہر قسم کی مثال بیان کردی ہے (18/54، 17/89، 39/27-28، 3/58) اگر کوئی مجتہد ٹائپ یہ کہے کہ آپ نے کئی آیات ایسی بھی لکھ دی ہیں۔ جن میں لوح محفوظ اور علم خداوندی کا ذکر ہے نہ کہ قرآن، ایسے حضرات کو یہ آیات (زخرف 43/1-4، دخان 44/1-6) دکھا کر کہہ دیں کہ اللہ نے کتابِ مبین قرآن کو کہا ہے لوح محفوظ نہیں۔ اور یہ سب حوالے قرآن کی پوزیشن پر ہیں لوح محفوظ پر نہیں ہیں۔

اب سوچیئے کہ نظام اجتہاد نے کیا کہا تھا؟ اور کتنا بڑا فریب دے رکھا ہے۔ **قرآن کریم اور رسوؐل کی یہ پوزیشن مان لینا ہی تو ایمان لانا ہوگا**۔ رسوؐل اللہ اس قرآن کے عالم اور معلم تھے۔ انہوں نے اِسلام کی تعلیم اپنے معیار پر اور اپنی جگہ جاری رکھنے اور اللہ کے اعلان کو (جمعہ 62/2-3) پروان چڑھانے کے لئے اپنی مثل و مانند بارہ محمدؐ تیار کیئے، متعارف کرائے، اللہ سے ان کے ہمہ گیر علم کی سند لی (بقر 2/151) (یٰسینؑ 36/12) اور مندرجہ بالا احادیث میں انہوں نے قرآن اور علوم کائنات پر عبور حاصل ہونے اور تعلیم دے سکنے کا اعلان کیا۔ اور دین کے کسی معاملے میں بھی ذاتی رائے کا انکار کردیا۔ اور یہ بھی طے فرمادیا کہ انسانوں کی عقلی رسائی اور اجتہادی قلابازیاں قرآن کی وسعتوں سے ہم کنار نہیں ہوسکتیں اور ہر سوال کا جواب ہر مقدمہ کا اور تنازعہ کا فیصلہ کلام اللہ اور کلامِ معصومؑ سے کیا جائے گا۔ لہٰذا نظامِ اجتہاد اور کم از کم شیعہ مجتہدین اور ان کا کاروبار تو یہاں موت کے گھاٹ اتر گیا۔ رہ گیا یہ سوال کہ نظام ہدایت اور تقلید، زمانہ غیبتِ کلیہ میں ہدایات کیسے جاری کرے گا؟

(پنجم) یہ سوال مجتہدانہ اور مکارانہ ہے

قارئین کے سامنے سے غیبت کے اسباب، اس کا ماحول اور تمام متعلقات گذر گئے۔ اور تخلیق کائنات سے لے کر گیارہویں امام علیہ السلام تک قرآن وحدیث وتاریخ سے ہدایات کی ترسیل کی ذمہ داریاں اور طریق کار بیان ہو چکا۔ اور کہیں یہ تذکرہ نہ ہوا کہ نظامِ غیبت میں ہدایات پہنچانے کا طریقہ بدل جائے گا۔ ہم نے یہ بھی دکھا دیا ہے۔ کہ نہ غیبت صغریٰ نئی چیز تھی نہ غیبت کبریٰ کوئی اچنبھے (تعجب) کی بات ہے۔ غیبت کبریٰ یا غیبت کلیہ سے کائنات میں انسانیت نے جنم لیا۔ یہ وہ وقت تھا جب ادارہ نبوتؑ وامامتؑ کے تمام افراد کو پہلی مرتبہ، ان کی بزرگی اور مراتب عالیہ کی بنا پر ایک ایسے نام سے روشناس کرایا جو سمٹ کر علیؑ اور پھیل کر عالینؑ وعِلِیُّونؑ بن جاتا ہے۔ وہ منظر جو ملاءِ اعلیٰ کے مُقدس پردوں کے پیچھے ملکوتی اور عزازیلی اور عینؑ اللہ کی نظریں ہی دیکھ سکتی تھیں۔ قرآن کریم نے رک رک کر، جھجک جھجک کر، یوں بیان کیا ہے کہ تمام ملائکہ صف بستہ ودست بستہ

حاضر تھے۔تمام غائب و پوشیدہ وسائطِ خداوندی مؤدبانہ موجود تھے۔حضرت آدم علیہ السلام اپنی مادی ترقیوں کی آخری منزل میں اپنی آنے والی حیران کن قابلیتوں کی بیداری کے انتظار میں روحِ خداوندی کی آمد کا انتظار فرمارہے تھے۔ایک طرف ایک بلند مقام پر چند غیر مشخص عالی مرتبت حضراتؑ اپنے اپنے اسمائے عالیہ کے تعیّن کا خدائی انتظار کررہے تھے۔آدمؑ کے بالکل سامنے جناب عزازیل تشریف فرما تھے کہ پردہ قدس سے آواز آئی کہ تمام ملکوتی صفات رکھنے والے افراد تیار رہیں جیسے ہی میں آدمؑ کو مناسب پوزیشن دے کراپنی روح ان میں داخل کروں تم سب سجدہ میں گرے ہوئے نظر آنا۔آدمؑ کے حضور سجدہ ہوا۔لیکن عزازیل ابلیس کی صورت میں تبدیل ہوگیا۔اس نے مخلوق خدا کو سجدہ نہ کرنے اور اللہ کے حکم اور منشا کے خلاف ہمہ قسمی شرک سے باز رہنے کا مظاہرہ کیا۔اللہ نے ابلیس کو موقعہ دیا کہ وہ کوئی مناسب عذر کرکے اس اولین اور تمام خلاف ورزیوں، نافرمانیوں اور گناہوں کی بنیاد کو اپنے ہاتھوں مسمار کرکے اطاعت کا اعلان کرسکے۔مگر ابلیس اپنے موحدانہ اجتہاد کی انتہائی منزل میں تھا۔ اب اس کے لئے وہاں سے پلٹنا عقلاً ممکن نہ تھا۔اس وقت اللہ نے یہ موقع بھی دیا کہ وہ غلط فہمی ہی کا عذر کرکے مسئلہ شرک کے چکر سے نکل آئے چنانچہ فرمایا کہ:(قَالَ یٰاِبلِیسُ مَامَنَعَکَ اَنْ تَسجُدَ لِمَاخَلَقْتُ بِیَدَیَّ،اَستَکبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ O قَالَ اَنَا خَیرٌ مِنہُ (سورہ ص 76-38/75)۔''**اے مایوس** (ابلیس کے معنی) شخص جس ہستی کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں (یداللہ) سے زیورِ تخلیق پہنا کر اس قابل بنایا کہ تمام مخلوقات میرے حکم سے اسے سجدہ کا مستحق سمجھے تو تجھے یہ دیکھنے کے باوجود کہ میرے حکم کی تعمیل ملائکہ وارواحِ خداوندی کررہے ہیں۔کس چیز نے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ کیا تو نے خود کو تمام سجدہ کرنے والی ہستیوں سے مرتبہ میں بڑا سمجھا یا تو نے یہ خیال کیا کہ تو بھی سجدہ سے مستثنٰی بلند ترین ہستیوں (عالین) میں شامل ہے؟ ابلیس نے آدمؑ کو نشانہ بنایا اور جواب دیا کہ میں آدمؑ سے زیادہ صاحب اختیار ہوں......(خیر کے بنیادی معنی) یہ سارا واقعہ یا حادثہ پردہ غیبت میں ظہور پذیر ہوا۔وہ عالین اس وقت کے بعد بھی غیبت کبریٰ یا غیبتِ کلیہ میں رہے۔یہاں تک کہ آدمؑ کو ملائکہ پر علمی بزرگی دینے والے ناموں کو پردہ غیب سے نکل نکل کر مادی وجود اختیار کرنے کی محمدیؐ ابتداء ہوئی۔لہذا غیبت کبریٰ سے کائنات کی ابتداء ہوئی اور ایک ایسے طویل زمانہ تک برسرکار رہی جس کو شمار کرنا اور اعداد وحساب کے دائرہ میں لانا فی الحال ناممکن ہے۔اور غیبت کبریٰ ہی پر کائنات کا اختتام ہوگا۔لہٰذا غیبت صغریٰ ہو یا غیبت کبریٰ ہو ان میں ترسیل ہدایت کا طریقہ الگ الگ سمجھنا یا اُس کو زیر بحث لانا ایک فریب ہے۔سوال یہ ہونا چاہئے تھا کہ غیبت کبریٰ میں ہدایات حاصل کرنے کے لئے سرکارؑ کے حضورؑ میں جاسکیں گے یا نہیں؟ چونکہ اس سوال کا جواب ہمارے ریکارڈ میں موجود تھا۔اور مجتہدین کو معلوم تھا۔اس لئے انہوں نے اس سوال کو اپنی عیارانہ زبان میں تبدیل کردیا۔اور یہ دکھانے کے لئے کہ اب معصومؑ ہدایات بند ہوچکی ہیں۔اور مجتہدین کا گروہ نل میں نل لگا کر امامؑ کا نائب بن چکا ہے۔اور اِسلامی ہدایات شیعہ مجتہدین کے اجتہادات پر مبنی ہوں گی۔لہٰذا

ملاقات کے سوال کو ترسیل ہدایات سے بدل کر پبلک کے سامنے ایک ایسا مرحلہ رکھ دیا جس سے ان کا یہ مقصد بر آمد ہو جائے۔ یعنی نہ امام زمانہ علیہ السلام سے مجتہدین کی ملاقات ہوگی نہ ان کے مقلدین امامؑ کے حضور پہنچ سکیں گے۔لہٰذا خود بخود سمجھ جائیں گے کہ معصومؑ ہدایات کا دروازہ واقعی بند ہو چکا ہے۔اوراب امامؑ اللہ کے حکم سے مجبور ہے۔اُنؑ کے ظہور کی دعائیں مانگو اور جب تک امامؑ خود اللہ کے حکم سے ظہور کا اعلان نہ کردیں۔مجتہدین ہی کو نائب سمجھو اور جو ہدایات ملیں ان پر عمل کرتے رہو۔ اُدھر مجتہدین اور حکومتوں نے مل کر اپنے مخالفین کو قتل وغارت سے دوچار رکھا۔تاکہ وہ نظامِ اجتہاد کے خلاف اور نظامِ ہدایت وتقلید کے حق میں زبان نہ کھول سکیں۔تمام مدرسے نشر واشاعت اور ابلاغ عامہ کے اداروں پر سرپرستی اوراجارہ داری کا دستِ شفقت پھیرا۔اہل قلم کو خریدا۔پبلک کو تلوار ودولت ودینار سے خاموش رکھا۔رفاہِ عامہ کے ادارے،یتیم خانے محتاج خانے اور زکوٰۃ وخمس کی تقسیم کا محکمہ،عدالتیں اور قاضی،پیش نماز اور مساجد،مقرر،شعرا و ادیب الغرض چاروں طرف سے حملہ آور ہونے کا انتظام رکھا اور یوں یہ نظام ہم تک آ پہنچا۔ہم نے اپنے سلسلے کے بزرگوںؒ اور راہنماؤںؑ کے قدم بقدم اس نظام کو للکارا۔اور طے کیا کہ خود کمائیں گے۔قوم کے سامنے نہ ہاتھ پھیلائیں گے نہ دب کر رہیں گے۔نہ مجتہدین کی پارٹی پالیٹکس میں حصہ لیں گے۔حقائقِ مذہبِ حقہ اثناعشریہ کو بے دھڑک اور دوٹوک طریقہ پر پیش کریں گے اور لوگوں کو مجتہدین اور معصومینؑ سے روشناس کریں گے۔ ہر مخالفت اور دھونس سے بے پرواہ رہ کر ایک روز کامیاب ہوں گے۔اور نظامِ اجتہاد کی ایک ہزار سالہ عمارت کو مسمار کر کے چھوڑیں گے۔لہذا ہم بتا چکے کہ معصومؑ ہدایات کے ملنے کا وہی قدیم طریقہ آج بھی موجود ہے۔قرآن ایسی ہمہ گیر کتاب ہر گھر میں ہے۔مسلم وغیر مسلم کی شرط نہیں۔تمام انسانوں تک پہنچ کر اپنا کام کر رہی ہے۔مسلمان ممالک سیاست کے غیر مسلم اسباق پڑھ رہے ہیں۔لینن واسٹالن ,مارکس اور اینجلز کے لٹریچر سے استفادہ فرما رہے ہیں۔انہیں نہ قرآن سے قرآنی دلچسپی ہے نہ اس کی ضرورت ہی محسوس ہوتی ہے۔غیر مسلم زندہ اقوام قرآن کریم پر ریسرچ کر رہی ہیں۔کروڑوں روپے کے بجٹ اس سلسلے میں صرف ہوتے ہیں۔ بائبل اور قرآن سے وہ راہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔جس سے ساری دنیا اور فضاؤں اور خلاؤں اور چاند سورج وستاروں پر تسلّط وتسخیر حاصل کرتے جارہے ہیں پھر حدیث کے باقی ماندہ ذخائر بھی اس قدر ہیں کہ ہماری تمام بنیادی ضروریات پر حاوی ہیں۔مگر مسلمانوں میں اہل حدیث ان کو کہا جاتا ہے جو انتہائی متعصب ہوں۔ ہر ہر سانس پر شرک شرک کی تسبیح پڑھتے ہوں۔اور بچے کھچے اسلام اور لٹے پٹے مسلمانوں کو کافر بنانے میں سب سے زیادہ محنت اور سرمایہ خرچ کرتے ہوں۔اس کے بعد نظام ہدایت وتقلید کے مقرر کردہ نائبؒ اور سربراہ علیہ السلام مختلف انداز میں ہدایات بہم پہنچانے میں مصروف ہیں۔مگر کن کو؟ جواب ہو چکا ہے۔اور کس طریقہ سے ہدایات ملیں گی؟ جواب ہو بھی چکا۔اور وضاحت زیرِ قلم ہے۔ پڑھتے جائیں۔سمجھ میں آئے اور پسند آجائے تو عمل بھی کرلیں ورنہ ہم اپنی ذمہ داری پوری کرنے سے باز آنے والے نہیں۔اور یہ بھی

سن رکھو کہ اگر تمہیں اپنے مجتہدانہ خود کاشتہ نظام میں امامؑ کی پرواہ اور احتیاج نہیں تو مجھے شیعہ ہونے کی وجہ سے تمہاری احتیاج نہیں، ہدایت کا میدان بہت وسیع ہے۔ تم تو دنیا کی آبادی میں قابل شمار بھی نہیں۔ تم اس میدان میں گردِ کارواں بھی نہیں۔ یہاں تو دنیا کی ہر قوم ہدایت کی طالب ہے۔ تم طاغوت سے وابستہ رہو تمہیں مبارک ہم نظام ہدایت وتقلید سے جدا نہ ہوں گے۔

(ششم) نظام غیبت میں بھی انتہائی اور اصولی ہدایات طالبین کو خود معصومؑ دے گا

یہ ذکر ہو چکا ہے اور تمام مجتہدین کا زبانی اور تحریری مسلمہ ہے کہ امام معصومؑ خود براہ راست ہدایات بہم پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی نیابت اور قیادت ثابت کرنے میں اس حدیث کو پیش کیا ہے کہ :۔

لنا القاء القول ولكم التفريع ۔یا۔لنا القاء الاصول ولكم التفريع (کتاب السّرائر اور تمام اجتہاد کے ثبوت والی کتابیں)

۔''ہم پر لازم ہے کہ تمہیں اپنے احکام سے وابستہ رکھیں اور تم اُن احکام کی تنفیذ وتفصیل کرو۔ یا یہ کہ ہم تمہارے سامنے اپنے فرمان پیش کرتے رہیں اور تم موقع ومحل کے مطابق ان پر عمل کرتے رہو''۔

قارئین نوٹ کریں کہ لفظ القا کا مادہ۔''ل۔ق۔ی''۔ہے۔اسی سے آگے بڑھ کر اِلقَاءٌ بنتا ہے۔اس کا اولین مصدر ۔''لِقاءٌ ''۔ہے۔اور لـقـاءٌ کے معنی ملنا،نظر آنا،زیارت،سامنے آنا ہیں۔آپ لقا کبوتر جانتے ہیں۔جو دیکھنے سے بھلے معلوم ہونے کی وجہ سے یہ نام لے چکے۔''ماہ لقا''۔سے کسے واقفیت نہیں؟ چاند سا روشن نظارہ والا چاند سا مکھڑا بہر حال اس حدیث میں ۔''القاء القول''۔ کے معنی سامنے آکر بات کرنا ہیں۔لہٰذا مجتہدین نے اس حدیث کو مان کر اپنا نقصان کیا ہے۔اور مان لیا ہے کہ وہ ازخود اپنے پاس سے کوئی بات نہ کہیں گے۔بلکہ ہر مسئلہ کے جواب میں قولِ معصومؑ پیش کریں گے۔اور اگر ضرورت ہوگی تو وضاحت وتشریح کر کے دکھائیں گے۔مجتہدین نے دوسری غلطی یہ کی ہے کہ وہ کوئی بھی ایسی روایت نہ گھڑ سکے جس سے یہ ثابت ہو جاتا کہ وہ امام معصومؑ کی تقلید سے باہر ہیں۔یعنی ان پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ خود بھی اپنے اعمال واقوال پر قولِ معصومؑ پیش کریں۔اور کوئی فعل وعمل ایسا نہ کریں جو ان کے اپنے من گھڑت دلائل پر مبنی ہو۔یعنی مجتہد نے اس حدیث کو مان کر اپنے اجتہادی گھروندے کو اپنے ہاتھوں تباہ کر دیا ۔اب اگر وہ یہ کہے کہ فلاں بات یا قول یا حدیث اسے امام زمانہؑ نے آکر بتائی ہے۔تو اس کے پاس ثبوت نہیں اور اگر یہ کہے کہ اس کا ہر قول وعمل امام زمانہؑ کے فرمان سے خالی ہے تو ہم پہلے ہی اس کے لئے مصیبت ہیں۔

(ہفتم) ہر وہ شخص جو امامؑ کے الفاظ میں کوئی حکم سنائے امامؑ کی طرف سے حاکم ہے

قارئین نے زیرِ قلم عنوان (2) کے (اوّل) بیان میں عمر بن حنظلہ سے سنا تھا۔کہ شیعہ مومنین غیر معصومؑ حاکم وعدالت سے رجوع نہ کریں گے۔اور وہاں سے نافذ ہونے والے صحیح فیصلے سے بھی اپنا حق وصول کرنا حرام سمجھیں گے۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ پریشان کن جواب سن کر عمر بن حـنـظـلـه نے جو سوال کیا وہ اور اس کا معصومؑ جواب سن لیں۔تاکہ مرکز سے دور

افتادہ شیعوں کو بالواسطہ ہدایات حاصل کرنے کا اور بات بات میں مرکز کی طرف نہ دوڑنے کا فطری انتظام معلوم ہوجائے۔

عمر بن حنظلہ نے کہا کہ:۔

> قلت :فکیف یصنعان؟قال: ینظران الیٰ من کان منکم ممن قدروی حدیثنا ونظرفی حلالنا و حرامنا و عرف احکامنا فلیرضوابہ حکماً فانی قد جعلتہ علیکم حاکماًفاذا حَکَمَ بِحُکُمِنَا فلم یقبلہ منہ فانما استخف بحکم اللّٰہ و علینا رد، والرادعلینا الراد عَلیَ اللّٰہ و ھوعَلیٰ حدالشرک باللّٰہ۔

۔''حضورؑ پھروہ دونوں کیا کریں ؟فرمایا کہ انہیں ایسا شخص تلاش کرنا چاہئے جو شیعوں میں ہماری احادیث بیان کرتا ہو اور ہمارے مقررہ حلال وحرام پر نظر واطلاع رکھتا ہو۔اور ہمارے اور پرائے احکام کی معرفت رکھتا ہو۔ایسے شیعہ کو فیصلہ کرنے والا (حَکم یا ثالث) بنالینے پر راضی ہوجائیں اور اپنا مقدمہ اس کو سونپ دیں۔اس صورت حال میں یعنی،جب لوگ ایسے اشخاص کو ثالث بنانے پر راضی ہوجائیں تو میں بھی اس کو یقیناً ان رضا مند ہونے والوں پر فیصلہ کرنے میں حاکم بناتا ہوں ۔ اور جب وہ ہمارے فیصلہ سے فیصلہ کرے یا ہمارے حکم سے حکم نافذ کرے اور اُن دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں اُس کے فیصلے کو قبول نہ کریں تو اس کے سوا کچھ نہیں سمجھا جائے گا کہ اُس نے یا دونوں نے اللہ کے حکم کی توہین کی ہے اور ہماری رضامندی کو ٹھکرادیا ہے اور ہمیں ٹھکرانا اللہ کو ٹھکرانا ہے۔اور وہ ٹھکرانے والا شرک کی حد میں داخل ہوگیا ہے۔ یا شرک کے حد پر آکھڑا ہوا ہے''۔(جلد اول صفحہ 74)(اصلی کافی جلد اول صفحہ 114-113)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس جواب اور رعایت کو بھی مجتہد حضرات بڑے طمطراق اور رعب وداب کے ساتھ اپنی مستقل حاکمیت اور نیابت منوانے اور اپنی تقلید شیعوں پر مسلط کرنے کے لئے پیش کیا کرتے ہیں۔لیکن آپ حدیث کے الفاظ اور ہمارے ترجمہ کو آپس میں مقابلہ کرکے دیکھیں اور پھر یہ دیکھیں کہ یہ صورت حال نہ ہر شیعہ پر اور نہ ہی ان دو آدمیوں پر اس شخص کی حاکمیت جبراً اور ہر ہر معاملے میں واجب کرتی ہے۔نہ یہاں اس شخص کی تقلید کرنا کسی پر لازم آتا ہے۔بات صرف اس قدر ہے کہ جہاں جہاں امامؑ خود موجود نہ ہوں یعنی عوام سے دور متعین مقام یا مرکز میں موجود ہوں اور جہاں جہاں مذکورہ نظام کا کوئی ایسا نمائندہ بھی موجود نہ ہو۔جو شیعہ عوام میں ان کے فیصلے کرنے کے لئے تعینات ہو۔یا وہ موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں جو شیعہ بھی متعلقہ تنازعے کے فیصلے سے متعلق معصومینؑ کی احادیث جانتا ہو۔اس سے درخواست کی جائے کہ وہ زیر بحث مقدمہ سنبھال لے۔یعنی وہ دونوں مختیار ہیں کہ ایسا شخص انتخاب کریں اس کو صرف اس مقدمہ میں ثالث بنائیں اور دونوں یہ معاہدہ کریں کہ فیصلہ اگر معصومؑ کے حکم کے مطابق ہوگا تو وہ قبول کریں گے۔یعنی یہ حاکمیت وثالثیت وہ دونوں دیتے ہیں۔ایسا نہیں کہ وہ اُن دونوں کو تلاش کرتا پھرے یا جہاں بھی لوگوں میں تنازعہ دیکھے جا دھمکے۔اور مان نہ مان میں تیرا مجتہد اور حاکم بن بیٹھے اور ان

کے اور پڑوسیوں کے ہر معاملہ میں تقلید کا راگ شروع کردے۔یعنی وہ دونوں امامؑ کی طرف سے صاحب اختیار ہیں۔اوروہ نامعلوم شخص جسے ابھی تلاش کرنا ہے۔جس کی قابلیت کوابھی جانچنا ہے۔یعنی جواسٹیٹ ایجنٹ یا نکاح خواں یا مجتہد کی طرح شریعت کدہ کا بورڈ لگائے دکان کھولے نہیں بیٹھا ہے۔صاحب اختیار نہیں ہے۔کوئی اس تک پہنچ جائے وہ امتحان اور گواہیوں کے لئے تیار ہوجائے۔دنیا کی ضروری مصروفیات سے وقت نکال سکے اور مذکورہ بالا حدیث میں بیان کردہ مشکل میں امامؑ کی بے نام عطا کردہ عام حاکمیت یا ثالثیت کوقبول کرلے اور لوگ خوشی سے اس کا معصومؑ فیصلہ ماننے پر رضامند ہوجائیں تو اسے صرف فیصلہ سنانے کا اختیار ہے۔کوئی سنے نہ سنے مانے نہ مانے اسے کسی شرعی جبر کا یا سزا دینے کا یا اپنا فیصلہ نافذ کرنے کا کوئی اختیار اس حدیث میں نہیں ہے۔نہ امامؑ نے ان کے لئے کوئی دنیاوی سزا مقرر فرمائی ہے۔ہم بڑی خوشی سے اعلان کرتے ہیں کہ:۔

۔''ہر اس مجتہد سے ہر شیعہ اپنے مقدمہ کا فیصلہ کراسکتا ہے۔جو مندرجہ بالا حدیث کی رو سے معصومؑ حکم نافذ کرے۔ اور اپنی رائے قیاس اور بصیرت اور مصلحت، معصومؑ حکم میں شامل نہ کرے اور اپنی تقلید کی ہانڈی نہ چڑھائے۔اور مستقل نیابت وحاکمیت کی بدہضمی دور رکھے''۔

مجتہد بہرحال مسلمان کہلاتے ہیں۔ہم ہر ہندو عیسائی اور یہود کو اس عارضی اور وقتی نیابت، ثالثیت اور حاکمیت کے لئے اجازت دیتے ہیں۔بشرطیکہ فیصلہ میں حکم معصومؑ جاری کرے۔اور فیصلہ لینے والے لوگ رضامندی سے اسے ثالث مانیں۔ حدیث کے پہلے حصہ میں حکومت اور عہدۂ قضاوت غصب کرنے والوں کے جائز فیصلہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ پھر یہ فرض کرلیا گیا کہ شاید مجتہدانہ فیصلہ صحیح اور حق کے مطابق ہوجائے۔اس لئے کہ اجتہاد میں صحیح فیصلہ کا امکان تو ضرور ہے۔مگر یقین ہرگز نہیں ہے اور یہ بات تمام مجتہدین بھی مانتے ہیں۔ بہرحال یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ عمر بن حنظلہ والی یہ حدیث صرف ان دوسوالات پر ختم نہیں ہوتی۔بلکہ ابھی اُن کی زبان سے چھ (6) عدد سوالات اور کرائے گئے ہیں۔اور امام جعفر صادق علیہ السلام کو ایسا چکر دیا گیا ہے اور ان حضرتؑ کی طرف سے ایسے جوابات لکھوائے گئے ہیں، کہ احادیث معصومینؑ کا پورا ذخیرہ اور تمام راوی اور پورا مذہب شیعہ نظامِ اجتہاد کے لئے فٹ کرلیا گیا ہے۔ہم عمر صاحب کا یہ نام نہاد مکالمہ مناسب مقام پر قارئین کے سامنے رکھیں گے اور حق و باطل چھان پھٹک کرالگ الگ کردیں گے۔ یہاں تو یہ دیکھنا ہے کہ دین کا ہر فیصلہ کلام اللہ اور کلام معصومؑ کے اپنے الفاظ میں ہوگا۔تو شیعوں میں قابل قبول ہوسکتا ہے۔ورنہ نہیں۔

(ہشتم) کلام معصومؑ میں کمی وزیادتی بھی مقبول وجائز نہیں ہے

یہی لازم نہیں ہے کہ دین کی ہر بات کلام اللہ وکلامِ معصومؑ میں قابل قبول ہوگی۔ بلکہ یہ بھی لازم ہے کہ معصومؑ کی حدیث یا فرمان یا حکم بلاکسی ہیرا پھیری اور کمی واضافہ اور دخل اندازی سے پاک وخالص بیان کیا جائے۔فرمایا گیا۔

۔’’جناب ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس

> **عن ابی بصیر قال: قلت لابی عبدالله علیه السلام قول اللّٰه جل ثناوه۔’’والذین یستمعون القول فیتبعون احسنه‘‘ قال ’’هوالرجل یسمع الحدیث فیحدث به کما سمعه لا یزید فیه ولا ینقص منه‘‘۔**(ظفری جلداول صفحہ۵۴،اور کمرئی جلد 1 صفحہ۸۸)

آیت کا عملی مفہوم معلوم کیا جس میں فرمایا ہے کہ۔’’وہ لوگ جو کلام اللہ کو توجہ سے سنتے ہیں اور اس کلام کے بہترین حصہ کی پیروی کرتے ہیں‘‘۔ جواب میں فرمایا کہ۔’’یہ وہ لوگ ہیں جو معصومؑ کلام (حدیث) کو باقاعدہ سنتے ہیں۔ پھر اُس کلامِ معصومؑ کو بلا کمی اور زیادتی کے اُسی صورت میں برسرکار لاتے ہیں۔جیسا کہ سنتے ہیں‘‘۔

بتایئے اس پابندی کے بعد کسی مجتہد کو یہ کیسے جائز ہوگا۔کہ وہ اصول فقہ اور اپنی عقل کی چُھری کلہاڑی لے کر بیٹھ جائے اور کلام معصومؑ کے جوڑ و بند الگ الگ کر کے اجتہادی خوردبین سے دیکھ دیکھ کر الٹا سیدھا دوبارہ فٹ کر کے لوگوں کو حکم و فیصلہ سنائے؟۔

(نہم) مخاطب کی ذہنیت اور عقل کے معیار پر الفاظ بدلے جاسکتے ہیں۔منشاء و مفہوم نہیں

ہمارے نیک دل نیک نیت مخاطب اس کا حق رکھتے ہیں کہ معصومؑ کی بات انہیں دل نشین کرادی جائے۔اور کلام اللہ وکلامِ معصومؑ کی منشاء، مراد اور مقصد کو بحال رکھتے ہوئے اپنے الفاظ میں تفصیل یا تفریع کردی جائے۔جیسا کہ ہمارے ترجموں میں قارئین دیکھتے ہیں۔اور ابھی ابھی دیکھا ہے۔کہ ہم نے لکھا ہے کہ:۔

۔’’اُس آیت کا عملی مفہوم معلوم کیا جس میں فرمایا گیا ہے کہ‘‘۔ یہ پورا جملہ حدیث کے الفاظ میں نہیں ہے۔لیکن اس جملے کو لکھے بغیر ہم صحیح مقصد اور اسپرٹ پیش کرنے سے قاصر تھے۔اور اگر یہ جملہ کسی کو پسند نہ آئے تو یہ ہمارا جملہ ہے۔سب کو اختیار ہے کہ ہمارے کلام کو خارج کردیں۔اور اگر ہمارا جملہ حدیث کے منشا اور مقصد کو غلط کرتا ہے۔تو کھلے دل سے ہم پر تنقید کریں۔اور مذموم سمجھیں جیسا کہ ہم دوسرے مترجمین اور مصنفین کے ساتھ کرتے ہیں۔اس اصول کو احادیث میں استعمال کرنے کے لئے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے دوہری اجازت دی ہے۔ملاحظہ فرمائیں کہ شیعہ مبلغین کس احتیاط سے مذہب پر عمل کرتے تھے۔اور بلا معصومؑ کی اجازت کے اپنی مذہبی بصیرت کے بھروسہ پر احادیث واحکام کی تفصیل کی جرات بھی نہ کرتے تھے۔ سنئے اور یہ اسپرٹ اختیار کیجئے۔’’محمد بن مسلم نے بتایا کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ میں آپؑ سے جو حدیث سنتا ہوں کیا اس میں کمی

> **عن محمد بن مسلم قال :قلت لابی عبداللّٰه علیه السلام اسمع الحدیث منک فأزید وانقص ؟قال: ان کنت ترید معانیه فلاباسٌ** (کمرئی کافی جلد 1 صفحہ۸۸)
>
> **۲۔عن داؤدؐ بن فرقد قال:قلت لابی عبداللّٰه علیه السلام انی اسمع الکلام منک فاُرید ان ارویه کما سمعته منک فلا یجیی؟قال:فتعمد ذلک؟قلت لا فقال ترید المعانی؟قلت نعم ۔قال فلاباس**(کمرئی کافی جلداول صفحہ۸۸تا۸۹)

زیادتی کرلیا کروں ؟ فرمایا کہ اگر تمہارا ارادہ ہماری حدیث کے معانی اور مفاہیم کو پہنچانا ہو اور اس میں کامیابی کے لئے کمی اور زیادتی ضروری ہو تو کوئی گڑبڑ نہیں۔ ورنہ ناجائز ہے''۔ یہی بات ذرا کھل کر جناب داؤد نے یوں معلوم کی کہ:۔

۔''حضورؑ میں آپ کا کلام سنتا ہوں اور پھر چاہتا ہوں کہ اس کلام کو اسی طرح لوگوں کو سناؤں جیسا کہ میں نے آپ سے سنا تھا۔ لیکن وہ کلام اسی حیثیت سے دماغ سے زبان تک نہیں آتا۔ آپؑ نے فرمایا کہ کیا تم جان بوجھ کر تو لاپرواہی نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں حضورؑ بلکہ ایسا فطری طور پر ہو جاتا ہے۔ آپؑ نے پوچھا کہ کیا تمہارا ارادہ یہ رہتا ہے۔ کہ تم ہمارے مقصد اور معانی کو لوگوں تک پہنچا کر چھوڑو۔ عرض کیا کہ بالکل یہی مقصد ہوتا ہے۔ مگر آپؑ کی طرح ادا کرنے کی قدرت نہیں آتی۔ فرمایا کہ پھر اپنی زبان میں بیان کرنے سے کوئی خرابی نہیں بہتری ہے''۔

(دہم) مجتہدین کا از حد خیال رکھا گیا۔ اعتراض کی ہر راہ بند کردی گئی

قارئین نے دیکھا تھا کہ جناب ظفر صاحب نے علامہ مجلسی کی زبانی لکھا تھا کہ وہ حدیث ضعیف ہے۔ جس میں رسولؐ اللہ کو بعد وفات اپنی کسی زوجہ کے ساتھ اصلی جسم کے ساتھ دیکھا جانا بیان ہوا ہے۔ اور وجہ یہ بتائی تھی کہ جعفر بن مثنیٰ امام رضا علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھے۔ وہ کیسے امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث سن کر بیان کرتے۔ ایسے علماء کو یہ دکھائیں کہ اگر تم یہ نہیں مانتے کہ تمام معصومینؑ محمدؐ تھے۔ تو یہ حدیث سنو اور کم از کم آئندہ منہ بند رکھو۔

عن ابی بصیر قال: قلت لابی عبداللّٰہ علیہ السلام: الحدیث اسمعہ منک ارویہ عن ابیک او اسمعہ من ابیک ارویہ عنک؟ قال سوآء الا انک ترویہ عن ابی احب الیَ ۔وقال ابو عبداللّٰہ علیہ السلام لجمیل :ماسمعت منی فاروہ عن ابیؑ۔

۔''ابو بصیر نے کہا کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ میں ایک حدیث آپؑ سے سنتا ہوں اور آپؑ کے والدؑ کے نام سے بیان کر دیتا ہوں۔ یا آپؑ کے والدؑ صاحب سے سنتا ہوں اور آپؑ کے نام سے بیان کر دیتا ہوں؟ کیا یہ جائز ہے؟ فرمایا دونوں طرح موزوں اور جائز ہے۔ لیکن مجھے یہ زیادہ پسند ہوگا۔ کہ تم میری حدیث کو میرے والدؑ کے نام سے بیان کرو۔ اور آپؑ ہی نے جمیلؒ سے یہ فرمایا تھا کہ تم جو کچھ مجھ سے سنتے ہو وہ میرے والدؑ کے نام سے روایت کیا کرو''۔ **(ظفری جلد 1 صفحہ 55-54)**

قارئین نوٹ فرمالیں کہ ظفر صاحب نے امامؑ کے اس فرمان کو غلط سمجھا۔ اس لئے امامؑ کی اصلاح کے لئے ایک عدد بریکٹ لگایا اور ترجمہ میں لکھ دیا کہ۔''(از روئے تقیہ)''۔ مطلب یہ کہ مخالفوں سے ڈر کر ایسا کہا ہے ورنہ ایسی اجازت دینا خلاف مذہب ظفریہ ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر یہ ظفری مذہب صحیح ہے؟ تو اُنہیں اور جناب علامہ محمدؐ باقر رضی اللہ عنہ کو رسولؐ اللہ کے بعد وفات اصلی جسم سے آسکنے والی روایت میں بھی یہ کہنا چاہیئے تھا کہ جعفر بن مثنیٰ نے از روئے تقیہ امام رضا علیہ السلام کی حدیث کو

امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام سے بیان کردیا تھا۔ ورنہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ اور آنحضرتؐ اپنے اصلی جسم کے ساتھ بعد وفات بھی جہاں چاہیں آجا سکتے ہیں۔(ظفری جلد اول صفحہ 559)

ہم قارئین سے عرض کریں گے کہ ہمارا مذہب مجتہدین کے مذہب کا مخالف ہے۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا کہ ہمارا پہلا بھی محمدؐ ہے اور آخری بھی محمدؐ ہے۔ اور ہمارا درمیان والا بھی محمدؐ ہے۔ اور ہم سب محمدؐ ہیں۔(صَلوٰةُ اللّٰهِ عَلَيۡهِمۡ اَجۡمَعِيۡن) لہٰذا اُن میں سے جس کی حدیث کو چاہیں جس سے روایت کردیں۔ اور اجازت آپ کے روبرو ہے۔ لیکن مجتہد گروہ کو حدیث کے انکار کرنے کا، حدیث کو مشکوک کرنے کا اور حدیث کے معنی بدلنے کا بہانہ چاہیئے اگر کوئی بہانہ نہ ملے تو وہ فوراً ایک بہانہ گھڑ لیا کرتے ہیں۔

(دہم الف) جھوٹوں کو گھر پہنچائے بغیر نہ چھوڑیں ورنہ پلٹ آئیں گے

چلتے چلتے انہیں سناتے جائیں کہ اُنہی امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:۔

۔"میری حدیث میرے والد محمدؐ باقر کی حدیث ہے اور میرے والدؑ کی حدیث میرے دادا زین العابدینؑ کا فرمان ہے اور میرے دادا کا قول حسینؑ کی حدیث ہے۔ اور حسینؑ کا ارشاد حسنؑ کا حکم ہے اور حسنؑ کی حدیث حضرت علیؑ کا کلام ہے۔ اور علیؑ کی حدیث رسولؐ اللہ کی حدیث ہے۔ اور رسولؐ اللہ کا کلام کلام خدا ہے"۔(ظفری جلد اول صفحہ 56)

۔"سمعنا ابا عبدالله يقول :حديثي حديث ابيؑ، وحديث ابيؑ حديث جدّي، وحديث جدّي حديث الحسينؑ، وحديث الحسينؑ حديث الحسنؑ، وحديث الحسنؑ حديث امير المومنين عليؑ، وحديث اميرؑ المومنين حديث رسوؐل الله، وحديث رسوؐل الله قول الله عزّ وجلّ۔(کمرئی جلد اول صفحہ۹۱۔۹۲)

قارئین نوٹ کریں کہ کیا ہمارا مذہب غلط ہے؟

ہم قرآن مجید کی آیت (سورہ نجم 4-53/3،الحاقہ 43-69/40) پیش کرتے ہوئے اس عنوان کو لے کر چلے تھے۔ اور یہی اب تک ثابت کررہے ہیں۔ کہ دنیا وآخرت کے متعلق ہر بات ہر حکم ہر فیصلہ اور ہر عقیدہ کلام اللہ اور کلام معصومؑ کے الفاظ میں ہونا لازم ہے۔ اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قال ابوجعفرؑ برابر ہے۔ قال اللہ کے۔ یہاں یہ بھی نوٹ کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے قول سے بات شروع کی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بعد والے چھ (6) آئمہ علیہم السلام کا قول اس اصول سے الگ ہے۔ بلکہ یہ سب محمدؐ ہیں اور محمدؐ کا ہر قول اللہ کا قول ہے۔ اور یہی مطلب ہے نمائندگانؑ وجانشینانؑ وخلفائےؑ خداوندی کا کہ اُن کا قول قول خدا ہو۔ اُن کا ذکر ذکر اللہ ہو۔ اُن کو دیکھنا عبادت وزیارتِ خداوندی ہو۔ اور یہ مقام ان کے علاوہ کسی مخلوق کو حاصل نہیں اُن کا فعل فعلِ خداوندی ہے۔ لہٰذا کسی بھی اِسلامی معاملے میں اُن کا فیصلہ آخری

فیصلہ ہوگا۔کسی کی مجال نہیں ہے کہ اپنی بات یا اپنے عقلی اور ذاتی فیصلے کواللہ کا حکم یا فیصلہ کہہ کر انسانوں سے منوائے یا اپنی اطاعت واتباع اور تقلید کا حکم دے۔سوائے اُس گروہ کے جوطاغوت کی راہنمائی میں خدااور رسلؑ وآئمہؑ کے مقابلہ میں روزِ ازل سے چلا آرہا ہے۔اسے جہنم کے بدلے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اللہ، رسولؐ اور امامؑ کی جگہ حکم دے کر اپنے اور اپنے مقلدِین سمیت جہنم کے ابدی عذاب کا وعدہ پورا کرے۔چنانچہ اللہ نے فرمادیا تھا۔کہ:۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ O لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَO(سورہ ص85-38/84)

۔''سارا حق یہ ہےاور میں حق ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سےاوران سے جو تیری تقلید کریں گے جہنم کو بھر دوں گا۔اس لئے کہ:۔

(یازدھم-11) آئمہؑ کی اطاعت نہ کرنا، ہر معاملہ میں ان کا حکم اور فیصلہ حاصل نہ کرنا کفروشرک ہے

کفر وایمان صرف انکار واقرار کا نام نہیں ہے۔اور نہ ہی روزہ نماز وعبادات واقرار خداوندی کسی کومومن بنادینے کے لئے کافی ہیں۔وہ ایک بات اور صرف ایک بات جوآدمی کومومن بناتی ہے۔وہ ہے معصومؑ یا نبیؐ کی پوزیشن۔وحدانیتِ خُداوندی اور عبادتِ خُداوندی پر جتنا زمانہ ابلیس نے صرف کیا وہ محمدؐ وآلِ محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کے علاوہ تمام انبیاءؑ ورسلؑ سے بھی زیادہ تھا۔پھر اُس نے نہ وحدانیت کا انکار کیا نہ کرتا ہے۔نہ ذات خداوندی میں کوئی عیب ونقص مانتا ہے نہ عبادت کا منکر ہوا ہے۔اس کا کفر یہ تھا کہ اس نے نبوّت کی غیر مشروط اطاعت کا اور نبیؑ کو مستحق سجدہ نہ ہونے کا عملی مظاہرہ کیا اور عذر یہ پیش کیا کہ وہ حضرت آدمؑ سے بڑھ کر ہے۔مطلب واضح ہے کہ اگر آدمؑ کو یا عہدہ نبوّت کو اس پر حاکمیت اور فضیلت نہ دی جاتی تو شاید وہ مان لیتا؟ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر آدمؑ کو یا نبوّت کو اس سے کم درجہ یا برابر کے درجہ میں رکھا جاتا تو وہ مان لیتا۔اور یہ کفر اختیار نہ کرتا؟ چونکہ اللہ ان دونوں امکانات پر مطلع تھا۔اور یہ بھی کفر ہی تھا کہ نبوّت کو دنیا کی کسی بھی مخلوق سے کم مرتبہ یا برابر قرار دیا جائے۔لہٰذا ابلیس کا کفر برقرار رہا۔اور اُس کے توحید پرست ہونے اور عبادت گذار رہنے کے باوجود اُس کے کافر وجہنمی اور لعنتی ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔(ص85-38/78)اور جو کوئی اس کی اقتداء، اتباع اور تقلید میں انبیاءؑ اور رسلؑ کی ذات میں کوئی ایسا نقص مانے جو عام وخاص انسانوں یا کسی اور مخلوق میں ہوتا ہے۔ان کو ابلیس کے ساتھ جہنم میں بھیجنے کا اعلان ابھی ابھی دیکھا گیا (ص38/85) ہے۔اس لئے کہ نبوت میں نقص ماننا اللہ کی ذات وصفات میں نقص ماننا ہے۔جیسا کہ ثابت ہوا کہ آئمہؑ وانبیاءؑ نمائندگان وجانشینان وخلفائے خداوندی ہیں۔ان کی ذات مظہر خداوندی اور بے عیب ہوتی ہے ان کا قول وفعل اللہ کا قول وفعل ہوتا ہے۔اللہ سے ان کو جدا کرنا یا الگ سمجھنا اور ان میں تفریق کرنا بار بار اور طرح طرح قرآن میں کفر بتایا گیا ہے (نساء151-4/150)۔اور جو لوگ اللہ اور رسولوںؑ میں تفریق نہیں کرتے وہی مومن ہوتے ہیں (نساء4/152)۔

اب اسی اصول اور قرآن کریم کے اسی دستور کے مطابق وہ لوگ بھی کافر ہوتے ہیں۔ جو آئمہؑ اور انبیاءؑ کو اپنے

ہر ہر جھگڑے، تنازعے، مقدمہ اور اختلاف میں اپنا فیصلہ کرنے والا حاکم نہیں بناتے یا حاکم مانتے تو ہیں لیکن دل میں انؐ کے حکم پر سو فیصد مطمئن اور رضامند نہیں رہتے۔ اور سوچتے ہیں کہ اس فیصلے میں اگر یہ پہلو بھی مدنظر رہا ہوتا یا ہم سے یا ہمارے نمائندوں کا مشورہ بھی شامل کرلیا ہوتا تو فیصلہ بہت عمدہ اور صحیح ہو جاتا۔ (نساء4/59,60,65، اور3/154)

قارئین قرآن کریم کی مذکورہ بالا تمام آیات کو خود ملاحظہ فرمائیں۔ علماء کی تفسیر اور شیعہ سنی ترجمے دیکھیں پھر مسلمانوں میں اس عقیدے کے فرقوں اور مجتہدوں کو دل میں شناخت کریں۔ اور مندرجہ ذیل احادیث کو پڑھیں۔ اور اگر آپ کو ہمارے بیانات پر کوئی اعتراض نہ رہے اور سو فیصد اطمینان ہو جائے تو مان لیں کہ کوئی حکم، کوئی فیصلہ، کوئی نظریہ، کوئی عقیدہ اور کوئی بات بھی کلام اللہ و کلام معصومینؑ سے حکم لیے بغیر اختیار نہ کروگے۔ اور کسی مجتہد اور علامہ وملّا نا کی ذاتی بات نہ مانوگے۔ اگر ایسا کیا تو تم مومن ہوگے۔ اور اسی صورت میں تمہارے اعمال وعبادات قبول ہوں گے ورنہ سن رکھو کہ تم بھی ابلیس کی طرح لعنتی، کافر ومشرک اور جہنمی ہوگے۔ سنو کلام معصومؑ یعنی کلام اللہ عام فہم زبان میں سنو۔

۔''عبداللہ بن یحییٰ کاہلی نے بتایا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر ایک پوری قوم پورے یقین اور خلوص کے ساتھ اللہ کو وحدہ، لاشریک لہ، سمجھ کر اللہ کی دن رات عبادت کرتی ہوئی عمر گذارے، نماز بلاناغہ قائم رکھے، برابر صحیح زکوٰۃ دیتی رہے، خانہ کعبہ کا ہر سال حج کرتی رہے رمضان کے روزے رکھتی رہے اور کوئی گناہ بھی نہ کرے۔ مگر اتنا کہہ دے یا دل میں خیال کرلے کہ یہ جو کچھ اللہ نے یا اللہ کے نبی محمدؐ نے فیصلہ کیا ہے، حکم دیا ہے، یا بات کہی ہے۔ یہ اگر ایسے نہیں بلکہ ایسے ہوتی تو بہتر ہوتا۔ تو صرف اتنا کہنے یا سوچنے سے ان کی پوری زندگی اور تمام عقائد واعمال وعبادات (ابلیس کی طرح) مشرکین کے ساتھ شمار ہو جائیں گے اور انہیں مشرک سمجھا جائے گا۔ پھر وہ آیت پڑھی جس میں فرمایا ہے کہ۔

> عبداللّٰہ بن یحیی کاھلی قال: قال ابو عبداللہ علیہ السلام لو ان قوما عبدوا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ واقاموا الصلاۃ واتوا الزکاۃ وحجوا البیت وصاموا شھر رمضان ثم قالوا لشیءٍ صنعہ اللّٰہ او صنعہ النبی صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلم الا صنع خلاف الذی صنع؟ او وجدوا ذلک فی قلوبھم لکانوا بذلک مشرکین، ثم تلا ھذہ الایۃ۔
> ۔''فَلَاوَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًامِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا O (نساء4/65)
> ثم قال ابو عبداللہ علیہ السلام فعلیکم بالتسلیم۔ (کمرئی جلد چہارم صفحہ۱۲۴)

۔''اے محمدؐ میں تیرے رب کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہوں۔ کہ وہ تمام مسلمان اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے۔ جب تک وہ تمہیں اپنے ہر ہر معاملہ میں فیصلہ کرنے والا حاکم نہ بنائیں اور حاکم ماننے کے بعد تیرے ہر فیصلے کو اطمینان وقلبی رضامندی سے

قبول نہ کرلیں ۔اوراپنے دلوں کے اندربھی کوئی براخیال نہ کریں بلکہ نہایت پرخلوص طریقہ پرتمہیں سلام بھی کریں اورتسلیم بھی کریں ۔تب جا کروہ اللہ کے معیار پرمومن ہوں گے''۔(نساء4/65)ظفری جلددوم صفحہ 407)

قارئین ہمارا بیان دیکھیں ۔ہم آیات واحادیث سے متاثر ہوکرانہیں سامنے رکھ کر بیان دیتے ہیں ۔آپ نے اگر ہماری مذکورہ تمام آیتیں دیکھی ہیں تو آپ کواس حدیث میں بڑااطمینان ملے گا۔اور سنئے اور مجتہد کوبھی سنایئے :۔

(2)۔''عمیرہ نے بیان کیا کہ جناب امام جعفرصادق علیہ السلام نے فرمایاہے کہ تمام انسانوں پر ہماری معرفت حاصل کرنا اور ہرہرمعاملے کو فیصلے کے لئے

۲۔''امرالناس بمعرفتنا، والردالینا،والتسلیم لنا،ثم قال: وان صاموا وصلوا وشھدوا ان لااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وجعلوا فی انفسھم لا یردون الینا کانوابذلک مشرکین (ایضاً ۱۲۴)

ہمیں سپردکرنااورہمارے ہرحکم وفیصلےکودل سےتسلیم کرناواجب ہے۔پھرفرمایا کہ اگر یہ مسلمان روزے رکھیں ،نمازیں پڑھیں اور برابر لااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کااعلان کرتے رہیں۔لیکن یہ طے کرلیں کہ وہ اپنے کسی معاملہ کو ہمارے حکم اورفیصلے کے لئے ہمارے پاس نہ لائیں گے۔خودہی اپنی بصیرت سے فیصلہ کرلیا کریں گےتو مسلمان ہوتے ہوئے عبادتیں کرتے ہوئے بھی مشرک رہیں گے''۔(ظفری جلد2 صفحہ 406)

جن حضرات کے پاس ظفری کافی ہے۔وہ یقیناًاس حدیث کے نیچےایک تھرڈکلاس مشرکانہ وضاحت پڑھیں گے۔ان قارئین کے لئےضروری ہے کہ ہم حضرت علامہ محمد باقرمجلسی کی شرح اورعقیدہ بھی یہاں بیان کردیں۔تاکہ مشرکانہ تصورحدیث کے حقیقی منشاءکوسمجھ کرمومنانہ تصورمیں بدل جائے۔

۔''اللہ کی طرف سے مقررکردہ امام معصومؑ جو تمام احکامِ خداوندی کا عالم ہوتاہے ۔اس سے اپنے تمام معاملات کے فیصلوں کے لئے رجوع نہ کرنے سےلوگ بہت سے فیصلوں میں ناکام رہتے ہیں اوریوں ایک بدعت کے مرتکب ہوتے ہیں ۔اوراپنی طرف سے احکام اورفیصلے گھڑتے ہیں۔ اورخودتراشیدہ احکام اورفیصلے بھی اللہ کی قانونی اطاعت میں شرک ہے۔پھراللہ نے یہ بھی تو کہاہے کہ خبردارتمام احکام اللہ کی طرف سےاختیارکرواس لئے کہ تمہیں اسی کے حضورمیں واپس آناہے''۔(کمرئی جلد4 صفحہ 124)

۔''زیرادرصورت عدم مراجعه باامام معصومؑ عالم باحکام ازطرف خدا درفھم حکم بسیارے از امور درمیمانند و بنا چارباید بدعت گذارند وازطرف خودحکم بتراشندوایں خود موجب شرک درقانون گذاری است و خدا میفر ماید :اَلَا لَہُ الۡحُکۡمُ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ '' ھلاکه حکم خاص حضرت اواست''۔(شرح کمرئی جلد۴ صفحہ۱۲۴)

یہاں قارئین نوٹ کریں کہ علامہ مجلسیؒ نے اس بیان میں یہ عربی عبارت قرآن کی آیت اور اللہ کا کلام سمجھ کر لکھی ہے۔ اَلَآ لَہُ الۡحُکۡمُ وَاِلَیۡہِ تُرجَعُوۡنَ ہم نے اس کا ترجمہ لکھا ہے لیکن اُسے آیت نہیں سمجھا۔ اس لئے کہ قرآن کریم کے اندر اس صورت میں آیت موجود نہیں ہے وہاں دو جگہ یہ الفاظ ہیں کہ ۔''وَ لَہُ الۡحُکۡمُ وَاِلَیۡہِ تُرجَعُوۡنَO''۔(قصص 28/70,88)۔ ۔''اور اللہ ہی کے لئے حکم دینے کا اختیار ہے۔ اور تمہیں اسی کی طرف پلٹنا ہے''۔ اور ایک جگہ یہ الفاظ ہیں کہ۔ ''اَ لَا لَہُ الۡحُکۡمُ وَھُوَ اَسۡرَعُ الۡحَاسِبِیۡنَ ''۔(انعام 6/62)۔''خبردار کہ حکم دینے کا اختیار صرف اللہ کو ہی ہے۔ اور وہ سب سے زیادہ تیزی یا جلدی سے حساب لینے والا ہے''۔

قارئین کچھ خیال نہ فرمائیں اور اپنی مصروفیات وحالات میں یہ تقصیر کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ یا یہ بھی زیادہ ممکن ہے کہ کسی ماتحت عالم نے آیت کو خلط ملط کر کے لکھ دیا ہو۔ ادھر بڑا عالم ہونے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ آیت کا یا کتاب کا پورا حوالہ لکھ دیں۔ وہ تو لفظ کافی بھی پورا نہیں لکھا کرتے بلکہ اصول کافی یا فروع کافی کی جگہ صرف۔ ''کا''۔ لکھ دینا کافی سمجھتے ہیں حالانکہ کافی کی آٹھ جلدیں اور ہزاروں صفحات ہیں۔ یعنی نظام اجتہاد ایک ایسا ماحول پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ جب سوائے چند دبیز قسم کے بڑے بڑے عمامہ پہننے والے مجتہدین کے علاوہ عوام میں کوئی مذہبی کتابوں کو نہ پڑھتا تھا۔ اور وہ لوگ ان مخففات پر مطلع تھے۔ جیسے کتاب علل الشرائع کے لئے۔''ع''۔ اور کتاب عیون الاخبار کے لئے۔''ن''۔ کتاب العتیق الغزوی کے لئے۔''ق''۔ کتاب قصص الانبیاء قطب الدین راوندی کے لئے۔''ص''۔ الغرض سیکڑوں مثالوں میں سے یہ چند ہی کافی ہیں۔ ایک مستقیم المزاج آدمی پر رعب ڈال کر دیوانہ کرنے کے لئے ہم بتدریج اُن کے تمام ہتھکنڈوں سے عوام کو مطلع کرنے کا پروگرام چلا رہے ہیں۔ یہ بھی نوٹ کرلیں کہ آج علامہ ڈھکو اور اس کی کمپنی کے علماء صرف ان مخففات کے امتحان میں بھی کامیاب نہ ہوں گے۔

(دوازدہم-12) جن کی اطاعت واتباع اور تقلید واجب ہے ان کی پوزیشن

قارئین نے دیکھ لیا کہ قرآن وحدیث کی رو سے اللہ اور اللہ کے نمائندگانؑ کے معصومؑ سلسلے کے علاوہ کسی دوسرے انسان یا فرشتہ یا جن کو اپنی بصیرت وعقل ورائے وقیاس وتجربہ سے کوئی اِسلامی حکم نافذ کرنے کی اجازت ہی نہیں ہے۔ بلکہ ایسا کرنے والے کو قرآن اور فرمانِ معصومؑ کافر ومشرک وظالم وفاسق قرار دیتے ہیں۔ اب یہ دیکھئے کہ اللہ نے جن کی تقلید واطاعت واتباع فرض کی ہے۔ ان کی پوزیشن کیا ہونا چاہیئے؟ ملاحظہ ہو:۔

1۔ جو شخص کائنات کی کسی چیز سے بھی جاہل ہو۔ اس کی اطاعت، تقلید اور اتباع واجب نہیں ہے۔ چنانچہ ابوحمزہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ:۔

لا و اللّٰہ لا یکون عالم جاھلاً ابدًا، عالمًا بشیی ءٍ جاھلاً بشیی ءٍ ، ثم قال: اللّٰہ اجل و اعز و اکرم من ان یفرض طاعتہ عبد یحجب عنہ علم سمائہ و ارضہ ثم قال: لا یحجب ذلک عنہ (کمرئی جلد۲ صفحہ۱۳)

۔''قسم بخدا وہ شخص ہرگز عالم نہیں ہوتا جو کچھ چیزوں کا عالم ہو اور کچھ چیزوں سے جاہل ہو۔اس کے بعد فرمایا کہ اللہ اس سے کہیں زیادہ بلند و برتر اور زیادہ صاحب بزرگی اور کرم ہے کہ کسی ایسے شخص کی اطاعت انسانوں پر فرض کر دے جس سے اس نے اپنے آسمانوں اور زمینوں کے علوم کو پردہ میں پوشیدہ رکھا ہو۔(یعنی جو بعض حقائق سے جاہل ہو۔) پھر فرمایا کہ جس کی اطاعت فرض کرتا ہے۔اس سے آسمانوں اور زمینوں کا علم پوشیدہ نہیں رکھتا۔'' (ظفری جلد اول صفحہ 301)

قارئین نوٹ کریں اور آئندہ کسی کو عالم کہتے ہوئے یا پڑھتے ہوئے اس کا خیال رکھیں کہ حقیقی عالم سوائے محمد مصطفیٰ اور آئمہ ھدیٰ علیہم السلام کے اور کوئی نہیں تھا، نہ ہے، نہ ہوگا۔البتہ مجتہدانہ زبان میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ مندرجہ بالا جاہلوں کو عالم کہا جائے۔لہٰذا عوام کے لئے اُس زبان کو عارضی طور پر بولنا جائز ہے۔آئمہ علیہم السلام نے بھی عوام تک حقیقی مقصد پہنچانے کے لئے یہ زبان استعمال کی ہے۔اور جہلا کو عالم، علماء اور فقیہ وفقہا کہہ دیا ہے۔لیکن حقیقتاً وہ سب جاہل تھے اور ہیں۔عالم وہی ہوسکتا ہے جس میں جہالت کی کوئی مقدار اور قسم موجود نہ ہو۔ورنہ وہ جہالت کے اندر داخل اور جاہل رہے گا۔پھر شیعہ قارئین خاص طور پر دوبارہ نوٹ کریں کہ حقیقی شیعوں کو چاہئے کہ وہ ہرگز خود کو عالم نہ کہیں بلکہ ہمیشہ اپنے آپ کو طالب علم سمجھیں، یہی معصوم حکم ہے۔اور جو اس کے خلاف خود کو یا کسی اور کو حقیقتاً عالم کہتا یا سمجھتا ہے۔وہ آئمہ علیہم السلام کی برابری کرنے کا مجرم اور مذہب شیعہ اثناعشریہ سے خارج ہے۔چنانچہ معصومؑ بیان یہ ہے۔

''الناس کلھم ثلاث۔العلماء و المتعلمون و الغثاء۔نحن العلماء وشیعتنا المتعلمین و سائر الناس غثاء (کافی جلد اول صفحہ ۶۴)

۔''کہ انسان تین طبقات میں تقسیم ہیں۔1۔علماء۔2۔طالب علم اور۔3۔ملبہ (یعنی اس قابل ہونا کہ کسی بھی مصرف میں استعمال ہوکر مفید یا مضر بن سکے اور کوئی خاص مستقل غیر متبدل فطرت نہ رکھنے والی چیزیں) لہٰذا ہمؑ علماء ہیں۔ہمارے شیعہ طالب علم ہیں اور باقی تمام انسان ملبہ ہیں''۔(ظفری جلد اول صفحہ 37-36)

2۔ قارئین نوٹ کریں کہ مندرجہ بالا باب میں آپ کوئی احادیث ایسی ملیں گی جن میں یہ حقیقت ثابت ہے کہ جس ہستی کی اطاعت واتباع اور تقلید واجب ہوتی ہے وہ پوری کائنات کا عالم حقیقی ہوتا ہے۔(ظفری جلد اول صفحہ 301-298)

قارئین ظفری ترجمہ میں بہت سی احادیث میں یہ جملے ملاحظہ ہوں۔

3۔ ''نحن قوم فرض اللّٰہ عزوجل طاعتنا''۔(جعفر صادقؑ) ہم ہی وہ قوم ہیں جس کی اطاعت اللہ نے فرض کی ہے''۔(جلد اول صفحہ 214)

4۔ ''اقول الناس عبید لنا فی الطاعة''۔(امام رضاؑ) میں کہتا ہوں کہ تمام انسان اطاعت کے معاملے میں ہمارے بندے یا غلام ہیں''۔(ایضاً صفحہ 215)

5۔ صفحہ 218-217 پر نام بنام آئمہؑ کی اطاعت کا فرض ہونا حدیث میں موجود ہے۔

(3) مجتہدین نے اپنی اطاعت وتقلید جاری کرنے کی کیا کیا کوششیں کیں؟

یہاں سے قارئین یہ دیکھیں گے کہ شیعوں میں ایک گروہ، شیعہ نقاب پہن کر ہر امامؑ کے زمانہ میں موجود رہا اور مومنین ہی کو نہیں بلکہ خود آئمہ علیہم السلام کو نظام اجتہاد کی رغبت دلانے اور اجتہاد کرنے کی اجازت مانگنے میں طرح طرح کے حیلے بہانے اور عذرات کرتا چلا آیا ہے۔کبھی آئمہؑ سے یہ کہلوانا اور شیعوں میں مشہور کرنا چاہا کہ وہ حضراتؑ کائنات کی ہر چیز سے واقف نہیں اور یہ کہ قرآن اور حدیث میں ہر سوال کا جواب نہیں ملتا۔کبھی یہ کہ جناب آپ حضراتؑ نے بڑے مختلف مسائل اور احادیث بیان کردی ہیں۔لہٰذا ہمیں اجازت دیں کہ ہم احادیث اور مسائل پر وہ اصول استعمال کریں جو ہمارے مدِ مقابل مجتہدین استعمال کرتے ہیں تاکہ ان کے اعتراضات کو رفع کرکے ہم ان کا منہ بند رکھ سکیں۔لیکن اس گروہ کو ہر امامؑ نے نہ صرف ناکام و نامراد رکھا بلکہ شیعہ مومنین کو بھی ان کی چالاکیوں اور مقاصد پر مطلع رکھا۔اور ملت شیعہ نے بھی ان سے خود کو محفوظ رکھا۔چنانچہ ان کی چند ایک کوششوں اور ترکیبوں کا ذکر کردینا ضروری ہے۔تاکہ آئندہ چل کر یہ بارہواں اصول آپ کے سامنے سے تمام اجتہادی رکاوٹوں کو دور کردے۔

(ترکیب اوّل) مجتہد ذہنیت کے شیعوں سے شکوہ بھی اور تعارف بھی

ابھی ابھی جو چند حدیثوں کا خلاصہ گذرا اُن میں سے ایک مختصر سی حدیث پوری سنیں۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔''**نحن قوم فرض الله طاعتنا و انتم تا تمون بمن لا یعذر الناس بجهالته**''۔**کمرئی جلد اول صفحہ ۳۴۷**) ۔''ہم وہ قوم ہیں جن کی اطاعت کرنا اللہ نے فرض کیا ہے۔مگر تم لوگوں نے جن کی پیروی اختیار کررکھی ہے۔ان کی جہالت کو نہ سمجھنے پر کسی انسان کے پاس کوئی عذر نہیں ہے''۔(ظفری جلد اوّل صفحہ 214)

قارئین نوٹ کریں کہ یہ شکایت مخالف مذہب والوں سے دوسری صدی میں کرنا غلط ہے۔اس لئے کہ وہاں تو بنیاد ہی نظامِ اجتہاد پر رکھی گئی تھی۔لہٰذا یہ مخاطب لوگ وہ ہیں جو شیعوں میں موجود ہیں۔شیعہ لیبل لگاتے ہیں مگر عمل واطاعت وتقلید میں وہ اصول اختیار کررکھا ہے۔جو مذہب حقہ کے خلاف ہے۔یعنی برائے نام آئمہؑ سے وابستہ رہتے ہیں اور اپنے روزمرہ کے کاموں میں اپنی ذاتی رائے سے جیسا خود بہتر سمجھتے ہیں عمل کرتے ہیں۔اس کی دوسری مثال میں تفصیل ملاحظہ ہو۔

(ترکیب دوم) وہ نام نہاد شیعہ جو واجب الاطاعت مان کر آئمہؑ کی تقلید نہیں کرتے

اب ایک ایسی حدیث ملاحظہ فرمائیں جو ایک طرف ملتِ شیعہ میں ایسے عناصر کا پتہ دیتی ہے۔ جو آئمہ علیہم السلام کو اپنے بیانات و اعلانات میں واجب الاطاعت سمجھ کر بیعت کرتے ہیں۔ لیکن تقلید میں مجتہدانہ رویہ رکھتے ہیں۔ دوسری طرف آپ وہ عُذر دیکھیں گے۔ جو اس حدیث میں قائم شدہ الزام کو صاف کرنے کے لئے علامہ محمد باقر کمرئی نے پیش کیا ہے۔ حدیث بیان کرتے ہیں جناب محمد بن عبیدہ کہ: مجھ سے جناب امام ابوالحسن موسیٰ کاظم علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ:۔

۔''اے محمد یہ تو بتاؤ کہ اپنے اپنے امام کی تقلید تم زیادہ پابندی سے کرتے ہو یا مرجیہ مذہب والے؟ میں نے کہا کہ ہم بھی تقلید کرتے ہیں۔ اور مرجیہ بھی تقلید ہی کرتے ہیں۔ اس جواب پر فرمایا کہ میں نے یہ نہیں پوچھا تھا۔ جو تم نے بتایا۔ میرے پاس پہلے جواب سے زیادہ جواب تھا ہی نہیں تو امامؑ نے فرمایا کہ حقیقت حال یہ ہے کہ مرجیہ گروہ نے ایک ایسا امام اختیار کیا جس کی اطاعت کرنا ان کے مذہب میں فرض نہیں ہے اس کے باوجود وہ اس کی تقلید کرتے ہیں۔ اور تم نے ایسا امامؑ اختیار کیا جس کی اطاعت کرنا تمہارے مذہب میں فرض ہے۔ لیکن تم پھر بھی اس کی تقلید نہیں کرتے۔ چنانچہ مرجیۂ مذہب والے تقلید کرنے میں تم سے زیادہ پابند ہیں''۔

> ۔''قال لی ابوالحسن علیه السلام :یا محمد انتم اشد تقلیداً ام المرجئة؟قلت :قلدنا وقلدوا فقال : لم اسئلک عن هذا فلم یکن عندی جواب اکثر من الجواب الاول فقال ابوالحسنؑ: ان المرجئة نصبت رَجلاً لم تفرض طاعته و قلدوه وانتم نصبتم رُجلاً و فرضتم طاعته ثم لم تقلدوه فهم اشدُّ منکم تقلیدًا۔(کمرئی جلد۱صفحہ۹۳)

قارئین دیکھیں کہ کتنی صاف اور واضح زبان میں امام علیہ السلام نے نام نہاد شیعوں کی پوزیشن بیان فرمائی ہے۔ لیکن کافی کے شارح جناب محمد باقر کمرئی یہ پسند نہیں کرتے کہ اُس زمانہ کی مجتہدانہ ذہنیت کے متعلق آج کوئی بُرا خیال قائم ہو۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے جو عذر فرمایا ہے۔ پہلے وہ سن لیں فرماتے ہیں کہ:۔

۔''مگر جو کچھ میری سمجھ میں آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ دوسرا جملہ خلفائے وقت سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ ان کی بیعت کرنے میں شیعہ بھی شریک تھے۔ لیکن ان خلفا کو شیعہ لوگ باطل سمجھتے تھے۔ اور اسی لئے ان کو حقیقی راہنما سمجھ کر ان کی پیروی نہ کرتے تھے۔ اس کے برخلاف عوام النّاس ان کی بیعت اور انتخاب کو

> ۔''ولی آنچه بنظر میرسدا ینست که مقصود از جمله دوم هم نظر بخلفائی جوردارد زیرا شیعه هم در بیعت باآنهاشرکت داشتند وَلی چُون آنهارا باطل میدانستند بحساب اینکه یک رهبرِ بحقند از آنها پیروی نمیکردند بخلاف عامه که همیں

ایک برحق خلافت قائم کرنے کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔
اس لئے امامؑ کا مقصد یہ تھا کہ عوام نے اسی اصول پر ان کی
بیعت کی اور حکومت وقت کی پیروی اسی عقیدت کے ماتحت
کرتے تھے۔ اور تم شیعہ لوگوں نے بھی حکومت وقت کی
بیعت کی ہوئی ہے۔ مگر تم ان خلفا کی پیروی نہیں کرتے۔ اس
حیثیت سے وہ تم سے زیادہ پیروکار ہیں۔ اس لئے دوسرے
جملہ سے امامؑ برحق مراد نہیں لیا جائے گا۔ چونکہ امامؑ معصوم کو
لوگ نہ امامؑ بناتے ہیں نہ ان کے طے کرنے سے وہ واجب
الاطاعت بنتا ہے۔ یعنی وہ تو منجانب خدا مقرر ہوتا ہے۔ لہٰذا
تقلید کی مذمت کی گئی ہے۔ اور آنے والی روایت کے مطابق

> انتخاب وبیعت بآنهارا پایه خلافت حقّه آنها
> میدا نستند۔ بنا براین مقصود این است که آنها
> بحکومتِ وقت بیعت کردند و باعقیده ازاو پیروی
> میکنندو شما هم باو بیعت کردید واز او پیروی نمی
> کنید۔ پس آنها از شما مقلِّد تر هستند۔ زیر انمی
> شود عبادت دوم را بامامِ حق راجع دانست۔ چون
> امامؑ معصوم از طرف مردم منصوب و واجب
> الاطاعت نیست و بنا بر ایں منظور ذم تقلید است۔
> وباروایتِ آئنده موافق است و نظری بگلِه از شیعه
> ندارد''۔ (کمرئی صفحہ ۹۳ جلد اول کافی کتاب فضل العلم باب التقلید)

ہے۔ امامؑ کے اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ امامؑ نے شیعوں سے گلہ وشکوہ کیا ہے'' ۔ (**کمرئی جلد اول صفحہ ۹۳**)

یہ ہے وہ طریقہ جو علم غیب کے ذریعہ سے معصومؑ بیانات کا مفہوم الٹ کر رکھ دیتا ہے۔ لیکن معصومؑ بیان کے الفاظ اس حسن سے ترتیب پاتے ہیں کہ معانی ومفہوم کو الٹنا ناممکن ہوتا ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ مجتہدین نے عوام کو عربی زبان سے قطعاً نابلد کر دیا ہے۔ آیئے ہم کمرئی صاحب کو بقلم خود پکڑ کر دکھائیں امام علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ:۔

۔''اِنّ الْمُرجِئَۃَ نَصَبت رَجُلاً لَمْ تُفرَضْ طَاعَتَہٗ وَقَلَّدُوْہُ''۔

<u>ہمارا ترجمہ</u> ۔''ا۔ یقیناً مرجیہ نے ۔۲۔ کھڑا کیا ایک مرد کو ۔۳۔ نہیں فرض سمجھی اطاعت اس کی ۔۴۔ اور تقلید کی اس کی۔

(<u>کمرئی</u>) ا۔ مرجیه مردے راکه ۔۳۔ طاعتش <u>واجب نیست</u>۔ ۲۔ بامامت خود نصب کردند۔
۴۔ وازاو تقلیدو پیروی کردند۔

۔''وَانتمُ نَصبتُمْ رَجُلاً وَفرَّضتُم طَاعَتَہٗ ثُم لَمْ تقلَدُوْہُ''۔

<u>ہمارا ترجمہ</u> ا۔ اور تم نے ۔۲۔ کھڑا کیا ایک مرد کو ۔۳۔ اور فرض سمجھی اطاعت اس کی ۔۴۔ پھر بھی تم نے اس کی تقلید نہ کی۔

(<u>کمرئی</u>) ا۔۲۔ شما مردے رابامامتِ خود <u>برگزیدید۔۳۔</u> وطاعت اُورا واجب دانستید۔۴۔ واز اوپیروی نمیکنید۔

<u>تبصرہ</u>۔ پہلی بات تو یہ دیکھیں کہ بحیثیتِ مجموعی کمرئی صاحب کا وہی ترجمہ ہے جو ہم نے کیا ہے اور تقریباً ٹھیک ہی ہے۔ اور اسی ترجمہ کی رو سے ان کا اور ان کی لمبی چوڑی تشریح کا غلط ہونا ثابت ہے۔ ذرا دیکھئے کہ معصومؑ بیان میں الگ الگ دو (2) مردوں یا

دو(2) اشخاص کا ذکر ہے۔ دونوں کو الگ الگ تقلید اور اطاعت کے لئے کھڑا کیا گیا ہے یا قائم کیا گیا ہے۔ ایک کو مرجیۂ نے کھڑا کیا ہے۔ دوسرے کو شیعوں نے قائم کیا ہے۔ مرجیہ اپنے والے شخص کی اطاعت فرض نہیں سمجھتے اس کے باوجود اس کی اطاعت اور تقلید میں کوتاہی نہیں کرتے۔ شیعہ اپنے والے شخصؑ کی اطاعت فرض سمجھتے ہیں۔ مگر فرض سمجھتے ہوئے بھی اپنے والے شخص کی پیروی وتقلید نہیں کرتے۔ یہ ہے وہ صورتِ حال جو امامؑ کے بیان اور کمرئی صاحب کے ترجمہ سے بھی ثابت ہے۔ یا پھر یہ ماننا لازم آئے گا کہ شیعہ گروہ اس باطل گروہ کی اطاعت واجب سمجھتا تھا اور تقلید نہ کرتا تھا۔ اس لئے کہ اس جملہ کو کہاں لے جاؤ گے کہ ۔''وَفَرَّضتُم طَاعَتَهُ''۔ اور تم نے اس کی اطاعت فرض قرار دی۔ دوسرا جملہ کہتا ہے کہ شیعوں نے جس کسی کی بھی اطاعت فرض قرار دی تھی۔ وہ اس کی تقلید نہیں کرتے تھے۔'' ثُمَّ لَم تَقَلَّدُوهُ''۔

یہ ہے وہ معصومؑ شکنجہ جو آئمہ معصومین علیہم السلام کے ہر بیان میں پوشیدہ رہتا ہے۔ اور جو کوئی ان کے کلام میں گڑ بڑ کرتا ہے۔ اس شکنجہ میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ پھر کمرئی صاحب نے ایک جگہ۔''نصب''۔ کے معنی۔'' بامامت خود نصب کردند''۔ مگر دوسری جگہ۔''نصب''۔ کے معنی۔'' بامامتِ خود برگزیدید''۔ کر لئے ہیں۔ اس صورت میں مولویانہ مفہوم یہ ہوا کہ اس زمانہ کے نام نہاد شیعہ۔''برگزیدگانِ امامت کو برگزیدہ سمجھتے ہوئے بھی برگزیدہؑ امام کی پیروی اور تقلید نہ کرتے تھے''۔ اور یہی ہم نے عنوان قائم کیا ہے۔ اور یہی بتاتے چلے آرہے ہیں کہ آج بھی برگزیدہ امام علیہ السلام کی تقلید نہیں کی جارہی ہے بلکہ طاغوتی تقلید ہو رہی ہے۔ چونکہ آج بھی اور اُس زمانہ میں بھی نام نہاد شیعہ حقیقی شیعیت سے لاتعلق اور نظام اجتہاد سے متعلق تھے۔ لہٰذا ان کو یہی کہنا چاہیئے کہ۔'' وَنَصَبتُم رَجُلاً''۔ یعنی تم نے بھی مخالف مذہب کے اصول کے ماتحت اپنا الگ امام مقرر کر لیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ تم زبانی اس کی اطاعت فرض کہتے ہو تا کہ ملت شیعہ میں گھلے ملے رہو۔ ان میں تقاریر و مجالس برپا کرتے رہو، اور منفی قسم کے فضائل و مصائب بیان کرتے رہو۔ تا کہ بتدریج شیعوں کو نظام اجتہاد و مجتہدین کی طرف موڑ سکو۔ زبانی بھی اقرار نہ کرو گے تو شیعہ تمہیں پہچان جائیں گے۔ اور نکال باہر کریں گے۔

اب کمرئی صاحب کی دوسری بات سنیں وہ یہ کہ انہوں نے مندرجہ بالا حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے علامہ باقر مجلسی رضی اللہ عنہ کا بیان ایک بریکٹ میں دے دیا ہے۔ وہ جملہ بھی ملاحظہ کر لیں تو آگے بڑھیں:۔

(حاصل اینست که رسوخ عَامَّه در تقلید از شما شدید تر است۔ و در این حدیث امامؑ از بعضی شیعه ها گِله کرده است (آت) **کمرئی صفحہ ۹۳)**

علامہ مجلسی اس حدیث سے یہ سمجھے تھے کہ۔''اس معصومؑ بیان کا حاصل مطلب یہ ہے کہ شیعوں کے مقابلہ میں دوسرے مذہب کے لوگ تقلید و پیروی کرنے میں زیادہ شدت سے پابند تھے۔ لہٰذا امامؑ نے بعض شیعوں کی شکایت اور گلہ کیا ہے''۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ آج سے چار سو سال پہلے بھی ہمارے علمائے حقّہ اس حدیث کا یہی مطلب سمجھتے تھے۔ جو ہم نے پیش کیا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ علامہ محمد باقر کمرئی کا زمانہ آیا اور اجتہادی گرفت ایرانی ذہنیت پر مضبوط ہوگئی تو خود مجلسی کا بیان لکھ کر اس کے خلاف غلط بات کی گئی اور آخر جملہ میں۔ ''و نظری بگلِه از شیعه ندارد''۔ لکھ دیا کہ یہ نظریہ کہ امامؑ نے شیعوں سے گلہ کیا تھا غلط ہے۔

ایک سوال۔ اگر آپ نے وہ پانچ مُخففات غور سے پڑھی تھیں تو کمرئی صاحب نے جو بریکٹ کا حوالہ۔ ''آ ت''۔ لکھ کر دیا ہے۔ بتایئے کیا مطلب ہے اور کس کتاب کا حوالہ ہے؟۔

جواب۔ جناب عالی یہ کتاب ''**مرآت العُقُول**'' کا ستیاناس کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ابھی تک چھ ضخیم جلدیں ہیں۔ اس لئے آپ کی سہولت کے لئے کتاب کا نام ''آ ت'' لکھدیا ہے تا کہ سندر ہے اور وقت ضرورت کام نہ آئے۔

(ترکیب سوم) قرآن اور معصومینؑ کے علوم کی وسعت کا انکار اور اجتہاد کے جواز کا فریب اور مقدس صحابہ

مذکورہ بالا قسم کے شیعہ عام لوگ نہ ہوتے تھے۔ اس لئے کہ عوام میں تو اس قدر مذہبی جوش رہا ہے کہ شیعہ مجتہدین آج بھی آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب میں کاٹ چھانٹ برسر منبر نہیں کرتے۔ بلکہ علامہ ڈھکو ایسے منکرینِ فضائل بھی جب منبر پر جاتے ہیں تو تقیہ کی آڑ لے لیتے ہیں اور زبانی وہ سب کچھ مان لیتے ہیں۔ جن کا اپنی کتابوں میں کھل کر انکار کرتے ہیں۔ اور منافقانہ دلائل کے پل باندھ دیتے ہیں۔ اسی طرح جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں۔ یہ سب بکواس ان لوگوں کے دماغوں میں اور کتابوں میں دفن رہتی چلی آئی ہیں۔ جن کو مخالفوں کی نقل میں علماء فقہا اور صحابہ کہا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ حضرت حجت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات میں آپ نے جس فقیہ کو خط کا جواب نہ دینے کا حال پڑھا تھا۔ اس کو اس زمانہ کے شیعہ عوام ٹھاٹھ سے شیعہ عالم اور شیعہ فقیہ اور امامؑ کے شیعہ صحابہ میں شمار کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں اس خبیث کے لئے یہ جملہ لکھا ہوا موجود ہے۔ کہ:۔ ''**ثُمَّ کَتَبَ بِخَطِّهٖ رَجُلٌ مِنْ فُقُهَاءِ اَصْحَابُنَا فَلَمْ یَرِدْ جَوَابُهٗ** ۔ پھر ہمارے صحابہ میں سے ایک فقیہ شخص نے اپنے ہاتھ سے خط لکھ کر بھیجا تو اس کا جواب نہ آیا''۔

لہٰذا یہ شیطان برابر شیعہ عوام میں شیعہ بن کر رہتا رہا۔ اور سوائے اڑوس پڑوس کے لوگوں کے، جن کو یہ معلوم ہو گیا تھا۔ کہ حضورؑ نے اسے خط کا جواب نہیں دیا، باقی تمام ملت شیعہ اس سے ناواقف رہی اور جنہیں راز معلوم ہو گیا تھا۔ ان کو بھی اس نے کوئی مجتہدانہ تاویل کر کے ہموار کر لیا ہوگا۔ مثلاً کہہ دیا ہوگا کہ حکومت میری خط و کتابت پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ اس لئے حضورؑ نے میرے گھر کے پتے پر جواب نہ دیا تھا بلکہ ڈھکو صاحب کی معرفت خط بھیجا تھا۔ بہر حال عوام تو ہمیشہ محمدؐ و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے جانفروش رہے۔ یہ عوام ہی تھے جنہوں نے قربانیاں دیں۔ آپ اس چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی مجتہد یا مجتہد کے سائز کے شخص کو انؑ کے نام پر قربان ہوتا ہوا نہ پڑھیں گے۔ البتہ اپنی ذاتی حماقتوں سے کچھ لوگ مارے گئے۔ جو حکمِ معصومؑ کے خلاف جارحانہ

عملدرآمد رکھنے کی بنا پر حرام موت مرے۔فقیہ تو فوراً تقیہ کا ہتھیار استعمال کرکے جان بچاتا چلا آیا ہے۔اور آئمہؑ کو تقیہ کی بھینٹ چڑھاتا رہا ہے۔اب حدیث سنئے۔

عن محمد بن حكيم قال:قلت لابى الحسن موسىٰ عليه السلام جعلت فداک فقهنا فى الدين واغنانا اللّٰه بكم عن الناس حتّٰى ان الجماعة منا لتكون فى المجلس، مايسئل رجل صاحبه تحضره المسالة ويحضره جوابها فيما من الله علينا بكم فربما ورد علينا شيىء لم يا تنافيه عنک ولا عن آبائک شيىء فنظرنا الٰى احسن ما يحضرنا واوفق الا شيآء لما جاء نا عنكم فناخذ به؟فقال :هيهات هيهات، فى ذٰلک، واللّٰه هلک من هلک يا بن حكيم قال:ثم قال...الله ابا حنيفه كان يقول :قال علىؑ وقلت ـقال محمدبن حكيم لهشام بن الحكم :والله ما اردت الا ان يرخص لى فى القياس۔

(کمرئی جلد اول صفحہ۹۷ باب البدع والرای والمقائیس)

۔''محمد بن حکیم کہتا ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہا کہ۔

1۔ میں قربان جاؤں کہ ہمیں آپ کی تعلیم سے بفضلِ خدا تمام انسانوں کے سامنے دین میں فقاہت کا وہ مقام دے دیا کہ اب ہمیں دین کے معاملہ میں کسی قسم کی احتیاج نہیں رہی۔ہمیں لوگوں سے غنی اور مستغنی کردیا ہے۔

2۔ نوبت یہاں آ پہنچی ہے کہ ہم میں کی کوئی بھی جماعت کسی بھی جلسہ عام میں موجود ہوتی ہے۔تو کسی اپنے ساتھی سے کوئی مسئلہ دریافت کرنے کی محتاجگی نہیں ہوتی بلکہ ہرمسئلہ کا جواب ہرایک کے پاس حاضر رہتا ہے اور جو دریافت کرے اسے بتادیا جاتا ہے۔

3۔ لیکن اکثر یا کبھی کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے۔کہ ایسی صورت حال اور ایسا مسئلہ سامنے آجاتا ہے۔کہ ہمارے پاس آپؑ کی طرف سے اور سابقہ آئمہ اور محمد مصطفیٰ صلوۃ اللہ علیہم کی طرف سے کوئی جواب نہیں ہوتا۔ایسی حالت میں ہم (فقہا اور ساری دنیا سے مستغنی لوگ) یہ کرتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس آپ کا عطا کردہ اور آپؑ کے اباواجدادؑ کی طرف سے ملا ہوا علمی ذخیرہ ہوتا ہے اسے سامنے رکھ کر ہم مجتہدانہ وفقیہانہ نظر ڈالتے ہیں۔(یا یہ کہ نظریہ تلاش کرتے ہیں) اور دیکھتے ہیں کہ مذکورہ نامعلوم مسئلہ سے بہت زیادہ مطابق وموافق بات یا جواب کیا بنتا ہے؟ چنانچہ بہت موزوں جواب دے دیا کرتے ہیں۔

4۔ یہ سن کر امامؑ کے منہ سے نکلا ہائے افسوس صد افسوس تمہاری اس مذکورہ کارستانی پر۔اے حکیم زادے! جس کی بھی دین ودنیا تباہ ہوئی وہ اسی عملدرآمد سے تباہ ہوئی ہے۔خدا لعنت کرے ایسا طریقہ اختیار کرنے والوں پر۔ابوحنیفہ بھی تو کہا کرتا تھا کہ علیؑ نے بھی تو کہا ہی تھا۔اور میں بھی تو کہتا ہی ہوں (یعنی وہ ان کا ذاتی قول تھا۔یہ میرا ذاتی قول ہے۔لہٰذا قول قول برابر)

5۔ محمدؑ بن حکیم امامؑ سے یہ سن کر گئے اور ہشام بن الحکم سے ملے اور کہا کہ بھائی میرا اس بیان سے اور کوئی مقصد نہ تھا۔

سوائے اس کے کہ میں اجتہادی احکام جاری کرنے کی اجازت اس ترکیب سے لے لوں گا۔مگر کامیاب نہ ہوسکا''۔

(ظفری جلداول صفحہ 61-60)

یہ حدیث پہلے بھی سامنے آئی ہے۔لیکن یہاں یہ دیکھنا ہے۔کہ آئمہ علیھم السلام کے صحابہ میں اجتہادی ذہنیت موجود تھی۔وہ بڑی بے قراری سے چاہتے تھے کہ اجتہادی احکام وہ دیا کریں اوران احکام پر معصومؑ امامؑ کا ٹھپہ لگاتے چلے جائیں۔ یہی وہ ذہنیت اورمشن تھا۔جومخالف حکومتوں کی سرپرستی میں آئمہ علیہم السلام کے ساتھ چلتااورشیعوں کے زرپرست اورموٹی گردنوں والے سرمایہ داراہل علم کواپنے ساتھ ملاتا چلا آیا۔یہاں تک کہ گیارہویں امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ تک اس گروہ کی بہت بڑی تعداد ہوگئی تھی۔اور اِدھراُدھرشیعہ مجاہدتحریکوں کے ساتھ دوردورتک پھیل گئی تھی۔اُس زمانہ میں حضرت زیدؒ کی اولادنے اورادھر جناب اسماعیلؒ کی اولادنے دیلم ومصروافریقہ وغیرہ میں حکومتیں قائم کرلی تھیں۔اوروہاں اجتہادی احکام کے رواج دینے کا اچھا موقعہ تھا۔لہٰذا یہ مجتہدوں کی جماعتیں اپنا کام کررہی تھیں۔جسے بعد میں حضرت زید کی طرف منسوب کرکے زیدیہ مذہب کہہ دیا گیاہے۔وہ چند مندرجہ بالاقسم کے مجتہدین کا کارنامہ تھا۔انہیں جناب ابوحنیفہ اوران کے جانشینوں کی مدد برابرشروع سے ملتی رہی۔یہاں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ابوحنیفہ کانام اسی لئے لیاہے۔یہی بتانا چاہاہے کہ کوفہ سے یہ اجتہادی تصورنکل کرشیعوں پرحملہ آورتھا۔اورمحمد بن حکیم اسی میں کوشاں تھے۔بہرحال یہ ہی سبب تھا کہ بارہویں امام علیہ السلام نے کسی بھی سربرآوردہ شیعہ سے تعلق نہ رکھا۔سب سے الگ رہے۔اوراس ذہنیت پرغیبت کبریٰ کی کاری ضرب لگائی۔مگراس کا علاج کچھ نہ تھا کہ عوام ان کے فریب سے،لالچ اورقتل وغارت کے خوف سے ان کی طرف جھک گئے۔مگر یہ طے ہوگیا کہ نظامِ اجتہاداوراجتہادی مسائل سے آئمہؑ کا کوئی تعلق نہیں رہاہے۔اورآج یہ باطل نظام ابلیس کی راہنمائی میں چل رہاہے۔

قارئین ذراپلٹ کرپھراس حدیث پرنظرڈالیں اورہمارے دیئے ہوئے نمبروں کے ساتھ پھردیکھیں کہ محمد بن حکیم دِن دہاڑے امام معصومؑ کودھوکہ دینے کے لئے کیسی چکنی چپڑی باتیں کرتاہے۔''میں آپ پرقربان ہوجاؤں''۔جملہ نمبرایک اوردو میں سراسرجھوٹ بولتاہے۔اورنمبرتین میں اپنے ،اپنے ساتھیوں کے اورخودتمام معصومینؑ کے علم کا دیوالا نکال دیتاہے۔ارے صاحب اگریہ شخص اوراس کی جماعت علمی حیثیت سے غنی ومستغنی ہوجاتی۔اگرہرسوال کاجواب ان خبیثوں کے پاس واقعی حاضر ہوتاتو جملہ نمبر3 کی احتیاج غلط ہوجاتی۔لہٰذا یہ شخص اوراس کے ہم خیال ساتھی نہ صرف کاذب تھے بلکہ وہ پرخلوص شیعہ بھی نہ تھے۔ورنہ صاف دولفظی بات کہتا کہ جناب کیاہمیں بھی آپ اجتہاد کی اجازت دیتے ہیں؟ پھر یہ فریب سازگروہ ساتویں امامؑ کے زمانہ میں ہے۔باقی چھ اماموںؑ نے اورخودمحمد مصطفیٰ نے قیاس ورائے واجتہاد کے حرام ہونے پر ہزاروں احادیث بیان کی تھیں جوگلی کوچوں میں مشہورتھیں۔اورکافی وبخاری وغیرہ میں آج تک موجودہیں۔ہم کیسے مانیں کہ اسے قیاس ورائے اوراجتہاد

کے حرام ہونے پر ایک حدیث بھی معلوم نہ تھی؟ جب کہ یہ وہ زمانہ ہے۔ جس میں ابو حنیفہ اور اس کے مکتب فکر کے علماء سے خود اہل سنت محدثین برسر مناظرہ ہیں۔ ان کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ کیا محمد بن حکیم نے کسی سُنی محدث سے بھی ملاقات نہ کی تھی؟ یقین کیجئے کہ یہ اور اس کے گروہ (مذکورہ جماعت) کے لوگ امامؑ کو بھی مجتہد سمجھتے تھے۔ وہ یقین نہ کرتے تھے کہ ہر امامؑ کو سابقہ آئمہؑ کی ساری احادیث اور قرآن کی پوری تعلیم یاد ہے۔ یہ یقین یا بے دینی انہیں جرأت دلاتی تھی کہ وہ امامؑ کو فریب اور جھانسہ دے کر اپنا اُلو سیدھا کرلیں۔ اور کیا اس نے قرآن بھی نہ پڑھا تھا؟ کیا کبھی اس کی نظر سورہ مائدہ کی آیات (5/44-47) میں ۔''مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ''۔ سے نہیں گذری تھی۔ جہاں تین مرتبہ اجتہادی فتویٰ دینے والوں کو کافر و ظالم اور فاسق کہا گیا ہے؟ قارئین ذرا سوچیں کہ جو گروہ خود امامؑ سے قیاسی مسائل کی اجازت مانگنے کی جرأت کرتا ہے۔ وہ موقعہ ملنے پر کیا کیا نہ کرے گا؟

قارئین یاد رکھیں کہ احادیث میں جہاں کہیں اختلاف و تضاد محسوس ہوتا ہے۔ وہاں ہر جگہ ایک مجتہدانہ ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا ہر ایسے مقام پر آپ ہمارے بیان کردہ اصولوں کو سامنے لائیں۔ حدیث کا انکار کفر ہے۔ چون و چرا حرام ہے۔ مگر یہ بات حرام نہیں نہ منع ہے۔ بلکہ حکم ہے کہ ہر اس تصور کا انکار کردو جو مجتہدانہ ذہنیت کا پیدا کردہ ہو۔ ہر اس شخص کو دھتکار دو جو ایسے تصورات کی تائید کرتا ہو۔ خواہ وہ صحابی مشہور ہو یا بڑی پگڑی باندھنے والا علامہ اور آیت اللہ کہلانے والا العلم کا جھنڈا مشہور ہو۔ ہر ایسے پرچم کو سرنگوں کردو جو محمدؐ و آل محمدؐ کی توہین کے لئے بلند کیا گیا ہے۔ کسی شخص کے فریب میں اس بات سے نہ آجاؤ کہ وہ تبرّا کرتا ہے۔ بات بات میں لعنت کا راگ الاپتا ہے۔ بلکہ ایسے اشخاص کو دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ اور دوستدارانِ معاویہ میں شمار کرو کہ لعنت و تبرّا اُسی کے لئے خاص ہے۔ یہ رسم اسی نے جاری کی تھی۔ فضائل و مصائب بیان کرنے والوں سے بھی فریب نہ کھاؤ۔ اس لئے کہ تمام بابی اور بہائی اور شیخی اور لقمانی مذاہب کے لوگ اور شش امامی وہشت امامی بھی محمدؐ و آل محمدؐ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نہایت مکاروں کی دنیا میں ہیں۔ آپ کو اور صرف آپ کو بہت دانشمند و عقلمند ہونا چاہئے۔ تاکہ دنیا کا کوئی مکار ترین شخص یا ادارہ آپ کو ناکام نہ کرسکے۔ دنیا کو آپ کے اشاروں پر ناچنا چاہئے۔ اس لئے کہ آپ کو اور صرف آپ کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مجموعی قوت و تائید قائم آل محمدؐ کی صورت میں حاصل ہے۔ آپ کا پشت پناہ اس کائنات میں ہر لمحہ آپ کی حفاظت و صیانت کے لئے آمادہ و برسرکار رہے۔

ہم محمد بن حکیم اینڈ کمپنی سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس نے امام جعفرؑ صادق کی یہ حدیثیں نہ سنی تھیں کہ:۔

(لا تقس اول من قاس ابلیس) (ایضاً صفحہ 100 ظفری صفحہ 63 جلد اول)

1۔ اے ابو حنیفہ قیاس نہ کر جس نے سب سے پہلے قیاس کیا تھا وہ ابلیس ہے۔

(ان بلیس قاس نفسه بادم) (ایضاً صفحہ 100 ایضاً صفحہ 63)

2۔ یقیناً ابلیس نے اپنے آپ کو حضرت آدمؑ پر قیاس کیا۔

(ان السنة لا تقاس) (ایضاً صفحہ 99۔ ایضاً صفحہ 63)

3۔ اِسلامی سُنت میں قیاس کو دخل نہیں ہے۔

4۔ ابوبصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر ہمارے سامنے ایسے مسائل آ جائیں جن کے متعلق ہم قرآنی اور سنت کے جواب نہیں جانتے تو کیا ہم نقد و نظر سے کام لے لیا کریں فرمایا ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ اگر تم نے ٹھیک جواب دیا تو اجر نہ ملے گا۔

''عن ابی بصیر قال قلت لابی عبداللّٰہ علیه السلام ترد علینا اشیآء لیس نعرفها فی کتاب اللّٰہ ولا فی سنة فننظر فیها؟ قالؐ، لا اما انّک ان اصبت لم توجر وان اخطات کذبت علی اللّٰہ''۔

اور اگر غلط جواب ہوا تو تم اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہوگے (ایضاً صفحہ 61)

فلم تزدهم المقائیس من الحق الا بعدًا وان دین اللّٰہ لا یصاب بالمقائس (ایضاً صفحہ 60 ظفری)

5۔ قیاس آرائی سے انہیں دین میں دوری کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوا۔ یقیناً اللہ کے دین کی حقیقت قیاس سے معلوم نہیں ہوسکتی''۔

یہ اور اس قسم کی ہزاروں احادیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکل کر ملت شیعہ کے افراد اور کتابوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ مگر محمد بن حکیم پھر بھی قیاسی و اجتہادی مسائل کی اجازت مانگتا ہے۔ ہم اس سے یہ بھی معلوم کریں گے۔ کہ کیا امام محمدؑ باقرؑ اور علیؑ مرتضیٰ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین کی وہ احادیث جو ان ہی صفحات میں مذکور ہیں اسے معلوم نہ تھیں؟ کیا اس زمانہ کے شیعہ صحابہ کے نام پر یہ محمد بن حکیم ایک کالا دھبہ نہیں ہے؟۔

(الف) امامؑ موسیٰ کاظم پر نظام اجتہاد حملہ آور رہا ہے

قارئین چلتے چلتے محمدؑ بن حکیم کے ایک اور ہم خیال کی بات بھی سنتے چلیں۔

۔''سماعہ بن مہران کہتا ہے۔ کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہا کہ اللہ آپ کی اصلاح کرے۔ (مطلب یہ کہ تمہیں اجتہاد کی توفیق دے۔ مصنف) کہ ہم لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اور جتنا علمی ذخیرہ ہمارے پاس ہوتا ہے۔ ہم لوگ

۔'' عن سماعة بن مهران عن ابی الحسن موسیٰ علیه السلام قال: قلت اصلحاک اللّٰہ انا تجتمع فنتذاکر ما عندنا فلا یرد علینا شییء الا وعند نافیه شییء مسطر وذلک مما انعم اللّٰہ به علینا بکم، ثم یرد علینا الیشیء الصغیر لیس عندنا فیه شییء فینظر بعضنا الیٰ بعض وعندنا ما یشبهه فنقیس علیٰ احسنه؟ فقال: ومالکم وللقیاس؟ انما هلک من قبلکم بالقیاس ثم قال: اذاجاء کم ما تعلمون

اس کو سامنے رکھ کر ایک دوسرے سے سوالات و بحث ومناظرہ کرتے ہیں ۔تو آپ حضرات کی تعلیم اورفضلِ خداوندی

> فقولوا به وان جاء كم مالا تعلمون فها ۔ واهوى بيده الىٰ فيه ۔ثم قال:لعن اللّٰه...... كان يقول قال عليٌ وقلت انا......ثم قال:أكنت تجلس اليه؟فقلت لا ولكن هذا كلامه۔الخ (کمرئی صفحہ۹۸)

سے کوئی ایسا سوال اور پہلو سامنے نہیں آنے پاتا کہ ہمارے پاس آپ کے عطا کردہ اور تحریر شدہ علمی ذخیرہ میں جس کا جواب نہ ہو۔لیکن کبھی ایک چھوٹی سی بات ایسی سامنے آ کھڑی ہوتی ہے کہ جو اس سارے ذخیرہ میں نہیں ملتی ۔(جس کی ابھی ابھی غپ ماری تھی)ایسے موقع پر ہم ایک دوسرے پر نظر ڈالتے ہیں ۔تو ہمیں ایسا جواب مل جاتا ہے جو موجودہ ذخیرہ میں موجود کسی بات کے مشابہ (متشابہات والی بات یاد کریں)ہوتا ہے۔تو ہم بڑی خوبی سے اسی کو اصل سوال کا جواب سمجھ لیتے ہیں ۔اور قیاسی حکم چالو کر دیتے ہیں ۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر کیا مصیبت پڑی کہ تم لوگ بھی قیاس کرنے میں مصروف ہو گئے؟ یقیناً تم سے پہلے بھی جس کی دنیا اور دین دونوں تباہ ہوئے اِسی اجتہاد اور قیاس کی وجہ سے ہوئے ۔ارے بھلے آدمیوں جب تمہارے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آیا کرے ۔جس کا جواب تمہیں آیات واحادیث سے معلوم ہو تو جواب دے دیا کرو۔اور جب ایسا معاملہ سامنے آجائے جس کا تمہیں جواب معلوم نہیں ہے تو اس کا جواب مجھ سے معلوم کیا کرو۔تب جواب دیا کرو اور دیکھو جن مسائل کا جواب تمہیں معلوم نہیں ان کا جواب میری اس زبان پر رکھا رہتا ہے۔(اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ فرمایا) پھر ابوحنیفہ اینڈ کمپنی کا وہی ذکر کیا۔ جو محمدؑ بن حکیم سے کیا تھا۔اور مجتہدین پر لعنت بھیجی اور پوچھا کہ اے سماعہ کیا تو ابوحنیفہ کا پٹھو ہے؟ میں نے کہا نہیں تو۔البتہ یہ طرزِ عمل اسی کا ہے ۔ پھر سماعہ نے دوسرا داؤ مارا اور کہا کہ رسولؐ اللہ کے پاس لوگ آتے تھے۔تو وہ حضورؐ ان کو ضرورت کے مطابق بتادیا کرتے تھے۔مطلب یہ کہ اب ضروریات زیادہ ہیں ۔فرمایا کہ رسولؐ نے اتنا بتایا تھا جو قیامت تک کافی ہے۔تیسرا داؤ مارا کہ جناب کیا رسولؐ اللہ کے زمانہ کی تمام تعلیمات آج تک باقی ہیں؟ مطلب یہ کہ نظامِ اجتہاد میں تو قرآن بھی پورا نہیں ۔کئی دفعہ جمع کیا اور جلایا گیا۔بکری کھا گئی ۔ پتوں اور ٹوٹے ہوئے مٹی کے لوٹوں اور چھال اور کھال پر لکھا ہوا سامان سارا محفوظ نہ رہ سکا۔رجم والی آیت غائب ہو گئی ۔آلِ محمدؐ کی شان میں تین حصہ قرآن کے غائب ہوئے ہیں ۔کیا آپؑ اس کو نہیں مانتے ۔فرمایا کہ بالکل کچھ ضائع نہیں ہوا۔ بلکہ وہ سب کچھ ہمارے پاس موجود ہے۔بس چوتھا داؤ اس وقت یاد نہ تھا۔ بیچارا گھر چلا گیا ہوگا۔اور تیاری کر کے پھر آئے گا۔

اب کسی اور تنقید کی ضرورت نہیں ۔مگر یہ ضرور یاد کرلیں کہ تعلیماتِ معصومینؑ میں اجتہاد وقیاس ونظر ورائے اور اصول فقہ وغیرہ سب ابلیسی ہتھکنڈے ہیں ۔اللہ ورسولؐ اور معصومینؑ کی طرف سے صرف وہی بات بیان کی جائے گی ۔ جو اُن حضراتؑ نے فرمائی ہو۔کسی بات میں سے بات نکالنا اور اس نکالی ہوئی بات کو اللہ ورسولؐ ومعصومینؑ کی بات کہنا یا سمجھنا حرام و باطل ہے۔

اوراجتہاداس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں خودساختہ اصولوں کے ماتحت وہ احکام اور فیصلے کئے جاتے ہیں جو اللہ ورسولؐ اور معصومینؑ نے نہیں بیان کئے ہوتے یہ سب ازسرتاپا اور ازاول تا آخر۔اورازاصول تافروع باطل وحرام ہے۔ایسا کرنے کی اجازت نہ اہل سنت ریکارڈ میں ہے۔نہ شیعوں کے یہاں موجود ہے۔اورہم برابر ہرمجتہد کوچیلنج کرتے چلے آرہے ہیں۔کہ ایک حدیث ایک آیت ہی پیش کردکھاؤ۔مگرابلیس اورنظام ابلیسی کونہ شیعوں میں سے سندمل سکتی ہے۔نہ اہل سنت کے یہاں سے اس مشن کے لئے کوئی سہارامل سکتاہے۔یہ کام خودرو ہے۔چل رہاہے۔جب تک امت نہ جاگے۔محاسبہ نہ کرے۔

(ترکیب چہارم) فضائل تسلیم کرو،شہرت اوراعتمادحاصل کرواور بتدریج انکارپھیلادو

اب ہم نظام اجتہادکی ایک قدیم،بڑی خطرناک اور ہمیشہ کامیاب رہنے والی پالیسی کاذکرکریں گے۔یہ پالیسی ہرنبیؐ کی امت کے خلاف استعمال ہوتی چلی آئی ہے۔اوراس سے مسلمانوں کوہردورمیں نقصان پہنچاہے۔اوراگراس کے مقابلہ میں انبیاءعلیہم السلام نے تحریک تَشَیُّع کوجاری نہ رکھاہوتا۔تو ابلیسی نظام کبھی کاکامیاب ہوچکاہوتا۔اورشیطانی دعوے پورے ہوچکے ہوتے۔چنانچہ ہم قرآن کریم سے اس پالیسی کی سمٹی ہوئی صورت پیش کرتے ہیں اوریہ بھی دکھاتے ہیں کہ ملک عرب کے نظام اجتہادنے اس پالیسی کوآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں بھی استعمال کیاتھا۔اورقرآن کریم نے بھی اسے اپنے ریکارڈمیں محفوظ رکھاہے۔تاکہ تحریک تَشَیُّع کوسمجھنے اوربرسرکارلانے میں سہولت ویقین جاری رہے۔قرآن بتاتاہے کہ:۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔"آمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ" لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ O "وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ "(عمران73-72 /3)

۔"اللہ کی کتابوں کا ریکارڈ رکھنے والوں میں کی ایک پارٹی اس قرارداد کے ماتحت برسرکارآگئی ہے۔"کہ ہماری پارٹی روزروشن کی طرح دلیل وبرہان لے دے کرہراس چیزکوترکیب سے مانتی جائیگی جومحمدؐ کے نومسلموں پرنازل ہوچکایاہوتارہے۔پھرجس طرح رات کی بتدریج تاریکی آتی ہے اسی طرح مانی ہوئی چیزوں پرچھاتی اورچھپاتی چلی جائے گی اوران پرردّوقبول میں یہ امرملحوظ رکھاجائے گا کہ وہ نومسلم تمہارے دین یامنصوبے کی پیروی کی طرف بڑھتے آئیں۔اورایک دن قطعاًواپس آجائیں"۔

ہماری یہ ترجمانی چونکہ مقلِّدانہ نہیں ہے۔اس لئے بعض اذہان اسے ایک دم نہ سمجھیں گے۔لیکن اگرقرآن کے الفاظ پرایک ایک کرکےاورہمارے جملوں پرنظررکھی جائے گی تومعلوم ہوگاکہ یہ ترجمہ قرآن کے الفاظ کی حقیقی روح ہے۔اہلِ نظرقارئین جانتے ہیں کہ ہرپالیسی کے الفاظ میں جامعیت اوراختصار کومدنظررکھاجاتاہے۔اورکلام ومطالب کواس طرح ترتیب دیاجاتاہے۔کہ ہرجملہ پھیل کرکتاب اورسمٹ کراصول بن جائے۔ذراسوچئے کہ دوباتیں ایک ساتھ کیسے جمع ہوں گی اوران پرکس طرح پارٹی عمل کرے گی:۔

اوّل۔ مسلمانوں پر جو کچھ بھی نازل ہوا اس پر ایمان لاؤ؟

دوم۔ اپنے دین کی اتباع نہ دیکھو تو ایمان نہ لاؤ؟

بتایئے کہ جو شخص ہر چیز پر سچ مچ ایمان لے آئے وہ اس شرط کو کیسے بحال رکھ سکتا ہے؟ مطلب واضح ہے کہ بظاہر مانتے اور ایمان لاتے ہوئے نظر آؤ لیکن اپنے ماننے کو اپنے دین کی اتباع کی طرف جھکا دو یعنی کچھ دو اور کچھ لو کا اصول استعمال کرتے ہوئے۔ ''سارا لے لو''۔ نتیجہ برآمد کرلو۔ ایسی دلیل سامنے رکھو جسے ماننے میں نومسلموں کو گھاٹا نظر نہ آئے۔ جب مان لیں تو دلیل کی کمزوری پر توجہ دلاؤ۔ مثلاً ہم یہ منوانا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؑ (معاذ اللہ) بڑے بزدل، بڑے ڈرپوک اور تکلیف برداشت کرنے کے قابل نہ تھے۔ یہ بات اگر ایک دم اوران ہی الفاظ میں کہہ دی جائے؟ تو نہ صرف یہ کہ محبان علیؑ ماننے سے انکار کردیں گے۔ بلکہ ہمیں اپنا اور علیؑ کا دشمن سمجھ کر آئندہ ہم سے چوکنا رہیں گے۔ اور ممکن ہے کہ پھر ہماری صحیح بات بھی نہ مانیں لہٰذا قرآن کی بیان کردہ پالیسی کی ترکیب۔ ''آمِنُوا وَجهَ النَّهَارِ''۔ کے ماتحت جیسے نومسلموں کو یہ بتایا جائے گا۔ کہ:۔

۔''بھائیو تم جانتے ہو۔ کہ ہم تو پہلے ہی اہل کتاب ہیں۔ یعنی الہام ووحی کی ہر صورت پر اور احکام خداوندی پر ایمان لانے کے عادی ہیں۔ ہم ہر وقت ماننے اور ایمان لانے کے مُوڈ میں رہتے ہیں۔ اور اسی لئے حاضر ہوئے ہیں کہ ہر اس مُنزّل من اللہ بات کو مانتے جائیں گے کہ جو روز روشن کی طرح روشن دلیل وثبوت سے ہمارے سامنے آتی جائے۔ اور سابقہ انبیاءؑ اور تعلیمات خداوندی ﴿لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ﴾ کی مخالف نہ ہو''۔

اُسی طرح محبان علیؑ کے سامنے فضائل ومناقب کے ڈھیر لگاتے ہوئے دشمنان محمدؐ وآل محمدؐ کی مذمت کرتے ہوئے۔ مسجد ومحراب ومنبر سے باربار سامنے آنا ہوگا۔ فضائل کے نئے نئے (منفی) نکات پیش کرکر کے محبان اہل بیتؑ سے نعرے اورخراج عقیدت حاصل کرنا ہوگا۔ اور فضائل کے ان ہی ہنگاموں میں یہ بھی شامل کرنا ہوگا۔ کہ:۔

۔''ایک جنگ میں حضرت علی علیہ السلام نے کُشتوں کے پُشتے لگا دیئے۔ کفار کے لشکر کو میدان سے فرار وہزیمت پر مجبور کردیا۔ لیکن حضورؐ کے ایک ۔''پیر''۔ میں تیر لگ گیا تھا؟ جنگ ختم ہوئی۔ شہیدوں کی لاشیں دفن کی گئیں۔ پس ماندگان کو آنحضرتؐ نے تعزیت ونعماتِ خداوندی سے نوازا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی ہوئی۔ لوگوں نے چاہا کہ حضرت علی علیہ السلام کے پیر میں سے تیر نکال دیں۔ مگر وہ سہ شُعبہ (تین پھلوں والا) تیر آپ کے ۔''پیر''۔ میں اس طرح آرپار ہوا تھا۔ کہ اس کا نکالنا تو الگ اس کو صرف چھیڑنے اور ہلانے سے انتہائی تکلیف اور درد ہوتا تھا۔ آخر رسولؐ اللہ نے لوگوں سے کہا کہ تم علیؑ کو تکلیف نہ دو جب وہ نماز پڑھیں گے اُس وقت نکال لینا علیؑ کو عبادت خداوندی کے انہماک میں تکلیف تو کیا پتہ بھی نہ چلے گا۔ چنانچہ نماز کا وقت آیا۔ حضرت علیؑ نماز پڑھنے لگے تو لوگوں نے نہایت سہولت سے وہ تیر نکال لیا''۔

اس بیان پر نہ معلوم کتنے زمانہ سے محبانِ علیؑ نعرے مارتے اور عقیدت سے جھومتے چلے آئے ہیں۔اوراس قسم کے فضائل بیان کرنے والوں کوطوطی چمنِ اہلبیتؑ ،خطیب ملک وملت ایسے القاب اورلاکھوں روپے دیتے رہتے ہیں ۔یعنی اب جب دل چاہے یہ سنادو کہ :۔

۔''ایک وہ مسلمان مجاہد تھا۔جس کے کاندھے پرتلوارلگی اور بازو شانے سے کٹ کرلٹک گیا۔اور مجاہد کے لئے مشکل ہوگیا کہ تیغ زنی کے دوران اس کٹے ہوئے بازو کوسنبھالے۔اس نے اپنی ہی تلوار سے اس بازو کوکاٹ کر پھینک دیا اور جنگ میں پھر مصروف ہوگیا''۔

سوچیے کہ مندرجہ بالا پالیسی (وَجْـهَ النَّهـارِ) کے ماتحت رکھے جانے والے علیؑ کو بالکل ویسا ہی نہیں مان لیا گیا جیسا کہ بہادری، فضائل اورنماز کے خشوع وخضوع اورانہماک کی چادریں اڑھائے بغیر منوانا ناممکن تھا۔ بتایئے کہ علیؑ کی یہ پوزیشن اس مجاہد کے سامنے کتنی بچگانہ بنا کر پیش کی گئی ہے؟ جس نے دردوتکلیف سے لاپرواہ ہوکر اپنا بازو کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ پھر سوچیے۔

1۔ یہ کس جنگ کی بات ہے؟ (سراسر جھوٹا قصہ ہے۔)

2۔ سہ شعبہ تیر سوائے پیر کے تلوے کے اور کہیں آرپار نہیں ہوسکتا۔

3۔ یہاں پنڈلی یا ٹانگ کا ذکر نہیں۔تیر پیر میں لگنا بیان ہوتا رہا ہے۔

4۔ پیر کے تلوے میں تیراگراوپر سے لگا تھا؟ تو تیرانداز آسمان میں تھا؟

5۔اوراگر تیر نیچے سے لگا تھا۔تو تیر مارنے والا زمین کے اندر تھا؟

6۔تلوے میں تیرلگا تو جنگ کے میدان سے گھر تک کیسے آئے؟اور

7۔نماز کے لئے کیسے کھڑے ہوئے؟

8۔نماز کے لئے وضو کیا یا تیمّم کیا تھا؟

یہ ہے اس پالیسی اور پارٹی کا ثبوت اورمثال جوملت شیعہ میں آئی اوراپنا کارنامہ مندرجہ بالاصورت میں بدل بدل کر پیش کرتی رہی۔ایسے لوگوں کا تذکرہ اورطرزعمل امام محمد باقرعلیہ السلام سے سنئے۔

الف۔ ملت شیعہ میں ایک ایسی قوم جو تمام عقائد کی قائل مگر ہر عقیدہ کی عملاً منکر و دشمن

ضُریسؒ کناسی نے بیان کیا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس ان کے صحابہؓ میں سے بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ جب فرمایا تھا کہ مجھے تو اس قوم کی شیعوں میں موجودگی اور پوشیدگی پر تعجب ہے جو ہماری حکومت قائم کرنے پر ایمان کا اعلان کرتی ہے۔ اور ہمیں حقیقی امامؑ ماننے میں کوشاں نظر آتی ہے۔ اور ہمارے اوصاف بیان کرتے ہوئے یہ کہتی ہے کہ ہماری اطاعت رسوؐل اللہ کیطرح اللہ نے فرض کی ہے۔ اور پھر نہایت عمدگی سے کمزور فہمی کا عذر پیش کر کے ان ہی روز روشن والی اور اپنی قائم کردہ دلیلوں کو باطل کرتی جاتی ہے۔ اور خود اپنی قبول کردہ دلیل کے خلاف دلیل پیش کرتی ہے۔ اور اس محفوظ رکھی ہوئی تازہ دلیل سے ہماری اس پوزیشن اور حق میں کمی اور نقائص

۔''عن ضریس الکناسی قال:سمعت ابا جعفر علیه السلام یقول____وعنده اناس من اصحابه___''عجبت من قومٍ یتولونا و یجعلونا ائمةویصفون ان طاعتنا مفترضة علیهم کطاعة رسوؐل اللّٰه، ثم یکسرون حجتهم ویخصمون انفسهم بضعف قلوبهم، فینقصون حقنا و یعیبون ذلک علیٰ من اعطاه اللّٰه برهان حقٍ معرفتنا و تسلیم لامرنا_____اترون ان اللّٰه تبارک وتعالیٰ افترض طاعة اولیائه علیٰ عباده ثم یخفی عنهم اخبارالسماوات والارض ویقطع عنهم مواد العلم فیما یرد علیهم مما فیه قوام دینهم ...... الخ (جلد۲صفحہ۱۱۔۱۲) کافی کتاب الحجة باب ان الائمةؑ یعلمون علم ماکان ومایکون وانهُ لا یخفی علیهم الشی۔

ثابت کرتی ہے۔ جس کو ماننے کا پروپیگنڈا کرتی رہی تھی اور پھر ان لوگوں کے عقائد اور دلائل میں عیب نکالتی ہے۔ جن کو اللہ نے یہ توفیق عطا کر رکھی ہے۔ اور جو ہماری معرفت اور ہمارے دین پر پہلے سے قائم چلے آ رہے ہیں۔ (تاکہ انہیں بھی اپنے ایسا بنالیں) کیا حاضرین اس بات کو صحیح سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیؑا یا حاکموں کی اطاعت تو اپنے بندوں (ساری مخلوق) پر فرض کردے اور تمام بندوں کے سوالات اور ضروریات کا پورا کرنا اولیؑاء کی ذمہ داری قرار دے دے۔ اور پھر ان اولیؑا سے آسمانوں اور زمینوں کے تمام حالات کو پوشیدہ کردے اور علوم کائنات کے مادوں (بنیادوں) تک ان اولیؑا کی رسائی منقطع کردے۔ تو کیا وہ اولیؑا اپنی ذمہ داری پوری کر سکتے ہیں؟ اور کیا تمام مخلوق کی احتیاج وضروریات وسوالات بے کار ہو کر نہ رہ جائیں گے؟ اور کیا اللہ ایسا غیر عادلانہ کام کر سکتا ہے؟ اس طرح تو دین کا قیام ہو ہی نہ سکتا تھا''۔

ہم چونکہ محمدؐ و آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کو کسی چیز سے غافل نہیں مانتے لہٰذا امام محمد باقر علیہ السلام کا یہ تعجب اس بات پر ناممکن ہے کہ وہ جس قوم یا پارٹی کا حال بیان فرما رہے ہیں۔ اس کے مندرجہ بالا کردار کی وجہ نہ جانتے ہوں۔ بلکہ یہ تعجب مومنین پر ہے کہ وہ اس پارٹی کی پالیسی کو دیکھتے ہیں منبروں سے ان کے منفی فضائل و بیانات سنتے ہیں ان کے ہمراہ مختلف قومی و مذہبی رواسم

میں شریک رہتے ہیں۔ان کا مخالفوں کے ساتھ ملنا جلنا اور طرزِ عمل دیکھتے ہیں۔دشمنوں کے یہاں سے ان کو وظائف ملتے ہوئے دیکھتے ہیں۔مگر ان کی پالیسی اور مافی الضمیر سے لاعلم رہتے ہیں۔آج وہی تعجب ہمیں ہے۔

نوٹ۔کفر اور کافر کے معنی نظامِ اجتہاد نے عمداً غلط کرنے کا رواج ڈالا

ہم، جب تک اشد ضرورت نہ آپڑے اور اسلامی قانون پر ضرب پڑنے کا خطرہ لاحق نہ ہو جائے، قرآن و حدیث کے ان ہی معانی کو لکھتے رہتے ہیں جن سے امت مانوس کر دی گئی ہے۔اس لئے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے۔کہ مومنین کو گھبرا جانے اور کسی حقیقت کے انکار کر دینے کا موقعہ نہ دو۔یہ حکم آپ کے روبرو آنے والا ہے۔یہاں تو یہ دیکھیں کہ کفر کے معنی انکار نہیں ہے۔کسی حقیقت کو پوشیدہ کرنا ہے یا چھپانا ہے (دیکھو حدید 57/20 ، 4/31 ، 5/12 ،48/5) اسی لئے شکر کے مقابلہ میں کفر بولا جاتا ہے۔(دھر 76/3)اور اسی لئے ہم نے پالیسی والی آیت میں اُکْفُرُوْا کے معنی چھپانا کئے ہیں۔یہ بھی یاد رہے کہ انکار خود عربی زبان کا لفظ ہے۔اور قرآن میں فرمایا ہے کہ:۔

(1) وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (انبیاء 21/50)

(2) اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ O (المؤمنون 23/69)

1۔یہ ایک مبارک ذکر ہے۔جسے ہم نے نازل کیا ہے۔تو کیا تم اس ذکر کے منکر ہو؟ اور

2۔آیا انہوں نے اپنے رسولوں کو نہیں پہچانا؟ اور وہ ان کے منکر ہیں؟۔

(ب)فقہائے شیعہ میں مجتہدین کی سازشی پارٹی کا کردار اور بائیکاٹ

ملت اسلامیہ میں جس پالیسی اور پارٹی کا تذکرہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے سابقہ عنوان (الف) میں دیکھا گیا وہ شیعوں کے عوام و خواص میں شیعہ علماء و فقہا ہی مشہور نہ تھے۔بلکہ ان کو شیعہ اور سنی دونوں ہی آئمہ معصومین علیہم السلام کے صحابہ اور مقدس لوگ سمجھتے تھے۔اور یہ تفصیل امام جعفر صادؑق کی حدیث میں گذر گئی کہ یہ نام نہاد شیعہ فقہا اور صحابہ شیعہ عوام کو مذہبِ معصومینؑ سے الگ کرنے اور نظام اجتہاد میں داخل کرنے میں دن رات کوشاں تھے۔اور امامؑ موصوف ان کو ملت شیعہ سے روشناس کرا رہے تھے۔ان کی پالیسی اور گمراہ کرنے کی ترکیب و تدریج بیان فرماتے رہتے تھے۔لہٰذا امامؑ پر یہ بھی لازم تھا کہ ملت شیعہ کو سختی سے منع فرما دیں کہ اس قسم کے علماء اور فقہا سے کسی قسم کا مسئلہ معلوم نہ کریں۔ان کی زبان اور تحریر سے وہ بات بھی نہ مانیں، وہ حدیث بھی قبول نہ کریں جو وہ لفظ بلفظ کسی امام معصومؑ کی طرف سے بیان کریں یعنی انہیں ایسا کاذب سمجھیں جن کا سچا بیان بھی نا قابل قبول ہوگا۔اس لئے کہ وہ دوسرے قدم پر ترکیب نمبر چار کر کے حضرت علیؑ کے معاملہ کی طرح فضیلت کو منقصت اور بہادری کو بزدلی، حرام کو حلال وغیرہ بنالیں گے۔لہٰذا ان کو ایسا موقعہ دینے کے بجائے دھتکار و پھٹکار سنائی جائے گی۔

امامؑ کی حدیث سنئے۔ ''امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ فقہامیں سے ہروہ فقیہ جو(1) اپنی ذات یا اپنے نفس کو ہر بری بات سے محفوظ رکھے اور۔(2) جو اپنے دین کا محافظ ہواور۔ (3) جو اپنی خواہشات کا مخالف ہواور۔(4) جو اپنے مولاؑ کے حکم کا مطیع (فرمانبردار) ہو۔عوام کو چاہئے کہ اس کی تقلید کریں۔ اوروہ سندات تمام شیعہ فقہا کے لئے نہ ہوں گی۔ بلکہ ان میں

۔''قال ابو عبداللّٰہ علیہ السلام :فاما من کان من الفقهاء صائناً لنفسہ، حافظاً لدینہ، مخالفاً علٰی هواہ، مطیعاً لامر مولاہ فللعوام ان یقلدوہ ذلک لا یکون الا بعض فقهاء الشیعة لا جمیعهم..فاما من رکب من القبائح والفواحش مراکب فسقة فقهاء العامة فلا تقبلوا منهم عنا شیئاً ولا کرامةً۔

سے بعض کے لئے ہوں گی۔ چنانچہ شیعہ فقہا میں سے جو فقہا سنی مجتہدین کی طرح قانون کو اپنے ماتحت رکھیں (فسقة) اور قبیح اور فحش اعمال کے مرتکب ہوتے ہوں ان کی طرف سے کوئی حکم کوئی حدیث کوئی بات قبول نہ کرنا خواہ وہ ہماری طرف سے پیش کریں اور نہ ان کی عزت واکرام کرنا نہ انہیں اچھا سمجھنا''۔

(1) شیعہ مجتہدین کا آخری سہارا یہی حدیث ہے

قارئین کرام اس حدیث سے پہلے یہ دیکھ چکے کہ اسلام کا ہر حکم اور ہر فیصلہ کلام اللہ یا کلام معصومؑ کے مُنَزَّلُ مِنَ اللّٰہ الفاظ میں ہوگا۔ ورنہ وہ حکم کافرانہ، ظالمانہ اور فاسقانہ ہوگا۔ اور ایسا حکم دینے والا یا ایسا فیصلہ کرکے اسے اللہ ورسولؐ یا اسلام کا حکم قرار دینے والا کافر وظالم وفاسق ہوگا۔ یہ بھی دیکھا جاچکا کہ اطاعت اور تقلید صرف معصومؑ کی ہوگی۔ اور جو شخص بعض چیزوں سے جاہل اور بعض چیزوں کا عالم ہو عالم حقیقی نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کی اطاعت وتقلید حرام ہے۔ اطاعت وتقلید جس کی بھی ہوگی اسے پوری کائنات کا علم ہونا لازم ہے۔ یہ بھی دیکھا جاچکا کہ معصومینؑ نے ہر اس شخص کو حاکم اور قاضی مقرر کیا ہے۔ جو اللہ، رسولؐ اور آئمہ علیہم السلام کا حکم نافذ کرے (اِذَا حَکَمَ بِحُکْمِنَا) اپنے خیالات، رائے اور بصیرت اور قیاس واجتہاد سے احکام نافذ کرنا حرام اور شرک وکفر ہے۔ ان سب چیزوں کا نہ تو شیعوں کو علم ہے۔ نہ ان کو یہ احادیث واحکام اپنی صحیح صورت اور الفاظ میں بتائے جاتے ہیں۔ نہ کسی ایک کتاب میں ان کو جمع کرکے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس مجتہدین نے اپنی تقلید واجب کرنے کے لئے ہر قسم کا فریب دیا ہے۔ آیات واحادیث کو چھپایا ہے۔ معانی اور مفاہیم کو تبدیل کیا ہے۔ چنانچہ اس آخری حدیث میں چونکہ ایک لفظ ایسا آ گیا ہے۔ (تقلدوہ) جس میں ہر پڑھے لکھے شخص کو اپنی آنکھوں سے لفظ (تقلید) کی صورت جھلکتی ہوئی معلوم ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اِس حدیث کو بڑے دھڑلے سے مفہوم بدل کر پیش کیا جاتا ہے۔ اور جو شیعہ حضرات عربی الفاظ کو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر عربی نہیں جانتے ان پر رعب ڈالا جاتا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ فقیہ ومجتہد کی تقلید کو جاری کرنے اور برقرار رکھنے میں اسی حدیث کو آلہ کار بنایا جاتا رہا ہے۔ حالانکہ یہی حدیث کافی ہے۔ ہر فقیہ ومجتہد کی تقلید حرام کرنے کے لئے۔ آیئے

ذرا اِس پر ایک نظر اور ڈالیں اور مجتہدین کو ان کی جعلسازی اور فریب کاری دکھائیں۔

(ج) تقلید والی حدیث پر معصومؑ سند کے بغیر عوام عمل کر ہی نہیں سکتے

(اول) حدیث میں دو باتیں بہت واضح ہیں۔ جنہیں ہر شخص پہلی ہی نظر میں سمجھ جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ :۔

1۔شیعوں میں حضرت امام جعفرؑ صادق کے زمانہ میں دو قسم کے فقہا موجود تھے۔

2۔ان شیعہ فقہا میں ایسے فقہا بھی تھے۔ جو فاسق اور گناہانِ کبیرہ میں مبتلا تھے۔

ہمارا زیرِ قلم عنوان ان دونوں باتوں سے ثابت ہے۔ یعنی شیعوں میں نظامِ اجتہاد زیرِ نقاب تخریب کرتا چلا آیا ہے۔ اور آج تک موجود ہے۔ اور غیبت امامؑ سے فائدہ اٹھا کر برسرِاقتدار اور ملتِ شیعہ پر مسلط ہے۔ اور ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو فسق و فجور سرمایہ دارانہ ذہنیت، اجارہ داری، عیاشی اور لوٹ مار غصب سے پاک ہو۔

(دوم) حدیث میں فقہا کی اچھی صفات بیان فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ :۔

1۔﴿**فللعوام ان یقلدوہ**﴾ ’’عوام کو چاہئے کہ اس کی تقلید کریں۔

پھر فقہا کی بُری صفات بیان کیں اور فرمایا کہ :۔

2۔﴿**فلا تقبلوا منهم عنا شيئا ولا كرامة**﴾۔ ’’ہماری طرف سے ان کی زبانی کوئی چیز قبول نہ کرو نہ ان کا اکرام کرو‘‘۔

ان دونوں فیصلوں کا مختصر اور عام فہم مطلب یہ ہے کہ امامؑ نے اچھے فقہا کے لئے جو کچھ جائز قرار دیا ہے۔ وہی کچھ بُرے فقہا کے لئے ناجائز کیا ہے۔ یعنی ایک گروہ کی تقلید جائز ہے۔ دوسرے گروہ کی تقلید ناجائز ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ ایک گروہ اللہ و رسولؐ اور آئمہؑ کا جو حکم پہنچائے اسے قبول کیا جائے اور اس پر بڑی سختی اور خلوص دل سے عمل کیا جائے۔ لیکن دوسرے گروہ کی بات ہی نہ سنی جائے بلکہ اسے دھتکار و پھٹکار بتائی جائے۔

سوچئے اور سوچ کر بتایئے کہ یہاں کسی کی ذاتی رائے، قیاسی فیصلے، اور اجتہادی حکم ماننے اور تعمیل و اطاعت و تقلید کا خیال کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ پھر بھی تو اصل بات اور امامؑ کا مقصد بہت دور اور بہت بلند ہے۔ وہاں تو چار ایسی شرطیں لگا دی گئی ہیں۔ کہ مجتہد تو کیا چیز ہے ان کا راہنما بھی ان شرائط پر پورا نہیں اتر سکتا ذرا سوچئے اور فیصلہ کیجئے کہ عوام کیسے اور کس مشن سے پتہ لگائیں کہ :۔

1۔ فلاں شخص اپنے نفس یعنی قلب و ذہن و آنکھ و کان وغیرہ کو غلط جذبات و تاثرات و احساسات و لذّات سے بچاتا ہے۔ اور اس کا نفس یعنی پوری اندرونی مشین محفوظ ہے؟ اور کیا واقعی کوئی غیر معصومؑ شخص ایسا (صَائِناً لِنَفْسِهِ) ہوسکتا ہے؟ اور

2۔ فلاں شخص اِسلام جیسے ہمہ گیر دین کے ہر عقلی، نظری اور عملی مسئلہ سے کماحقہ واقف اور اس کا محافظ ہے؟ اور

3۔ فلاں شخص ان تمام جذبات وتصورات ولذات وخواہشات کا مخالف ودشمن ہے۔ جو قلب وذہن وچشم ونظر میں پوشیدہ رہتے اور پیدا ہوتے ہیں، جو اللہ ورسولؐ وآئمہؑ کو ناپسند ہوں؟ اور

4۔ فلاں شخص ظاہر و باطن، مجمع عام وخلوت، از پیدائش تا امروز ہر ہر معاملہ میں اللہ ورسولؐ وآئمہ معصومینؑ کے ہر ہر معاملہ میں اطاعت کرتا رہا ہے؟۔

مختصر مطلب یہ ہوا کہ عوام کو نہ صرف اسلام ایسے ہمہ گیر مذہب کی مکمل معلومات ہونا چاہئیں۔ بلکہ انہیں عالم الغیب بھی ہونا چاہئے۔ اگر یہ دونوں باتیں عوام کے لئے ممکن ہیں۔ اور فقہا ان باتوں پر پورے اترتے ہیں تب جا کر عوام پر لازم ہوا کہ وہ تقلید کریں۔ میرے ناقص خیال میں اب ان کو اللہ کے سوا کسی کی تقلید کی حاجت نہیں رہی۔ اس لئے کہ وہ تو اب محمدؐ وآل محمدؐ کے ہم پلہ وہم رتبہ ہوگئے۔ **اَللّٰھُمَّ صَلِّی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٌ۔**

(سوم) اب قارئین پلٹ کر حدیث کے ترجمہ میں چوتھی شرط کے بعد ہمارے بڑھائے ہوئے تین الفاظ۔ ''اور وہ سندات''۔ دیکھیں اور پوری حدیث کا مقصد اور منشاء سمجھ لیں کہ مذکورہ شرطوں کو پورا کرنے والی ہستیاں عوام نہیں۔ بلکہ معصومینؑ ہیں۔ اور جس فقیہ کے پاس ان کی سند ہو صرف اسی سے امامؑ کے نام کا حکم اور فیصلہ قبول کیا جائے گا۔ اور اس معصومؑ سند کے بغیر خواہ کوئی فقیہ ہو یا علامہ ہو یا ڈھکو ہی کیوں نہ ہو۔ ان کو پھٹکار دیا جائے گا۔ جسے ہمارا یہ اضافہ پسند نہ ہو وہ مختار ہے کہ ان کو ساقط وخارج کر دے۔ ہماری مذمت کرے اور حدیث کا صحیح منشا پورا کرنے کا ذمہ دار بنے۔ ہم خوش ہمارا خدا اور راہنماؑ خوش۔

☆ بڑا شور سنتے تھے ڈھکوی گروہ کا　　　　دھواں بھی نہ نکلا کھلا جب وہ ڈھکنا☆

(ترکیب پنجم) <u>آیات اور احادیث کو سوالات اور احتمالات کی بھینٹ چڑھا دو</u>

(الف) یہاں جو پہلو سامنے آنے والا ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے نہ صرف عقل وبصیرت اور غور وفکر کی ضرورت ہے۔ بلکہ ذہنی حُرّیت اور قبول حق کی جرأت بھی درکار رہے۔ لہٰذا سب کچھ سنبھال کر سنور کر بیٹھیے اور سنئے کہ ہم نے محمد بن حکیم کو عمر بن حنظلہ کا بھائی لکھ دیا تھا۔ علامہ ڈھکو اینڈ کمپنی سُنی مجتہدوں کو اپنا بڑا بھائی کہتے اور لکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ۔ ''اے علیؑ تم میدان جہاد سے بھاگ جانے والے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیوں نہ بھاگے؟ فرمایا کہ کیا میں ایمان کے بعد کافر ہو جاتا؟ یعنی رسولؐ اللہ نے علیؑ کو کافروں کا بھائی کہا۔ پھر اللہ نے حضرت نوحؑ کو کافروں کا بھائی فرمایا تھا۔ **اِذْقَالَ لَھُمْ اُخُوھُمْ نُوح**'' (شعراء 26/106)

اب سوچئے اگر آپ یا کوئی اور شخص عمر بن حنظلہ اور محمد بن حکیم کی، اور مسٹر ڈھکو اور سُنی مجتہدین کی اور حضرت علیؑ اور جہاد کے مسلمان مفرورین کی اور حضرت نوحؑ اور مذکورہ بھائیوں کی ولدیت دیکھ کر یہ پتہ لگائے کہ یہ دونوں نامبردہ فریق بھائی

بھائی تھے یا نہیں؟ تو یقین کیجئے کہ میں ،ڈھکو ،محمدؐ ،اوراللہ سب غلط گو ثابت ہیں ۔لیکن اگر ہم چاروں کو آپ اور وہ صاحب بات سمجھنے اور سمجھانے کا موقع دیں؟ اور ہم چاروں کی منشاء سمجھنے کی کوشش فرمائیں اور ہماری اپیل کے مطابق عقل وبصیرت ،غور وفکر اور ذہنی حریت سے کام لیں تو غلطی ہماری نہ نکلے گی بلکہ غلطی اس شخص کی ثابت ہوگی جس نے ولدیت اور موت و پیدائش کا رجسٹر چیک (CHECK) کرنا شروع کیا۔اور مسلمہ قواعد کو نظر انداز کیا۔

اب سوچئے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے لئے مسند بچھادی جائے ۔یعنی اگر حکومت وقت کی پالیسی اجازت دے ۔تو میں مسلمانوں کو قرآن سے ، یہودیوں کو توریت سے زبور والوں کو زبور سے اور عیسائیوں کو انجیل سے احکام دوں گا۔ یہاں اگر کوئی مولوی صاحب یہ فرمائیں کہ قرآن کی موجودگی میں توریت وغیرہ سے حکم دینا غلط ہوگا۔تو میں یہ عرض کردوں گا۔کہ میں ہندوؤں کو وید سے اور بدھ مذہب (بدھشٹ) والوں کو سانکھیا درشن سے احکام دوں گا اور اہل سنت کو بخاری ومسلم سے حکم دوں گا۔تو مولانا اور بھی زیادہ ناراض ہوجائیں گے۔لیکن غالباً وہ ناراض نہ ہوں گے اور بات سمجھ جائیں گے۔اگر میں یوں عرض کروں کہ جناب میں بچوں کو الف ب ج د کا سبق پہلے قاعدہ سے دوں گا۔ اورایم اے کے طالب علم کو ہرگز ABCD نہ پڑھاؤں گا۔ یا ایک دیہاتی شخص کو ٹریفک کے قوانین نہ سکھاؤں گا۔اورایک شہری کو جدھر منہ اٹھے بے دھڑک چلنے پھرنے کا مشورہ نہ دوں گا۔بہرحال مطلب یہ ہے کہ میرے پاس جس مذہب کا آدمی سوال کرنے آئے گا۔میں اسے اس کے مذہب کا مسئلہ بتاؤں گا۔جب تک وہ خود یہ سوال نہ کرے کہ میں فلاں مذہب کا عقیدہ یا مسئلہ بتاؤں۔علامہ ڈھکو کیطرح ازخود اپنے عقائد اس پر مسلط نہ کروں گا۔یہ بڑے لوگ ہوتے ہیں۔میں اپنی چال چلوں گا۔پھر میں یہ بھی دیکھوں گا۔کہ سائل کوئی جاسوس تو نہیں ہے۔اس کو ہرگز صحیح بیان نہ دوں گا۔جھوٹ بولوں گا۔اُسے اس کے مقصد میں ناکام کرنے کے لئے ہر دھوکہ ہر چالاکی اور ہر حربہ برسر کار لاؤں گا۔اور اِسلام ومحمدؐ وآل محمدؐ اور مومنین کے تحفظ میں ان تمام کاموں کو برحق سمجھوں گا۔اور یہی مطلب ہے طاغوت اور ڈھکوی نظام سے کفر کرنے کا (نساء 4/60)اور مکر کا توڑ زبردست وکامیاب مکر سے کرنے کا (ابراہیم 14/46)اور حضرت عیسیٰ اور محمد مصطفیٰ کے مشن کو محفوظ رکھنے کے لئے مکر کو انتہائی بلندی تک لے جانے کا (عمران 3/54 ،انفال 8/30)اور اگر مجھ سے اس تحفظ میں کچھ غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوجائیں ۔تو اس سے پہلی آیت (انفال 8/29)اور بیسوں آیات میں میری اور ہر مومن محمدؐ آل محمدؐ کی غلطیاں ،کوتاہیاں اور برائیاں نامہ اعمال سے چھپادینے کا خدائی وعدہ ہے۔اور یہ وعدہ بھی ہے کہ وہ غلطیاں تو چھپ جائیں اور ان کی جگہ حسنات یا اچھائیاں اور نیکیاں اعمالنامہ میں لکھی ہوئی ملیں ۔(فرقان 25/70)اور یہی موقعہ ہوتا ہے۔ جہاں ہمارے سامنے نیکی بھی کھڑی ہوتی ہے اور برائی موجود ہوتی ہے ۔ اور یوں ہمیں آزمائش میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔(اعراف 7/168)اور ہم سوچ لیتے ہیں۔کہ چلو میری عاقبت خراب ہوجائے مجھے جہنم میں پھینک دیا جائے۔مگر

مومنین اور اسلامی قدروں کا تحفظ ہو جائے۔ بہرحال ہم نے یہاں عام فہم زبان استعمال کی ہے۔ تاکہ فدا کارانِ اسلام بے جھجک اقدامات کر کے دشمنانِ اسلام کو چوڑے میدان میں شکست دیں۔ ورنہ اللہ و رسولؐ اور آئمہ معصومین علیہم السلام نے ہمیں ایسے عملی اسباق و تعلیمات فراہم کیے ہیں کہ وہ مذکورہ بالا تمام مقاصد بھی حاصل ہو جائیں اور کسی حیثیت سے ہم پر لفظ کِذب وفریب و گناہ و معصیت صادق نہ آئے۔ لہٰذا یہ بات نوٹ فرمالیں کہ جہاں جہاں آپ کو آیات و احادیث میں اختلاف یا تضاد موجود ہونے کا مغالطہ ہو۔ وہاں نہ اختلاف ہوتا ہے۔ نہ کوئی تضاد ہوتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ وہ بات آپ کے اپنے ذہنی معمولات کی رسائی سے باہر ہوتی ہے۔ آپ نے جس معاملہ میں جو کچھ طے کر رکھا ہے۔ اور آپ کو جو کچھ تجربہ ہے۔ وہ بات آپ کے تہیہ اور تجربہ سے مشورہ لے کر نہیں کہی یا کی گئی ہے۔ مجتہد کی کسی بات میں پرواہ نہ کی گئی ہے۔ نہ کی جانا چاہئے۔ کوئی ڈاکٹر مریض سے کوئی ماہر پاگل سے مشورہ لے کر علاج نہیں کرتا۔ نہ کرنا چاہئے۔ اللہ نے شیطان سے مشورہ کئے بغیر یہ فیصلہ کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مخلوق سے اپنے سامنے سجدہ کرایا جائے تاکہ کل کوئی انبیاء علیہم السلام میں اور اللہ میں تفریق نہ کرے (نساء 4/150) چنانچہ مجتہد صاحب اور ان کے نمائندے آج تک انبیاءؑ کو اور آدمؑ کو سجدہ کرنا شرک سمجھتے اور قرآن کی رو سے کافر وملعون و مشرک رہتے چلے آرہے ہیں (نساء 4/151) لہٰذا آپ آیات و احادیث کو اپنی اجتہادی بصیرت پر جانچیں گے تو انشاء اللہ گمراہ تر ہوتے جائیں گے۔ آیئے ہم آپ کو وہ موقعہ دکھائیں جہاں امام معصومؑ ایک مجتہدانہ ذہنیت سے مخاطب ہیں۔ اور چاہا یہ ہے کہ اسے اس کے ذہنی میدان کی سرحد کے پار پہنچا کر مومنین کو اس کی پالیسی اور ذہنی تصورات پر مطلع فرمائیں۔

(ب) مجتہدین عمر بن حنظلہ کی تسبیح پڑھا کرتے ہیں، وہ ان کا تیسرا راہنما ہے

ہم نے اس شخص کو سابقہ عنوانات میں دو دفعہ پیش کیا ہے۔ یہی وہ صاحب ہیں جن کا سوال یہ تھا۔ کہ آیا شیعہ مومنین خلیفہ عباسی کے روبرو یا غاصب حکومت کے مقرر کردہ قاضیوں سے اپنا مقدمہ فیصل کرائیں یا نہیں؟ یہ شخص اس جواب پر مطمئن ہونے والا مذہب نہ رکھتا تھا۔ اور اس سلسلے میں جو احادیث و احکام حضرت امام جعفر صادقؑ نے اور سابقہ پانچ آئمہؑ اہلبیتؑ نے اور رسولؐ اللہ نے دیئے تھے، اور شیعوں کے ہر عاقل و بالغ شخص کو معلوم تھے، اور ہم یہاں وہ سب لکھ کر دکھا سکتے ہیں، نہ مانتا تھا۔ یعنی ایک پختہ کار راو اور امامؑ کو دھوکہ دے سکنے کی قدرت کا دعویدار مجتہد تھا۔ اس نے دوسرا سوال کیا تھا۔ اسے یہ جواب دیا گیا تھا کہ بھائی دیکھو بات شیعوں کی ہو رہی ہے۔ لہٰذا ہر شیعہ کو چاہئے کہ جب ایسا وقت آپڑے کہ ہمؑ سے ملاقات نہ ہو سکے اور ہمارا متعین کردہ نمائندہ بھی موجود نہ ہو اور انتظار کا موقع بھی نہ ہو۔ تو پھر کسی ایسے شیعہ کو تلاش کر لینا چاہئے جو شیعوں میں معلوم و

۔''ینظر ان الٰی من کان منکم ممن قد روی حدیثنا ونظر فی حلالنا و حرامنا و عرف احکامنا فلیرضوا بہ حکماً فانی قد جعلتہ علیکم حاکماً فاذا حکم بحکمنا فلم یقبلہ منہ فانما.. (ظفری جلد اول صفحہ ۷۳۔۷۴)

مشہور ہو کہ وہ ہماری احادیث بیان کرتا ہے۔اور حلال وحرام میں ہماری طے کردہ صورتوں کو جانتا ہے۔اور ہمارے اور نظام اجتہاد کے احکام کے فرق پر مطلع ہے۔تو مدعی اور مدعا علیہ دونوں اس سے ملیں۔ذاتی طور پر مندرجہ قابلیتوں کا پتہ لگائیں۔جب مطمئن ہوجائیں کہ متعلقہ مقدمہ کے متعلق بھی اسے کافی احکام واحادیث معلوم ہیں تو اس کے حوالہ اپنا کیس (CASE) کردیں۔اگر وہ فیصلہ کرنے پر راضی ہوجائے تو ان دونوں کو بھی اس شرط پر راضی ہوجانا چاہئے کہ اگر اس کا فیصلہ وہی ہوگا جو ہم؊ نے کیا ہو تو وہ دونوں قبول کریں گے۔ہار جیت، نفع نقصان اور پسند وناپسند کو مدنظر نہ رکھیں گے۔جب یہ دونوں مدعی اور مدعا علیہ اسے اس مجبوری اور معذوری اور قابلیت کی موجودگی میں اپنا ثالث مان کر اسے دونوں اختیار دے دیں تو امامؑ نے اس شخص کو اس مقدمہ کا فیصلہ معصومؑ کے الفاظ میں سنانے کا اختیار دیا ہے اور صرف ان دونوں پر اپنے حکم کے ماتحت اپنا حکم سنانے کے لئے حاکم بنایا ہے۔اور اب ان دونوں میں سے جو کوئی یوں مقرر کردہ اس عارضی اور محدود حاکم کا حکم قبول نہ کرے وہ توہین خدا ورسولؐ کرنے اور آئمہ علیہم السلام کا فیصلہ نہ ماننے کی بنا پر مشرک ہے۔یعنی احکامات اور فیصلوں میں نظام اجتہاد کو شریک سمجھتا ہے۔لہٰذا ملت شیعہ سے خارج ہے۔

عمر بن حنظلہ کو اس جواب میں کوئی نقص نہ ملا تو اس نے اس حکم کو نظر انداز کر کے ایک کے بجائے دو حاکم پیش کردیئے تاکہ وہ نظام اجتہاد ومشاورت اور کثرت کے فیصلہ کی طرف دو قدم بڑھ سکے۔لہٰذا وہ سوال کرتا ہے کہ:۔

(ج) مدعی اور مدعا علیہ ایک ثالث منظور نہیں کرتے بلکہ ہر ایک الگ الگ مقرر کرتا ہے؟

قارئین غور کریں کہ کیا وہ دونوں شخص امام معصوم علیہ السلام کے مندرجہ بالا حکم کی بلاوجہ مخالفت کر کے اور معصومؑ طریقہ کو ٹھکرا کر ایک ثالث کی جگہ دو ثالث مقرر کر کے بھی شیعہ رہیں گے؟ پھر یہ سوچئے کہ اگر سو (100) اشخاص یا دو ہزار آدمی اپنے حق پر ڈاکہ ڈالنے والوں کے خلاف مقدمات دائر کرنا چاہتے ہیں۔تو کیا امامؑ کا یا کسی بھی عقلمند کا یہ مشورہ ہوسکتا ہے کہ وہ مدعی جتنے ہوں اتنے ہی جج مقرر کریں۔اور جن پر مقدمہ دائر کرنا ہے۔مدعا علیہ حضرات اپنے اپنے الگ الگ اور اپنی تعداد کے مطابق ایک ایک جج مقرر کرلیں؟ یعنی یہ آزادی یا بدنظمی تو نظام اجتہاد وطاغوت کے یہاں بھی نہیں ہے۔بہرحال مجتہد کا منشا نہ تو کوئی مقدمہ ہے نہ فیصلہ ہے۔وہ تو امامؑ اور شیعوں کو چکر دے کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔چنانچہ عمر بن حنظلہ نے ایک نئی تجویز یوں پیش کی کہ:۔

۔''اگر وہ مدعی اور مدعا علیہ الگ الگ اپنا اپنا ثالث مقرر کر کے متفق ہوجائیں کہ وہ دونوں **ان کے حق پر نظر ڈالیں گے**۔اور وہ دونوں ثالث **ہمارے فقہا صحابہ میں سے ہوں**؟ پھر وہ دونوں ثالث اپنے اپنے فیصلوں میں اختلاف کرلیں اور اختلاف بھی دونوں میں **آپ کی مختلف ومتضاد حدیثوں کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہو** پھر کیا کیا جائے؟ (ظفر جلد 1 صفحہ 74)۔

> فان کان کل رجل اختار رجلاً من **اصحابنا** فرضیا ان یکونا **الناظرین فی حقھما** ۔واختلفا فیما حکما و کلاھما اختلفا فی حدیثکم (کمرئی جلد اول صفحہ ۱۱۴ فضل العلم اختلاف حدیث)

(د) ہم مسٹرعمر بن حنظلہ اوران کے ہم مذہب تمام مجتہدین سے چندسوالات کرتے ہیں

پہلاسوال یہ ہے کہ امام علیہ السلام کی تجویز کے مطابق ایک ایسا شیعہ شخص کیوں تلاش نہ کیا گیا۔ جومدعی اورمدعاعلیہ کے معیار پر پورا اترتا؟ یعنی ایک ایسا شخص جومتعلقہ مقدمہ کا معصومؑ فیصلہ جانتا ہو؟ کیاتم پوری ملت شیعہ میں ایک بھی ایسا شخص نہیں پاسکے؟ یعنی محمد مصطفٰی سے لے کر چھ معصومؑ آئمہ مل کربھی ایک ایسا شخص تیارنہ کرسکتے تھے؟ ظاہر ہے کہ تم نے جان بوجھ کراس تجویز کونظرانداز کردیاہے۔اورایک ایسی صورت حال پیش کی ہے۔ جوناممکن الوقوع ہے۔کیاحق وانصاف طلب کرنے کا یہ طریقہ کسی بھی نظام عدالت میں قابل قبول ہے کہ اگرایک سو(100)مدعی اپناحق مانگتے ہوں تو وہ ایک سوثالث مقرر کرلیں اور پھرایک سو مدعاعلیہ حضرات بھی اپنے اپنے ایک سوثالث لاکھڑے کردیں؟اوراس تقرری میں نہ کسی معیار کا خودخیال رکھاجائے نہ بیان کیاجائے کہ ان کومقدمہ کے متعلق فیصلہ کن معلومات حاصل ہیں یانہیں ؟چنانچہ اس ذاتی تجویز میں پہلے سے یہ خیال رکھا گیاہے۔کہ فیصلوں میں اختلاف پیداہوجائے۔اوراسی لئے یہ طے کیا گیاہے۔کہ مدعی اورمدعاعلیہ کے وکیل یا ثالث یاجج صاحبان اب مقدمہ پراوردونوں کے حق وناحق ہونے پر۔''نظرڈالیں گے''۔یعنی انہیں پہلے اس قسم کے مقدمہ سے نہ توکبھی واسطہ پڑاتھا نہ وہ دونوں پہلے سے اس مقدمہ پرایک معصومؑ حکم جانتے تھے۔اوریہ وہ معیارتھا جوامامؑ نے مقررفرمایاتھا۔جسے نظرانداز کردیاگیا۔اس لئے کہ دونوں ثالثوں کوابھی اپنے اپنے حدیث کے ذخیرہ پراجتہادی نظرڈالناہے اورایک ایسافیصلہ اخذکرناہے جومقدمہ کی صورت حال سے مشابہہ اورموافق ہوکیایہ وہی طریقہ نہیں جس کوترکیب نمبرتین میں دواماموںؑ نے حرام قراردیاتھا؟وہاں ابوبصیر نے یہ جملہ بولاتھا۔''فَنَنظُرُ فِیهَا''اورمحمد بن حکیم نے کہاتھا۔''فَنَظَرنَااِلٰی اَحسَنُ مَایَحضَرُنَا'' پس ہم نظرڈالتے ہیں بہترین طریقے سے اس ذخیرہ پرجواحادیث کی صورت میں ہمارے ذہن میں موجود ہے۔اوریہاں عمر صاحب نے یہی توکہاہے کہ:(اَن یَکُونَا النَّاظِرِین فِیْ حَقِّهِما) تاکہ وہ دونوں جج اپنے اپنے موکل کے حق کا پتہ لگانے کے لئےنظرڈالیں یانظرڈالنے والے مقررہوجائیں''۔لہٰذاامام جعفرصادقؑ نے جوکچھ ابوبصیر سے فرمایاتھاوہی کچھ یہاں عمرصاحب کوجواب ملناچاہیئے تھا۔یعنی۔''ہرگزنہیں۔اگراس اجتہادی نظرسے توحق پرپہنچاتوتجھے اللہ اورہماری طرف سے اجرنہ ملےگا۔ اوراگرتیرااجتہادناحق ہواتوتواللہ پرکذب وافترابندی کا مجرم ہوگا''۔(ترکیب نمبرسوم)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے محمد بن حکیم کوسخت اورافسوسناک زبان میں دھتکاراتھا۔پھرکیاہم یہ نہ پوچھیں کہ جناب عمر صاحب اُس فرضی مقدمہ کواورثالثوں کی فرضی مختلف اورمتضاددونوں حدیثوں کوامام جعفرصادق علیہ السلام کے روبروکیوں پیش نہیں کرتے؟ تاکہ وہ حضرت ایک ایسابیان دےدیں جوآئندہ تمام ججوں اورامت کے لئے عملی نظیربن جائے؟یعنی عمریہ نہیں چاہتاکہ معصومؑ زبان سے نکلاہواکوئی واضح فیصلہ موجودرہے۔اورآئندہ مجتہدین کی اختلاف وانتشار، پھوٹ ڈالواورحکومت کرو

کی پالیسی رک کر کھڑی ہوجائے۔اور کیا ہم یہ مان لیں کہ قرآن میں ہر ہر انسانی ضرورت اورسوال کا جواب موجود ہونے کا دعویدار رسولؐ اور چھ معصوم اماؑم اس مقدمہ کا حتمی، بلا اختلاف فیصلہ نہ سکھا سکے تھے؟ اورامت پر ڈیڑھ سو سال خواہ مخواہ ٹا پک ٹوئیاں مارتے ہوئے ضائع ہوگئے تھے؟ قارئین نوٹ کریں کہ یہ عمر سر سے پیر تک ایک مجتہد ہے۔اُسے محمدؐ وآل محمدؐ کے مذہب سے کوئی سروکار نہیں رہاہے۔وہ اپنے یہاں کا طریقہ پیش کر رہا ہے۔اوراس طریقہ میں اماؑم کو الجھا کر اس طاغوتی طرز تحقیق کو جائز کہلوانا چاہتا ہے۔اورامام جعفر صاؑدق جانتے ہیں کہ وہ نظام اجتہاد کا ممبر ہے۔آپ نے طے کرلیا ہے کہ اسے پوری ڈھیل دے کر بلا تنقید اس کی ہر بات سنیں گے۔اوراسے اس طریقہ میں ہر ممکن اصلاح بھی تجویز کردیں گے۔ورنہ اسے روکتے اوراسے بتاتے کہ معصومؑ نظام ہدایت میں اختلاف ممکن ہی نہیں ہے۔اختلاف تُو نے خود پیدا کیا ہے۔اوراسی لئے ایسے ثالث چھانٹ کر اختیار کئے گئے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ معصومؑ راہنماؤں نے کون سی حدیث اورکون سا حکم کس طبقہ اور مسلک کے پیروؤں کے لئے بیان کیا ہے۔یعنی وہ ثالث ایسے ہیں جو معصومینؑ کے احکام واحادیث کی معرفت (عَرَفَ اَحۡکَامَنَا) کی شرط پوری نہیں کرتے۔اوروہ دونوں ثالث نظام اجتہاد کے (رَجلاً مِنۡ اَصۡحَابِنَا) مجتہدین ہیں۔وہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ترکیب نمبر تین میں تفصیل سے ہوا ہے۔جو شیعہ نقاب پہن کر شیعہ فقہا اور صحابہ میں شامل ہیں۔لیکن شیعہ جانتے ہیں کہ :۔

(ہ) اللہ، رسولؐ اور آئمہؑ کے بیانات وآیات واحادیث میں اختلاف ناممکن ہے

قارئین یہاں یہ نوٹ فرمالیں کہ ہماری کتبِ احادیث میں بہت سی ایسی حدیثیں موجود ہیں۔جن میں قارئین کو اختلاف ملے گا۔ہم احادیث میں اختلاف کے منکر نہیں۔بلکہ یہ کہتے ہیں کہ آئمہ علیہم السلام نے ملکی حکومت اورقومی جارحیت کی وجہ سے اوراپنی قوم کو قتل وغارت سے بچانے کے لئے نہایت سنجیدگی اورسوچی سمجھی پالیسی کے مطابق دیدہ دانستہ خود اپنی زبان سے اختلاف پیدا کیا ہے۔اور یہ جانتے ہوئے کہ اختلاف وانتشار ایک تباہ کن چیز ہے۔بڑے فخر سے مختلف احادیث بیان کرنے کا سیکڑوں حدیثوں ہی میں خود ہی اعلان بھی کیا ہے۔ذرا سوچیے کہ کوئی عقلمند شخص یہ جرأت کرسکتا ہے کہ غلط کام کرے اور چوبارہ پر چڑھ کر اس کا اعلان بھی کرے؟ یہ اعلان ہی تو اس پالیسی کی جان ہے۔جو ہم بیان کر رہے ہیں۔اورابھی ذرا دیر بعد ہم اس سوچے سمجھے اوردشمن شکن اختلاف پر بھی بات کریں گے۔یہاں تو آپ یہ دیکھیں کہ ساری ظاہر و پوشیدہ حقیقتوں سے واقف قرآن ایسی ہمہ گیر کتاب کے عالموں اورمعلموں سے غلطی وغلط فہمی اورمختلف فیصلوں کا امکان ہے بھی یا نہیں؟ چنانچہ شیعہ لیبل کے تمام مجتہدوں کو للکار کر یہ چند مختصر سطریں سنادو پھر دیدہ دانستہ اختلاف پیدا کرنے کی پالیسی سے لطف اندوز ہوں۔ہم نے سابقہ عنوانات میں قرآن کریم، رسوؐل کریم اورآئمہ معصومینؑ کی ہمہ گیر وہمہ دان پوزیشن بیان کردی ہے۔اب یہ دیکھ لیں کہ کیا قرآن میں اورصاحبانؐ رسولؐ وقرآن میں اختلاف کی گنجائش ہے؟ قرآن میں اللہ کا بیان ہے کہ:۔

(اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ ؟ وَلَوْکَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْافِیْہِ اِخْتِلَافاًکَثِیْراًO(نساء 4/82)۔

۔''کیا معترضین قرآن فہمی میں تدبر سے کام نہیں لیتے ؟اور کیا اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی غیر اللہ کی طرف سے پیش کیا گیا ہوتا تو غیر اللہ کی طرف سے ہونے کا ثبوت یہ ہوتا کہ قرآن میں بہت کثرت سے اختلافات کی بھرمار ہوتی''۔

یہاں دو باتیں واضح ہوگئیں۔جن میں سے مجتہدوں کے علاوہ باقی تمام مسلمانوں میں مسلّمہ ہے کہ قرآن میں یا اللہ کے بیانات واحکامات میں ہرگز کسی قسم کا اور کسی مقدار میں اختلاف نہیں ہوتا۔دوسری بات یہ ہے کہ غیر اللہ جو بھی ہو۔اس کے بیان میں اختلاف ہوتا ہے۔اب اگر ہم رسولوںؑ ،نبیوںؑ اور آئمہؑ کو غیر اللہ مان لیں ،جیسا کہ تمام مجتہدین اور نام نہاد موحدین مانتے اور منوانا چاہتے ہیں۔تو فوراً یہ ماننا ہوگا کہ ''نبیؑ ہو یا رسولؑ ہو یا امامؑ ہو ان کے بیانات واحکامات میں اختلاف لازم ہے۔دلیل یہ ہوئی کہ وہ حضراتؑ غیر اللہ ہیں۔مجتہدین کا کام تو اس عقیدہ سے خوب چلتا ہے۔یعنی وہ حضرات یہ کہہ کر کہ احادیث میں اختلافات ہیں۔لہٰذا ہماری ضرورت ہے تا کہ ہم اصول فقہ،علم الدرایت،علم الرجال اور علم المنطق کی چھلنیوں میں چھان کر اور اجتماعی بصیرت ومشاورت کے چھاج سے پھٹک اور پچھوڑ کر اور اجتہادی اوکھل اور موسل سے چھڑ کر اللہ کا وہ منشا نکال کر دکھائیں گے جو معاذ اللہ خود اسے بھی معلوم نہ تھا۔

لیکن مجتہد حضرات کا یہ عقیدہ مذہب کی بنیاد کو اکھیڑ پھینکنے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے تا کہ جب ضرورت آپڑے تو کہہ دیا جائے کہ الہام ووحی وقرآن اور خود ذات خداوندی انسانی ذہن کی ایجاد ہے۔یعنی دلیل کو الٹ کر پیش کر دیا جائے اور ترکیب نمبر چار سے اہل مذاہب کی گوٹیں پیٹ کر کمیونزم کی بساط بچھا دی جائے۔لیکن عقل کے حضور میں ترکیب نہیں چلتی۔سارے انسان مانتے ہیں کہ وہ سب مل کر بھی اپنی اجتماعی عقل سے جو فیصلہ کرتے ہیں کچھ عرصہ کے بعد وہی عقل اُس فیصلے کو بچگانہ سمجھنے لگتی ہے۔فیصلے میں تبدیلی لازم سمجھتی اور تبدیلی کرتی ہے۔اور بعض عقلیں اب بھی اتنا پیچھے ہوتی ہیں۔کہ اس تازہ اور ہر تازہ اور ضروری ومفید تبدیلی پر خفا ہوتی رہتی ہیں۔یہی اختلاف ہے جو انسانی احکام فیصلوں اور اقوال پر سوار رہتا ہے۔اور یہی قرآن کو پسند نہیں۔روز ازل کی کہی ہوئی بات آج بھی صحیح ہے۔کل بھی اس کے خلاف کائنات کی کوئی چیز نہ آئے گی۔اس لئے کہ خالق کائنات کی ہر بات پوری کائناتی حقیقت ہوتی ہے۔لہٰذا اختلاف ناممکن ہے۔اور یہی مذاہب عالم کی حقانیت کی دلیل ہے۔

ہم نے یہ دکھا دیا ہے کہ یہ قرآن ، یہ کلام اللہ، اللہ کی سند سے قولِ رسولؐ کریم ہے۔چنانچہ ارشاد ہوا کہ:۔

۔''اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ Oوَّمَاھُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِیْلاً مَّاتُؤْمِنُوْنَ Oوَلاَ بِقَوْلِ کَاھِنٍ قَلِیْلاً مَّا تَذَکَّرُوْنَ O تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَO(حاقہ 69/40-43)

۔''یقیناً یہ قرآن رسولؐ کریم کا ایک قول ہے۔کسی شاعر کا کہا ہوا اشعار کا مجموعہ نہیں ہے۔اے مجتہد ومومنین تم نے ایمان میں سے بہت تھوڑا سا اختیار کر رکھا ہے۔اور قرآن کسی پیشگوئی

کرنے والے کا قول بھی تو نہیں ہے۔ بہت سا چھوڑ کر تم معمولی سا تذکرہ کرتے ہو۔ سنو یہ رسولؐ کریم کا قول تمام عالمین کے خالق اور ربوبیت کرنے والے کی طرف سے مستند کر کے اتارا گیا ہے"۔

ہے کوئی، مجتہد کے سوا، جو قرآن کریم کو غیر اللہ کا کلام یا محمدؐ کو غیر اللہ قرار دے اور اللہ و رسولؐ کو جدا جدا کرنے کا مجرم و کافر بن جائے؟ (نساء 151-4/150) اور یہ قرآن ہی نہیں بلکہ رسولؐ اللہ اور اللہ میں اتنی یگانگت اور قربت ہے کہ وہ تو جو بات بھی منہ سے نکالتے ہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ وحی ہوتی ہے:۔

۔"مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَاغَوٰیO وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی O اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیO عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰیO (سورہ نجم 5-53/2)	۔"اے مجتہد ساتھیو تمہارا یہ ساتھی اغوا نہیں ہو گیا ہے۔ وہ نفسانی دباؤ سے بات نہیں کرتا ہے۔ جو بھی بولتا ہے۔ وہ

تو اللہ کی طرف سے وحی شدہ بات یا قول ہوتا ہے جسے بات کرنا اس نے سکھایا ہے۔ جو شدید ترین قوتوں کا خالق ہے مالک ہے"۔

سیکڑوں آیات و ہر بات سے ثابت ہے۔ کہ رسولؐ اللہ غیر خدا نہیں ہیں۔ ان کی باتوں یا احادیث میں ہرگز اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا عمر بن حنظلہ اور اس کے پیروؤں کو بتایئے کہ وہؐ ہی اس پوری کائنات کے معلّم ہیں۔ اُنؐ کے ہمہ گیر مذہب کی تعلیم تھی۔ جسے تمام سابقہ انبیاءؑ، انؐ ہی کے توسط سے لائے۔ ان ہی کی نگرانی اور تصدیق میں (عمران 3/81) نوع انسان کو تعلیم دیتے رہے۔ اور قیامت تک ہر شب جمعہ میں ان کے ساتھ درسِ خداوندی میں شریک ہوتے ہیں (کافی) اور قیامت تک ان سے باز پرس کرتے رہنے کا اختیار رکھتے ہیں (زخرف 43/45) اور جن کے یہاں حضراتؑ انبیاءؑ ہر نئے سربراہِ اسلام امامؑ وقت پر ایمان لاتے اور تعلیمات حاصل کرتے رہے۔ اور وفات کے بعد بھی قائم آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہ کی نصرت کے لئے تیار اور زندہ ہیں۔ آپ کافی میں سورہ اِنَّـآ اَنْزَلْنٰہُ کی تفسیر پڑھیں اور دیکھیں کہ حضرت الیاسؑ پیغمبر جناب امام محمد باقر علیہ السلام کے دربار میں کس طرح تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ بڑی طویل اور ایمان انگیز حدیث ہے پوری پڑھیں۔ ہم چند جملے ایسے لکھتے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہو جائے کہ اللہ و رسولؐ اور آئمہؑ کے بیانات میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ تینوں ایک بات فرماتے ہیں۔ جو عالمی اور آفاقی حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

(و) حضرت الیاسؑ اور امام محمدؐ باقر میں تعلیم و تعلّم (اختلاف کا قصہ)

جناب الیاس پیغمبرؑ اس شرط سے سوالات شروع کرتے ہیں کہ انہیں جو جواب دیا جائے اس جواب کی کوئی اور صورت حقائق کی دنیا میں موجود نہ ہو۔ اس پر امامؑ نے فرمایا کہ: "ان اللّٰہ عزوجل ابی ان یکون لہ علم فیہ اختلاف" (کمرئی جلد اول صفحہ 463) ۔"یقیناً اللہ بزرگ و برتر نے ایسے علم کو اپنے لئے ناپسند فرمایا ہے جس میں اختلاف ہو"۔ حضرت الیاسؑ نے عرض کیا کہ بہتر ہے۔ آپ مجھے اس علم پر آگاہی بخشیں جس میں اختلاف کی گنجائش نہ ہو؟۔ (اخبرنی عن ھٰذا العلم لیس فیہ اختلاف ؟) امامؑ نے بتایا کہ علم مکمل طور پر سارا کا سارا اللہ کے پاس ہے۔ اس میں سے جس قدر بندوں کی احتیاج کو پورا کرتا ہے۔ وہ علم جانشینانِ

رسولؐ کے حوالہ کردیا گیا ہے۔حضرت الیاسؑ نے کہا کہ آپ کا یہ دعویٰ کہ وہ علم خداوندی جس میں اختلاف ممکن نہیں آپ حضرات کے پاس ہے۔لہٰذا بتائیے کہ آپ تک وہ علم کیسے پہنچا ہے؟۔(**زعمت ان علم مالا اختلاف فیه من العلم عند الاوصیاءؑ فکیف یعلمونه ؟**)امامؑ نے اپنے جواب کے دوران یہ جملہ بھی فرمایا کہ(**فوددت ان عینک تکون مع المهدی هذه الامة والملائکةبسیوف آل داؤد بین السماء و الارض...الخ**)

۔"اے الیاسؑ نبی مجھے یہ پسند ہے کہ آپ اس امت کے مھدیؑ پر اوران ملائکہ پر نظر جمائے رکھیں جو آلؑ داوٗدؑ کی تلواروں سے مسلح آسمانوں اورزمینوں میں پھیلے ہوئے ہوں گے"۔

ایک مقام پر امامؑ نے یہ سوال کرنے کی تجویز کی کہ ہمارے مخالف مجتہدین سے معلوم کرو۔

"ان سے کہو کہ کیا جو کچھ رسولؐ اللہ نے اللہ کے علم میں سے بیان فرمایا اس میں اختلاف تھا؟اگر وہ جواب میں یہ کہیں کہ اختلاف نہیں تھا۔تو پھران سے پوچھو کہ

فقل لهم ۔فهل کان فیما اظهر رسولؐ الله من علم الله عزذکره اختلاف؟فان قالوا :لا فقل لهم فمن حکم بحکم الله فیه اختلاف فهل خالف رسوؐل الله۔

اگرکوئی اللہ کے احکام میں سے حکم جاری کرے کیا اس حکم میں اختلاف ممکن ہے؟اگر اختلاف ہوتو کیا یہ مان لوگے۔کہ اللہ رسوؐل کا مخالف ہے؟۔(لہٰذا ہر حکم اللہ کے نازل کردہ احکام سے دیا جانا لازم ہوا)(مائدہ 47-5/44) پھرامامؑ نے فرمایا کہ:۔

اگرتم سے پوچھا جائے کہ قرآن والے **راسخون فی العلم** (عمران 3/7)علم میں ڈوبے ہوئے لوگ کون ہیں؟ان کو جواب دو کہ یہ وہی لوگ ہوتے ہیں۔جوعلم میں اختلاف نہیں کرتے۔اگر وہ جاننا چاہیں کہ ان کو مشخص کروتو کہہ دو کہ **راسخون فی العلم** میں سے ایک خود رسولؐ اللہ ہیں۔کیا رسولؐ اللہ نے اس علم کی تبلیغ

مَنُ رَاسِخُونَ فِی الُعِلُمِ ؟فقل لهم من لا یختلف فی علمہٖ فان قالوا فمن هوذلک؟فقل: کان رسولؐ اللّٰه صاحب ذٰلک فهل بلغ اولا؟فان قالوا:قد بلغ ۔فقل:فهل ماتؐ و الخلیفة من بعدہٖ یعلم علماً لیس فیه اختلاف؟

کی تھی یا نہیں جس میں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا؟اگر وہ مان لیں کہ ہاں یقیناً رسولؐ نے وہ علم پہنچادیا جس میں اختلاف نہ تھا۔تو ان سے کہو کہ کیا رسولؐ فوت نہیں ہو چکے اگر ہو چکے تو کیا ان کی جگہ کوئی ایسا جانشین ہے کہ جس کے علم میں اختلاف نہ ہو؟اس کے بعد حجت قائم کی ہے کہ رسوؐل کی جگہ ایسے ہی شخص کو خلیفہ ہونا چاہئے۔جس کے پاس رسوؐل کا تبلیغ کردہ بے اختلاف علم ہو وغیرہ۔اس طویل حدیث کا اختتام یوں ہوتا ہے۔کہ پوری بحث اور دلائل سن کر جناب الیاس علیہ السلام نے اعلان کیا کہ:(**اشهدانکم اصحاب الحکم الذی لا اختلاف فیه ۔ ثم قام ۔ وذهب فلم اره**)۔"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ حضراتؑ اس حکم

کے مالک ہیں۔جس میں اختلاف نہیں ہے۔پھر اٹھے اور اس طرح چلے گئے کہ کوئی دیکھ بھی نہ سکا‘‘۔

قارئین کرام نے دیکھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام عمر بن حنظلہ سے مندرجہ بالا باتوں میں سے ایک بھی نہیں کہتے۔خاموشی سے اس کی ہر چالا کی نوٹ فرمارہے ہیں۔حالانکہ یہ حدیث ان کی موجودگی میں ان کے والدؑ گرامی نے بیان فرمائی تھی۔اور شیعوں کو یہاں سے وہاں تک معلوم تھی۔اس حدیث میں شیعوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اہل خلاف کے روبرو سورہ اِنَّـآ اَنۡزَلۡنٰهُ کو بطور چیلنج پیش کیا کریں لیکن خود خاموش ہیں۔اور سن رہے ہیں کہ عمر اُن کی حدیث میں اختلاف فرض کر رہا ہے۔اور آپ نہ اس کے منہ پر طمانچہ مارتے ہیں نہ کسی ناگواری اور غصہ کا اظہار فرماتے ہیں۔بلکہ خندہ پیشانی سے خود بفرض محال احادیث میں اختلاف فرض کر لینے دیتے ہیں۔اور اسے اس کے مذہب والوں کی طرح پوری ڈھیل دے کر اس کی اجتہادی چالاکیاں ہم تک پہنچنے کا انتظام کرتے ہیں۔تاکہ جب ہم ایسے فقہا کو دیکھیں جو محمد بن حکیم یا عمر بن حنظلہ کو مثال میں رکھ کر احادیث معصومین علیہم السلام پر ہاتھ صاف کرتے ہوں۔اور جگہ جگہ۔’’منقولہ عمر بن حنظلہ‘‘۔کا ورد کرتے ہوں تو انہیں دشمن محاذ کا نقاب پوش شیعہ عالم سمجھیں اور اس کے خلاف ملت شیعہ میں محاذ بنائیں۔اس کی راہیں روکیں اور یہ تھی وہ تخلیقی وجہ حضورؑ کے صبر وسکون سے سننے کی ورنہ اسے دھتکار کر بھگانے سے ہم انہیں شناخت کرنے سے قاصر رہ جاتے اور ہر امامؑ زمانہ کا منصبی فریضہ ہے کہ وہ اپنے پیروؤں کو مخالفوں پر پوری قدرت عطا کریں اور کوئی پہلو ایسا نہ چھوڑیں جس سے دقت یا گمراہی کا اندیشہ ہو۔عمر صاحب کو ذرا اور انتظار کرنے دیں احکام خدا اور رسولؐ ومعصومینؑ میں اختلاف پر چند آخری باتیں اور سن لیں۔

(ز) اللہ و رسولؐ اور آئمہؑ کے احکام میں اختلاف نہیں ہوتا اختلافی احکام طاغوتی ہوتے ہیں

اگر ہم یا کوئی شیعہ یہ مان لے کہ آئمہؑ نے بقول عمر بن حنظلہ ایسی احادیث ملت شیعہ کے لئے دی ہیں جن میں اختلاف وتضاد ہے۔تو وہ مندرجہ ذیل معصومؑ بیان سن کر اپنا ٹھکانہ تجویز کر لیں۔

فمن حكم بما ليس فيه اختلاف فحكمه من حكم الله عزوجل .ومن حكم بامر فيه اختلاف فراى انه مصيب فقد حكم بحكم الطاغوت

محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :۔’’جو شخص ایسا فیصلہ یا حکم نافذ کرے جس میں اختلاف نہ ہو تو اُس کا حکم یا فیصلہ اللہ کا حکم یا فیصلہ ہے۔اور جو کوئی ایسا حکم یا فیصلہ نافذ کرے جس میں اختلاف ہو اور ایسے حکم کو صحیح سمجھے وہ حکم نظام طاغوتی یا نظام اجتہاد کا حکم ہے۔‘‘(ظفری جلد اول صفحہ ۲۸۱)

(ح) عمر بن حنظلہ مجتہد کا ایک ٹانگ والا مرغہ؟

عمر صاحب نے جو احادیث کا اختلاف اور دونوں ججوں کے گمراہ ہو جانے کی مشکل پیش کی تھی۔اس کو حل کرنے کے لئے امامؑ نے اسے ان کے نظام کی ترکیب یہ بتائی کہ:۔’’ان دونوں ججوں میں سے جو زیادہ عادل ہو، اور بڑا فقیہ ہو۔حدیث بیان کرنے میں

زیادہ سچا ہو۔ اور زیادہ پارسا ہو اس کا فیصلہ قبول کرلیا جائے اور وہ جو دوسرا ہے۔ اس کے فیصلے پر کوئی دھیان نہ دیا جائے''۔

الحکم ما حکم به اعدلهما و افقههما و اصدقهما فی الحدیث و اورعهما۔ و لا یلتفت الیٰ ما یحکم به الآخر (کمرئی جلد اصفحہ ۱۱۴)

امام علیہ السلام کا یہ جواب عمر صاحب کے اور اس کے ہم مذہب لوگوں کے اسی صورت میں کام آسکتا تھا۔ جب کہ وہ سنی سنائی چند گواہیوں پر مندرجہ بالا صفات کا تعین کر لینا جائز سمجھتے ہوں جیسا کہ نظام اجتہاد میں اوپر سے دستور چلا آتا تھا۔ ورنہ وہ چاروں صفات حقیقتاً طے کرنا خود ایک مقدمہ تھا۔ جس میں فیصلہ پھر معصومؑ نظر ہی کرسکتی تھی۔ اس لئے بھی اور اس لئے بھی کہ عمر صاحب تو محض غلط نظائر قائم کرنے اور آئندہ شیعوں کو گمراہ کرتے رہنے کی فکر میں تھے۔ لہٰذا اس نے دوسرا چکر دیا۔ (ملاحظہ ہو)

(چکر 2) وہ دونوں جج عمر صاحب کے صحابہ میں پسندیدہ اور برابر کے عادل بن گئے

لیکن ہم اور ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی بھی دو شخص دنیا میں عمر کے علاوہ کسی چیز اور کسی صفت میں سو فیصد برابر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا عمر بن حنظلہ صاحب کاذب اور فریب ساز ہیں۔ رہ گیا کسی کا پسندیدہ ہونا یہ اس لئے عملی دنیا میں قبول نہیں کہ پسند اپنی اپنی نظر اپنی اپنی۔ **کند جنس با ہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز**۔ رہ گئی فقہا کی پسند تو پہلے فقہا کو جانچنا ہوگا۔ اس لئے معصومؑ نے فقہا کی دو قسمیں بیان کردی ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ فقہا کی کثرت آئمہؑ اہلبیتؑ کو ناپسند کرتی چلی آئی ہے۔ پھر رہ گئے صحابہ انہیں بھی جانچنا ہوگا۔ اور صحابہ کا حال بہت اختلافی مسئلہ ہے۔ اور جو لوگ عمر بن حنظلہ کو پسند ہوں ہمیں ناپسند ہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ عمر صاحب نے امامؑ کی بتائی ہوئی چار شرطوں میں سے تین کو غائب کردیا یا یہ کہئے کہ صحابہ کی رضامندی کو امامؑ کی بتائی ہوئی تینوں شرطوں کے برابر قرار دے کر امامؑ کے اس طریقہ کو بھی رد کردیا۔ اب امامؑ کا جواب سنیں فرمایا کہ:۔

(چکر 3) ''وہ حدیث اختیار کرلو جو عمر بن حنظلہ کے صحابہ میں متفق علیہ ہو''

عمر صاحب نے چالاکی سے اپنے دونوں ججوں کو تو بچالیا اور دلیل یہ دی کہ عمر کے صحابہ ان دونوں ججوں سے راضی ہیں۔ امامؑ نے اس کے سامنے اس کے صحابہ کی پسند کو اس کا امامؑ بنا دیا۔ فرمایا کہ:۔

۔''اس روایت پر نظر ڈالی جائے جو ہم سے منسوب کرکے روایت کی گئی ہے۔ اور ان کے مقدمہ کو بیان کرتی ہے۔ اور جسے ترے صحابہ یا ساتھی متفقہ طور پر صحیح مانتے ہوں۔ اس میں سے ہمارا حکم یا فیصلہ اختیار کرلیا

۔''ینظر الیٰ ما کان من روایتهم عنا فی ذلک الذی حکما به المجمع علیه من اصحابک فیوخذبه حکمنا و یترک الشاذ الذی لیس بمشهور عند اصحابک فان المجمع علیه لا ریب فیه۔ و انما الا مور ثلاثه امرٌ بینٌ رشده فیتبع و امر بین غیه فیجتنب و امر مشکل یرد علمه الی اللّٰه و الیٰ رسولهؐ۔ (الخ) کمرئی صفحہ ۱۱۴)

جائے اور چونکہ تیرے صحابہ میں اسے اتفاق اورشہرت حاصل ہے۔لہٰذا تیرے صحابہ اس پر عمل کرنے میں شش و پنج (ریب) بھی نہ ہوگا۔اور جودوسری روایت غیرمشہوراورتیرے صحابہ کے اتفاق کا درجہ نہیں رکھتی ہے۔اسے ترک کردیا جائے۔اورصورتیں تین ہی ہوتی ہیں۔ایک بیّن حالت ہے اوراس میں اچھائی یا نیکی خودبخودواضح اور معلوم ہوتی ہے۔اس صورت کواختیار کرلیا جائے۔ دوسری صورت میں خرابی واضح ہوتی ہے۔اس سے باز رہا جائے گا۔تیسری صورت ایسی ہوتی ہے کہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت حال کا فیصلہ اللہ ورسولؐ سے کرانا چاہئے''۔(**ظفری جلداول صفحہ 75-74**)

(چکر4)معصومؑ بیان کے نکات پرغورفرمائیں

پہلی چیز جوشیعوں کے لئے بھی صحیح ہے۔وہ یہ ہے کہ معصومؑ سے منسوب حدیث میں جومعصومؑ کا حکم ہو۔اسے ہم بہر صورت اختیارکریں گے۔اوراگر وہ حدیث مشہوربھی ہواوراپنے پرائے صحابہ یا فقہا سب اسے صحیح بھی سمجھتے ہوں تو یہ ان کی سعادتمندی ہے۔ورنہ کسی کی پسند وناپسند اورشہرت اورکثرت کوئی معیارنہیں ہے۔البتہ جن کے یہاں کثرت کا فیصلہ حق ہوتا ہے۔ان کے لئے یقیناً معیارہونا چاہئے۔معصوم نظام میں تنہا معصومؑ ساری دنیا کے فقہا ودانشوروں کے مقابلہ میں واجب الاطاعت ہوتا ہے۔اورہم شیعہ باقی لوگوں کوکوئی شرعی مقام نہیں دیتے۔دوسری چیز یہ کہ عمر بن حنظلہ کے صحابہ کا ترجمہ یا مطلب شیعہ صحابہ سمجھنا بدہضمی یا قیاس ہے۔معصومؑ بیان میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے۔جس سے ہم شیعہ مراد لے سکیں۔اورغلطی کا امکان نہ ہو۔امامؑ نے۔''اصحابی'' نہیں فرمایااس لئے ہم امامؑ کے صحابہ اورپسندیدہ وصحیح العقیدہ صحابہ نہیں سمجھتے بلکہ عمر بن حنظلہ کے ہم خیال لوگ سمجھتے ہیں۔جوعمر کے طریقہ پر چکر دیتے ہوں۔پھرتیسری چیز بالکل نظام اجتہاد کی ہے۔یعنی نوع انسان کوپیش آنے والے حالات کی دوتہائی (2/3) کے لئے نہ اللہ کی ضرورت نہ رسولؐ درکار نہ معصومؑ راہنمائی کی احتیاج، ہرشخص اور ہرمعاشرہ اورہرقوم آزاد۔جسے پوری قوم بہتراوراچھا سمجھے اس پر عمل کرلے اور جوباتیں جہاں بری ہوں ان سے باز رہیں۔اورصرف ایک تہائی (1/3) صورتوں میں اللہ ورسولؐ کی ضرورت بتا کر ثابت کردیا کہ عمر بن حنظلہ اللہ ورسولؐ کے ساتھ آئمہ علیہم السلام کولازم نہیں سمجھتا۔اورکثرت اس کے مذہب اورصحابہ میں حق ہے۔

چوتھی چیز ذرا باریک سی ہے۔اوروہ یہ کہ صرف ایک روایت کا ذکرفرمایااورخودسے منسوب کہہ کراپنی حدیث قراردیا۔ لیکن دوسری جسے شاذ وغیرمشہورفرمایااسے خود سے منسوب نہیں کیا۔لہٰذا عمر صاحب کے ججوں نے دونوں روایات معصومؑ سے نہ لی تھیں۔ایک اِدھر کی تھی دوسری اُدھر کی ہوگی جسے ترک کرادیا ہے۔

پانچویں چیز یہ ہے کہ''فان المجمع علیه لاریب فیه ''سے یہ سمجھنا کہ اس سے شیعوں کا یا شیعہ صحابہؓ کا یا شیعہ فقہا کا کسی حدیث پرمتفق ہوجانا مراد ہے۔زبردستی،قیاس آرائی اورعلم غیب کا دعویٰ ہے۔اس کے لفظی معنی صرف یہ ہیں کہ۔''یقیناً جس پر

جمع ہو جائیں اس میں ریب نہیں ہوتا''۔ یہاں یہ سوال باقی ہے کہ۔''کون جمع یا متفق ہو جائیں؟''۔اور کس کو۔''ریب''۔نہیں ہوتا؟ وہ کون لوگ ہیں؟ ہم کہتے ہیں اور یہی بات ان الفاظ سے نکلتی ہے کہ وہ لوگ جو کسی بات پر جمع یا متفق ہو گئے ان ہی کو ریب نہ ہوگا۔ ورنہ وہ جمع یا متفق نہ ہوتے۔اس جملے پر۔''اجماع''۔کو دلیل حق سمجھنا صرف مجتہدوں ہی کو سزاوار ہے۔لیکن لکھے پڑھے لوگ اس جملہ کو مجمل قرار دیں گے اور بس۔

بہرحال ابھی امامؑ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ تم اجتہاد کرلیا کرو اور اپنی ذاتی و جماعتی عقل سے فیصلہ کرلیا کرو۔صرف احادیث میں گڑبڑ ثابت کرنے پر توجہ دلائی جا رہی ہے۔

(چکر5) حدیثیں بھی صحیح، راوی بھی ٹھیک، جج بھی غائب لیکن اختلاف موجود ہے

حضرت عمر کو ضد ہے کہ امام علیہ السلام اپنی صحیح حدیثیں بھی واپس لے لیں اور مجتہدین کو کھلی چھٹی دے دیں لہٰذا عمر صاحب فرماتے ہیں کہ۔''فان كان الخبران عنكما مشهورين قد رواهما الثقات عنكم''۔''اگر آپ کی طرف سے بیان کی ہوئی دونوں حدیثیں میرے صحابہ میں مشہور بھی ہوں اور ان دونوں حدیثوں کو بیان کرنے والے راوی بھی میرے صحابہ کے نزدیک قابل اعتماد ہوں مگر دونوں حدیثیں ایک دوسری کے مخالف ہوں۔پھر کیا کہو گے؟''۔

عمر صاحب نے امید کی تھی کہ شاید اس چکر میں امامؑ یہ مان لیں کہ بھائی میں آخر تمہاری مثل بشر ہی تو ہوں۔مجھ سے غلطی ہو گئی ہوگی۔ایسا کرو کہ جو حدیث تمہیں اور تمہارے صحابہ کو ٹھیک معلوم ہوا کرے اس پر عمل کرلیا کرو اور جو حدیث گڑبڑ کرتی ہوئی معلوم ہو، اسے ضعیف، متشابہ، منسوخ، مجمل، خاص، عام، مطلق، مقیّد، مرسل، وغیرہ کچھ کہہ کر رد کر دیا کرو۔مگر دیکھو ایسی حدیثوں کو کتابوں میں ضرور لکھتے رہنا تاکہ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں پر سند رہیں اور تاقیامت امت کو ہمارا حال بتاتی رہیں اور تمہارا کام ٹھیک چلتا رہے۔مگر امامؑ نے ایک اونچا رخ اختیار کرتے ہوئے ایسی مشکل میں ڈال دیا کہ حضرت عمر ساری عمر چکر کھاتے ہیں یعنی سارا دین اس کے سامنے پھیلا کر رکھ دیا:۔

ينظر فما وافق حكمه حكم الكتاب والسنة وخالف العامة فيؤخذبه ويترك ما خالف حكمه حكم الكتاب والسنة ووافق العامة۔

۔''اس پر نظر ڈالی جائے گی کہ ان دونوں مخالف ومتضاد ومختلف حدیثوں میں سے کون سی حدیث کا حکم کتاب اور سنت کے حکم کے موافق ہے اور نظام اجتہاد کا مخالف ہے۔لہٰذا اس حدیث پر عمل کرلیا جائے۔اور جس حدیث میں کتاب وسنت کے خلاف اور نظام اجتہاد کے موافق حکم ہو اس حدیث کو ترک کر دیا جائے گا۔

(چکر6) عمری مشکلات کا اندازہ لگایئے اور تمام مجتہدین کو بلایئے

حضرت عمر پر اب یہ اعتراض کرنا غلط ہوگا۔کہ وہ امامؑ کی کسی بھی تجویز اور فیصلے پر عمل نہیں کرتے اور ہر دفعہ ایک نیا چکر

دیتے ہیں ۔اس لئے کہ یہاں تک یہ ثابت ہو چکا کہ یہ مکالمہ عملی نہیں فرضی ہے ۔اوراس میں مجتہدانہ داؤ پیچ اورفقیہانہ ہاتھ دکھائے جارہے ہیں ۔اورامام علیہ السلام اسے اتنی لمبی ڈھیلی رسی فراہم کررہے ہیں کہ جس میں الجھ کر عمر صاحب ہمارے سامنے آ گریں ۔اب حضورؑ نے یہ فرما کر ایک نئی مصیبت کھڑی کردی کہ عمر اینڈ کمپنی پہلے قرآن کریم اوراحادیث کی مکمل معلومات حاصل کریں ۔یعنی پہلے اس کائنات کی تمام تفصیلات کے عالم بن جائیں ۔پھر شیعہ اورسنی مذاہب کی مکمل تعلیم حاصل کرلیں ۔تب تک ان نام نہاد فرضی اورمخالف ومتضاد دونوں حدیثوں کو چین سے رہنے دیں ۔جب اس قابل ہو جائیں کہ سارے قرآن اورتمام احادیث اوردونوں مذاہب کی ہزاروں کتابوں اورعلماء کے تصورات اور پسند وناپسند پر مطلع ہو جائیں تو دیکھیں کہ ان دونوں حدیثوں میں سے کون سی کس سے موافق اورکس کے خلاف ہے ۔یعنی شریفانہ جواب یہ ہے کہ بھائی یہ کام تیرے بس کا نہیں جا کوئی شریفانہ پیشہ اختیار کراور چین سے زندگی گذار۔ورنہ دین ودنیا دونوں بگڑ جائیں گی ۔

(چکر 7) قرآن اورسنت رسولؐ کے مطابق ہوتے ہوئے اجتہادی مذہب کی مخالفت لازم

امام علیہ السلام کی تجویز سن کر حضرت عمر نے پھر ایک مفروضہ یوں پیش کیا کہ:۔

۔’’میں قربان آپ کی رائے کیا ہے اگران دونوں فقیہوں نے قرآن اورسنت سے ان دونوں، آپس میں مخالف حدیثو ں کا مقابلہ کیا اوردونوں کوقرآن اورسنت کے مطابق وموافق پایا

جعلت فداک ارایت ؟ان کان الفقیهان عرفا حکمه من الکتاب والسنة ووجدنا احد الخبرین موافقاً للعامة والاخر مخاآلفاًلهم فبای الخبرین یوخذ؟۔

ہواور ہمیں یہ پتہ چلے کہ ان میں سے ایک حدیث اجتہادی مذہب کے ساتھ موافقت رکھتی ہے ۔اوردوسری اجتہادی مذہب کی مخالف ہے ۔تو ہم دونوں میں سے کون سی حدیث کو اختیار کریں اورکس کو ترک کردیں ؟۔(ظفری جلد اول صفحہ 75)اس کا جواب دیا گیا کہ ’’ماخالف العامه ففیه الرشاد‘‘۔’’جوحدیث اجتہادی مذہب کی مخالفت کرے اسی میں بھلائی ہے‘‘۔

(چکر 8) نظام اجتہاد کی تعزیت اورقرآن وسنت پر صلوٰۃ، مجتہد کو رخصتی لات

اس جواب کو سمجھنے کے لئے دو الفاظ سمجھ لیں کہ معصومؑ زبان میں وہ لوگ ۔’’عامّہ‘‘۔کہلاتے ہیں جو خلافت ونیابتِ رسولؐ کو ہر امتی کے لئے عام سمجھیں اوران تمام آیات واحادیث میں اجتہادی تاویلات کرلیں جو اللہ ورسولؐ نے خلافت ونیابت کے لئے فرمائی ہیں ۔اوران لوگوں کو۔’’خاصّہ‘‘۔کہا جاتا ہے جو خلافت وامامت ونیابت کو بارہ معصومؑ اماموں کے ساتھ مخصوص کر کے پوری امت کو رسولؐ کی جانشینی کا نااہل سمجھیں ۔لہٰذا جہاں یہ دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں ۔سُنی اورشیعہ علماء نے ان کا یہی اورصرف یہی مطلب سمجھا ہے ۔مندرجہ بالا چکر میں عمر صاحب نے یہ چاہا کہ امام علیہ السلام کے سامنے ایسی صورت پیش کردو کہ وہ اپنے جواب میں ۔’’عامّہ‘‘۔کی مخالفت کا اعلان فرمادیں ۔اورعمر صاحب اہل سنت کو اشتعال دلانے میں کامیاب ہوں ۔

چنانچہ حضورؐ نے ۔’’عــامّــہ‘‘ ۔کی مخالف حدیث کواختیار کرنے اور عامّـہ کے حق میں جانے والی حدیث کوکنڈم کردینے کا فیصلہ سنا دیا۔اورعمر صاحب خوش ہوگئے لیکن بات مجتہد کی عقل سے اونچی تھی ۔اس لئے کہ نہ تو لفظ عــامّــہ کے معنی اہل سنت تھے ۔نہ یہ نام آج کل کی طرح اس وقت تک ہمہ گیر تھا۔نہ تمام اہل سنت رسولؐ کی حقیقی جانشینی اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے منکر ہیں ۔ بلکہ اہل سنت کی کثرت اس حقیقت پر عملی ایمان رکھتی ہے ۔تمام حقیقی صوفیاء اور اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم حضرت علیؑ سے وابستہ رہے اور آج تک اہل سنت کی کثرت صوفیائے کرام کی عملی پیرو ہے ۔لیکن حقیقی عــامّــہ فقہا اور مجتہدین ہیں جنھوں نے روزازل سے نبوت وامامت کوعام درجہ دیا اور انبیاءؑ ورسلؑ کوعام بشر بنایا بڑا بھائی قرار دیا اور اسی اصول پر ان کی جگہ بیٹھے اور کوشش کی کہ ان کا یہ مذہب عمومی حیثیت سے پھیل جائے لیکن تحریک تشیّع کے شعبہ تصوف نے عقائد میں ان کی راہ روکی ۔یہی سبب ہے کہ شیعہ، سنی اور شیخی مجتہدین صوفیائے کرام کے اسی طرح دشمن رہے تھے ۔جس طرح ہم ان تینوں قسم کے مجتہدین کے دشمن ہیں ۔لہٰذا امامؑ نے مندرجہ بالا جواب میں اجتہاد، مجتہدین اور اجتہادی مذہب کی مخالفت کو پختہ کیا اور عمر صاحب کوایک اصطلاحی اور رخصتی لات (PARTING KICK) لگادی اور وہ خوش بھی ہوگیا کہ سُنیوں کے خلاف لکھوالیا۔

<u>(ب) حضرت عمر بن حنظلہ نے کیا کہا؟اس نے بھی کمی نہیں کی ہے</u>

اس نے اپنے سوال میں یہ ثابت کردیا کہ:۔

۔’’دوعدد آپس میں ایک دوسری کی مخالف حدیثیں قرآن وسنت کے مطابق ہوسکتی ہیں‘‘۔ بات ابھی بھی صاف نہیں ہوئی ۔اسے یوں سمجھئے کہ دو آدمیوں میں یہ جھگڑا کہ فلاں شخص کا وارث کون ہے؟ ایک کہتا تھا کہ میں وارث ہوں ۔دوسرا کہتا تھا کہ تو کاذب ہے میں وارث ہوں ۔حضرت عمر بن حنظلہ کے ہم مذہب دو فقہا جواُن دونوں اشخاص کا مقدمہ طے کرنے کے لئے قرآن اوراحادیث اور سُنتِ رسولؐ میں سے گذرے وہ اس نتیجہ پر پہنچے اور عمر صاحب نے تصدیق فرمائی کہ :۔

۔’’ان کان الفقیهان عرفا حکمه من الکتاب والسنة‘‘۔

<u>علامہ کمرئی کا ترجمہ</u> ۔’’دوتن فقیہ ہر دو حکم خود را موافق کتاب وسنت تشخیص دھند‘‘۔

<u>ہمارا ترجمہ</u> ۔’’دوعدد فقہا دونوں اپنے اپنے فیصلوں کو کتاب وسنت کے موافق قرار دیں‘‘۔

<u>ظفری ترجمہ۔جوترجمہ نہیں</u>۔(دیکھو ہمارے نوٹس)۔’’اگر دو فقیہ اس حدیث کے حکم کو کتاب وسنت سے حاصل کریں‘‘۔

علامہ فہامہ جناب ظفرالحسن صاحب قبلہ کے سامنے نہ صورت حال ہے نہ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ کیا لکھ رہے ہیں اور کیوں لکھ رہے ہیں؟ نہ انہیں خبر کہ دونوں فقہا نے ایک حدیث نہیں بلکہ الگ الگ اور ایک دوسری کی مخالف دو حدیثیں اختیار کی ہیں ۔اور دونوں کا فیصلہ ایک دوسرے کے خلاف ہے ۔یعنی ایک نے اپنے والی حدیث سے زید کو وارث قرار دیا ہے ۔دوسرا زید کو وراثت

سے محروم اور بکر کو وارث قرار دیتا ہے۔ دونوں نے جو حدیثیں اختیار کی ہیں وہ بالکل صحیح ہیں۔ ان کے راوی نہایت قابل اعتماد ہیں دونوں حدیثیں شہرت یافتہ ہیں اور آخری بات یہاں تک ہے کہ وہ دونوں حدیثیں قرآن وسنت کے موافق ومطابق ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ:۔

1۔ قرآن وسنت کی رو سے۔ ''زید حقیقی وارث ہے''۔ اور یہ بھی کہ

2۔ قرآن وسنت کی رو سے۔ ''بکر حقیقی وارث ہے''۔ اور یہ کہ

3۔ قرآن وسنت سے۔ ''بکر نے جھوٹا دعویٰ کیا ہے''۔ اور یہ بھی کہ

4۔ قرآن وسنت سے۔ ''زید اپنے دعوے میں کاذب ہے''۔ (اِنَّالِلّٰہِ وَ)

قارئین دیکھیں کہ یہ ہے عمر صاحب کا وہ مذہب جس سے جس کو چاہیں وراثت سے محروم کر دیں اور جس کو چاہیں وارث بنا دیں اور قران وسنت بھی ساتھ رہیں۔ ؎ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

(چکر 9) ایک بے پناہ اور دنیا کا سب سے بڑا فریب اور عقیدہ؟

حضرت عمر بن حنظلہ تو امامؑ کی کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے اس لئے کہا کہ:۔

(جعلت فداک: فان وافقهما الخبران جميعاً؟)۔ ''میں حضورؑ ایسے بھولے امام پر قربان ہو جاؤں! اگر ان دونوں فقہا کی اختیار کردہ دونوں حدیثیں ایسی ہوں جو اجتہادی مذہب (عامّہ) سے موافقت کریں۔ تب کیا کروں؟ (ظفری جلد اول صفحہ 75)

(نوٹ) جن حضرات کے پاس ظفر صاحب قبلہ کا ترجمہ ہوگا۔ وہ اس عمری سوال کا ترجمہ پڑھ کر شاید بہت خفا ہوں گے۔ وہ ترجمہ بھی سن لیں تاکہ جنہوں نے اس ترجمہ پر پیسے خرچ نہیں کیے وہ محروم نہ رہ جائیں فرمایا کہ:۔

۔''اگر مخالفوں کے دونوں گروہ دونوں خبروں (حدیثوں) کے موافق ہوں تو کیا کیا جائے''۔ (ایضاً صفحہ 75)

اگر قارئین نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ یہ۔ ''دونوں گروہ''۔ کون سے عربی الفاظ کا ترجمہ ہے؟ تو نہ صرف حضرت مولانا کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ (اس لئے کہ وہ نہ عربی پڑھتے ہیں نہ یہ شاہد پری چہرہ ان کا مددگار عربی جانتا ہے۔) بلکہ دونوں گروہوں میں بیچارے شیعوں کی گوٹ بھی پٹ جائے گی ورنہ مخالف گروہوں کا لفظ غلط ہو جائے گا۔

بہرحال حضرت عمر نے اس دفعہ بات انتہا کو پہنچا دی ہے۔ اور ثابت کر دیا کہ نہ صرف قرآن وحدیث ہی متضاد ومتخالف احکام کا مجموعہ ہیں۔ بلکہ عامّہ کا اجتہادی مذہب بھی ویسا ہی ہے۔ جیسا قرآن اور حدیث وسنت سے اختیار کرنے کے بعد ہونا چاہیے۔ اِنَّا لِلّٰہِ پڑھیے۔ اور اس گندی بات کو یہ کہہ کر حسین بنا لیجئے کہ قرآن ورسولؐ کی تعلیمات کو مجتہدانہ ذہن لے کر جب بھی پڑھا جائے گا تو صرف گمراہی حاصل ہوگی اور جو مذہب اختیار کیا جائے گا وہ گمراہ کن ہوگا۔

(چکر 10) اجتہادی مذہب، اس کے حکمران اور قاضی وفقہا دشمنانِ حق ہیں

عمر بن حنظلہ نے یہ کہہ کر امامؑ کا راستہ روکنا چاہا تھا کہ گو آپ کی دونوں احادیث قرآن وسنت کے مطابق ہیں مگر اس لئے دونوں قابل عمل نہیں ہیں کہ دونوں میں دو مختلف اور متضاد احکام ہیں۔ مگر امامؑ زمانہ کا راستہ روکنا عمر ایسے مجتہد کے قابو کی بات نہیں۔ آپؑ نے اس پر وہ اعتراضات قائم نہیں کئے جو ہم نے قائم کیے ہیں۔ بلکہ اسے اور ڈھیل دے دی اور فرمایا کہ (**ینظر الیٰ ماھم الیہ امیل حکامھم و قضا تھم فیترک و یوخذ بالآخر**)۔''یہ دیکھو کہ ان دونوں حدیثوں میں سے وہ کون سی حدیث ہے۔ جس کی طرف نظام اجتہاد کے حکمران اور عدالتوں کے قاضی ومفتی اور فقہا زیادہ میلان طبع یا رغبت رکھتے ہیں۔ اس حدیث کو ترک کر دو۔ دوسری کے مطابق فیصلہ کرلو'۔ (ظفری جلد اول صفحہ 57)

یہاں قارئین طے کرلیں کہ اسی عمر بن حنظلہ والی حدیث کے شروع میں امام جعفرؑ صادق علیہ السلام نے اسی عمر سے کہا تھا کہ خلیفہ وقت اور عباسی حکومت کے قاضیوں کے پاس شیعہ حضرات کوئی مقدمہ نہ لے جائیں گے۔ اوران کے صحیح فیصلے کے ماتحت اپنا صحیح اور جائز حق بھی حاصل نہ کریں گے۔ یہاں بھی حضورؑ اپنی بات پر قائم ہیں اور بتا رہے ہیں کہ ہر وہ حکومت باطل ہے جو رسولؐ کی جانشینی کا دعویٰ لے کر اٹھے۔ اس کا مذہب اس کے فقہا اس کے قاضی سب طاغوت کے نظام کے پیرو ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ فرمایا ہے کہ جس طرح ہم اپنا جائز حق لینا بھی اس لئے حرام سمجھتے ہیں کہ حق دینے والا مجتہد یا طاغوت ہے۔ اوراس صحیح فیصلہ میں اس کی ناپاک رائے شامل ہوگئی ہے۔ اسی طرح ہم اس صحیح حدیث کو بھی ترک کر دیں گے۔ جسے طاغوت اپنا آلہ کار بنالے اوراس دوسری حدیث پر عمل کریں گے۔ جو اسی لئے بیان کی گئی اور اسٹور میں رکھی گئی تھی کہ وہ ہمیں طاغوت کے مقابلہ میں کامیاب کرے گی۔ یہاں یہ بات خاص طور پر نوٹ کرلیں کہ عمر صاحب کے ان چکروں میں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آئمہ علیہم السلام کی وہ احادیث بھی قطعاً صحیح اور قرآن وسنت کے موافق ومطابق ہوتی ہیں۔ جن میں نظام طاغوتی کی آنکھوں کو تضاد واختلاف نظر آتا ہے۔ لہٰذا پھر ایک بار طے ہوگیا کہ معصومینؑ کے نام سے منسوب کسی بھی حدیث کا کسی بھی صورت میں انکار کفر ہے۔

(چکر 11) حضرت عمر کا آخری سوال اور ایک فیصلہ کن آخری منزل؟

عمر صاحب کا سر گھوم رہا تھا۔ لیکن وہ بڑے سخت جان تھے۔ چکرا کر گرتے گرتے آخر آٹھواں سوال داغ دیا کہ:۔
(**قلت: فان وافق حکامھم الخبرین جمیعاً؟**) جناب اگر آپ کی بیان کردہ حدیثوں میں سے ایک ایسی ہوتی جسے نظام اجتہاد کے حاکم اور قاضی ومفتی اور مجتہد پسند کرتے تو ہم دوسری کو اختیار کر لیتے مگر مصیبت تو یہ ہوگئی کہ آپ کی دونوں متضاد ومتصادم ومتخاصم اور متخالف حدیثیں انہیں کلیتاً پسند ہیں۔ بتایئے اب تمہارے یہ بندے شیعہ کدھر بچ کر نکلیں؟۔

(سرتوڑ چکر 12) ضرب حیدری، دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تُو

پھر نوٹ کریں اور احادیث میں اختلاف کی آڑ لے کر حدیثوں کے انکار کرنے والوں کو بتائیں کہ تم شیعہ لیبل لگا کر کتنی بڑی جسارت اور کفر پر اتر آئے ہو؟ حالانکہ تمہارے بزرگ مجتہدین یہ مانتے ہوئے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث میں اختلاف ہے۔ اور دیدہ دانستہ اعلان کر کے اختلاف پیدا کیا گیا ہے۔ مگر ان کی ہر حدیث قرآن وسنت کے موافق ومطابق اور ہم آہنگ وہم زبان ہوتی ہے۔ یعنی تم لوگ قدیم دشمنانِ اہل بیتؑ سے بھی سخت سنگدل اور بے حیا و بے رحم دشمنِ خدا و رسولؐ ہو۔ تم خرابی پیدا کرنے کے لئے تو عمر بن حنظلہ کی منقولہ اس حدیث کو اِدھر اُدھر سے ٹکڑے کر کے استعمال کرتے ہو مگر اس کے بھی پورے بیان پر ایمان نہیں رکھتے۔ (قَلِيْلاً مَّاتُؤْمِنُوْن) (69/41)

آخر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عمر بن حنظلہ کا دیوالہ دیکھ کر وہ آخری اور اولین اصول بیان فرمادیا کہ:۔ ''سنو اور کبھی نہ بھولو کہ ہماری احادیث جب بھی تمہاری **اذا کان ذلک فارجه حتّٰی تلقی امامکؑ۔ فان الوقوف** افتادِ طبع پر باعث شبہات بنے تو تم پر واجب ہے۔ کہ ان **عندالشبهات خیر من الاقتحام فی الهلکات۔** احادیث کو مضبوطی سے تھام لو اور اس وقت تک ہر اقدام سے باز رہو جب تک تمہارا امامؑ زمانہ آ کر تمہیں حقیقت احادیث پر مطلع نہ کر دے۔ اس لئے کہ تمہیں اپنا فرمان پہنچانا ہماری اپنی ذمہ داری ہے۔ (لَنَا اِلْقَاءِ الْقَوْل) اور تم پر لازم ہے۔ کہ شبہات کے عالم میں اقدامات کر کے ہلاکت میں نہ پڑو ہمارا انتظار کرو''۔ (اَللّٰهُمَّ صَلِّی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ)

(نوٹ) الزام سے بچنے کے لئے ہم نے چند باتیں ازراہ مجبوری لکھی ہیں۔ اور اُسی سلسلے میں یہ ظاہر کرنے پر مجبور ہیں کہ جناب علامہ ظفر صاحب قبلہ نے راویوں کا سلسلہ تو اپنی کافی میں ترک کر ہی دیا تھا۔ اور یہ التزام کیا تھا۔ کہ صرف اس راوی کا نام لکھیں گے۔ جس نے امام معصومؑ سے خود ہی حدیث سنی تھی۔ مگر وہ اس پر بھی برقرار نہ رہے۔ اور اکثر مقامات پر بلا کسی راوی کے احادیث لکھتے چلے گئے۔ حالانکہ ان سے پہلے کسی مترجم نے کافی کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا تھا۔ بہرحال یہاں تک بھی غنیمت تھا۔ لیکن کمال یہ کیا ہے۔ کہ اس عمر بن حنظلہ والی حدیث کو جلد اول صفحہ ۷۳ کی آخری سطور میں شروع فرمایا۔ عمر بن حنظلہ کا نام بھی نہیں لکھا اور حدیث کو سَـاَلْتُ اَبَاعَبْدِاللّٰه علیہ السلام (میں نے امام جعفر صاؑدق سے سوال کیا۔) سے شروع کیا اور اس ایک حدیث کو الگ الگ چھ حدیثیں بنا کر صفحہ 75 تک تقسیم کر دیا۔ جو تمام علمائے شیعہ کے خلاف ہے۔ تمام علماء جانتے ہیں کہ یہ ایک ہی حدیث ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ ہم ان قارئین کے سامنے یہ حقیقت واضح کر دیں جو ہمارے حوالوں کو ظفری کافی میں پڑھیں گے۔ تا کہ وہ ہم پر الزام عاید نہ کریں اور ساتھ ہی مغالطہ بھی نہ کھائیں۔ چنانچہ یہ حدیث صفحہ 75 کی آخری سطر پر ختم ہوئی ہے۔ آپ صفحہ 73 کے آخر کے لفظ ''اصل''۔ کو چھوڑ کر صفحہ 75-74 پر پانچ جگہ لکھے ہوئے ''اصل''۔ کو ساقط کر کے حدیث کو

مسلسل کرلیں۔اور بجائے چھ حدیثوں کے ان کو ایک ہی حدیث کے چھ پیرے (PARAS) سمجھ لیں۔(جسارت پر معذرت خواہ ہوں)۔

(ضمیمہ ترکیب 5) معصومینؑ کی احادیث میں اختلاف کی حقیقت اور ضرورت

یہاں تک ہم ان ترکیبوں اور چالاکیوں اور فریب سازیوں کا تذکرہ کرتے رہے۔جو بارہویں اصول کے ماتحت نوٹ کرانا ضروری ہیں۔ پانچویں ترکیب میں یہ دیکھا گیا کہ شیعہ مجتہدین بڑی ڈھٹائی کے ساتھ احادیث کے اختلاف کو اچھال اچھال کر نہ صرف دشمنوں کے لئے مذہب شیعہ کو مضحکہ بناتے اور شیعوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ بلکہ اسی اختلاف کی آڑ میں بیٹھ کر وہ مذہب شیعہ کی بنیاد کو مسمار کرتے ہیں۔محمدؐ و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے فضائل کا انکار کرتے ہیں۔اور شیعوں میں ڈھکوازم،شیخی ازم اور خالصی ازم پھیلاتے ہیں۔اس لئے ہم نے سابقہ صفحات میں وعدہ کیا تھا کہ ہم رک کر یہ دکھائیں گے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام نے مسلمانوں کو اجتہادی یا قومی حکومت کے استبدادی اقدامات اور قتل وغارت سے محفوظ رکھنے اور اسلام کا صحیح تصور پیش کرنے کے لئے ایسے بیانات دیئے ہیں۔جن سے دشمن کے اقدامات بے اثر ہوجائیں۔اور جبر وتشدد کی پالیسی کا رخ خود بخود دشمن کی طرف موڑ دیا جائے۔ چنانچہ آئمہ علیہم السلام نے خود اس اختلاف کا اعلان کیا ہے۔ہم یہاں یہ وعدہ پورا کرتے ہیں اور اس سلسلہ کی ضروری معلومات آپ کے روبرو رکھے دیتے ہیں تا کہ یہ اختلاف کا حیلہ دم توڑ دے۔اور ذاتی رائے اور اجتہادی بصیرت کی تقلید کا جنازہ نکل جائے۔

(اعلان) اختلاف! غلطی یا کم علمی یا لاشعوری طور پر نہیں بلکہ کمال دانش وعقل کا تقاضہ ہے

قارئین کرام نے اللہ،رسولؐ،قرآن اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے لامحدود علوم وقدرت اور ہمہ گیر نظام ہدایت وتقلید میں ہم آہنگ ومربوط ہونے پر ہمہ قسمی دلائل دیکھ لئے ہیں۔اور جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اللہ ہرگز نہیں چاہتا کہ نوع انسان گمراہ ہوجائے اور گمراہی بھی تعلیمات خداوندی میں اختلافات اور تضادات اور نقائص کی وجہ سے وقوع میں آئے۔تو یہ اللہ کی اپنی ذاتی ذمہ داری اور ضرورت تھی کہ وہ نظام ہدایت وتقلید میں کوئی پہلو ایسا نہ چھوڑے جس سے گمراہی کا امکان رہ جائے۔ اور پوری نوع انسان گمراہ ہوجانے کے باوجود بے قصور کہلائے اور پھر گمراہی کا موقع پیدا کرنے کا الزام اللہ پر عاید ہوجائے۔ یہی وہ معیار ضرورت وتقاضہ تھا۔کہ اللہ نے محمدؐ و دیگر انبیاءؑ اور آئمہؑ اور ملائکہ علیہم السلام کو معصومؑ پیدا کیا۔تاکہ ادارہ نبوتؑ وامامت کی طرف سے اس کی تعلیمات میں کوئی کوتاہی،لغزش اور خطا ممکن نہ رہے۔یہی نہیں بلکہ ادارہ نبوتؑ کے سربراہوںؑ کو اس پوری کائنات کا وہ علم عطا کیا جس کا تذکرہ ہوتا رہا۔یہی نہیں بلکہ ہر ماہ وسال اور ہر ہفتہ اور ہر روز اور ہر لحہ اپنے علوم سے نوازتے رہنے اور تخلیقی وارتقائی منازل سے گذارتے رہنے کا سلسلہ تاقیامت جاری فرمایا۔ ایسی صورت میں یہ ناممکن

تھااورناممکن ہے کہ انبیاؑءاورآئمہ علیہم السلام سے ملنے والی تعلیمات خداوندی میں کسی قسم کی خامی رہ جائے۔اوراس خامی کی وجہ سے مخلوق خداگمراہ ہوکراللہ پرالزام قائم کردے۔

یہ تھی حقیقی صورت جس کے زیرسایہ نظام ہدایت وتقلید شروع ہوا۔آگے بڑھااورآپ تک پہنچالیکن جناب مجتہداعظم کے لئے بھی ضروری تھا کہ وہ اللہ کی عطاکردہ قدرت وعلم کوالٹ کراستعمال کرےاورجس طرح ہوسکےنوع انسان کوگمراہی کی طرف لائے۔اس کی ابتداءآپ نے دیکھی کہ اس نے ادارہ نبوتؐ کے اولین شخص،حضرت آدمؑ کی بالادستی،اورحاکمیت ومطلق اطاعت کاکھلاانکارکردیا۔اوررفتہ رفتہ انسانوں میں اپناادارہ اجتہادقائم کرکےاپنے حصے کےدانشور(قَالَ لَا تَخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيباً مَّفْرُوضاًO)(4/118)جوروزِازل سےاس کےنصیب میں لکھ دیئے گئے تھے،الگ کرلئے۔اورانہیں یقینی گمراہی پھیلانے کے لئے تیارکیا،ترقی کی امیدیں،اورنئی راہیں اورنئی نئی تمنائیں پیداکرنے کی تعلیم دی،فوائداورنعمتوں کوعیاری سےضبط کرلینے کے حیلے سکھائےاورنظام فطرت میں حسب منشاتغیّرپیداکرنے کےقوانین سکھائے۔ (وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ...... الخ)(نساء4/119) (لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَO)(حجر15/39)اورتمام ٹیکنیک سکھائی جس سےیہ دنیادلہن بن کراپنی تمام زینتوں اورآرائشوں کے ہجوم میں گھیرلے۔اورسب کےدامنِ امیدالجھ کررہ جائیں۔لہٰذاُدھرانسانوں کوحریت اورآزادی ضمیرکاجھانسا دیا۔ادھرانبیاؑءوآئمہ علیہم السلام کومکمل انسان،زبردست آمراورمطلق العنان،خاطی اشخاص ثابت کرنےاوران کی آمریت اوربلاچوں وچرااطاعت سےڈرانےکابندوبست کیا۔انسانوں کوبراہ راست بلاکسی واسطےاوروسیلےکےاللہ سےوابستہ کرنےکی پٹی پڑھائی۔مشاورتی اوراجتماعی بصیرت سےفیصلےکرنےاورانسانی تقاضوں اورمصلحتوں کومدنظررکھنےاورمفادعمومی کومعیاربنانے کالارادیا۔آمریت اورسلطانی وطبقہ واریت کےخلاف نعرےایجادکئے۔انبیاؑءوآئمہؑ کےذاتی جذبات ومیلانات کےحربوں میں رنگ بھرکردکھایا۔ان کی غلطیاں اوربھول چوک کی کہانیاں گھڑیں اورگھرگھرپھیلائیں۔سب سےپہلےدائرہ ایمان میں داخل ہونےاورمل کرماردینےاورمدمقابل بن کرمیدان مخالفت میں للکارنےکےدومحاذتیارکئےدونوں محاذوں میں رابطہ،خبررسانی اورتعاون برقراررکھنےوالاوسطی وواسطی طبقہ تیارکیا۔اورہرامت کی کثرت کوتعلیمات خداوندی کےخلاف مگرطاغوتی مومن بناتےہوئےآگےبڑھے۔آنخضرتؐ کےزمانہ کی مکمل تاریخ قرآن کریم میں موجودہے۔اورہم نےکافی کچھ آپ کے روبرورکھ دیاہے۔مختصراًیہ پھرنوٹ کرلیں کہ قرآن نےرسولؐ اللہ اورخوداللہ کابیان ریکارڈکیاہے۔اورثابت کردیاہےکہ رسولؐ اللہ کی قوم نےعہدرسولؐ ہی میں قرآن کوخیربادکہہ دیااورپھرطےکرلیاتھاکہ قیامت تک قرآن سےویساتعلق نہ رکھیں گے۔جو اللہ ورسولؐ چاہتےہیں۔

قومی لیڈروں نے اقرار کیا ہے کہ انہوں نے رسولؐ کے راستہ کو چھوڑ کر ایک قومی یارانے کا راستہ اختیار کرلیا تھا(فرقان 25/27-31)ادھر اللہ نے اس قوم اور دانشوران قوم کو روز ازل سے چلے آنے والے دشمنوں اور جرائم پیشہ گروہ میں شمار کیا تھا۔ ادھر ابلیس نے چیلنج کے وقت ہی یہ مان لیا تھا۔ کہ اے اللہ میں تیرے مخلص بندوں (جن میں وہ سامان نہ ہو جو ابلیس کا اثر قبول کرتا ہے یا جسے انسان متاثر کرسکتے ہیں) پر کبھی تسلط حاصل نہ کرسکوں گا۔(اِلَّا عِبَادَکَ مِنھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ O)(حجر 15/40، ص 38/83)اور اللہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ سن جس گروہ پر تو قبضہ اور غلبہ نہیں پاسکتا اور جنہیں تو مخلص قرار دیتا ہے۔ وہ وہی لوگ ہیں جو آدمؑ سے بھی بزرگ تر اور سجدہ سے مستثنیٰ تھے۔ جنہیں ہم نے الگ الگ عالین کہا تھا۔(ص 38/75)اور جس راستہ کی تمام انبیاءؑ تبلیغ کریں گے۔(قال ھذا صراط علی مستقیم)(حجر 15/41)وہ راستہ ہمیشہ برقرار رہے گا۔ اور مذکورہ عالینؑ میں سے ہر زمانہ میں سے ایک علیؑ اس کا ذمہ دار ہوگا۔

(نوٹ)نظام اجتہاد نے قرآن کریم کو زیر وزبر کیا تھا

قارئین یاد رکھیں کہ رسولؐ اللہ نے جو قرآن مرکزی حیثیت سے لکھوایا تھا۔ نہ اس میں حروف کے اوپر زیر وزبر وپیش وشدّ ومدّ وآیات کے نشانات اور نمبر رکوع کے نشانات اور نمبر نہ یہ ننھے ننھے ج۔ ز۔ م۔ لا وغیرہ لکھوائے تھے۔ اور نہ حضرت عثمان کے زمانہ میں یہ چیزیں قرآن میں شامل کی گئیں۔ یہ تو دوسری صدی میں نظام اجتہاد نے قرآن کی اصلاح کی تھی۔ عربوں کو اسی طرح زیر وزبر کی احتیاج اور ضرورت نہ تھی۔ جس طرح اردو، پنجابی، سندھی اور فارسی زبان لکھنے پڑھنے والوں کو زیر وزبر وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب مختلف زبان کے لوگوں تک قرآن جا پہنچا تو صحیح تلفظ کرانے کے لئے ان چیزوں کی ضرورت پڑی۔ اس وقت کی حکومتوں نے مجتہد ماہرین سے یہ کام لیا اور ان لوگوں نے ہر اس جگہ زیر وزبر وپیش وشدّ ومدّ کو خاص طور پر غلط لگایا جہاں جہاں انہیں یہ امید تھی کہ شاید اس طرح لفظ کے معنی بدل جائیں۔ چنانچہ یہاں تو لفظ علیؑ بطور مضاف الیہ استعمال ہوا تھا۔ اور اس کو برقرار رکھنا ان کی ساری محنتوں اور کاوشوں کو ضائع کردیتا تھا۔ یعنی وہ یہ کیسے برداشت کرتے کہ صراط مستقیم علیؑ کا راستہ (صِرَاطُ عَلِیٍّ)بن کرامت کے سامنے آجائے۔ اس لئے انہوں نے زیر کی جگہ زبر لگا دیا اور علیؑ کے راستہ کو اللہ کے اوپر سے گذرنے والا (صِرَاطُ عَلَیَّ)راستہ بنا دیا۔ اور یوں (معاذ اللہ)اللہ کے اوپر سے گذرگاہ بنالی۔

(نوٹ 2)مُخلَصُ بندے صرف انبیاءؑ ہیں اور کوئی نہیں

قارئین سارے قرآن میں تلاش کریں جہاں بھی **مُخلَصُ** بندوں کا ذکر ہوا ہے۔ وہاں ہر جگہ انبیاء کرام سلام اللہ علیہم کا تعیّن کیا گیا ہے۔ اور ان کا مقام تمام انسانوں سے بلند ومحیّر العقول رکھنے کے لئے ایک ایک آیت لائی گئی ہے۔ دیکھئے اور اپنے قرآن میں خود آیت نکال کر ترجمہ دیکھئے اور حیران رہ جایئے۔

۔''جب کافروں نے یہ کہا کہ کیا ہم ایک پاگل شاعر کے لئے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ تو اللہ نے جواباً فرمایا کہ

(۱)وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ O اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ O (صافات) (37/39-40) اور (37/36-38)

وہ پاگل شاعر نہیں ہے۔ وہ تو وہ ہستی ہے۔ جو حقِ محض لے کر آیا ہے۔ اور تمام رسولوںؑ کی تعلیم کو سچ کر دکھایا ہے۔ یقیناً تم سب کو دردناک عذاب کا مزہ لینا ہوگا۔ اور تمہیں جو جزا ملے گی وہ صرف وہی ہوگی۔ جو تمہارے اعمال کے نتیجہ میں ملے گی۔ مگر اللہ کے **مُخلَص** بندے اعمال کی جزا اور حساب وکتاب سے مبّرا و منزّہ ہیں۔ اور فرمایا کہ:۔

۔''انہوں نے اپنے رب کو جھٹلایا چنانچہ ان کو باز پرس کے لئے حاضر ہونا پڑے گا۔ مگر اللہ کے مُخلَص بندوں کے لئے باز پرس کے لئے حاضری نہیں ہے''۔ اور یہ بھی بتایا کہ:۔

(2) فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ O اِلَّا عِبَادَاللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ (صافات 128-37/127)۔

۔''باز پرس اور مواخذہ کے لئے تمام انسانوں ہی کو حاضر نہ ہونا پڑے گا۔ بلکہ تمام جنوں کو بھی معلوم ہے۔ کہ انہیں بھی قیامت میں مواخذہ کے لئے حاضر ہونا پڑے گا۔ اللہ اس سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ جو یہ لوگ اس کی صفات بیان کرتے ہیں۔ حقیقی صفات جاننے والے صرف اللہ کے مُخلَص بندے ہی ہیں۔ اور انہیں کسی مواخذہ کے لئے صحیح صفات جاننے اور بیان کرنے کی وجہ سے حاضر نہ ہونا پڑے گا''۔

(3)وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ O سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ O اِلَّا عِبَادَاللّٰه الْمُخْلَصِيْنَ O (صافات 160-37/158)

اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پوزیشن بیان فرما کر یہ واضح کر دیا کہ انبیاءؑ کے جسم میں وہ مادہ اور سامان نہ لگایا گیا تھا۔ جو شیطانی اغوا، فریب یالذات کی طرف مائل کیا جاسکے۔ سنئے ارشاد ہے کہ:۔

۔''اسی قانون کے مطابق ہم نے اس سے برائی اور بے حیائی کو علیحدہ کر دیا۔ یقیناً وہ ہمارے مُخلَص بندوں میں سے ہے''۔

(4) كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ O (یوسف 12/24)

مطلب واضح ہے۔ کہ ذاتی میلان اور مادی خواہشات سے مبرا اور منزہ ہستی کو ایسی حالت میں بھی بے عیب و نقص ثابت کر دیا جب کہ حکومت کی سطح سے مجرم اور بدکردار بنانے اور مشہور کرنے کی پوری کوشش کی گئی تھی۔ اہل ایمان جب اس بات پر غور کریں گے۔ کہ اللہ نے ابلیس کو یہ طاقت وقدرت واختیار دیا تھا کہ وہ انسانی جسم اور خون اور قلب و ذہن میں داخل ہو جائے اور نطفوں میں اپنی خصوصیات پہنچادے اور اس کا مُخلَص بندوں پر تسلط نہ ہونا ثابت کرتا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کا جسم اور خون اور نطفہ اس مادہ سے بنا ہوا نہ تھا۔ جو انسانوں، حیوانوں اور جنات میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہی وہ پوزیشن ہے۔ جس کو ماننے کے لئے کوئی

مجتہد کبھی تیار نہیں ہوتا لیکن ہم قرآن وسنت سے واضح الفاظ میں ثابت کرتے ہیں کہ پوری کائنات حتٰی کہ ملائکہ اور تمام انبیاءؑ نور محمدیؐ کے بعد پیدا ہوئے لہٰذا یہ کہنا عقل وہوش اور واقعات کے خلاف ہے کہ محمدؐ انسانوں کی نوع یا حیوانوں کی جنس سے ہیں۔ البتہ یہ کہنا صحیح ہوسکتا ہے کہ حضورؐ کے بعد پیدا ہونے والی مخلوق حضورؐ کی جنس سے ہوں۔ چنانچہ احادیث میں ثابت ہے کہ انبیاءؑ اور ملائکہ آپ کی پیشانی کے پسینہ سے پیدا ہوئے۔ اور مختلف اعلیٰ وادنیٰ مخلوق اسی ذاتؐ بابرکات کے ادنیٰ واعلیٰ مقامات کے پسینہ یا میل سے پیدا ہوئی۔ اگر محمد بھی اس مادہ سے پیدا ہوتے تو ان پر تمام جذبات ومیلانات کا غلبہ رہتا جو باقی تمام انسانوں پر مستقل طور پر غالب ہیں۔ اسلامی آثار اور ریکارڈ میں حضورؐ کا سونا جاگنا، کھانا پینا، آپؐ کا بول وبراز، آپؐ کا جسم اندھیری رات میں اس قدر روشنی کردینے والا کہ سینے کی سوئی نظر آتی رہے۔ آپؐ کا خون آپؐ کا گوشت بالکل مختلف اور انسانوں سے جداگانہ تھا۔ ورنہ کوئی مولانا یا مجتہد اور حجۃ اللہ آگے بڑھ کر ہمیں قابل فہم دلیل دے کہ کسی انسان کو چاروں طرف کیسے نظر آسکتا ہے؟ سوتے ہوئے تمام بیرونی حالات پر کس طرح مطلع رہ سکتا ہے؟ کسی کا جسم کیوں کر اتنا روشن رہ سکتا ہے؟ کسی آدمی کی انگلیوں سے پانی یا دودھ کی دھاریں کیسے جاری ہوسکتی ہیں؟ اُن ملاعین نے ان چیزوں کا انکار کیا اور جس نے مانا تو ان کو معجزات بنادیا اور معجزہ کو نظر بندی کہہ کر بے اثر کردیا۔ معجزہ یہ تھا کہ خدا نے اپنی اس عجیب وغریب قدرت کو انسانی لباس پہنایا اور یہ قدرت دی کہ وہ تریسٹھ سال انسانوں کی طرح بسر کریں۔ انسان اور بشر کہلائیں اور ساری دنیا کو انسان کا وہ مقام دکھائیں جو اللہ ہر انسان کو دینا چاہتا ہے۔ وہ راستہ دکھائیں جس پر چل کر مقام محمدیؐ کی طرف عروج مل سکتا ہے۔ انہوں نے وہ راستہ، وہ صراط علی مستقیم پیش کیا سعید وخوش بخت لوگ اس پر کاروان در کاروان چلے اور صفات محمدؐیہ سے فیض یاب ہوئے۔ دنیا میں دکھی انسانوں کے دکھ درد دور کیے۔ مسلم وغیر مسلم ان سے آج تک وابستہ ہیں۔ اس وابستگی کو شرک کا طعنہ اور تلوار کمزور نہ کرسکی وہ آج بھی محمدؐ کا انتظار کررہے ہیں۔

(اعلان 2) اتمام حجت عقلی معیار پر لازم رہا ہے۔ انبیاءؑ وآئمہؑ کا فریضہ

سوچنے سمجھنے اور حق وباطل تک پہنچنے کا ذریعہ انسان کے پاس اس کی عقل ہے۔ لہٰذا جب تک کوئی شخص کسی چیز کو اپنی عقل سے سمجھ کر اختیار نہ کرے اس پر ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ اور جب وہ اپنی عقل کا اطمینان کرلے اس کے بعد وہ اپنے اقوال واعمال اور نظریات کا ذمہ دار ہوجاتا ہے۔ انبیاءؑ اور آئمہ علیہم السلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ تعلیمات خداوندی کو جبر وزبردستی سے لوگوں پر نہ ٹھونسیں یوں جبراً مومن بنانا اللہ کو منظور نہیں ہے۔

''اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَO'' (یونس 10/99)

اللہ یہ چاہتا ہے۔ کہ جو کوئی گمراہی میں پڑ کر تباہ ہونا چاہے وہ واضح عقلی دلیل سے گمراہ ہو اور جو کوئی ہدایت حاصل

کر کے حیات ابدی لینا چاہے۔ وہ بھی عقل کے بینات سے ہدایات پائے۔

۔''لِّیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌO''(انفال 8/42)

اوراللہ نے تو یقیناً اس پوزیشن کو جاننا اور سننا جاری رکھا ہے۔ اور وہ اس وقت تک کسی کو حقائق دین خداوندی کا منکر قرار نہیں دیتا جب تک لوگوں کو اللہ کی تعلیمات باقاعدہ نہ سنادی جائیں اور وہ اسے اچھی طرح اپنی عقل سے سمجھ نہ لیں۔ اور حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر اسے الٹا کر کے لوگوں کو گمراہ نہ کریں۔

''اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَO''(بقر 2/75)

اللہ کی عاید کردہ ان شرائط کو انبیاءؑ وآئمہ علیہم السلام نے خدائی معیار کی انتہائی حدود تک پورا کیا۔ اور اللہ سے یہ کہلوا کر چھوڑا کہ محمدؐ تمہاری ہدایت کرنے میں بڑی حرص رکھتا ہے۔ اور ان حضراتؑ سے فرمایا کہ:۔

''حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌO '' (توبہ 9/128)''فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ''(کھف 18/6)

آپ ان لوگوں کو سمجھانے بجھانے اور ایمان تک لانے کے لئے اپنی جان تک گھلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ جو فطری حیثیت کے خلاف ہے۔ اور یہ کہ اب آپ مشرکوں کی طرف سے منہ پھرالو۔''وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ''O

(انعام 6/106۔شاہ رفیع الدین 6/107) اور تمہیں اختیار ہے کہ اگر چاہو تو ان کو ہمارے احکام بتادیا کرو نہ چاہو تو بائیکاٹ رکھو۔

''فَاِنْ جَآءُوْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ اَوْاَعْرِضْ عَنْهُمْ''(5/42)

خود ان کے پاس جا کر تبلیغ کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ اور آخر فرمادیا کہ:۔

''اِنَّهُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًاOوَّاَکِیْدُ کَیْدًاO فَمَهِّلِ الْکٰفِرِیْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًاO''(طارق 86/15-17)

اب ان لوگوں نے فریب سازی پر کمر باندھ لی ہے۔ اور میں نے بھی ان کو فریب دینے کا پروگرام شروع کردیا۔ لہٰذا آپ ان حق پوش لوگوں کو ایک ضروری مدت تک کی مہلت دے دیں۔

(اعلان 3) انبیاءؑ وآئمہؑ نے اپنا فریضہ مقررہ معیار پر جاری رکھا، عقل کو پورا موقعہ دیا

اللہ کے یہ احکام آخر وہاں آ کر مکمل ہوجاتے ہیں۔ جہاں ہم آج کل ہیں۔ اور یہ وہی مدت اور مہلت ہے جس میں نظام اجتہاد کی مکاریوں اور فریب سازیوں کا توڑ خدائی منصوبہ کے ماتحت جاری ہے۔ اور ہم مامور ہیں کہ طاغوت کے ہر ظاہر وباطن منصوبہ کو بے اثر کرتے اور مسلمانوں کو بچا کر نکالتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں اور راہنمائے دوجہاں کے پسندیدہ معیار تک پہنچائیں۔ تاکہ وہ حضرتؑ اپنی کھلی توجہ اس راندۂ درگاہ اُمت پر ازسرنو مبذول فرمائیں۔ بہرحال محمدؐ وآل محمدؐ نے عقل کے

تمام معیار پورے کئے ۔کھلی تبلیغ کی ۔تیغ بکف شکست دی ۔حکومت قائم کی ۔حکومت سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا تو عارضی و مجبوری کی غیبت اختیار کی ہدایات جاری رکھیں اور اِسلام دشمن نام نہاد اِسلامی حکومت کے ادوار میں اللہ کی مقرر کردہ مذکورہ تدریج پر سو فیصد عمل کیا۔انہوںؑ نے اللہ کا یہ اصول تسلیم کیا کہ:۔

''انما یداق اللّٰہ العبادفی الحساب یوم القیامة علیٰ قدر ما آتا ھم مِنَ العقول فی الدنیا''(کافی کتاب العقل والجہل حدیث نمبر ۷) قیامت کے روز اللہ اپنے بندوں کو ان کی عقل کے مطابق ذمہ دار ٹھہرائے گا۔ جو اس نے انہیں دنیا میں دی تھی ۔(محمدؑ باقر) یہ سبب تھا کہ محمدؐ اور آئمہ علیہم السلام نے تعلیماتِ خداوندی کی تبلیغ میں اپنی ذاتی عقل کے مقام بلند کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ بحکم رسولؐ یہ کہا کہ تمام انبیاءؑ کو اللہ کا یہ حکم رہا ہے کہ وہ لوگوں سے ان کی عقلی سطح کو ملحوظ رکھ کر تعلیماتِ خُداوندی پہنچائیں ۔(امام جعفرؑ صادق)۔

(ماکلم رسولؐ اللّٰہ العباد بکنہ عقلہ قط (جعفرؑ صادق)وقال:قال رسوؐل اللّٰہ:انا معاشرالا نبیاء امرنااان نکلم الناس علی قدر عقولھم(جعفر صادقؑ)(حدیث نمبر۱۵)

تمام اہل عقل جانتے ہیں کہ انسان مختلف الحال ہیں ۔ان میں بچے ، جوان ، بوڑھے ،عورتیں مرد ،اندھے ،محتاج ،امیر ، غریب ، جاہل ودیہاتی ، لکھے پڑھے شہری ، اہل صنعت وحرفت عوام اور قائد ،شاہ ، گدا ،مجتہد ومقلِد ، دین دار و بے دین ہمیشہ موجود رہتے ہیں ان تمام طبقات کی عقلیں نہ برابر و یکساں ہیں نہ ممکن ہے ۔لہٰذا مندرجہ بالا احادیث اور آیات کے تقاضہ کو پورا کرنے کے لئے انبیاءؑ اور آئمہ علیہم السلام پر لازم تھا اور ہے کہ وہ ہر شخص کو اس کی عقلی سطح کے مطابق تعلیم دیں ۔اس کی زبان میں بات کریں اور اس کی ہرگز پرواہ نہ کریں کہ اس شخص کے معیار سے مختلف معیار کے لوگ سمجھیں یا نہ سمجھیں اور سمجھیں تو کیا سمجھیں ۔ اور جب وہ حضراتؑ مجمع عام کو عمومی حیثیت سے مخاطب کریں تو اس وقت ایسا کلام کریں جسے زیادہ سے زیادہ لوگ سمجھیں اور جو لوگ عمومی خطاب کے دوران پوری طرح نہ سمجھیں اور سمجھنا چاہیں ۔ وہ سوالات کریں اور یہ حضراتؑ ہر سوال کرنے والے کو حقیقی مطلب ومفہوم سمجھانے کے لئے دوسروں کی فکر کئے بغیر اطمینان بخش جواب دیں گے ۔اب یہ جواب پورا مجمع سن رہا ہے ۔ اگر اس جواب سے کسی کے دل میں کچھ شکوک وشبہات پیدا ہوں تو اسے بھی اپنے اطمینان کے لئے سوالات کرنا چاہئیں ۔اگر کچھ لوگ الٹا سیدھا سمجھ کر بلا تحقیق کئے اٹھ کر چلے جائیں ۔اور اپنی غلط سمجھی ہوئی باتوں کو آگے بڑھائیں تو یہ ان کی اپنی غلطی ہوگی ۔ آئمہؑ وانبیاءؑ اور کسی بھی راہنما کی اس میں خطا نہ ہوگی وضاحت نہ چاہنے والے لوگ بھی دو قسم کے ہوسکتے ہیں ۔ایک پُرخلوص نیک دل لوگ ۔ دوسرے بد باطن مخالف آدمی ۔ اول الذکر اپنی عقیدتمندی کے ماتحت اپنی غلط یا ادھوری سمجھی ہوئی باتوں کو اپنی ذاتی بصیرت سے خوشنما اور اچھا بنا کر پیش کریں تو یہ بھی ان کی اپنی ذمہ داری ہوگی ۔ان کی بیان کردہ باتیں امامؑ کی باتیں نہ ہوں

گی۔ دوسرا گروہ اپنی غلط اوراُدھوری سمجھی ہوئی باتوں کوخواہ ہو بہو پیش کریں خواہ اور بدنما بنا کر آگے بڑھائیں۔اس کی ذمہ داری بھی اللہ ورسولؐ اور امامؑ پر نہ ہوگی۔ قارئین نوٹ کریں کہ یہ تمام صورتیں ہمارے نبیؐ اور آئمہ علیہم السلام کی تعلیم کے ساتھ پیش آئی ہیں۔اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی اس صورت حال کو اپنے خطبات میں بیان فرمایا ہے۔

(ظفری جلد اول صفحہ 71-67 نہج البلاغہ۔ظفر صاحب نے ایک حدیث کو بارہ حدیثیں بناڈالا)

(اعلان 4) احادیث اور معصومؑ بیانات کو غلط سمجھنا، وضاحت چاہنا یا چل دینا

یہاں یہ حقیقت بہت اجاگر ہوکر سامنے کھڑی ہے۔ کہ مندرجہ بالا فطری صورت حال میں مخالف گروہ کتنا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ یہ صورت حال آج بھی درپیش ہے۔لیکچر دیا جاتا ہے۔جلسوں کو مخاطب کیا جاتا ہے۔اس کے بعد رپورٹر جو کچھ سمجھتے ہیں۔وہ اخباروں میں آپ کے سامنے آتا ہے۔ باقی جلسے کے لوگ جو کچھ سمجھتے ہیں۔اپنے اپنے حلقہ احباب واعزا میں سناتے ہیں۔ وہ سب کیا سمجھے؟ اور لوگوں سے کیا کہا اور باقی لوگ کیا سمجھے؟ اور کیا ردعمل ہوا؟۔ اسے چھوڑیئے۔ یہ دیکھئے کہ کبھی کبھی اخباروں میں لیکچر دینے والے یا جلسہ کو مخاطب کرنے والے کا یہ بیان بھی آتا رہتا ہے۔ کہ میں نے یہ نہیں یہ کہا تھا۔ رپورٹر غلط سمجھا یا اس نے غلط رپورٹ کی۔ آپ یہ بھی پڑھتے اور دیکھتے رہتے ہیں کہ اخبار میں کچھ تھا اور ہندوستان یا پاکستان یا ملیبر میں کچھ اور دیکھا گیا۔ دوستو یہ فطری حال آنخضرتؐ کے زمانہ میں اور بھی پیچیدہ تھا۔ کہنے والا کچھ کہتا تھا۔ سننے والے اپنی اپنی فطری سمجھ سے کچھ سمجھتے تھے۔ بد باطن کچھ اور ہی سمجھتے تھے، بھوکا شخص دو(2) اور دو(2) کو چار روٹیاں سمجھتا تھا۔مخالفت کی ٹوہ میں رہنے والے اپنا کام کرتے تھے۔اور مخالفت حکومت کو ہو تو اللہ کی پناہ۔ اخبار نہ تھے۔ مؤذن تھے۔ رپورٹر نہ تھے۔ جاسوس تھے۔ یہ موقعہ نہ تھا کہ غلط شہرت کی اصلاح کے لئے کوئی حق بات زبان پر لا سکے۔لیکچررؐ اور خطیبؑ زبان بند رکھنے اور نظر بند رہنے پر مجبور تھے۔ ادھر بدنام کرنے والوں اور مخالفت کے جذبات ابھارنے والوں کو آزادی تھی۔ تمام موجودہ وسائل نشر واشاعت ان کے ماتحت تھے۔ مؤذن و مولانا، مجتہدین و مبلغین، اہل قلم و محدثین و مفسرین اشاروں پر ناچتے تھے۔اور مجبور تھے کہ چھ چھ سات سات لاکھ احادیث نبوی کو غائب رکھیں۔ایسی صورت حال میں ہم اور ہمارے آئمہ علیہم السلام بڑی بے کسی، بہت بے بسی اور نہایت مظلومی کی پوزیشن میں ہیں۔اور ہمارا دشمن ہمارا لیبل لگائے ہوئے، مذہب شیعہ کے راہنماؤں کی عبا وقبا اور عمامہ پہنے ہوئے ہمارے سامنے اپنی پوری قوت وجبروت کے ساتھ کھڑا ہے۔ ہمارا تمام سامان اس کے قبضے میں ہے۔ قارئین اگر چاہیں اور اس کے خلاف سوچنے اور حق تک پہنچنے کی ہمت اور کوشش ضروری سمجھیں تو انصاف کریں۔ اسے غلط کارنہ کہیں کم از کم ہماری ہی کوئی غلطی یا غلط فہمی ہمیں نوٹ کرادیں۔مگر بات اسی ربط وتسلسل اور قرآن وحدیث کی زبان میں کریں۔

(اختلاف کا ایک پہلو) جلسہ عام، سوال و جواب اور بعض دلوں پر چُھریاں

حضرتؑ امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوالات دریافت کیئے جا رہے ہیں۔سوال کرنے والا ہر شخص مطمئن ہو کر جا رہا ہے۔مگر جناب موسیٰ بن اشیم رضی اللہ عنہ اپنے ذہنی ماحول میں کیا محسوس کر رہے ہیں ان ہی سے سنئے فرماتے ہیں کہ :۔’’میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس موجود تھا۔جب ایک شخص نے اُنؑ سے قرآن کریم کی ایک آیت پر سوال کیا۔آپؑ نے اسے جواب دیا پھر ایک اور شخص داخل ہوا اُس نے بھی آتے ہی اُسی آیت کے متعلق وہی سوال کیا تو آپؑ نے پہلے آدمی کو جو جواب دیا تھا اُس جواب کے خلاف جواب دے دیا۔ان ایک دوسرے کے خلاف جوابات پر میرے دل میں وہ کیفیت پیدا ہوگئی جو اللہ نے پیدا کرنا چاہی تھی۔چنانچہ میرے حق پسند اور باطل سے متنفر دل پر گویا چُھریاں ہی تو چل گئیں۔اور میں نے اپنے دل میں سوچا کہ دیکھو میں ابوقتادہ کو ملک شام میں ایسی حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ اپنے بیانات اور تحریروں میں حرف واؤ تک کی غلطی نہیں کرتا۔اور افسوس ہے کہ میں ایک ایسے شخص کے پاس آ پھنسا جہاں سر سے پیر تک سب کچھ غلط ہی غلط ہے۔ میں تو اس افسوسناک حالت میں الجھا ہوا تھا۔کہ ایک اور شخص آ دھمکا اور اس نے بھی اسی آیت کے متعلق وہی سوال کر مارا۔اور اس دفعہ جعفرؑ صادق نے ایسا جواب دیا جو مجھے دیئے ہوئے جواب سے اور میرے ساتھی کو دئے ہوئے جواب سے بھی خلاف تھا۔یہ دونوں سوالات کا مخالف جواب سن کر میرا دل مطمئن ہو گیا اور اس سے میں یہ سمجھ گیا کہ امام جعفرؑ صادق تقیہ میں جوابات دیتے رہے ہیں۔ یہ سنا کر موسیٰ بن اشیم نے کہا کہ پھر امامؑ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے اشیم زادے! یقیناً اللہ نے قرآن میں حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ سے کہا ہے کہ یہ سب کچھ ہمارا عطیہ ہے۔لہٰذا تم مختار ہو کہ کسی کو رہینِ منّت کرو یا نہ کرو۔اور اللہ نے قرآن میں اپنے نبیؐ کو اپنے دین کا مختار یہ کہہ کر بنایا ہے کہ:۔

> كنت عند ابی عبداللّٰه علیه السلام فساله رجل عن آیةمن كتاب اللّٰه عزوجل فاخبره بها ۔ثم دخل علیه داخل فساله عن تلك الایةفاخبره بخلاف ما اخبربه الاول فدخلنی من ذلك ماشاء اللّٰه حتّٰی كان قلبی ’’یشرح بالسكاكین فقلت فی نفسی :تركت ابا قتاده بالشام لا یخطی فی الواو وشبهه وجئت الٰی هٰذا یخطی هٰذا الخطاء كله فبینا انا كذالك اذدخل علیه آخر فساله عن تلك الایه فاخبره بخلاف ما اخبرني و اخبرصاحبي فسكنت نفسی فعلمت ان ذلك منه تقیة قال ثم التفت اِلَیَّ فقال لی :یا ابن اشیم ان اللّٰه عزوجل فوض الٰی سلیمانؑ بن داودؑ فقال:’’هٰذا عطاونا فامنن اوامسك بغیرحساب‘‘(38/39)(مسلسل)

۔’’رسولؐ اللہ جو بھی دیں اس کو اختیار کرلو اور جس بات کی ممانعت کردیں اس سے باز رہو‘‘۔(چنانچہ اگر ہوسکے تو اپنے دل کی گھبراہٹ کو ان دونوں آیات سے دور کرلے اور سن رکھ کہ)

وفوّض الی نبیہٖ فقال: ۔’’ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا‘‘ فَمَافَوَّضَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَدْ فَوَّضَهُ اِلَیْنَا (سورہ ص 38/39 اور حشر 59/7) کمرئی جلد۲ صفحہ۱۹)

اللہ نے جو کچھ رسولؐ اللہ کو تفویض (سپرد) کیا تھا۔ وہ سب کچھ ہمیں سونپا اور مختار بنایا ہے‘‘(ظفری جلد اول صفحہ 305-304)

(اختلاف کا فریب) اک بات میں بھی کہہ دوں گر تم بُرا نہ مانو؟

ظفر صاحب تو بڑے عالم ہیں۔ اور اس کی شناخت یہ ہے کہ انہوں نے ابن اشیم کی زبانی جو جملہ عربی میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ۔’’تَرَکْتُ اَبَا قَتَادَۃَ‘‘۔ اور اس کا ترجمہ یہ فرمایا ہے کہ۔’’میں نے ابوقتادہ کو لکھا‘‘۔(جلد اول صفحہ ۳۰۴ آخری سے تیسری سطر) بہر حال انہیں بھی رضی اللہ عنہ لوگوں میں شامل کرکے یہ سنیں کہ کیا قارئین اس پر غور کرنے سے روکے جاسکیں گے کہ موسیٰ بن اشیم جن تین اشخاص کے سوالات کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلا سائل تو وہیں کہیں موجود تھا۔ اور اس نے امامؑ کی زبان سے آیت سن کر یا از خود کسی آیت کو سمجھنے کے لئے سوال کیا۔ مطمئن ہوا بیٹھا رہا یا چلا گیا۔ موسیٰ صاحب نے نہیں بتایا۔ موسیٰ صاحب نے آخر تک نہ اس زیر بحث آیت کا اتا پتہ بتایا نہ کسی سائل کا نام و پتہ اور ولدیت بتائی۔ نہ وہ مختلف اور متضاد جوابات بتائے جو اِن تین اشخاص کو امامؑ نے دیئے تھے۔ اور جن جوابات سے امامؑ کو تقیہ کا ملزم قرار دیا اور جن جوابات میں بے دینی اور غلطیوں کی بنا پر اس کا مومن اور حق پسند دل ٹکڑے ہوگیا تھا اور جن جوابات میں ایسی احمقانہ باتیں تھیں کہ ابا قتادہ کا قصیدہ اور امامؑ معصوم کی مذمت کرنا پڑی تھی۔ اور کیا مومنین یہ بھی نہ سوچیں گے کہ یکے بعد دیگرے دو اشخاص باہر سے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اور وہی سوال اور وہی آیت سامنے رکھتے ہیں۔ اور وہی بات دریافت کرتے ہیں جو پہلے شخص نے کی تھی؟ کیا یہ کھلی ہوئی سازش نہیں معلوم ہوتی؟ پھر یہ حدیث دوبارہ پڑھ جایئے اور تلاش کیجئے کہ یہ موسیٰ بن اشیم کہیں بھی تو امامؑ سے سوال نہیں کرتا ہے۔ مگر وہ، دروغ گورا حافظہ نہ باشد کے اصول پر، یہ کہہ گذرتا ہے کہ جو جواب مجھے اور میرے ساتھی کو دیا تھا‘‘۔(بِخِلَافِ مَا اَخْبَرَنِیْ وَاَخْبَرَ صَاحِبِیْ) پھر اس سازش میں جناب علامہ ظفر صاحب اس حافظہ کی خرابی کو چھپانے کے لئے اس عربی اور مجرمانہ جملہ کا ترجمہ چھپا کر اپنے قارئین کو اس ترجمہ سے فریب دیتے ہیں کہ۔’’آپ نے اس کو جو جواب دیا وہ پچھلے دونوں جوابوں کے خلاف تھا‘‘۔(ظفری جلد اول صفحہ ۳۰۵) حالانکہ موسیٰ نے الفاظ خلاف یا مختلف کہیں استعمال نہیں کئے مگر یہ علامہ امامؑ معصوم کے تینوں جوابات کو ایک دوسرے کا مخالف لکھنے میں امامؑ کی کوئی کسرِ شان نہیں سمجھتے اس لئے کہ اجتہادی مذہب میں امامؑ معاذ اللہ دہشت اور خوف سے جھوٹ بول سکتا ہے اور ان کے یہاں تقیہ کے معنی وہی ہیں جو سنی مجتہدین کے یہاں مصلحت آمیز کذب کا مفہوم ہے۔ لہٰذا ساری دنیا سمجھ لے کہ:۔

1۔موسیٰ بن اشیم رضی اللہ عنہ ان نیک دل مگر غیر معصوم یعنی مجتہدین کے مُقلِّدین میں سے ایک شیعہ مومن ہیں جنہوں نے اس پالیسی میں حصہ لیا ہے۔جس سے آئمہ معصومینؑ کی احادیث میں اختلاف ثابت کرنے اور ان کے اقوال میں تضاد ومخالفت دکھانے کا انتظام جاری تھا۔اور یہ کہ :۔

2۔جس طرح نماز کے خشوع وخضوع اور آرٹ کی دنیامیں چلے جانے کا فریب دے کر حضرت علی علیہ السلام کی بزدلی اور کمزوری قلب وبرداشت کا قصہ گھڑا تھا۔اسی ترکیب نمبر 4 کے مطابق یہاں لفظ تقیہ کے غلط معنی کی آڑ میں معصومینؑ کے اقوال وفرمانات میں تضادواختلاف بیان کرکے شیعوں کے نام نہاد علماء سے منظوری حاصل کرلی ہے۔اور

3۔لطف کی بات یہ ہے کہ یہ موسیٰ بن اشیم رضی اللہ عنہ نہ اپنی خرابی فہم کی سند لیتے ہیں۔نہ امامؑ سے بات کرتے ہیں۔نہ یہ دریافت کرتے ہیں کہ حضورؑ آپ نے مخالف جوابات کیوں دیئے؟ کیاان میں کوئی حکومت کا جاسوس تھا؟ جوآپ تقیہ کی آڑ میں جھوٹ بول رہے تھے۔نہیں یہ مقلِّد مومن خود ہی اپنے دل میں مطمئن ہوکر چل دینے کا ارادہ رکھتا تھا کہ پکڑا گیا۔

4۔قارئین غور کریں کہ امام معصومؑ کس ہستی کو کہتے ہیں کہ ادھر ایک دل میں ابلیسی تصورات گذر رہے ہیں،مجتہدانہ چُھریاں چل رہی ہیں،اور ادھر امام جعفرؑ صادق باوجود مصروفیت کے اس شیطانی تحریک کو اپنی نورانی آنکھوں سے ملاحظہ فرمارہے ہیں۔اس کوٹوکتے ہیں،بےعزت نہیں کرتے بلکہ اسے اپنی صداقت پرایک آیت پڑھ کرسنادیتے ہیں اور یہ رضی اللہ عنہ دم بخود،دم دباکر چل دیتے ہیں۔اور ثابت ہوجاتا ہے کہ وہ اس آیت سے باقی مقلِّدین کی طرح کورے یعنی جاہل تھے۔مگر:۔

5۔مجتہدین نے ہمارے بڑے بڑے اور غیر مجتہد علماء کو یہ ماننے پر رضامند کرلیا ہے کہ مذکورہ بالا آیت کے معنی تقیہ کی آڑ میں جو چاہیں کہہ سکتے ہیں لہٰذا جہاں بھی آپ کو مندرجہ بالادونوں آیات (59/7،38/39) ملیں گی۔وہاں آپ کے علامہ حضرات یہی معنی کرتے ہوئے ملیں گے۔اوران آیات کے جو حقیقی اور معصومؑ احادیث میں معنی ہیں۔ان کو یہ لوگ شرک کہتے ہوئے پائے جائیں گے۔ہم وہ احادیث دکھائیں گے۔یہاں تو یہ:۔

6۔غور کرنے کا مقام ہے۔کہ جناب موسیٰ بن اشیم رضی اللہ عنہ کا ابوقتادہ سے کیا رشتہ تھا؟ کیا وہی تو اس سازش کے کمانڈر نہ تھے؟ جنہوں نے اس پارٹی کے اصحاب ثلاثہ تعینات کررکھے تھے۔کہ پہلے موسیٰ سوال کرے۔اور جواب سُنے پھر باہر سے باری باری اس کے ساتھی آئیں اور وہی مقررہ سوال کریں؟ اور چل دیں اور رضی اللہ عنہ صاحب شیعہ نقاب میں چھپ کر شیعوں میں بداعتقادی پھیلائیں؟ اور ساتھیوں کو رخصت کردیں۔

7۔قارئین یاد کریں کہ ہمارے معصومؑ راہنماؤں کے متعلق ترکیب نمبر 5 میں عمر بن حنظلہ نے ثابت کردیا تھا کہ آئمہ علیہم السلام کا ہر بیان خواہ آپس میں مختلف ومتضاد ہی کیوں نہ ہو ہمیشہ قرآن اور سنت رسوؐل کے مطابق صحیح اور واجب الاتباع

ہوتا ہے۔ اِس لئے کہ انسانی طبقات کی مختلف عقلوں کا سمجھا ہوا اختلاف ان کی ناقصیت و جہالت کا ثبوت ہوگا۔ نہ کہ حقائق میں اختلاف پر فیصلہ کہلائے گا۔ اور یہ حقیقت آج کے تمام دانشوروں اور عقلا کے نزدیک مسلمہ ہے کہ پوری نوع انسان کی اجتماعی عقل بھی تنہا معصومؑ کی طرح نہ آخری فیصلہ کرسکتی ہے۔ نہ ایسا کوئی حکم لگاسکتی ہے۔ جس میں غلطی اور غلط فہمی کا امکان کسی حیثیت سے باقی نہ رہے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ:۔

8۔ آئندہ ہرگز کسی ایسی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جس سے ہمارے نبی اور آئمہ صلوٰۃ اللہ علیہم کی احادیث یا فرمانات اور اعمال میں تضاد و مخالفت کی بو بھی آتی ہو۔ البتہ ہم شکر گزار ہیں اپنے محدثین کے جنہوں نے مندرجہ بالا قسم کی احادیث جمع کر کے ہم تک پہنچا ئیں اور ہمیں موقع دیا کہ ہم ان شیطانی سازشوں، کوششوں اور منصوبوں پر مطلع ہو جائیں۔ جو مذہب اِسلام کے خلاف نظام اجتہاد نے عموماً اور شیعہ لیبل کے مجتہدین نے خصوصاً پھیلائیں۔ اور مذہبِ حقہ اثناعشریہ کے عقائد وتصورات ونظریات کو تبدیل کرنے کی مہم جاری رکھی۔ اگر یہ حضرات تیسری صدی کے اواخر سے یہ سلسلہ شروع نہ کرتے تو ہم اس تفصیل وقدرت کے ساتھ شیعہ مجتہدین کی نقاب کشائی اور رونمائی یا مفت مُنہ دکھائی کی رسومات ادا کرنے کے قابل نہ ہوتے۔

9۔ اور اِنَّــا لِلّٰه پڑھنے کی بات یہ ہے کہ یہ رضی اللہ عنہ صاحب وہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ جو مشرکین عرب نے اِسلامی لبادہ پہن لینے کے بعد بھی برابر مسلمانوں میں آج تک برقرار رکھا ہے۔ یعنی بد باطنی اور بداعمالی تو ان کے اپنے ذاتی تصورات اور ہاتھ پیروں سے وقوع میں آئے گی۔ لیکن خود کو بے قصور دکھانے اور اللہ کو قادر مطلق ثابت کرنے کے لئے ماشاءاللہ کی چادر اڑھا کر ہر گناہ کو خدا کی طرف منسوب کر دیں گے۔ یعنی اللہ نے چاہا تھا۔ اس لئے میرے دل میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق بدگمانی پیدا ہوئی تھی۔ اس میں ابن اثیم کا کوئی حصہ نہ تھا۔ اس کا اپنا کردار تو یہ تھا کہ اس اللہ کی پیدا کردہ بدگمانی، سوءظن اور بدباطنی کو تقیہ کے مسئلہ سے ضرب دے کر صفر کر دیا اور حُسنِ ظن قائم کرلیا۔ یہی بات رسوؐل کی قوم کہا کرتی تھی کہ:۔

(لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا وَلَا آبَائنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَئیءٍ)(سورہ انعام 6/148)

۔ ''اگر اللہ یہ چاہتا کہ ہم شرک نہ کریں تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے آباواجداد شرک میں مبتلا ہوتے اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام وحلال قرار دیتے''۔

مطلب یہ کہ اللہ قادرِ مطلق ہے، ہم انسان اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ہیں۔ اس کی اجازت اور حکم کے بغیر تو ایک ذرہ بھی نہیں ہل سکتا۔ لہٰذا ہم جو کچھ سوچتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ ہی کرتا اور کراتا ہے۔ رہ گیا عدل کا عقیدہ (معاذ اللہ) وہ باطل ہے۔

(اعلان 5) معصومینؑ کی ہر حدیث، ہر عمل قرآن کے ماتحت حق ہے

جیسا کہ ترکیب نمبر 5 میں حضرت عمر بن حنظله کی لمبی چوڑی بحث میں آخر یہ ثابت ہو گیا تھا کہ معصومین علیہم السلام کی

ہر ہر حدیث، خواہ ان میں تمام علماؤں اور صحابہ کو تضاد واختلاف نظر آئے، قرآن اور سنت کے موافق ومطابق ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی دیکھا جا چکا کہ آئمہ اہلبیتؑ کی احادیث اور فرمانات خود رسولؐ کی احادیث وفرمان ہوتے ہیں۔ اور حقیقتاً محمدؐ وآئمہ صلوٰۃ اللہ علیہم کا ہر فرمان اللہ کا حکم وفرمان وبیان ہوتا ہے۔ ویسے ہی آپ ایک دو حدیثیں نمونہ کی دیکھ لیں اور ہماری اور اپنے ایمان کی تصدیق فرمالیں۔ سنئے رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ:۔

ایھا الناس ما جاء کم عنی یوافق کتاب اللّٰہ فانا قلتہ وما جائکم یخالف کتاب اللّٰہ فلم اقلہُ (ظفری جلد اول صفحہ ۷۶)

کل شئی مردود الی الکتاب و السنۃ وکل حدیث لا یوافق کتاب اللّٰہ فھو زخرف (ظفری جلد اول صفحہ ۷۶)

۔''اے لوگو تمہیں جو کچھ میرے نام سے بتایا جائے اگر وہ قرآن کے موافق ہو تو وہ میرا کہا ہوا ہے اور جو کچھ قرآن کے خلاف ہو وہ میں نے ہرگز نہیں کہا''۔ (ظفری جلد اول صفحہ 76)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

۔''ہر معاملہ کو کتاب اور سنت رسولؐ پر پیش کیا جائے گا۔ ہر وہ بات جو قرآن سے موافقت نہیں کرتی ایک آراستہ کی ہوئی باطل بات ہے''۔ (ایضاً صفحہ 76)

(اعلان 6) حقیقی مومنین کے لئے مخصوص، اور محفوظ ذخیرہ تیار کیا جاتا رہا

جیسا کہ غیبت اور نظام غیبت کی ذیل میں عرض کیا گیا کہ نہ صرف اِسلامی مملکت میں معصوم نظام ہدایت وتقلید پھیلا ہوا تھا۔ بلکہ غیر مسلم ممالک میں بھی تحفظِ تعلیمات اِسلامی کے مراکز قائم کر دیئے گئے تھے۔ اور وہاں سے اس نام نہاد اِسلامی حکومت کے سفاکانہ مظالم سے دفاع کا انتظام کیا جارہا تھا۔ چنانچہ آج جس اصول پر ملک جاپان میں صنعت وحرفت اور مختلف ایجادات وتخلیقات کا نظام کام کر رہا ہے۔ اور ساری دنیا سے سستا اور مضبوط وعمدہ مال تیار کر کے دنیا کے تاجروں کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ اس اصول کو ہمارے یہاں سے اختیار کیا گیا۔ ہمارے گھروں میں یہاں سے وہاں تک سینکڑوں اور پھر ہزاروں اہل قلمؒ حضرات تعلیمات معصومینؑ کو سمیٹنے اور محفوظ کرنے کا کام کر رہے تھے۔ اور مخالف محاذ کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ اور حقیقی مومنین کے لئے جو تعلیمات جمع ہو رہی تھیں اس میں مخلوط خطاب نہ ہوتا تھا۔ مومنین کو یہ ضرورت ہی لاحق نہ ہوتی تھی کہ وہ اختلافی مسائل کی تحقیق وتفتیش کرتے پھریں۔ موسیٰ بن اشیم، عمر بن حنظلہ وغیرہ وہ لوگ ہیں جو نومسلم کہے جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس قسم کی حدیثیں بیان کرنے والوں کے لئے نہایت اطمینان سے یہ سمجھ لیں کہ یہ نظام ہدایت وتقلید سے وابستہ نہیں بلکہ ابھی زیر تجربہ وتحقیق لوگ ہیں۔ جو عمومی خطاب سنتے ہی گھبرا اٹھتے ہیں ورنہ ان پر ذرہ برابر اثر نہ ہونا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ ممبران واراکین وعلمائے نظام تو یہ جانتے تھے کہ دشمنِ اِسلام حکومت، اس کے جاسوسوں اور مجتہدوں اور علماؤں کے ساتھ آئمہ علیہم السلام بالکل اصولی گفتگو کرتے ہیں۔ تعلیمات قرآن کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ مخالفوں اور ان کے متعیّنہ گرگوں

اور چچوں کا سر گھوم کر رہ جائے۔اور جب برسوں چکر پر چکر کاٹ چکیں تو اتنی سی حقیقت نکلے کہ بات یا حدیث قرآن وسنت کے مطابق تھی۔اور نہایت متانت اور سنجیدہ الفاظ میں نظام طاغوتی کا منہ چڑا رہی تھی۔بہر حال اس سلسلے کی چند ہدایات سن لیں تو آگے بڑھیں۔امام جعفر صاؑدق تحریری ریکارڈ کی طرف یہ کہہ کر رغبت دلاتے ہیں کہ:۔

(القلب یتکل علی الکتابة)(ظفری جلد1 صفحہ 55)

۔''قلب وذہن لکھی ہوئی تعلیمات پر توکل کرتا ہے''۔

اور یہ کہ حقیقی مومنین کو روزروز کی الجھنوں اور غلط فہمیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ اصول قائم کر دیا تھا کہ:۔

(اکتبو افانکم لا تحفظون حتٰی تکتبوا)

۔''ہماری تعلیمات کو ضبط تحریر میں لے آؤ۔یاد رکھو کہ اگر تم نے لکھا ہوا ریکارڈ تیار نہ کیا تو تم اِسلامی تعلیمات کا تحفظ نہ کرسکو گے''۔(ایضاً صفحہ 55)(جعفرؑ صادق)

۔''اور صرف لکھ کر اسٹور کرنا ہی مقصود نہ تھا۔بلکہ حقیقی مقصد یہ تھا۔کہ جس جس کو موقعہ ملے وہ اپنے نظام کے لوگوں میں اپنا علم پھیلاتا رہے۔سنو اگر تمہیں موت آجائے تو اپنی دینی کتابوں کا وارث اپنے بیٹوں کو بنادو۔یقیناً لوگوں پر ایک ایسا تنگی کا زمانہ آنے والا ہے۔جب صرف تمہاری ورثہ میں چھوڑی ہوئی کتابیں ہی رغبت اور مذہبی انسیت پیدا کرسکیں گی''۔(جعفرؑ صادق)

اکتب و بث علمک فی اخوانک فان مت فاورث کتبک بنیک فانه یاتی علی الناس زمان هرج لا یانسون فیه الا بکتبکم(ایضاً صفحہ۵۵)

حضورؑ نے یوں بھی فرمایا کہ:۔

(احتفظوا بکتبکم فانکم سوف تحتا جون الیها)

۔''اپنی کتابوں کا تحفظ جاری رکھو اس لئے کہ بہت جلد تمہیں ان کی ضرورت پڑے گی''۔

پھر وارثوں اور بعد میں آنے والے مومنین کے متعلق بھی قانون بتا دیا تھا۔چنانچہ جناب احمد بن عمر الحلال نے سنایا کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے عرض کیا:۔

۔''ہمارے صحابہ میں سے ایک شخص نے مجھے ایک کتاب تو دے دی تھی۔مگر مجھے یہ نہ کہا تھا کہ تم اس کتاب کی حدیثوں کو میری ذمہ داری پر بیان کرتے رہنا۔کیا آپؑ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اس کی ذمہ داری پر اس کتاب کی حدیثیں بیان کروں؟

(قلت لابی الحسین الرضا علیه السلام :الرجل من اصحابنا یعطینی الکتاب ولا یقول ۔''اروه عنی ،،۔یجوزلی ان ارویه عنه :قال:فقال:اذا علمت ان الکتاب له فاروه عنه)(ایضاً صفحہ۵۵)

فرمایا جب تمہیں کتاب کا مالک معلوم ہے۔تو تم بے دھڑک اس کے نام سے ہماری احادیث کی تعلیم دے سکتے ہو"۔

قارئین نوٹ کریں کہ اسی باب میں یہ فرمایا تھا کہ میری حدیث میرے والد کی ہی حدیث ہے۔اور والد کی حدیث دادا کی حدیث ہے۔اور آخر میں سب کے فرمان کو رسولؐ اللہ کی حدیث قرار دیا اور رسولؐ کی حدیث کو اللہ کا قول فرمایا تھا۔یہ بھی سن رکھیں کہ مذکورہ بالا کتاب اور صاحب کتاب اور احمد بن عمر حلاّل نظام ہدایت وتقلید کے مخصوص افراد ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بلا دیکھے اس کتاب کی روایت کرنا جائز فرمادیا ہے۔اب ایک ایسے بزرگ کا حال سنیں جس پر حدیث سننے والوں کا دن رات ہجوم رہتا ہے۔

۔"جناب عبداللہ بن سنان نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضورؑ مجھ سے حدیث سننے کے لئے مومنین کا اتنا ہجوم رہتا ہے کہ میں سناتے سناتے تھک جاتا ہوں۔اور میری قوت جواب دے دیتی ہے۔حضورؑ نے فرمایا کہ پورے پورے عنوانات نہ سنایا کرو بلکہ ہر عنوان میں سے ایک شروع کی حدیث اور ایک درمیانی حدیث اور ایک آخری حدیث سنادیا کرو"۔

۔"قلت لابی عبداللّٰہ علیه السلام یجیئنی القوم فیستمعون منی حدیثکم فاضجرو لا اقوی۔ قال : فاقراء علیهم من اوله حدیثاًو من وسطه حدیثاًو من آخره حدیثاً(ایضاً صفحہ ۵۵)

اس جواب سے یہ معلوم ہوا کہ قدیم کتابوں میں بھی عنوانات اور موضوع قائم کرکے ہر مسئلہ اور عقیدے پر متعلقہ احادیث جمع کردی جاتی تھیں۔جن میں سے دوتین احادیث سنا دینا پورے مسئلہ کو روشنی میں لے آتا تھا۔اور ہم اسی اصول پر ضرورت کے مطابق احادیث قارئین کے سامنے رکھتے ہیں۔یہاں تک یہ طے ہوگیا کہ مومنین کے لئے نہایت واضح اور عام فہم انداز میں معصومؑ تعلیمات پھیلائی اور ذخیرہ کی جارہی تھیں۔اوران میں کبھی کسی قسم کا اختلاف نہ رہتا تھا۔

(اعلان 7) حقیقی شیعوں میں کبھی اختلافی تعلیم نہ تھی نہ اختلاف تھا

قارئین یہ دیکھیں کہ آئمہ علیہم السلام کے زمانہ میں وہ شیعہ الگ تھلگ رکھے اور پہچانے جاتے تھے۔جو مجتہدانہ ذہنیت کے ساتھ شیعوں میں گھلنا ملنا اور آئمہؑ سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔اور اپنی بدعقیدگی کی وجہ سے نظام اجتہاد کے آلہ کار بن سکتے تھے۔امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے زمانہ کے حالات پر قابو پانے کے لئے جس قابلیت کے شیعہ تیار فرمارہے تھے۔ان کا حال وصفات ملاحظہ ہوں اور جو صفات آپ کو بھی پسند آئیں انہیں اختیار کرکے نظام ہدایت وتقلید کی طرف بڑھیں۔چنانچہ جناب مہزم اسدی رضی اللہ عنہ کو امامؑ نے بتایا کہ:۔

۔’’ہمارے شیعہ وہ ہیں جن کی آواز صرف اُن تک پہنچتی ہے جسے وہ کچھ بتانا چاہتے ہیں جس کی نفرت اس کے بدن تک محدود رہتی ہے ۔ دوسروں پر برا اثر نہیں ڈالتی اور وہ ہماری مدح وثنا کا ڈھنڈورا پیٹتا نہیں پھرتا۔اور ہماری عیب جوئی کیلئے جلسہ نہیں کرتا اور ہمارے مخالفوں کو اشتعال نہیں دلاتا۔ اگر مومنین سے ملتا ہے تو ان کو فائدہ پہنچاتا ہے۔اگر جاہلوں سے ملاقات ہوجاتی ہے تو ان سے علیٰحدگی اختیار کرتا ہے۔میں نے عرض کیا کہ حضورؑ ہمیں ان نام نہاد شیعوں (متشیعة) کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا کہ ان کی سختی سے تمیز رکھو، جو تبدیلی کے قابل ہو اس کو تبلیغ کر کے تبدیل کرو اور پھر بھی ان پر امتحان و آزمائش کی نظر رکھو۔ ان پر ایسے سال آنے والے ہیں جو انہیں تم سے الگ کرنے کے لئے فنا کی طرف بڑھاتے رہیں گے۔ کچھ نیزوں اور برچھیوں کا شکار بھی ہوں گے۔ (حقیقی شیعوں کے دھوکے میں مارے جانے والے ہیں) علاوہ ازیں ان کا مذہبی اختلاف انہیں پراگندہ اور منتشر کردے گا۔ ہمارے شیعہ وہ ہیں جو کتے کی طرح دم ہلا کر گڑگڑاتے نہیں۔جو کوے کی طرح کا لالچ نہیں رکھتے۔ جو ہمارے دشمنوں سے کچھ نہیں مانگتے اور بھوکے مرجانا پسند کرتے ہیں۔میں نے عرض کیا کہ میں آپ کے نثار یہ بتایئے کہ میں ان کو کہاں سے طلب کروں؟ فرمایا کہ وہ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں وہ معمولی قسم کی بودوباش اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنے شہروں کو بدلتے رہتے ہیں۔اس طرح موجود رہتے ہیں کہ غلط ومخالف لوگ انہیں شناخت نہیں کرسکتے۔اور عدم موجودگی میں وہ لاپتہ اور گم ہو کر نہیں رہ جاتے۔موت سے بے خوف رہتے ہیں۔اور قبرستانوں کی زیارت کرتے رہتے ہیں۔اگر کوئی مومن ان کے پاس اپنی حاجت لے کر آتا ہے اس پر رحم وکرم کرتے ہیں۔ان کے قلوب واذہان میں اختلاف کوراہ نہیں ملتی خواہ ان کی رہائش اور ان کے گھر دور دور ہی کیوں نہ ہوں ۔ پھر فرمایا کہ رسولؐ اللہ نے یہ

۔’’یا مهزم شيعتنا من لا يعدو صوته سمعه ولا شهنا ؤه بـدنه ولا يمتدح بنا معلناً ولا يجالس لنا عائباً و لا يخاصم لنا قاليا:ان لقى مومناً اكرمه وان لقى جاهلاًهجره قلت: جعلت فداك فكيف اصنع بهؤلا المتشيعة؟ قال:فيهم التمييز وفيهم التبديل و فيهم التمحيص:تأتى عليهم سنون تفنيهم و طاعون يقتلهم و اختلاف يبددهم :شيعتنا من لا يهر هرير الكلب ولا يطمع طمع العراب ولا يسال عدونا وان مات جوعاً قلت : جعلت فداک فاين اطلب هولاءِ ؟ قال:فى اطراف الارض:اولٰئک الخفيض عيشهم:المنتقلة ديارهم ان شهدوالم يعرفواوان غابوالم يفتقدوا ومن الموت لا يجزعون وفى القبوريتزاورون وان لجاء اليهم ذوحاجةمنهم رحموه؟لن تختلف قلوبهم وان اختلف بهم الديار ثم قال قال رسول الله صلى اللّٰه عليه واله وسلم انا مدينة (العلم)وَ عَلِیٌّ الباب و كذب من زعم انه يدخل المدينة لا من قبل الباب و كذب من زعم انه يحبنى و يبغض علياً صلٰوت الله عليه

فرمایا تھا کہ میںؐ شہر ہوں اور علیؑ اس شہر کا دروازہ ہیں۔ وہ جھوٹا ہے جو بلا دروازہ شہر میں آ سکنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور وہ بھی جھوٹا ہے جو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ باوجودیکہ اسے علیؑ سے بغض ہے''۔ (ظفری جلد 2 صفحہ 263-262)

(اعلان 8) دشمنانِ اِسلام سے سلوک میں دفاعی پہلو اللہ کے اعلانات

اب ہم قارئین کو اس اختلاف کا حال سناتے ہیں جو دشمنوں کو ناکام کرنے اور ان کے مکر و منصوبوں اور فریب کا رخ موڑنے کے لئے برسرِ کار لایا گیا۔ اور جس نے اس نام نہاد خلافت اِلٰہیّہ کو ابلیسی حکومت ثابت کر کے چھوڑا اور ایک دن ان کے اقتدار و جبروت کو خواب پریشان بنا کر رکھ دیا اللہ نے فرمایا تھا کہ:۔

اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًاO وَّاَکِیْدُ کَیْدًاO فَمَھِّلِ الْکٰفِرِیْنَ اَمْھِلْھُمْ رُوَیْدًاO (سورہ طارق 86/15-17)

(1)۔ ''انہوں نے مکر و فریب پر کمر باندھ لی ہے۔ اور میں نے بھی ان سے مکر و فریب کرنا طے کر لیا ہے۔ لہٰذا اے رسولؐ ہماری اس دفاعی پالیسی کے لئے دشمنان اِسلام کو ایک موزوں مدت تک کے لئے مہلت دے دو''۔ اس مکر و فریب سے بچنے کے لئے فرمایا تھا کہ:۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَاعَنِتُّمْ قَدْبَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ قَدْبَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَO (3/118)

(2)۔ ''مومنین مومنوں کے سوا کسی کو اپنی باطنی اسکیم پر مطلع نہ کریں گے۔ اس لئے کہ دشمنانِ اِسلام مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتے۔ اور ان کے لئے ہمہ قسمی دقتیں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تباہ کن اسکیم کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ لیکن اس اعلان کے پیچھے جو منصوبہ ان کے دلوں میں مخفی ہے۔ وہ اعلانیہ محاذ سے کہیں بڑا خطرہ ہے۔ دیکھو ہم ان آیات میں واضح نکات بیان کر رہے ہیں۔ بشرطیکہ تم ان نکات پر عقل سے عمل درآمد کر لو''۔ (عمران 3/118)

(3) مومنین کو خبردار کیا گیا کہ تمہارے اندر ایک گروہ قولاً و فعلاً مومن بن کر تخریب کر رہا ہے۔ لیکن تخلیہ میں ان کا غیظ و غضب دیکھنے کا ہوتا ہے (عمران 3/119) وہ آپس میں ایک دوسرے کو انتہائی طور پر محتاط تخریب کاری کی نصیحت کرتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو اپنے خود ساختہ اِسلام کی تعلیمات مسلمانوں پر ظاہر کرنے سے منع کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ کل ان پر ان کے مصنوعی اِسلام کو باطل کرنے کی دلیل قائم نہ ہو جائے۔ اللہ ان کی تمام پوشیدہ اسکیم سے آگاہ ہے (بقر 2/76-77)

(4) تخریب کارو نام نہاد مومن گروہ کے لئے رسولؐ کو بتایا گیا کہ مصنوعی مومنین صرف آپ کے سامنے اطاعت کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن جب سامنے سے چلے جاتے ہیں۔ تو ان کے دانشور اپنے دارالمشاورت میں خفیہ منصوبے بناتے ہیں۔

اورآپ کے نام سے ایسی احادیث واقوال پھیلا دینا چاہتے ہیں جو آپ نے کبھی بیان نہیں کیں ۔آپ ان سے التفات نہ رکھیں ۔ان کا ریکارڈ تیار کیا جائے اور دفاعی اقدامات کیے جائیں (نساء 4/81)اور وہ اس کوشش میں ہیں کہ عوام کو اپنی خفیہ اسکیم کا پتہ نہ لگنے دیں لیکن وہ اللہ ورسولؐ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکیں گے(نساء 4/108)

(5) خفیہ مسلمان محاذ کی ایک پالیسی یہ ہے کہ ہر قسم کی نقصان پہنچانے والی بات کو اوراحکامات کو راز میں رکھنے کے بجائے خوب شہرت دیتے ہیں حالانکہ اصل مقصد سمجھنے کے لئے تمام مومنین کو ہر بات اللہ ورسولؐ کے پاس لانا چاہئے ۔(نساء **4/83**)

(6) مسلمانوں کی اُس پارٹی سے یہ اپیل کی گئی تھی کہ :۔

۔''حقیقی مومنین کو تو یہ چاہئے کہ وہ اپنے اوراللہ ورسولؐ کے دشمنوں سے رشتۂ ولایت وحکومت قائم نہ کریں اور اُن دشمنانِ اسلام کی طرف دوستی وعزت افزائی کا ہاتھ نہ بڑھائیں ۔لیکن عمل یہ ہے کہ تم خفیہ اورراز دارانہ انداز میں یہ سب کچھ برابر کررہے ہو۔(60/1) حالانکہ وہ لوگ تمہاری خرابی اور تمہارے کافر بنا لینے کے درپے ہیں''۔(ممتحنہ 60/2)۔

آخراللہ نے دفاعی اقدامات کے جواز پر یوں سند عطا کی کہ :

(7)۔''کفار اور منافقین سے تیغ بکف پیش آؤ۔غلیظ ترین سلوک کرو۔یہ اسلام لانے کے بعد کافر ہوئے ہیں ۔اورخفیہ منصوبہ چلا رہے ہیں ۔لہٰذا انہیں جہاں اور جس حال میں پاؤ قتل کرسکتے ہو۔مواخذہ کرنا۔محاصرہ کرنا۔اوران کی گھات میں چھپ کر بیٹھنا اوراس قسم کے تمام اقدامات جائز ہیں۔(توبہ 80-9/73)اور(9/5)

(اعلان 9) اللہ کی اجازت واحکامات پر معصومؑ اقدامات

قارئین یہ دیکھ چکے کہ نظام اجتہاد سے دفاع کے لئے ہر وہ چیز جائز کردی گئی جو طاغوتی منصوبہ میں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا طے پاگئی تھی ۔قوت کے مقابلہ میں قوت ۔مکر کے دفاع میں مکر۔فریب کے مقابلہ میں زبردست فریب۔ رازداری اورخفیہ کارروائیوں کے مقابلہ میں شدید ترین نظام غیبت۔ چنانچہ دشمنوں کے مقابلہ میں حقیقی مومنین کا ایک گروہ مستقلاً تیغ بکف رہا۔دوسرا گروہ پرامن رہ کر معصومؑ ہدایات پر کاربند رہا۔اوران کا تذکرہ مختصراً ہوچکا۔اورقول معصومؑ سے ثابت ہوگیا کہ حقیقی مومنین خطہ ارض پر جہاں جہاں بھی موجود تھے۔ان میں کسی قسم کا اختلاف وتضاد نہ تھا۔سب کے عقائد ایک تھے۔نظریات میں ہم آہنگی تھی ۔اعمال میں متحد تھے۔ان کے بعد اب نام نہاد ڈھکوی قسم کے شیعہ،جن کو (متشیعہ) مصنوعی شیعہ کہا گیا ہے۔زیر بحث آتے ہیں اوران کے لئے جو معصومؑ احکام تھے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(1) ڈھکوی شیعوں سے سلوک، قلبی منصوبہ کی حفاظت اور حق و باطل کو جدا کرنا

امام محمد باقر علیہ السلام نے حقیقی مومنین کو یہ بتایا کہ:۔

۔''دیکھو تمہارے عمل درآمد اور ریکارڈ میں جو حدیثیں ہیں۔ وہ ڈھکوی شیعوں کے دلوں میں گھبراہٹ پیدا کر دیتی ہیں۔ لہٰذا جسے دیکھو کہ وہ تمہارے عقائد و نظریات کا اقرار کرتا ہے۔ اسے خوب زیادہ حدیثیں سناؤ اور اس کے عقائد کو پختہ تر کرو۔ اور جو انکاری ہو اس شخص کو نظرانداز کرتے رہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے اقوال واعمال سے مخالف محاذ کو ایسی آزمائش اور الجھن میں ڈال دو کہ تمام منصوبہ ساز و جاسوس اور خفیہ کاروائیاں کرنے والے اور منطق و فلسفہ سے موشگافی کر کے ایک بال کی کھال اتار کر دو بال بناڈالنے والے لوگ ساقط ہو جائیں اور ہم اور ہمارے شیعہ باقی رہ جائیں''۔

۔''قال : ان حدیثکم هذا التشمئز منه قلوب الرجال فمن اقربه فزیدوه و من انکره فزروه ۔ انه لابد من ان یکون فتنة یسقط فیها کل بطانة و ولیجة حتّٰی یسقط فیها من یشق الشعر بشعرتین حتّٰی لا یبقی الا نحن و شیعتنا ''۔(ظفری جلد اول صفحہ ۴۵۵)

یہ تھا وہ اصول جس کو قرآن کے احکام کی روشنی میں برسرکار لایا گیا تھا۔ اور حقیقی مومنین کے سوا کسی کو ان احادیث کی ہوا تک نہ لگنے دی جاتی تھی ۔ جو نظام غیبت میں ہدایت کے لئے لازم تھیں ۔ چنانچہ آج یا کل جو ایسی احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے شیعہ عقائد میں اختلاف کی جھلک یا کھل کر اختلاف نظر آتا ہو۔ وہ احادیث ان احادیث کے ماتحت رکھی جائیں گی۔ جو سیدھے سادے الفاظ میں اس اختلاف کو دور کرتی ہیں اور شیعوں کے داخلی نظام سے متعلق ہیں۔ لہٰذا وہ لوگ فریب ساز ہیں۔ جو اِدھر اُدھر سے ایسی احادیث چن کر لاتے ہیں۔ جن سے شیعوں کے بنیادی عقائد میں اختلاف پیدا ہو جائے۔ یا اختلاف نظر آئے۔

(2) نظام اجتہاد کے مقابلہ میں پالیسی کا دوسرا رخ نصیحت، خدمت اور جبر

دفاعی پالیسی میں صلح پسندی کو پہلا نمبر دیا گیا ہے۔ لیکن اگر ادھر سے تشدد ہو تو پھر قرآن کی آخری سزا بھی دی جائے گی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ تفصیلی منشور ملاحظہ فرمائیں۔

۔''فرماتے تھے کہ ہمارے نظام کو لے کر چلنے اور آگے بڑھانے کی ذمہ داری یہاں مکمل نہیں ہو جاتی ہے کہ اس کی صرف تصدیق کر دی جائے اور قبول کر لیا جائے۔ بلکہ اس ذمہ داری میں یہ بھی داخل ہے کہ ہمارے مقاصد اور نظام ہدایت و تقلید کا تحفظ بھی کیا جائے۔ اور ہمارے منصوبے کے تدریجی اقدامات

۔''یقول :انه لیس من احتمال امرنا التصدیق له والقبول فقط۔ من احتمال امرنا ستره وصیانته من غیر اهله فاقراء هُم السلام وقل لهم رحم اللّٰه عبداً اجتر مودة الناس الی نفسه، حدثوهم بما یعرفون واستروا عنهم ماینکرون۔ثم قال واللّٰه ماالناصب لنا

کو ضرورت کے وقت صیغہ راز میں رکھنے کا مستحکم انتظام کیا جائے۔ چنانچہ تم میری جانب سے متعلقہ مومنین کو سلام کے بعد یہ پورا پیغام دینا اور کہنا کہ اللہ ہر اس شیعہ مومن پر اپنی رحمت و تائید نازل کرتا ہے جو اپنے کردار سے انسانوں کو اپنی ذات سے وابستہ کر لے۔ اس وابستگی کو حاصل کرنے کے لئے لازم ہے کہ لوگوں کو ہماری احادیث سنانے میں ایسی تدریج قائم کی جائے جس سے انکار کا امکان ختم ہو جائے یعنی پہلے انہیں وہ احادیث سناؤ۔ جو اُن کے مسلمات و ایمان کے خلاف نہ ہوں۔

حرباً با شد علينا موونةمن الناطق علينا بمانكره، فاذا عرفتم من عبداذا عةفامشوا اليه و ردوه عنها، فان قبل منكم والا فتحملوا عليه بمن يثقل عليه ويسمع منه، فان الرجل منكم يطلب الحاجة فيلطف فيها حتّٰى تقضى له فالطفوا فى حاجتى كما تلطفون فى حوائجكم فان هو قبل منكم والا فادفنوا كلامه تحت اقدامكم ولاتقولوا انه يقول، ويقول فان ذلک يحمل على و عليكم اماواللّٰه لوكنتم تقولون ما اقول لا قررت انكم اصحابى ''۔ظفری جلد۲(۲۴۵۔۲۴۶)

مسلمات کی مثالیں: __1__۔رسوؐل اللہ قرآن کے عالم و معلّم تھے(بقر 152-2/151)

2۔وہ تمام عالمین کے لئے رحمت تھے(انبیاء 21/107) تمام عالمین کے لئے نذیر تھے(فرقان 25/1) اللہ کی رحمت پوری کائنات کی ہر ہر چیز سے وابستہ ہے(اعراف 7/156) قرآن میں کسی قسم کا نقص اور کمی نہیں ہے(زمر 28-39/27) اس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے(نحل 16/89) کائنات کی تمام اشیاء اور موجودات کی تفصیل ہے(یوسف 12/111)۔

__**پھر حدیث کو آگے بڑھایئے۔**__ ''(مسلسل فرمایا کہ) اور اس دوران کوئی ایسی حدیث ہرگز نہ سنا دی جائے جس کو ماننے کے لئے ان کے پاس کوئی بنیادی بات پہلے سے موجود نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ قسم بخدا ہمیں اس دشمن کا تیغ بکف اپنے اوپر حملہ آور ہونا اتنا تکلیف نہیں دیتا۔ جتنا کہ ایک شیعہ کہلانے والے مومن اور اپنے طرفدار کی طرف سے اس وقت تکلیف ہوتی ہے۔ جب وہ ہمارے نظام کے کسی خفیہ اقدام یا طریقہ کو قبل از وقت اُس انداز سے ظاہر کردے جو ہمیں ناپسند ہوتا ہے''(حدیث ابھی جاری ہے) مثلاً یہ کہہ دے کہ محمدؐ حاضر و ناظر ہیں اور سابقہ مثالوں میں سے اس کا مخاطب اور مخالف ایک بات یا مسلمہ سے بھی واقف نہ ہو۔ **مسلسل فرمایا کہ:۔** ''چنانچہ جب تمہیں کسی ایسے ناعاقبت اندیش شیعہ کا پتہ چلے تو بڑی احتیاط سے رابطہ قائم کرو۔ اسے پالیسی کی تدریج کے مقاصد پر متوجہ کرو۔ اور نشیب و فراز اور نقصانات کا احساس کراؤ۔ اگر وہ آئندہ افشائے راز سے باز آجائے تو خیر۔ ورنہ پھر اپنے نظام کے کسی ایسے رکن کو اس پر تعینات کرو جو اس پر دباؤ ڈال کر اسے خوف زدہ کرے اور وہ باز آجائے۔ اور ہاں یہ بھی ملحوظ رکھو کہ بعض حالات ایسے نازک ہوتے ہیں کہ لوگ اپنی ضرورت کے لئے ایسی حرکات (Black Mailing) کرتے ہیں۔ تا کہ انہیں کچھ مل جائے تو وہ یہ اشاعت بند کر دیں۔ چنانچہ اس پہلو پر بھی نظر ڈالو۔ اور یہی سبب ہو؟ تو

اس ضرورت کو میری ضرورت سمجھ کر اسے کچھ دے کر باز رکھو۔ جس طرح تم اپنی ضروریات پوری کرتے ہو میرا یہ کام بھی کردو۔ اگر وہ اس طرح بھی تشہیر سے باز نہ آئے تو آخری قدم اٹھالو۔ اور اس کے کلام کو ہمیشہ کے لئے منقطع کر کے ایسی جگہ دفن کرو جو تمہارے پیروں کے نیچے یعنی تمہارے قبضۂ قدرت میں محفوظ رہے اور اس کے بعد ایسے ہو جاؤ کہ گویا تمہیں نہ وہ شخص معلوم تھا۔ نہ اس نے جو کچھ کیا اس کا تمہیں علم تھا۔ یاد رکھو اس کا تذکرہ جاری رکھنا مجھے اور تمہیں اس دفن کا ذمہ دار بنادے گا۔ یہ بھی سن لو اور یاد رکھو کہ اگر تم وہی کچھ کہا کرو اور اسی قدر کہا کرو اور اسی طرح کہا کرو جو میں کہتا ہوں۔ تو مجھ پر یہ اقرار لازم ہے کہ تم میرے پسندیدہ صحابہ ہو۔ یوں تو ابو حنیفہ اور حسن بصری کے بھی صحابہ ہیں۔ مگر میرے صحابہ کو تو ایسا ہونا چاہئے جن سے مل کر یہ ثابت ہو کہ وہ ایسے امامؑ کے صحابہؓ ہیں جس کو رسولؐ اللہ نے جنم دیا تھا۔ جو اللہ کی اُس کتاب کا عالم ہے جس میں ہر اُس شے کا بیان ہے۔ جو آفرینش کائنات سے لے کر قیامت تک عالم وجود میں آئیں گی۔ جس میں آسمانی احکام اور زمینوں کے احکام موجود ہیں۔ جو اولین وآخرین مخلوقات کے تمام احکام وامور پر حاوی ومحیط ہے۔ جس میں وہ سب کچھ مذکور ہے جو اس کائنات میں ہو چکا ہے۔ اور وہ سب کچھ موجود ہے۔ جو آئندہ وقوع میں آنے والا ہے۔ اور قرآن میں مذکور وموجود پوری کائنات اور اس کی مذکورہ تمام تفصیلات میرے روبرو اس طرح حاضر ہیں۔ گویا وہ سب کچھ میری آنکھوں کے آگے سمیٹ کر لٹکا دیا گیا ہو"۔ "لہٰذا تم میں بھی ان حقائق اور علوم کی جھلک ملنا چاہئے"۔ **اللھم صلی علی محمدؐ و آل محمدؐ** ۔

(قدولدنی رسولؐ اللّٰہ وعلمت کتاب اللّٰہ وفیہ تبیان کل شیءٍ بدالخلق وامرالسمآء وامرالارض وامرالاولین وامر الآخرین وامرماکان وامرمایکون کانی انظر الی ذلك نصب عینی) (ظفری جلد۲ صفحہ ۲۴۵ و ۲۴۶) (کتاب الایمان باب الکتمان)

(3) معصومؑ بیان پر کچھ عملی اور متنازعہ مسائل پر مثالیں

ہمارے مذہب کے شیعہ اثنا عشری نہ صرف جانتے ہیں بلکہ علامہ ڈھکو جیسے اور نیم اجتہادی علماء کی اُس بحث سے تنگ آچکے ہیں۔ جو فضائل محمدؐ وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی آڑ میں مگر کتابیں فروخت کرنے اور منبر ومساجد خریدنے اور دولت کمانے کے لئے بارہ سال جاری رہی۔ اور ہمارے چند جھٹکوں سے اپنی موت مرگئی۔ وہاں یہی صورت حال تھی۔ جو سابقہ عنوانات میں واضح ہوتی چلی آرہی ہے۔ یعنی محمدؐ وآل محمدؐ کے فضائل میں ایک طرف سے وہ حدیث پیش کی جاتی تھی۔ جس کے لئے پہلے تدریجی آیات واحادیث پیش کرنا لازم تھا۔ یعنی یہ لوگ وہ کام کرتے تھے۔ جس کو بند کرنے کے لئے۔ وہ اصول استعمال کیا گیا تھا۔ جسے پنجابی زبان میں یوں کہا گیا کہ۔ "**چار کتاباں آسمانوں آیاں پنجواں آیا ڈنڈا**"۔ اور آخر اس کے کلام کو منقطع کرا دیا گیا۔ اور وہ طریقہ دفن ہو گیا تھا۔ دوسرا فریق یعنی ڈھکو اینڈ کمپنی اول الذکر کا توڑ کرنے کے لئے وہ احادیث پیش کرتا رہا۔ جو تدریج کے لئے بیان ہوئی تھیں اور پبلک یہ سمجھتی رہی کہ آئمہ معصومینؑ کی احادیث میں اختلاف ہے۔ اور حیران ہوتی رہی کہ کس حدیث کو یا کس

عالم کے بیان کو صحیح سمجھیں؟اورآئمہؑ کا کون سا مقام مانیں؟اورکس مقام کا انکار کریں؟۔

(4)معصومؑ تدریج کامیاب ہوکررہی نظام اجتہادمخالفت میں لیٹ (LATE) ہوگیا

قارئین نے معصومؑ پالیسی کا یہ اصول نوٹ کرلیا ہے۔کہ احادیث اس طرح بیان کی جائیں کہ ہر بعد میں بیان ہونے والی حدیث کو سمجھنے اورقبول کرنے میں سابقہ بیان شدہ احادیث مددگار بنتی جائیں۔چنانچہ امام جعفرصادق علیہ السلام محمد مصطفیٰ اورآئمہ ھدٰی صلوٰۃ اللہ علیہم کے علوم کو انتہائی حدود تک بیان کرنے کے لئے جو تدریج اختیار کرتے ہیں۔اُس پر نظر ڈالئے اورسوچئے کہ جو لوگ اللہ ورسالتؐ اوروحی والہام کے قائل ہیں۔جو نبوتِ محمدؐیہ اورقرآن پر ایمان لاچکے ہوں جو ختم نبوتؐ اورقیامت تک امامتؑ اورخلافتؑ اِلٰہیّہ جاری رہنے کو مانتے ہوں۔کیا وہ ان تمہیدی عقائد کو مان کر اس حدیث کا انکار کرسکتے ہیں کہ:۔

(1)اذا ارادالامام ان یعلم شیئاً اعلمه الله ذلک.(ظفری جلداوّل صفحہ 295)

۔''جب امامؑ کسی چیز کو جاننے کا ارادہ کرتا ہے۔تو اللہ امامؑ کو اس چیز کا علم دے دیتا ہے''(کافی کتاب الحجت باب اذ شاؤاان یعلمو اعلموا)

اس حدیث میں امام جعفرصادقؑ نے چند بنیادی اورتسلیم شدہ چیزیں پیش کی ہیں۔

اول۔ اللہ کو شیعہ اورسنی دونوں مانتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اس نے ہی:

دوم۔ علم اور ہر قسم کا سامان انسانوں کو دیا ہے اور دیتا ہے اور

سوم۔ امامؑ وامامت کے سلسلے کو علامہ ڈھکو ایسا بزرگ شخص بھی مانتا ہے پھر

چہارم۔ ارادہ ہر انسان میں موجود ہے۔اللہ اورامامؑ بھی ارادہ کرتے ہیں۔

پنجم۔ انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاءؑ اورآئمہؑ کو علم کی بھی احتیاج ہوتی ہے۔اور یہ ضرورت بلکہ ہر ضرورت پوری کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔

قارئین خود بتائیں کہ کیا آپ ان پانچوں یا ان میں سے کسی ایک بات کا انکار کریں گے؟ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ابلیس بھی ان باتوں کا منکر نہیں ہے۔یہ تھی وہ پہلی حدیث جس کو بیان کرکے امام جعفرصادق علیہ السلام نے وہ راہ ہموار کردی جس پر بتدریج یکے بعد دیگرے اللہ اورانبیاءؑ وآئمہ علیہم السلام کے علوم اور علمی رابطہ کی احادیث گذریں گی۔قارئین ایک اور حدیث سنیں بیان پھر جعفرصادق علیہ السلام کا ہے۔

(2)ان الامام اذا شآء ان یَعْلَمُ اُعْلِمُ۔''یقیناً امامؑ جب جاننا چاہتا ہے اسے بتادیا جاتا ہے''۔(ایضاً صفحہ 295)

اس حدیث میں بھی کوئی قابل انکار بات نہیں ہے۔یہ ثابت ہے کہ امامؑ ہو یا نبیؐ ہو ان کو علم وغیرہ عطا کرنے والا اللہ ہی ہے۔خواہ وہ حدیث میں لفظ اللہ بولیں یا نہ بولیں۔انؑ کے پاس اور ہر مخلوق کے پاس جو کچھ ہے۔وہ عطیہ خداوندی ہے۔

پھرامام جعفرؑ صادق نے فرمایا کہ :۔

(3)ان الامام اذا شاء ان یَعلَم ،عَلِمَ۔''یقیناً امامؑ جب جاننا چاہے، جان لیتا ہے''۔(ایضاً صفحہ295)

سابقہ دونوں احادیث جس کے سامنے ہوں وہ اس تیسری حدیث کا بھی انکار نہیں کرسکتا۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ میں پہلی حدیث کی طرح اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ دوسری حدیث بھی اللہ کے ذکر سے خالی تھی۔ یعنی پہلی حدیث میں یہ تمہید مکمل ہوگئی کہ علم ہو یا کوئی چیز ہو وہ اللہ ہی دیتا ہے۔ تو اب بار بار اس حقیقت کو دہراتے رہنا۔ نہ صرف وقت ضائع کرنا ہوگا۔ بلکہ انسانی ذوق پر گراں بھی گذرتا رہے گا۔ اور ناپسندیدہ فعل امامؑ نہیں کرتا۔

(5) تین حدیثیں مان لیں تو تین لاکھ ماننا پڑیں گی۔ کیوں؟ سنئے!

حقیقت یہ ہے کہ قرآن پر ایمان لانے کے بعد یہ ناممکن ہوجاتا ہے کہ قرآن میں مذکورہ چیزوں کا انکار بھی کردیا جائے۔ اور قرآن پر ایمان بھی باقی رہ جائے۔ اگر آپ ان تینوں حدیثوں میں غور فرمائیں تو ایک بات ہر جگہ ملے گی۔ یعنی علم کا حاصل کرنا امامؑ کے ''ارادہ'' اور ''چاہنے'' (شآء) پر موقوف ہے۔ یعنی وہ جب چاہے یا ارادہ کرے علم حاضر ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ کیا اللہ کے پاس علم کی کچھ کمی ہے؟ یا علم عطا کرتے کرتے اس کے اسٹور میں کچھ کمی ہوسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ نہ کمی و خامی ہے نہ ممکن ہے۔ پھر یہ سوچئے کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا آدمی گذرا ہے یا ممکن ہے۔ جو اپنے موجودہ علم سے زیادہ علم نہ چاہتا تھا یا نہ چاہتا ہو؟ پھر کیا ہم یہ مان لیں کہ امامؑ ایسا شخص ہوتا ہے؟ جو اپنے علم میں اضافہ نہ چاہتا ہو؟ حالانکہ ہر آدمی فطرتاً اور ضرورتاً اپنے علم میں اضافہ چاہتا ہے تو کیا امامؑ انسانی فطرت اور ضرورت کے معیار سے گرے ہوئے شخص کو کہنا درست ہوگا؟ اگر نہیں؟ تو آپ نے یہ مان لیا کہ ''امامؑ اپنے علم میں اضافہ چاہتا ہے''۔ اس کے آگے یہ خود کہئے کہ امامؑ کے چاہتے ہی ''اللہ اضافہ کردیتا ہے''۔ پھر فطری طور پر کوئی شخص اپنی کسی مفید صفت یا سامان میں کمی پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے اضافہ چاہتا ہے۔ لہٰذا ہمیں ماننا ہوگا کہ ''امامؑ بھی فطرتاً اور ضرورتاً اپنے علم میں کمی نہیں چاہتا''۔ لہٰذا مان لیا جائے کہ :۔''اللہ امامؑ کے علم میں کمی نہیں رہنے دیتا''۔

یہ سوال بھی اٹھتا ہے۔ کہ کیا عقلمند آدمی یہ چاہے گا۔ کہ علم کا حاصل کرنا ممکن ہوتے ہوئے بھی وہ یہ چاہے کہ اس کے علم میں صرف سال بھر میں، یا ہر مہینہ ختم ہونے پر' یا چوبیس گھنٹے کا ایک دن پورا ہونے پر ہی اضافہ ہوا کرے؟ نہ روز روز اور دن رات اضافہ ہو نہ ہر گھنٹہ اور نہ ہر منٹ پر اس کا علم بڑھے؟ میں کم از کم اس شخص کو عقلمند سمجھوں گا۔ جو یہ چاہے کہ اس کے علم میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا چلا جائے اور اگر علم کا کوئی دریا یا نہر ممکن ہو تو وہ بہتی ہوئی آئے اس کے قلب و ذہن کی گنجائش کے ساتھ ساتھ اُسے علم کا سمندر بنادے۔ لہٰذا کیا آپ کسی ایسے گھٹیا اور کم عقل آدمی کو امام سمجھتے ہیں۔ جو اِتنا بھی نہ جانتا ہو جو ہر انسان جانتا ہے؟ جو علم کے فوائد سے اتنا بھی واقف نہ ہو جتنا آپ اور میں واقف ہیں؟ لہٰذا سنئے کہ جب آپ نے اور حضرات مجتہدین نے یہ مان لیا کہ :۔

۔''ان الامام اذا شآء ان یَّعْلَمَ، عَلِمَ۔''امامؑ جب جاننا چاہے، یقیناً جان لیتا ہے''۔

تو یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ جس طرح کوئی بھی آدمی یہ نہیں چاہتا کہ وہ کسی چیز سے جاہل رہے۔ امامؑ تو ہرگز نہ چاہے گا۔ کہ وہ کائنات کے کسی ایسے علم سے جاہل رہے جو اللہ دے سکتا ہے۔ لہٰذا یہ سن لو کہ ہم اس وقت اس کتاب کے (قلمی) صفحہ نمبر چارسوبیس پر ہیں۔ اور نظام اجتہاد، اللہ کے عطا کردہ علم و دانش اور موعودہ مکر و کید (سورہ طارق 86/15-17)(سورہ ابراہیم 14/46) میں اُسی طرح الجھ کر رہ گیا جس طرح وہ مومنین کو اپنے مکر و فریب اور چارسوبیس (420) میں الجھانا چاہتا تھا۔ اور اُس نے ان بنیادی اور تدریجی احادیث سے دھوکہ کھایا۔ اُن کو اِس لئے مان لیا کہ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیانات میں اختلاف وتضاد دکھا کر مومنین کے قلوب میں محمدؐ و آل محمدؐ کے علوم کو مشکوک کردے لیکن ہوا یہ کہ:۔

ع۔''آپ اپنے دام میں اجتہاد آ گیا''۔

(6) مجتہدین پہلے قرآن کا انکار کریں پھر معصومؑ احادیث و علوم کا انکار ممکن ہے

ہمارے احباب ورفقائے کار اس پر ایمان لائے ہیں۔ کہ محمد مصطفٰی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملائکہ، جنات، حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں (سبا 34/28) کے لئے اور تمام حیوانات چرند و پرند کی اُمتوں (انعام 6/38) کے لئے رسوؐل تھے۔ کائنات کی ہر چیز کے لئے نذیر و رحمت تھے۔ (حوالے بار بار گذرے) اور ان کا جانشین وہی ہوسکتا ہے۔ جسے مذکورہ تمام مخلوق کی راہنمائی سپرد کی ہو۔ اور اس صورت میں محمدؐ و آئمہ اہلؑ بیت کی منصبی ضرورت ہے۔ کہ وہ کائناتی علوم کو جاننا چاہیں اور اللہ انہیں وہ تمام متعلقہ علوم عطا کرے اور انہیں یہ علم بھی عطا کرے کہ انہیں کن کن علوم کی ضرورت ہے یا ہوگی۔ اور پھر وہ ان علوم کو طلب کریں اور ملتے رہیں۔ مانگنے میں تکلف نہ ہو نہ دینے میں کنجوسی ہو۔ بلکہ دینے والا تقاضہ کرے کہ ہر لمحہ علم میں زیادتی کی درخواست جاری رکھو ﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً﴾ (طٰہٰؑ 20/114) اور کیسے کنجوسی کرسکتا ہے؟ وہ اللہ جس کا علم لامحدود ولا انتہا اور کبھی ختم ہونے یا کم ہونے والا نہ ہو۔ کیسے کنجوسی کرے گا وہ اللہ جس نے قرآن میں ساری انسانیت، تمام جنات اور کل ملائکہ کو دعوت عام دے دی ہو۔ اور دعوت بھی نبیوؐں والی سورت میں دی ہو کہ۔''جو کچھ بھی تم نہیں جانتے وہ سب کچھ رسوؐل والوؐں سے یا قرآن والوؐں سے سوال کر کے معلوم کرلیا کرو''۔ (سورہ انبیاءؑ 21/7، سورہ نحل 16/43) وہ ہستی جو یوں اعلان کردے اور جس کے پاس علم کی کمی نہ ہو کیسے علوم کو پہنچانے میں غفلت اور کمی کرسکتی ہے؟ اُدھر تمام مخلوق پر ان کی اطاعت واجب کردے اور اُدھر ان سے کائنات، کائناتی موجودات و واقعات و حالات و ضروریات کو چھپا کر بیٹھ جائے؟ اور ابلیس اینڈ کمپنی کو آزاد چھوڑ دے کہ وہ اپنے کرتب دکھا کر مخلوق خدا کو گمراہ کرتے رہیں؟ لہٰذا یہ اللہ کی اپنی ذمہ داری ہے کہ ان حضراؑت کو وہ تمام علوم عطا کرے جو ممکن الوجود کی گنجائش اور ضرورت کے لئے ضروری ہیں۔ یہ اللہ ہی نے تو

فرمایا ہے اور ایک دفعہ نہیں دو(2) دو(2) بار اعلان کیا ہے کہ:۔

(ا) فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَابِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا O (4/41) وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَنَزَّلْنَاعَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ O (نحل 16/89)

۔''وہ کیسا شاندار اور پرکیف نظارہ ہوگا۔ جب ہم ہرامت کی طرف سے اُن اُمتوں پر ایک ایک چشم دید گواہؑ (شہید کے معنی) کھڑا کریں گے اور تجھے ان سب گواہوںؑ اور اُمتوں پر اُن کی کارکردگی پر چشم دید گواہ قائم کریں گے؟''۔اور یہ بھی فرمایا کہ۔''وہ دن بھی آنے والا ہے کہ ہم ہر اُمت میں اُن اُمتوں میں سے بھی ایک ایک چشم دید گواہی دینے والا شخص کھڑا کریں گے اور آپ کو اُن اُمتوں اور چشم دید گواہوں پر چشم دید گواہ بنائیں گے۔اور یہی تو بات ہے کہ ہم نے تم پر ایک ایسی کتاب نازل کردی ہے جس میں تمام چیزوں کا بیان کردیا گیا ہے اور جو تمام اِسلام لانے والوں یعنی پوری کائنات (عمران 3/83) کی ہر چیز ومخلوق کے لئے ہدایات اور رحمت اور خوش خبریوں کی حامل ہے''۔

اب سوچئے کہ محمدؐ اور آئمہ اہلِؑ بیت کی ضرورت یہ رہی ہے کہ وہ پوری کائنات کی تمام مخلوق کی ہدایت کریں۔اس لئے ضروری تھا کہ مذکورہ بالاقسم کی کتاب یعنی قرآن ملے اور وہ تمام علوم ملیں جو پوری کائنات کے حالات وضروریات اور ہدایات کے لئے کافی ہوں۔ ہر ہر انسان کے اعمال وتصورات پر ایسے گواہ ہوں کہ آنکھوں دیکھا حال سناسکیں۔ بتائیے کیا امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہی نہیں فرمایا کہ:۔''جب امامؑ کچھ جاننا چاہتا ہے تو جان لیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مندرجہ بالا

''قال:ان عندنا علم ما کان وعلم ما هو کائن الی ان تقوم الساعة۔قال قلت:جعلت فداک هذا واللّٰه هو العلم۔قال:انه لعلم ولیس بذاک :قال: قلت:جعلت فداک فای شیء العلم؟قال: مایحدث باللیل والنهار الامر بعد الامر والشی بعد الشئی الی یوم القیامة۔(ظفری جلداول صفحہ۲۷۱) کمرئی جلداول صفحہ۴۵۷)

ذمہ داریوں کو پوری کرنے کے لئے کوئی لمحہ ایسا ہوسکتا ہے۔جب اُن حضراؑت کو علمِ خُداوندی کی ضرورت نہ ہو اور انہیں اتنا وقت مل جائے کہ وہ علم حاصل کرنا نہ چاہیں لہٰذا وہ ہر لمحہ علم چاہتے تھے اور ہر لمحہ علمِ خُداوندی سے نوازے جاتے تھے۔انہیں اِن حالات میں دعا کے لئے ایسا وقت ملنا ناممکن تھا کہ وہ ہماری طرح الفاظ منہ سے ادا کرکے علم دینے کی درخواست کریں؟ پھر جن تین احادیث کو مجتہدین نے دھوکہ کھا کر تسلیم کرلیا ہے۔ان میں دوسرا مغالطہ انہیں یہ ہوا ہے کہ وہاں دعا مانگنے اور الفاظ منہ سے ادا کرنے میں وقت خرچ کرنے کا ذکر نہیں۔وہاں تو الفاظ۔''اَرَادَ اور شَاءَ''۔(ارادہ کریں یا چاہیں) بولے گئے ہیں۔ارادہ اور چاہنا لفظوں میں نہیں دل میں ہوتا ہے۔اس میں مادّی وقت صرف نہیں ہوتا۔لہٰذا ان کی دعا کا مطلب ہر لمحہ قلبی لگاؤ ہے۔وہ ہر حال میں اللہ سے وابستہ رہتے تھے۔ان کا سونا اور جاگنا اسی لئے جاگتے رہنے والوں سے بھی

کہیں بہتر اور عجیب ہوتا تھا کہ اللہ سے قلبی رابطہ ایک ثانیہ کے لئے بھی منقطع نہ ہونے پائے۔ چنانچہ وہ حضرات ہروقت اپنی ظاہری و باطنی و کائناتی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مصروف رہتے تھے اور ساتھ ہی اللہ سے ہرلمحہ مربوط اور تائید چاہتے تھے۔ اور اللہ کی طرف سے علم و تائید کی بارش جاری رہتی تھی۔ اسی حدیث کو دیکھئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ بات واضح فرمادی ہے کہ اُن پر ہرآن علمِ خُداوندی کا نزول ہوتا رہتا ہے چنانچہ ابوبصیر کے مختلف سوالات کا جواب دیتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ:۔

۔''ہمارے پاس روزِ ازل سے جو کچھ ہو چکا اس کا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کا مکمل علم موجود ہے۔ ابوبصیر رضی اللہ عنہ ہر دفعہ یہی کہتے چلے آرہے تھے کہ سبحان اللہ یہ تو انتہا درجے کا علم ہے۔ چنانچہ اس دفعہ بھی یہی کہا اور امامؑ ہر دفعہ علم کی دوسری صورت بیان فرماتے آرہے تھے۔ چنانچہ ابوبصیرؓ سے فرمایا کہ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ۔ کائنات میں دن رات جو حادثات اور خدائی ایجادات ہوتی ہیں اور جو واقعات ایک کے بعد ایک ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ اور جو چیزیں ایک کے بعد ایک وجود میں آتی رہتی ہیں۔ اور قیامت تک جو سلسلہ جاری رہنا ہے۔ ہمیں اُس سب کا علم حاصل ہے''۔(ظفری جلد اول صفحہ 271)

(اعلان 10) اجتہادزدہ لوگوں کے لئے حدیث کی تائید میں آیات ضرور پیش کرو

قارئین کرام نے دیکھ لیا کہ مجتہدین شیعہ لیبل لگاتے ہوئے بھی کس چالاکی سے فضائل و علوم محمدؐ و آلِ محمدؐ کا انکار کرتے ہیں۔ اور عوام کو اُن احادیث سے دھوکا دینا چاہتے ہیں جو قرآنی اصول پر مخالف قلوب کو متوجہ کرنے اور درجہ بدرجہ مرحلہ وار تفصیلی حقائق کی طرف لانے کے لئے بیان ہوئی تھیں۔ دیکھئے کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقتاً روزِ ازل سے نبیؐ تھے۔ اور مجتہدین نے بھی آخر کار تسلیم کرلیا ہے۔ لیکن حضورؐ نے چالیس سال خود کو بنی ہاشمؑ کے ایک ہونہار بچہ، جوان اور دانشور کی صورتوں میں پیش کیا۔ یہ طویل تدریج تھی آنے والے تئیس (23) سال کے لئے۔ اس دوران اُن دشمنانِ خُدا اور خاندان بنی ہاشمؑ نے آپؐ کو ہر وہ عزت اور القاب دیئے جو اُن کے یہاں سے کسی کو نہ ملے تھے۔ پھر جو حدیث اپنی تعلیم کی بنیادی تدریج میں ارشاد فرمائی وہ ایسی تھی جو بلا مخالفت قبول کرلی گئی۔ وہ یہ کہ:۔

﴿قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ تُفْلَحُوْا﴾

۔''یہ کہہ کر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں چھٹکارہ اور کامیابی حاصل کرلو''۔

(1) اس حدیث سے نظام اشتراک (مشرکین) نے کیا سمجھا؟

اول۔ وہ لوگ یہ سمجھے کہ محمدؐ سارے عرب و عجم و مختلف مکاتیب فکر و مذاہب کو متحد اور متفق ہوجانے کی دعوت لے کر اٹھے ہیں۔ اور اُن کا نعرہ۔''اللہ ایک''۔ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اتفاق و اتحاد نوع انسان کی فلاح و بہبود کا ہمیشہ سے ضامن ہے۔ لہٰذا یہ

نعرہ ہر حال میں مفید، قابل قبول ہے۔ اور اس کا انکار کرنے والا عوام کی نظر میں گر جائے گا۔ لہٰذا اسے قبول کرلو۔

دوم۔ محمدؐ نے یہ نعرہ نبوت کے دعوے کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ لہٰذا اس نعرہ کو قبول کر کے اس کا مطلب نبوت کے ساتھ نتّھی کر کے یہ سمجھو اور اپنے اپنے حلقے کے عوام کو بھی یہی مطلب سمجھاؤ کہ:۔

۔''لااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ''۔ کہہ دینے والا شخص مسلم ہے اور آخرت میں اس کی نجات کا ضامن محمدؐ ہے''۔ اور یہ کہ۔

۔''اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہیں۔ ورنہ یہ نعرہ غلط ہو جاتا ہے''۔

یہاں رک کر قارئین یہ سنیں کہ آنحضرتؐ کے مخاطب اُس وقت کی دُنیا کے اعلیٰ ترین دانشور حضرات تھے۔ ان کو بادشاہانِ ممالک کے درباروں میں رسائی اور سفارت کی کرسیاں حاصل تھیں۔ ساری دنیا کے ممالک سے تجارت وسفارت کے معاہدات تھے۔ اور یہ سب کچھ حضور صلعم کے آباواجداد کی راہنمائی اور لیڈری (LEADERSHIP) کی بنا پر حاصل تھا۔ ان لوگوں میں کئی کئی زبانیں بولنے والے دانشور موجود تھے۔ وہ سب تمام مذاہب عالم سے عموماً اور یہودی وعیسائی اجتہاد سے خصوصاً واقف تھے۔ وہ ان پیشین گوئیوں پر مطلع تھے۔ جو اس راہنما خاندان یعنی بنی ہاشمؑ کی طرف آخری نبیؐ مبعوث ہونے کا پتہ دیتی ہوئی برابر چلی آ رہی تھیں۔ اور جنہیں تازہ ترین الہامی کتاب انجیل نے نام لے کر مشخص کر دیا تھا۔ اور اُس طرف سے توجہ ہٹانے کے لئے ہی آپ کا پہلا نام احمدؐ نہیں بلکہ محمدؐ رکھا گیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ نبوّت اپنے ساتھ ایک مکمل ضابطہ حیات لے کر آتی ہے۔ لہٰذا وہ دانشورانِ قوم بڑی دور بین نگاہوں سے محمدؐ کو دیکھتے چلے آ رہے تھے۔ قوم کو علم تھا کہ اس خاندان ہاشمؑ میں قومی وملکی راہنمائی اور لیڈری موروثی چلی آ رہی ہے۔ چنانچہ عہد رسوؐل کے لیڈروں نے چاہا کہ محمدؐ کو ویسا ہی لیڈر بنا دیا جائے جیسا کہ اس کے خاندان میں ابوطالبؑ عبدالمطلبؑ ہاشمؑ اور قصی علیہم السلام گذرے ہیں۔ اور اُسے اس نعرہ لااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ کوئی اور پخ لگانے سے روکا جائے۔ اس سے ایسے سوالات کیے جائیں جن کے جواب میں وہ لااِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ کی قیمت بڑھاتا چلا جائے اور جن کی آڑ میں ہم لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ دیکھو لااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے والے پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ چنانچہ مختلف مواقع پر رسوؐل اللہ کو ایسے بیانات دینا پڑے جن سے صرف لااِلٰـہَ اِلَّا الـلّٰـہ کا جملہ پورا دین بن جائے اور باقی اعمال وکارخیر کی ضرورت کی نفی کی جا سکے۔ مثلاً آپ نے فرمایا کہ:۔

۔''مَن قَالَ لااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وَجَبَ لَہُ الْجَنَّۃُ''۔''جس نے لااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا اس پر جنت واجب ہوگئی''۔

لیکن دوستو رسوؐل کی تمام تدریجی احادیث میں ایک بات بھی ایسی نہ تھی جو باقی آئندہ آنے والی احادیث اور آیات کے خلاف ہو۔ یا احادیث اور آیات میں اختلاف کی دلیل بن جائے۔ مثلاً لااِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والے کے لئے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ ظلم وجبر وستم وزنا اور چوری وغیرہ پر ماخوذ نہ ہوگا۔ جس وقت یہ جملہ کسی نے کہا یقیناً وہ اگر اسی وقت مر جائے تو اس پر جنت

واجب ہے۔لیکن وہ جنت کوواجب کر لینے اور ہو جانے کے بعد اگر چاہے تو خلاف ورزی کر کے اپنے اوپر جہنم واجب کرنے میں مختار ہے۔سوچئے کہ ایک شخص لگا تار زبان سے لاالٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا رہے اور کوئی دوسری بات زبان پر نہ لائے اور کوئی دوسرا فعل نہ کرے تو یقیناً اعمال بد سے باز رہے گا اور جنت کے مالک محمدؐ اور جنت وجہنم تقسیم کرنے والے علیؑ کے فرمان پر عمل پیہم اُسے جنت میں لے جائے گا۔اب سوچئے کہ لاالٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ والی حدیث کے ساتھ نماز، روزہ، حج وزکاۃ، خمس وجہاد تحصیل علوم وفنون، اخلاقِ عمومی وخصوصی وغیرہ کے احکام دینا اگر اختلاف نہیں ہے۔''اِذَا شَـاءَ عَـلِمَ ''(جب چاہیں جان لیں) والی حدیث باقی احادیث کے خلاف کیوں اور کس دلیل سے ہوگی۔

(2) مخالفوں اور معرفت نہ رکھنے والوں کے لئے معصومؑ تعلیم کی پالیسی کا ایک قرآنی رخ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لاالٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کے ساتھ اپنے منہ سے ۔''محمدٌ رسوؐل اللہ''۔ نہیں لگایا ورنہ لیڈرانِ قوم انہیں خدا کا شریک قرار دینے اور مشرک بناڈالنے کی پالیسی اختیار کر لیتے ۔ چنانچہ جس روز جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے دھکا دے کر گرایا اور ان کی پٹائی کی تھی ۔اور انہیں لاالٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اعلان عام کرنے سے روک کر واپس رسوؐل اللہ کے پاس بھاگ جانے پر مجبور کیا تھا۔اور خود پہنچ کر رسوؐل اللہ کو بھی آئندہ لاالٰہَ اِلَّا اللّٰہُ والی حدیث میں جنت واجب ہو جانے کا اعلان کرنے سے روک کر ہدایت کی تھی کہ اس طرح لوگ اعمالِ خیر کرنے سے باز رہیں گے۔اس روز تک اس حدیث کو بیان ہوتے تقریباً بیس سال گذر چکے تھے اور رسالتؐ کے صرف تین چار سال باقی تھے ۔اس روز تک اُس حدیث میں۔'' مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ ''۔ شامل نہ تھا۔یہ تو وہ تدریج تھی۔جس سے آپ قومی لیڈروں کو مخالفت کا بہانہ دیئے بغیر اسلام کو آگے بڑھا رہے تھے۔اور حدیث میں رسالتؐ وامامتؑ کو لازمی پوزیشن دینے میں سیاسی صورت حال سے بچ کر گذر رہے تھے۔لیکن قرآن کی آیات میں اللہ کی طرف سے وہ پوری پوزیشن ثابت کر چکے تھے۔جس کو ہم جب بھی آپ کے روبرو رکھتے ہیں تو رسالتؐ امامتؑ اور محمدؐ اور آئمہؑ کی منزلت وکرامت عرشِ اعلیٰ سے ہمدوش نظر آتی ہے۔لہٰذا کلام اللہ کو اپنی پشت پناہی میں اپنی سپر (ڈھال) بناتے تھے۔تاکہ مخالف محاذ کی ہر چوٹ قرآن سے ٹکرا کر چور چور ہو جائے اور ان کی لیڈری کلام اللہ کی مخالفت کی بنا پر عوام کی نظروں میں ایک گھناؤنی چیز بن جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا تھا۔وہ تمام لیڈر ذلیل وخوار ورسوا ہو کر رہ گئے تھے۔لیکن وہ بہت جلد سنبھلے نظام اجتہاد کی پناہ لی تو وہاں سے وہ سب کچھ ملا جس کو ہم طرح طرح قرآن سے بیان کرتے ہیں۔تاریخ پڑھیئے تاریخ نہ سہی علامہ شبلی کی کتاب الفاروق میں حضرت عمر اور عبداللہ بن عباس کا مکالمہ دیکھئے اور قرآن میں سورہ فرقان (25/27-31) پڑھیئے ۔اس سے نقشہ پلٹ گیا۔اِسلام کی گاڑی پلٹا کر قومی پٹڑی پر ڈال دی گئی اور وہ اسٹیشن آ گیا جہاں میں اور آپ غیبت کبریٰ کے اشارے (SIGNAL) کا انتظار کر رہے ہیں اور دفع الوقتی کے لئے یہ چند باتیں کر رہے ہیں۔

آئمہ علیہم السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُسی پالیسی کو قدم بقدم اختیار کیا۔قومی حکومت ٹھوکریں کھاتی آگے بڑھی۔ بار بار گری، جنازے اور جلوس نکلے، مُردوں اور زندوں کی توہین وتذلیل ہوئی۔ خانوادۂ رسالت پر لاکھوں منبروں اور مساجد سے لعنت وتبرّا ہوتا رہا۔ایک صدی میں قومی ذہنیت کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز اس جُرم میں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے کہ انہوں نے علیؑ واولادِ علیؑ پر لعنت بند کر کے وہ ذریعہ بند کر دیا جس سے مسلمانوں کی نمازیں اور عبادت قبول ہوسکتی تھی۔خاندانِ رسوؐل کا صفایا کر دیا گیا۔ نام لیواؤں اور ہمدردانِ اِسلام پر ملک عرب کی زمین تنگ ہوگئی۔ نظام ہدایت وتقلید کے معصومؑ راہنماؤں میں سے ایک جوانؑ اور ایک بچہؑ باقی رہا تو انہوں نے مجبور ہوکر اپنے نظام اور متبعین کو زیر زمین، زیر پردہ یعنی غیبت صغریٰ کا ہتھیار عطا فرما دیا۔لوگ خاموشی سے نکلے اور دنیا میں پھیل گئے۔اُس نظام کی بے پناہ اور بے روک کارکردگی سامنے آچکی ہے۔اُس کا طرزِ عمل، طریقۂ تبلیغ اور داخلی وبیرونی انتظام دشمنوں کی نظروں سے محفوظ تھا۔لیکن معصومؑ راہنما اور امامؑ کو ابھی غیبت کبریٰ تک ظاہر سب کی آنکھوں کے سامنے مقید، نظر بند یا آزادرہ کر کام کرنا تھا اور دشمنوں میں حقائق اِسلامیہ کی تبلیغ کرنا تھی۔ملکی وقومی خود ساختہ نام نہاد اِسلامی قوانین کی زد سے بچ کر تعلیم دینا تھی۔لہٰذا وہ احادیث جن کو شیعہ مجتہدین یا دشمنان دین اختلاف وتضاد کے لئے پیش کرتے ہیں۔وہ وہی ہیں جو مجمع عام میں، دشمنوں کے نرغہ میں، جاسوسوں کے ہنگاموں میں، مفتیوں، قاضیوں، خلفاء اور درباریوں اور مجتہدوں سے آنکھیں چار کر کے پیش کیں۔اور عقل ودانش اور قرآن فہمی کا وہ معیار پیش کیا کہ نظام اجتہاد اور اس کی اجتماعی عقل فریب کھا کر رہ گئی۔مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔قبول کر کے شیعیت کے جال میں پھنس گئی اور کسی قسم کا اختلاف بھی نہ ہوا۔انہوں نے امیرؑ المومنین کہنا حرام کیا خلفاء خوش ہوگئے۔حکومت کے سیاسیین مطمئن ہوگئے۔مگر ہوا کیا تمام آئمہؑ امیر المومنین رہے اور کہلائے اس لئے کہ وہ سب نہ صرف محمدؐ ہیں۔ بلکہ وہ سب الگ الگ علیؑ اور مل کر عالونؑ اور عالینؑ (ص ۳۸/۷۵) بھی ہیں۔لیکن علیؑ کے سوا ہر نام نہاد امیر المومنین اور ان کا مذہب باطل ہوکر رہ گیا۔اس کو اختلاف حدیث وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جن کے پاس دینی بصیرت بالکل بچگانہ ہو یا جو فریب سازی کا بہانہ ڈھونڈھتے ہوں۔ یہ اختلاف نہیں۔ایسا فریب نظر ہے جو فریب کاروں نے خوشی خوشی کھایا اور اپنے ہاتھوں اپنے مذہب کی عمارت کو گرایا۔ چنانچہ آیئے تمہیں ایک نظارہ دکھائیں۔اور بتائیں کہ ہر حقیقی شیعہ جب باہر نکلتا تھا۔یا سفر پر جاتا تھا۔تو اپنے تمام اقدامات معصومؑ ہدایات کے بندھنوں میں باندھ کر رکھتا تھا۔سنئے اور غور کیجئے:۔

۔’’ہم ایک جماعت کی صورت میں امام محمدؑ باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اورعرض کیا کہ حضورؑ ہم سب ملک عراق جارہے ہیں ہمیں کچھ وصیت فرمادیجئے۔امامؑ نے فرمایا کہ دیکھوتمہارے صاحبانِ اقتدارلوگوں کو چاہئے کہ وہ ضعیفوں اورکمزوروں کوطاقت وراورمضبوط بناتے رہیں۔اورتم میں جو لوگ غنی اوررؤساءوخودمکتفی لوگ ہوں۔وہ فقیروں غریبوں اورمحتاجوں کوآسودہ حال بنادیں۔اورہمارے نظام غیبت کے رازوں کو عام رابطہ نہ دینا۔اورہمارے نظام کو ہرگز شہرت نہ دینا۔اورجب وہاں تمہارے سامنے ہماری ہدایات (احادیث) پہنچیں توان حدیثوں کو برسرکارلانا جن کی تائید میں تمہارے پاس ہماری بتائی ہوئی کم ازکم ایک یازیادہ آیات قرآن ہوں۔اورجواحادیث ایسی ہوں کہ تمہارے پاس تائیدی آیات نہیں ہیں۔ان کو برسرکارلانے سے رک جانا۔اورہم سے ان پرآیات طلب کرنااورجب تک ہماری طرف سے قرآنی تفصیلات نہ وصول ہوجائیں کوئی اقدام نہ کرنا۔اوریہ سمجھ رکھواوراسی اصول پرعمل کرتے چلے جاؤ کہ ہمارا حقیقی غلبہ اورکھلا نظام قائم ہونے تک جوشخص غلط اقدامات کوروکے رہےاورانتظارمیں زندگی گذارے وہ اس شخص کے برابرثواب کا حقدار ہے جومستقلاً روزہ داررہے۔اورجوشخص اس نظام کوقائم کرنے اور برسرکارلانے والےؑ کے ساتھ مل کراٹھے اوران کے مخالف محاذ سے جنگ آزمااورزندہ رہے۔اس کا ثواب بیس شہیدوں کے برابر ہے۔ اورجواس طرح قتل ہوجائے وہ پچیس شہداء کاثواب پائے گا‘‘۔(ظفری جلد دوم صفحہ 245)

۔’’دخلنا علیه جماعة، فقلنا : یا ابن رسولؐ اللّٰه انا نرید العراق فاوصنا،فقال ابو جعفر علیه السلام لیقو شدیدکم ضعیفکم ولیعدغنیکم علٰی فقیرکم ولا تبشوا سرنا ولا تذیعوا امرنا ۔ واذا جاء کم عنا حدیث فوجد تم علیه شاهدا اوشاهدین من کتاب اللّٰه فخدوا به والا فقفوا عنده، ثم ردوه الینا حتی یستبین لکم واعلموا ان المنتظر لهٰذا الامر له مثل اجر الصائم القائم ومن ادرک قائمنا مخرج معه فقتل عدونا کان له مثل اجر عشرین شهیدا ومن قتل مع قائمنا کان له مثل اجر خمسةو عشرین شهیداً۔(کمرئی جلد۳ صفحہ۳۳۶)(ظفری جلد۲ صفحہ۲۴۵)

لہٰذا شیعہ مومنین نوٹ کریں کہ جب یہ مکارگروہ کوئی ایسی حدیث پیش کرے جس سے وہ کسی ایسی حدیث کے خلاف مفہوم نکالے جس میں محمدؐ وآل محمدؐ کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔اوراپنی پیش کردہ حدیث سے مقام محمدؐ وآل محمدؐ کم کرنا چاہے تواس سے کہوکہ اس کے ساتھ ایک ایسی آیت بھی پیش کروجومعصومینؑ نے تمہاری انتخاب کردہ حدیث کی تشریح میں پیش کی تھی۔رہ گیا تمہاراقول یاتمہاری انتخاب کی ہوئی آیت وہ اس لئے قابل قبول نہیں کہ تم جانے پہچانے دشمن محمدؐ وآل محمدؐ ہومگرشیعہ لباس وليبل وعمامہ میں ملبوس ہو۔اس لئے تم فریب ساز بھی ہو۔

(اعلان 11) اجتہاد پسند شیعوں کو عمداً دانشمندانہ مختلف جوابات

اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ آئمہ معصومینؑ مُتشیِــعۃ یعنی نام نہاد شیعوں کو مسائل کا جواب اس انداز سے دیتے تھے کہ ہر جواب حقیقتاً صحیح ہو مگر جواب کی صحت پلٹ کر امامِ وقت اور حقیقی شیعوں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اور وہی جواب ذرا سی وضاحت سے وہ جواب بن جائے جو حقیقی شیعوں کو سیدھے سادے واضح الفاظ میں دیا جاتا۔ چنانچہ جو شیعہ شیعوں میں اختلاف پسند نہ کرتے تھے۔ ان میں سے ایک شخص محمد بن بشیر اور دوسرا حریز امام جعفر صادق علیہ السلام سے یوں شکایت کرتا ہے کہ:۔

۔''حضور ہمارے صحابہ میں جو اختلاف ہے اس سے زیادہ مجھے اور کوئی چیز تکلیف نہیں دیتی۔ امامؑ نے فرمایا کہ تمہارے صحابہ میں جو یہ اختلاف مجھ سے پہلے سے چلا آرہا ہے''۔

۔''قال: قلت له: انه ليس شيىء اشد على من اختلاف اصحابنا.. قال: ذلک من قبلى) (علل الشرائع صفحہ ۳۹۵)

قارئین یہاں پہلی بات نوٹ یہ کرلیں کہ جن لوگوں کو شیعوں میں امامؑ کے یا اماموںؑ کے صحابہ سمجھا اور کہا جاتا ہے۔ ان میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ سے قبل ہی اختلاف تھا۔ اور ہم سابقہ بیانات میں یہ ثابت کر چکے کہ ہر امامؑ کے صحابہ اور متبعین دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ تھے جو ایک دوسرے سے دور دور بود و باش رکھتے ہوئے بھی دین میں کسی قسم کا اختلاف نہ رکھتے تھے۔ دوسرے حضرت عمر بن حنظلہ کی قسم کے شیعہ تھے جو ہر بات میں اختلاف کرتے تھے۔ نظام اجتہاد اور مجتہدین کے انداز میں مسائل سازی کی بیماری میں مبتلا تھے۔ اور یہ کہ آئمہ معصومینؑ ان دونوں قسم کے شیعوں سے عمداً مختلف سلوک کرتے تھے۔ اور کوئی بات حقیقت کے خلاف بھی نہ کہتے تھے۔ مگر وہ لوگ موشگافیوں کی وجہ سے خود ہی اپنے الفاظ میں الجھ کر رہ جاتے تھے۔ اور لوگ ان کے آپسی اور اجتہادی اختلاف کو مذہبی اور آئمہ علیہم السلام کا اختلاف سمجھ لیتے تھے۔ بہرحال یہ حدیث سنئے اور تمام گنجلک دور کر کے حقیقت حال دیکھ لیجئے۔ اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ واقعہ کربلا کے بعد پرآشوب اور جان لیوا دور کا امامؑ کس طرح حقیقی اِسلام کا تحفظ کرتا ہے۔ اور کس طرح تعلیماتِ خُداوندی کو ان لوگوں میں پہنچاتا ہے جو اِسلامی تعلیمات کی حفاظت کے لئے تیار ہیں۔ اور کس طرح اس گروہ کو مدنظر رکھتا ہے جو تعلیمات اِلٰہیّہ کو تبدیل کرنے میں کوشاں ہیں یا مددگار بنائے جاسکتے ہیں۔

۔'' حضرت زرارہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السلام سے کوئی سوال دریافت کیا۔ حضورؑ نے اس سوال کا جواب دے دیا۔ زرارہ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد ایک شخص آیا اور وہی سوال کیا جو میں نے کیا تھا۔ لیکن امامؑ نے اس دوسرے

۔''عن زراره بن اعين عن ابى جعفر عليه السلام قال: سالته عن مسالة فاجابنى ۔ثم جاء رجل فساله عنها فاجابه بخلاف ما اجابنى ثم جاء رجل آخر فاجابه بخلاف ما اجابنى و اجاب صاحبي۔ فلما خرج

سائل کو میرے جواب کے خلاف جواب دیا پھر ایک تیسرا آدمی آیا۔اس نے بھی وہی سوال کیا جو میں نے اور دوسرے شخص نے کیا تھا۔مگر امام علیہ السلام نے اسے میرے اور میرے ساتھی کے خلاف ایک تیسرا ہی جواب دے دیا۔ چنانچہ جب وہ دونوں اشخاص چلے گئے ۔تو میں نے عرض کیا کہ

رجلان قلت: یا بن رسولؐ اللّٰہ !رجلان من اھل العراق من شیعتکم قدما یسا لان فاجبت کل واحد منھما بغیر ما اجبت بہ صاحبہ؟فقال:یازرارۃ !ان ھذا خیرلنا وابقی لنا ولکم ولواجتمعتم علی امرواحد لصدقکم الناس علینا ولکان اقل بقائنا وبقائکم قال(زرارۃ):ثم قلت لابی عبداللّٰہ علیہ السلام شیعتکم لو حملتموھم علی الاسنۃ اوعلی النارلمضوا وھم یخرجون من عندکم مختلفین؟ قال: فاجابنی بمثل جواب ا بئہ''۔

اے فرزندِ رسولؐ یہ کیا بات ہے کہ عراق کے دو باشندے اور دونوں آپ کے شیعہ، دونوں آپ سے ایک ہی مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔اور آپ نے ان دونوں میں سے ہر ایک کو ایسا جواب دیا جو اس کے دوسرے ساتھی کے جواب کے خلاف تھا؟ یہ سن کر امام محمدؐ باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا یہی طریقہ یقیناً وہ پالیسی ہے جس سے میں اور تم دنیا میں بہت بہتر طور پر باقی رہ سکتے ہیں اور اسی میں حق اور خیر ہے۔اور اگر میں تمہیں اور عراقیوں ایسے شیعوں کے لئے ایک اجتماعی پالیسی اختیار کرلوں؟ تو ہمارے مخالفین جن سے ہم محفوظ رہنا چاہتے ہیں تمہارے اور عراقی قسم کے شیعوں کے لئے ہمیں ذمہ دار قرار دے لیں گے اور اس طرح تمہارے اور ہمارے دنیا میں باقی رہنے کے مواقع کم سے کم رہ جائیں گے۔زرارہ کہتے تھے کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضورؐ آپ کے شیعہ ایسے فدا کار و جان نثار ہیں کہ اگر آپ اشارہ کردیں تو برچھیوں کی نوکوں پر سینہ رکھ کر لیٹ جائیں۔بھڑکتی ہوئی آگ میں بے دھڑک کود پڑیں۔اس کے باوجود آپ انہیں کیوں مختلف جواب دے دیتے ہیں؟ زرارہ کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی اس سوال کا وہی جواب دیا جو اُن حضرؑت کے والد امام محمد باقر علیہ السلام نے دیا تھا۔یعنی یہ کہ ہماری تمہاری بقاء اسی میں ہے کہ ہم دونوں قسم کے شیعوں کو ایک ہی جواب نہ دیں''۔(ظفری جلد اول صفحہ 72۔مگر وہ ترجمہ بذریعہ الہام کیا گیا ہے اس کا خیال رکھیں)۔

(الف) حدیث معصومؑ میں اختلاف نہیں بلکہ حقیقی و نقلی شیعوں میں اختلاف تھا

قارئین یہ حدیث جس مقام پر اور جن احادیث کے ذخیرہ میں لکھی گئی ہے۔کافی میں اس باب کا نام ''**حدیث کا اختلاف**''۔(باب اختلاف الحدیث) ہے۔اس سے مجتہدین نے یہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے کہ محمدؐ اور آئمہ معصومینؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کے اقوال و احادیث اور احکام میں اختلاف و تضاد ہے۔کوئی حدیث کچھ کہتی ہے؟ دوسری اس کے خلاف کہتی ہے۔اور تیسری ان دونوں کی مخالف ہے۔لہٰذا انہوں نے قرآن کی طرح حدیث کے پورے ذخیرہ کو بھی دس بارہ طریقے سے ایک ایسی

پوزیشن دی ہے۔جس سے ہر حدیث پر آنکھ بند کر کے عمل نہیں کیا جاسکتا۔لہٰذا حدیث کے پورے ذخیرہ کی ورق گردانی کے بعد جو کچھ حاصل ہوتا ہے ۔ وہ **علم ویقین** فراہم نہیں کرتا بلکہ **ظن وگمان** حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ ورسوؐل کی صحیح منشا ،مراد اور مطلب سمجھنے کے لئے جناب مجتہد اور مجتہد کی ڈگڈگی اور پٹاری کی احتیاج ہے۔ وہ اپنے اجتہادی کرتبوں کے ذریعہ سے معاذ اللہ، اللہ ورسوؐل اور آئمہؑ کو حاضر کر کے ان کا حقیقی مطلب معلوم کر کے بتائے گا۔لیکن یہ سب کچھ اُن شیعوں کے لئے قابل قبول ہوگا۔ جو اس کے مُقلِد ہوں۔آپ تو یہ دیکھئے کہ اگر حضرت علامہ محمد یعقوب کلینیؒ نے اس باب (اختلاف الحدیث) سے یہ مطلب سمجھا ہوتا جو اِن فریب سازوں نے سمجھا تو ہرگز اُن احادیث کو اختیار نہ کرتے ۔ وہ اور ہم جو کچھ سمجھے وہ حدیث کے الفاظ سے ثابت ہے ۔ آیئے حدیث پر لفظ بہ لفظ اور جملہ بہ جملہ نظر ڈالیں اور مجتہد کو دکھائیں کہ تم خالص مکار اور فریب ساز ہو۔اور تمہیں اس حدیث سے اور ہر حدیث سے صرف نقصان پہنچتا ہے۔

حدیث کے الفاظ سے حدیث فہمی

قارئین کرام بلا تکلف مان لیں کہ اس حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام نے تین شیعوں کو تین مختلف جواب دیئے۔ جان بوجھ کر مختلف جوابات دیئے۔مختلف جوابات دینے کو غلط سمجھنے کے بجائے مفید اور طریقہ بقا و نجات قرار دیا۔اور آئندہ بھی مختلف جوابات دیتے رہنے پر قائم رہنے کا اعلان کر دیا۔اور بتا دیا کہ اگر تمام شیعوں کو ایک ہی جواب دیا جائے تو مخالف محاذ تمام شیعوں کے لئے امام محمدؑ باقر کو ذمہ دار قرار دے کر ان کا اور اُن کے شیعوں کا جینا دوبھر کر دے گا۔جن شیعوں کو امامؑ اپنے ساتھ دنیا میں باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ یہاں قارئین کو رسوؐل اللہ کی وہ حدیث یاد آنا چاہئے جس میں یہ فرمایا تھا کہ۔''**میری امت کا اختلاف رحمت ہے**''۔یعنی امام محمدؑ باقر کے مختلف جوابات امامؑ اور امامؑ کے شیعوں کے لئے رحمت تھے اُسی کے نتیجہ میں انہیں بقا اور نجات حاصل ہونا تھی۔لہٰذا یہ وہ اختلاف نہ تھا جو اللہ ورسوؐل کو ناپسند ہوتا اور جس کے نتیجہ میں انتشار وافتراق پیدا ہوتا ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ جناب زرارہ رضی اللہ عنہ کو جو جواب دیا گیا تھا۔ وہ انہیں اتنا پسند تھا کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ وہی جواب مذکورہ دونوں عراقی شیعوں کو بھی ملنا چاہئے تھا۔لیکن امامؑ نے یہ کہا کہ اگر وہی جواب عراقی شیعوں کو دیا جاتا تو امامؑ کا اور زرارہ وغیرہ شیعوں کا باقی رہنا خطرہ میں پڑ جاتا۔اور عراقی شیعوں کو وہ جواب نہ دینے سے امامؑ بھی اور زرارہ وغیرہ بھی محفوظ رہتے ہیں۔ پھر یہ سوچنا ہے کہ دوسرا شخص جب آیا تو اسے یہ معلوم نہ تھا کہ کسی شخص نے وہی سوال پہلے دریافت کیا ہے؟ نہ یہ معلوم تھا کہ کس کو کیا جواب دیا گیا ہے۔ وہ امامؑ سے سادہ طریقہ پر سوال کرتا ہے۔ جواب سنتا ہے۔ پسند کرتا ہے۔ضرورت کے مطابق پاتا ہے اور مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔اب دوسرا شخص اس کے سامنے آتا ہے۔سوال کرتا ہے۔امامؑ جواب دیتے ہیں۔ پہلا عراقی بھی جواب سنتا ہے۔لیکن وہ اس جواب پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ اب یا تو یہ صورت ہے کہ جو جواب دوسرے عراقی شخص کو

دیا گیا۔ وہ پہلے عراقی شیعہ والے جواب سے مختلف نہ تھا۔ یا یہ شکل ہے کہ دوسرے عراقی شیعہ کا سوال ہی پہلے عراقی سے مختلف تھا اور اس لئے اس کا جواب وہ نہ ہونا چاہئے تھا جو پہلے عراقی کو دیا گیا تھا۔ اس لئے وہ مطمئن رہا اور اعتراض نہ کیا۔ تیسرا شخص تو یہ جانتا ہی نہیں کہ اس سے پہلے وہی سوال یا کوئی اور سوال لوگوں نے دریافت کیا تھا یا نہیں اور کس کو کیا جواب ملا تھا؟ لہٰذا تیسرا شخص بحث سے الگ رہ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں عراقی شیعہ اپنے اپنے جوابات پر مطمئن تھے اور اطمینان سے واپس چلے گئے۔ یعنی امامؑ نے انہیں اُن کے سوالات کا صحیح قابل عمل اور اطمینان بخش جواب دیا تھا اور یہی امامؑ کی منصبی ذمہ داری تھی جو انہوں نے پوری کردی۔ رہ گئے جناب زرارہ رضی اللہ عنہ وہ حدیث سناتے ہوئے تو یہ کہتے ہیں کہ۔ **''تیسرے شخص کو جو جواب دیا وہ میرے جواب اور میرے ساتھی کے جواب کے خلاف تھا**۔ ﴿فاحبہ بخلاف ماجابنی واجاب صاحبی﴾ مگر امامؑ سے یہ نہیں کہتے کہ آپ نے ہم تینوں کو مخالف جوابات دیئے ہیں۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ۔ **''آپ نے دونوں عراقی شیعوں کو ایک ہی سوال کے دوالگ الگ جواب دیئے ہیں''**۔ ﴿فاجبت کل واحد منھا بغیر مااجبت بہ صاحبہُ﴾ یعنی زرارہ کا اعتراض یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک ہی جواب کیوں نہ دیا گیا؟ لیکن یہ اعتراض اس لئے کمزور ہوجاتا ہے کہ دونوں عراقیوں کو بالکل اعتراض نہیں ہے۔ اور پہلا عراقی شیعہ بھی یہ نہیں سمجھتا کہ اس کا سوال اور دوسرے عراقی کا سوال ایک ہی تھا۔ اور یہ بھی نہیں سمجھتا کہ دونوں کو مختلف جواب دیا گیا ہے۔ لیکن امامؑ نے چونکہ مان لیا ہے کہ جوابات مختلف تھے۔ لہٰذا حضرت زرارہؓ کی دینی بصیرت کی تصدیق ہوگئی کہ وہ بہت باریک بین شخص ہیں۔ اور تینوں جوابات کا فرق ان کے سامنے آچکا ہے۔ اور یہ بھی سمجھے ہیں کہ جو جواب انہیں دیا گیا ہے۔ نہ وہ جواب عراقی شیعوں کو دیا گیا نہ انہیں ہی ایک متفقہ جواب دیا گیا۔ لیکن اعتراض میں اس بات کو پوشیدہ رکھتے ہیں کہ۔ **''کیوں وہ جواب اُن دونوں شیعوں کو نہ دیا گیا جو مجھے دیا گیا تھا؟''**۔ اس کے برعکس وہ دونوں عراقی شیعوں کو مختلف جواب دینے پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور وہ اعتراض اس لئے ختم ہوگیا کہ عراقی شیعوں نے اپنے اپنے جوابات کو صحیح، قابل عمل اور اطمینان بخش سمجھا۔ لہٰذا جو اعتراض باقی رہ گیا وہ وہی ہے جو دل میں پوشیدہ تھا۔ **یعنی مجھے اور انہیں ایک ہی جواب کیوں نہ دیا گیا؟** اور اسی اعتراض پر مزید اطمینان بخش جواب چاہنے کے لئے جناب زرارہؓ اسی حدیث کے آخر میں امام محمدؑ باقرؑ کے بعد امام جعفر صادقؑ سے جو سوال کرتے ہیں۔ اس میں یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ تمام شیعوں کو ایک ہی جواب دیا جانا چاہئے۔ اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ شیعہ جان فروش وفدا کار وفرمانبردار لوگ ہیں۔ لیکن امام جعفر صادقؑ بھی وہی جواب دے دیتے ہیں۔ جو اُنؑ کے والد محمد باقر علیہ السلام نے دیا تھا۔ یعنی شیعہ لیبل کے ہر شخص کو ایک ہی جواب دیتے رہنے سے مخالفین تک بات جا پہنچے گی اور پھر ہر شیعہ کے اقدامات کی جواب طلبی امامؑ سے ہوگی۔ اور قتل وغارت تک نوبت پہنچے گی اور یوں ملت شیعہ کا باقی رہنا مشکل ہوجائے گا۔

اب سابقہ حدیثوں کواور پالیسی کوسامنے لایئے کہ امامؑ کووہ دشمن اتنا خطرناک اور نقصان پہنچانے والانہیں معلوم ہوتا جتنا وہ شیعہ خطرناک اور نقصان رسان ہوسکتا ہے جوامامؑ کی پالیسی اورمخصوص تعلیم کو عام کرتا پھرے۔اور ایسے شخص کواوراُس کے کلام کو دفن کردینا زیادہ بہتر ہے۔یعنی ہروہ شیعہ واجب القتل ہے جوامامؑ کے اقدامات واحکامات کی تشہیر پراصرار کرے۔یہی نصیحت اس وفدکوکی تھی جوعراق جارہاتھا۔کہ ہماری تعلیمات اور زیرزمین اقدامات کوغیروں میں یعنی عراقیوں میں نہ پھیلادینااور حضرت زرارہؓ والی اس حدیث میں بھی امامؑ کے جوابات عراقی شیعوں کودیئے گئے ہیں۔اورنہایت کامیاب واطمینان بخش جوابات دیئے ہیں۔مگرزرارہؓ یہ چاہتے تھے کہ ان عراقی شیعوں کوبھی وہی جواب دیاجاتا جوانہیں غیرعراقی شیعہ ہوتے ہوئے دیا گیاہے۔

اب یہ غور کریں کہ عراق کیاہے۔یہ وہ علاقہ ہے جہاں بڑے اطمینان سے امامؑ کے اباؑ واجدادؑ پرحکومت کی طرف سے لعنت کرائی جاتی ہے۔جہاں حکومت اُمویہ کا پایہ تخت ہے۔جہاں آل محمدؐ کے نام پرکئی ایک جائزوناجائزتحریکیں حکومتِ وقت کے خلاف تیغ آزماہیں۔جہاں کوفہ شہرہے۔جہاں تحریک تشیّع کا مرکز ہے۔جس عراق میں شیعوں کا صرف شیعہ ہونے پرقتل جائز اور مال حلال ہے۔جہاں روزانہ سیکڑوں ہاتھ قلم کیئے جاتے ہیں۔سیکڑوں زبانیں گدی سے کھینچ لی جاتی ہیں۔جہاں درختوں پر شیعوں کی لاشیں لٹکتی نظرآتی ہیں۔جہاں مساجد کے دروازوں پرشیعوں کے ہاتھ کیلوں سے جڑے ہوئے ملتے ہیں۔

اب سوچئے کیا اُن شیعوں کووہ تمام مسائل بتادیئے جائیں جن پرحکومت کوقتل عام کا بہانہ مل جائے،جوشیعہ معصومؑ احکامات واقدامات کوعام کردیں؟یاشیعہ لبادہ میں اس لئے آئیں کہ امامؑ کی پالیسی کھلے الفاظ میں سنیں اور جاکررپورٹ کریں اورگرفتاری وقتل وقوع میں آئے؟یاخودہی سائل گرفتاری کا مجاز اور وارنٹ رکھتاہو؟آپ کا اور ہردانشمندانسان کا جواب یہی ہوگا۔کہ ہرگز ہرگز ہرشیعہ کو بلادھڑک بلاتفتیش ایک ہی جواب نہ دینا چاہئے ورنہ نہ صرف حقیقی شیعوں پربلکہ نام نہاد(متشیّعہ) شیعوں پربھی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔لہٰذانوٹ کیجئے اور ہرمجتہدکوبتایئے کہ اُن تمام نام نہادشیعوں کوجونظام اجتہادکے ممبرہوں یا جاہل وغیرذمہ دارقسم کے شیعہ مومن ہوں کوایسا جواب دیاجائے گا جواگرعام بھی کردیاجائے۔توحقیقت اِسلامیہ کے مطابق ہواورخطرات اورنظام اجتہادکی پیش رفت سے محفوظ ہواورسائلین کی دینی ودُنیاوی ضروریات کا کفیل ہو۔لہٰذا مندرجہ بالا و زیربحث حدیث سے بھی ثابت ہواکہ نظام اجتہادشیعوں میں شیعہ نقاب پہن کرکام کررہاتھا۔اس لئےشیعوں کودوحصوں میں تقسیم کردیا گیاتھا۔اورحضرت زرارہ رضی اللہ عنہ اسی تقسیم اور پالیسی کوسیکھ رہے تھے۔اورانہیں عملی سبق اورنمونہ سکھایاجارہاتھا کہ خالص شیعوں کوکیسا اورنقاب پوش شیعوں یا کمزورعقیدہ مقلِّد ٹائپ شیعوں کوکیسا جواب دیاجانا چاہئے لہٰذا آئمہ معصومین علیہم السلام کی تعلیم میں ذرہ برابراختلاف نہ تھا۔اوراگرکہیں اختلاف تھا۔تووہ مصنوعی شیعوں میں اصولی جواب کونہ سمجھنے کی بناپر تھایاکسی مجتہدٹائپ کے شیعہ کا خودایجادکردہ اختلاف تھا۔اوراس زمانہ میں اشدضروری تھا کہ حقیقی اورمصنوعی شیعوں میں تمیز کی

جائے اورنہایت محتاط واصولی جواب دیا جائے تا کہ اگر کوئی الجھے تو مصنوعی شیعہ یا دشمنِ آئمہؑ الجھے اورمُنہ کے بل گرے۔

(اعلان 12) عقلی اختلاف وعملی حالت ملحوظ رکھ کرتمام انبیاؑ مختلف جواب دیتے رہے؟

یہ بات ہو چکی کہ تمام انبیاء علیہم السلام انسانوں کوان کی عقل کے معیار پر تعلیم دینے کے ذمہ دار تھے۔اورانسانی طبقات میں عقلی اختلاف روزمرہ مشاہدہ میں آتا ہے۔لہٰذا ظاہر ہے کہ ہرانسان کو ہرحالت میں اور ہرمسئلہ کا ایک ہی جواب دینا گویا گمراہی پھیلانا ہوگا۔یہاں ہم حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام کی زبانی یہ دکھاتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی اسی فطری طریقہ پرعمل کیا تھا۔اورایک ہی نشست میں تین آدمیوں کوتین مختلف جواب دیئے تھے۔چنانچہ جناب عبداللہ بن سلیمان رضی اللہ عنہ نے امام جعفرصادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا ہرامامؑ کواللہ نے دینی معاملات اسی طرح کُلّیتاً سپرد کردیئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت سلیمان بن داوٗدعلیہ السلام کوتفویض کیا تھا؟فرمایا:۔

۔''ہاں دینی معاملات آئمہؑ کوسپرد ہیں اورایسا ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ سے ایک شخص نے ایک سوال پوچھا آپ نے اس کو جواب دیا پھر دوسرے نے وہی سوال کیا تو اُسے پہلے جواب کے علاوہ جواب دیا پھرتیسرے آدمی نے وہی سوال کیا تو اُسے پہلے دونوں جوابوں سے الگ جواب دیا۔اس کی اجازت قرآن میں (ص 38/39) ہے۔پھر میں نے امامؑ سے دریافت کیا کہ کیا جواب دیتے وقت ہر امامؑ سائل کے حالات اورمافی الضمیر کو پہچانتا ہے؟ فرمایا۔واہ بھائی واہ سبحان اللہ کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ۔''یقیناً صورت وشکل وچہرہ دیکھ کرسب کچھ جان لینے والوں کیلئے ہی اس میں معجزات وحیران کن حالات ہیں''۔(15/75)اوریہی حضرات تو آئمہ معصومین ہوتے ہیں۔''اورامامؑ ہی تواللہ کے راستہ پرنگرانی کیلئے کھڑا ہے''۔(15/76)اوراُس جگہ سے امامؑ کی نگرانی ہرگز قیامت تک ہٹنے والی نہیں ہے۔پھر مجھ سے اپنی

۔''فقال نعم۔وذلک ان رجلا ساله عن مسالة فاجابه فيها وساله آخرعن تلک المسالة فاجابه بغير جواب الاول ثم ساله آخر فاجابه بغير جواب الاولين۔ثم قال''هذا عطاونا فامنن......قال قلت: اصلحک اللّٰه فحين اجا بهم بهذا الجواب يعرفهم الامام؟قال:سبحان اللّٰه :اما تسمع اللّٰه يقول:''ان فی ذلک لايات للمتوسمين ۔(حجر۱۵/۷۵) وهم الائمةؑ۔''وانهالبسبيل مقيم(حجر۱۵/۷۶)لا يخرج منها ابدا۔ثم قال لی :نعم ان الامامؑاذا ابصر الی الرجل عرفه وعرف لونه وان سمع کلامه من خلف حائط عرفه و عرف ماهو ان اللّٰه يقول۔''ومن آياته خلق السماوات و الارض و اختلاف السنتکم و الوانکم ان فی ذلک لايات للعالمين (روم۳۰/۲۲)وهم العلماءؑ فليس يسمع شيئاً من الامر ينطق به الا عرفه ناج اوهالک فلذلک يجيبهم بالذی يجيبهم۔(کمرئی جلد۲صفحہ۴۳۲۔۴۳۳)

زبان میں فرمایا کہ جب امامؑ کسی بھی فرد پر نظر ڈالتا ہے تو اس کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس کی نسل ورنگ پہچان لیتا ہے۔ اور اگر اس کی آواز کسی دیوار کے پیچھے سے بھی سن لے تو اس کے متعلق سب کچھ جان لیتا ہے۔ اور یقیناً اللہ نے امامؑ کی اس پوزیشن کا ثبوت یہ کہہ کر دیا ہے کہ۔ ''تخلیق زمین اور آسمانوں میں اور تمہارے رنگوں اور زبانوں کے اختلاف میں یقیناً علمأء کے لئے اللہ کی کاری گری اور معجزات موجود ہیں''۔ (30/22) اور حقیقی علماء آئمہ معصومینؑ ہی تو ہیں۔ چنانچہ ہر امامؑ کا مقام یہ ہے کہ وہ ہر اس مخلوق کی زبان سمجھتے ہیں جو ان سے بات کرے یا ان سے متوجہ ہو۔ اور اسے پہچانتے ہیں کہ آیا وہ نجات پانے والا ہے یا عذاب سے دوچار ہونے والا ہے۔ اور انہیں ویسا ہی جواب دیتا ہے جیسا کہ اس مخلوق کے لئے موزوں ومناسب ہوتا ہے''۔
(ظفری جلد اول صفحہ 543-542)

قارئین ذرا مجتہد ٹائپ کے شیعوں سے دریافت کریں کہ کیا تم قرآن پر اور مذکورہ آیات پر ایمان رکھتے ہو؟ پھر تم کس منہ سے کہتے ہو کہ آئمہ علیہم السلام کے بعض جوابات نا قابل عمل اور بعض قابل عمل ، بعض ٹرخانے کے لئے اور بعض سچ مچ عمل کرنے کے لئے ہوتے تھے۔ اور اب تم یہ بتاؤ گے کہ کون سے جواب اور کون سی حدیث پر عمل کریں گے اور کون سا حکم ٹھکرا کر الگ کر دیں گے۔ ارے خدا کے بندو ہمارا ایمان یہ ہے کہ ہم ان کے ہر حکم اور ہر فیصلے اور ہر قول اور ہر حدیث کو قابل عمل اور واجب الاطاعت سمجھتے ہیں۔ مگر نہ ہر حکم نہ ہر فیصلہ نہ ہر قول اور نہ ہر حدیث ہر وقت اور ہر کسی کے لئے قابل عمل ہے۔ وقت اور حالات آنے پر واجب اور عمل لازم ورنہ قانون کی حیثیت سے لکھی ہوئی (منسوخ) موجود ہے۔ بچوں پر نہ اللہ کا حکم واجب نہ رسولؐ کا حکم لاگو۔ ہمیں الگ الگ اپنے حالات معلوم ہیں۔ اگر خدا اور رسولؐ اور امامؑ کا حکم معلوم نہ ہو تو اپنے والدین، اعزاء واقربا، محلے داروں اور جو اس قابل ہو اس سے بلا تکلف معلوم کر لیں گے۔ اور جو بھی لفظ بلفظ معصومؑ حکم بتائے گا۔ خواہ تم بتاؤ یا کوئی کافر ویہودی بتائے اس پر کھٹا کھٹ عمل کر لیں گے۔ مگر مجتہد کے اپنے ذاتی اجتہادی حکم کو حرام سمجھیں گے۔ معصومؑ حکم ملنے تک اقدام نہ کریں گے۔ لہٰذا شیعہ مجتہدین چھٹی کر کے اپنے شریعت کدہ اور دارالفتویٰ میں آرام فرمائیں اور شیطانی مریدوں کا دن رات انتظار کریں۔ ہمارے گھروں میں محلّہ میں جتنے سن رسیدہ محبانِ اہل بیتؑ ہیں ہم ان کے ارشاد پر عمل کر لیں گے مگر تمہیں ہرگز منہ نہ لگائیں گے سنو۔ ''احمد بن حاتم اوران کے بھائی نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے بذریعہ خط دریافت کیا کہ ہم اپنے دینی علوم اور معلومات کس سے حاصل کیا کریں؟ جواب میں امامؑ نے لکھا کہ میں تمہارا حقیقی مطلب سمجھ گیا ہوں لہٰذا جواب یہ ہے کہ

۔''عن احمد بن حاتم بن ماهويه قال كتبت اليه يعنى ابا الحسن الثالث عليه السلام اسأله عمن آخذ معالم دينى كتب اخوه ايضاًبذٰلک فكتب الهما: ''فهمت ما ذكر تما فاعمدوا فى دينكما على كل مسن فى حبنا و كل كثير القدم فى امرنا فانهما كافو كما انشاء الله تعالى ۔

کہ ہر وہ شخص جو ہماری محبت و مودّۃ پر بڑھا ہو گیا۔ اور جسے ہمارے منصوبے کی معلومات میں قدامت حاصل ہو وہ دونوں شیعہ بزرگ، دین کی ضروری تعلیم کے لئے تمہیں کافی ہیں''۔

اس حدیث کا مطلب واضح اور فطری طریقہ تعلیم ہے۔ اس طریقہ پر اگر باقاعدہ عمل کیا جاتا یا کیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی حقیقی عملی سنت کے خلاف ایک بھی بدعت اور مجتہدانہ عمل شیعوں میں داخلہ نہ پاسکتا تھا۔ چنانچہ آپ کسی بھی شیعہ بزرگ سے ملاقات کریں جس کی عمر پچاس ساٹھ سال ہو۔ اور ملت شیعہ میں برپا ہونے والی ان رسومات، تہواروں، رواج اور عبادات کے متعلق سوالات کریں جو اُن کے بچپن میں ہوتی تھیں۔ وہ بتائیں گے کہ ان کے بچپن سے جوانی تک محرم میں ہر عزا خانے میں ہر امام بارگاہ کے دروازہ پر نوبت بجا کرتی تھی۔ عزاداری کے جلوسوں کے آگے آگے بینڈ یا ڈھول، تاشے نقارے بجتے ہوئے چلا کرتے تھے۔ ماتم ایک ہاتھ سے ہوا کرتا تھا۔ زمین پر لیٹا کرتے تھے۔ چارپائیاں الگ رکھ دی جاتی تھیں، زنجیر اور چھری کا ماتم جی توڑ کر کیا جاتا تھا۔ اور پھر یہ پوچھیں کہ انہوں نے اپنے بچپن میں اپنے بڑے بوڑھوں سے کیا سنا اور انہیں کیسا پایا۔ الغرض ہر بچہ اگر اپنے بڑے بوڑھوں کی راہ چلتا رہتا تو آج ہر مذہب کی ہر چیز اپنی ابتدائی اور اصلی حالت پر ملتی۔ مگر نظام اجتہاد نے ابلیسی اصول کے ماتحت ہر چیز ہر بات خصوصاً ہر فطری طریقہ میں تغیّر و تبدّل (نساء 4/119) جاری کیا۔ ہر عمل کی صورت بدلتا چلا آیا ہے۔ دیکھئے کراچی میں اگر اہل سنت مومنین محرم نہ مناتے تو یہاں سے امامؑ کا تعزیہ غائب ہو چکا ہوتا۔ ساری اقوام جانتی ہیں کہ ان کے بڑے بوڑھے ہمیشہ سے اس شیطانی تغیّر پر ناک بھوں چڑھاتے آئے ہیں۔ لیکن وہ ضعیف و کمزور ہو چکتے ہیں۔ ان کی کمائی پر جائیداد پر مکان پر جوان طبقہ قابو پالیتا ہے۔ بیچارے ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ورنہ یہ طریقہ معصومؑ تھا بے خطا تھا۔

(ب) عوام میں ظاہر و مشہور شیعوں کی کثرت ناقابل اعتماد رہی ہے

آئمہ علیہم السلام کے ادوار میں وہ شیعہ جو اپنے ماحول میں مذہبی حیثیت سے مشہور و معلوم تھے دو قسم کے ہوا کرتے تھے۔ اول وہ جانفروش گروہ جو مخالف حکومتوں اور نظام سے کھل کر ٹکراتا چلا آتا تھا۔ دوسرے وہ شیعہ جو تقیہ کو مجتہدانہ انداز و معنی میں استعمال کرتے تھے۔ اور جدھر پلاّ جھکتا دیکھتے تھے۔ ادھر جھک جاتے تھے۔ شیعوں میں شیعہ بن جاتے۔ سنی سے ملتے تو ضرورت کے مطابق کبھی بے تعصب شیعہ بن جاتے کبھی خالص سنی ہو جاتے۔ وقت پڑنے پر شیعوں اور شیعوں کے معصومؑ راہنماؤں کو بُرا بھلا بھی کہہ ڈالتے تھے۔ الغرض مذہب ان کے لئے ایک وسیلہ تھا مطلب براری کا، وقت گذاری کا۔ البتہ ان میں ایک بات زیادہ تھی۔ وہ یہ کہ انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ نجات محمدؐ وآل محمدؐ کے ہاتھ میں اور اُن پر ایمان لانے میں ہے۔ اس لئے یہ شیعہ، مذہبِ شیعہ کے چند عقائد ورد زبان رکھتے تھے۔ اور شیعہ سنی دونوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ نقصان میں نہ وہ شیعہ رہتے

تھے۔ نہ سنیوں کا ساتھ دیتے تھے۔ اس قسم کی ہزاروں مثالوں میں سے ایک مثال یہاں دیکھ کر آگے بڑھیں کہ ان شیعوں کے علماء، فقہا اور مجتہد کیسے ہوتے تھے؟۔

(ج) آئمہ معصومینؑ کی نظر میں کیسے لوگوں کو فقیہ کہا جاتا تھا؟

عبداللہ بن عطا کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ واقعہ سنایا کہ:۔

۔''کوفہ کے شیعوں میں سے دوشیعہ، شیعہ ہونے کی بناء پر گرفتار کئے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ حضرت علیؑ پر تبرا کریں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک نے تبّرا کر دیا مگر دوسرے نے انکار کر دیا۔ چنانچہ جس نے حضرت علیؑ سے بیزاری کا اعلان کیا اُسے آزادی مل گئی اور جس نے علی مرتضیٰ علیہ السلام سے وابستگی پر اصرار کیا اُسے قتل کر دیا گیا۔ یہ سن کر امام محمد باقر نے فرمایا کہ۔''جس شخص نے حضرت علیؑ سے بیزاری کا اعلان کیا وہ اپنے اُس دین کا فقیہ تھا۔ اور جس نے حضرت علیؑ سے ہر حال میں وابستہ رہنے کا اعلان کیا وہ اپنے دین میں جنت حاصل کرنے میں عجلت کر گیا''۔

''رجلان من اهل الكوفة اخذا فقيل لهما :ابرئا من امير المومنينؑ فبرئ واحد منهما وابى الآخر فخلى سبيل الذى برى وقتل الاخر؟فقال اما الذى برئ فرجل فقيه فى دينه واما الذى لم يبرء فرجل تعجل الى الجنة(کمرئی جلد۳ صفحہ ۳۳۵)(ظفری صفحہ ۲۴۴ جلد دوم)

یہ حدیث چونکہ ہمارے مجتہدین کے مذہب کو اجاگر کر کے سامنے لاتی ہے۔ یعنی اہلبیتؑ کے لئے ہر گز زندگی کو خطرہ میں نہ ڈالا جائے اور ایک شریف وحقیقی شیعہ کو اُس لعنتی فقیہ سے نفرت ہوتی ہے۔ اس لئے اس حدیث کو سہارا دینے اور مجتہد کو محفوظ رکھنے کے لئے شیعہ مجتہدین نے کافی مرمت کی ہے۔ لکچر دیئے ہیں۔ اور کوشش کی ہے کہ اس طرح جان بچاتے رہنے والوں کو برا نہ کہا جائے۔ لہذا پہلے ایک بیان جناب علامہ محمد باقر مجلسی کا سن لیں فرماتے ہیں کہ:۔

۔''اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص جہالت اور نادانی کی وجہ سے تقیّہ کو ترک کردے، یعنی محمدؐ و آل محمدؐ سے وابستہ رہے تو اُسے اجر اور ثواب مل سکتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تقیہ کو ترک کرنا جائز نہیں رہا ہے''۔ یہاں تک مجلسی کا بیان تھا۔ میں (کمرئی) کہتا ہوں کہ اس حدیث میں تقیہ کو

۔''مجلسی ره گفته: اين حديث دلالت دارد كه،ترك تقيّه ازرُوى جهالت و نادانى مايه اجر و ثوابست واين منافات باجواز ترك ندارد''۔پايان نقل از مجلسى ره من گويم۔موضوع تركِ تقيّه درين جاربطى بنادانى ندارد وكسيكه براى خاطر دين جان خودراازدست داده است روانيست كه گفته شود يک حكم معمولى رانمى دانسته بلكه ازروى اخلاص داؤ طلب جان بازى در راه حق شده و به بهشت شتافته (کمرئی جلد۳ صفحہ ۳۳۵)

ترک کر کے موضوع کو جہالت اور نادانی سے متعلق کرنا ہی ایک غلطی ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ کوئی شخص اپنے دین کے تحفظ کے لئے اپنی زندگی اپنے ہاتھ سے قربان کررہا ہو۔ یہ جائز نہیں کہ اسے ایک ادنیٰ سے مسئلہ سے واقفیت نہ تھی۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اس نے اپنے خلوص اور فداکاری کے جذبہ سے ایسا موقعہ پیدا کرلیا کہ راہ خدا میں تیزی سے جنت میں داخلہ لے لیا''۔

یہ دونوں بیان سامنے رکھئے اور سوچئے کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان یا ترقی یافتہ جانور مل سکتا ہے جو موت اور زندگی ہاتھ میں ہوتے ہوئے جان بچانے کو ترجیح نہ دے؟ یعنی ہر شخص بلا کسی تعلیم وتہذیب کے فطری طور پر اپنی جان بچاتا ہے۔ یہ جان بچانا کسی بھی اجروثواب کا حق دار نہیں بنا سکتا۔ اور اگر اس طرح جان بچانا اجروثواب کا مستحق بناتا ہے تو راہ خدا میں شہید ہونے والے تمام لوگوں کو خودکشی کا مجرم اور عذاب خداوندی کا مستحق ماننا پڑے گا۔ رہ گیا مسائل دین سے ناواقفیت کی بنا پر کہیں اچانک پھنس جانا۔ جیسا کہ جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ کا واقعہ تھا۔ اور ایسی حالت میں از راہ جہالت جان بچالینا۔ اسے جائز فرمادیا گیا ہے۔ لیکن جب ہمیں معلوم ہے کہ۔ 1۔ ہم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ 2۔ ہمیں طاقتور رہنے۔ 3۔ اور تحفظ کی تدابیر اختیار کرنے۔ 4۔ اور وسائل حفاظت فراہم رکھنے۔ 5۔ اور اشتعال انگیز رویہ سے باز رہنے اور۔ 6۔ ملی راز واسرار پوشیدہ رکھنے کے احکام ڈیڑھ سو سال سے ملتے چلے آرہے ہوں۔ 7۔ اور ہم خود اپنی لاپرواہی اور بداحتیاطی سے جان کے خطرہ میں پڑے ہوں۔ 8۔ تو اب جان بچانے کے لئے وہ کام کرلینا جو دین ودنیا دونوں کو تباہ کردے واقعی ایک مجتہد یا فقیہ ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ وہ سوچے گا کہ ''جان ہے تو جہان ہے''۔ زندہ ہوں گا تو توبہ کرسکوں گا۔ نمازیں پڑھوں گا۔ کماؤں گا خیرات کروں گا۔ اللہ غفور الرحیم ہے آئمہؑ بڑے رحم دل حضرات ہیں معاف کردیں گے۔ لہٰذا فقیہ یا مجتہد نے یہی کیا۔ ولایت محمدیہؐ پر معاذ اللہ تین حرف کہے اور خیریت سے گھر چلا آیا اور شاید وہ سب کچھ بھی کیا ہو جو ہم نے تجویز کیا۔ بہرحال اس کی توبہ قبول کرنا نہ کرنا اللہ کے ہاتھ میں رہا۔ اور اللہ نے فیصلہ کردیا ہے۔ کہ مغفرت کے لئے محمدؐ کی طرف سے رضامندی وسفارش ضروری ہے۔ (منافقون 63/5، محمدؐ 47/19، فتح 48/11) لہٰذا یہ تو ثابت ہے کہ اُن دونوں نے باوجود سخت اور شدید ممانعت کے وہ جرم کیا جس کی سزا قتل مذکور ہوچکی ہے۔ اُس جرم کے بعد ایک اپنی جان قربان کردیتا ہے۔ اور آئندہ دشمنوں کو اُس کے ذریعہ سے مزید جاسوسی میں مدد نہیں مل سکتی۔ وہ بھی اگر چاہتا تو لعنت وتبرا اور ولایت محمدیہؐ سے بےزاری کے بعد زندہ رہتا۔ خواہ توبہ کرتا یا دشمن کا مددگار بن جاتا۔ لیکن اُس نے شارع عام پر ثابت کیا کہ وہ محمدؐ وآل محمدؐ کے لئے جان دینا پسند کرتا ہے۔ اُن سے بےزاری کر کے دین ودنیا خراب کرنے کا مجرم نہیں بننا چاہا۔ اُس فداکاری پر اسے امام علیہ السلام کی طرف سے جنت کی سند مل گئی۔ دوسرے شخص نے شارع عام پر ثابت کیا کہ محمدؐ وآل محمدؐ کی ایسی پوزیشن نہیں ہے کہ ان کے لئے قربانی دی جائے۔ یہ بدترین نمونہ دیکھنے والوں کی ہمت افزائی کر کے اس نے لعنت وتبرا کیا۔ محمدؐ وآل محمدؐ سے بےزاری کے عالم میں دنیا میں زندہ رہا اور دشمنوں کے لئے مزید تقویت کی مثال بن گیا۔

اس کے لئے امام علیہ السلام کا کسی اجروثواب کا ذکر نہ کرنا اسے اپنے مذہب حقہ کا محافظ بھی نہ کہنا حتیٰ کہ اسے اپنے دین کا فقیہ ﴿فَرَجَلٌ فَقِیۡهٌ فِیۡ دِیۡنِی﴾ بھی نہ کہنا بتاتا ہے کہ اُس نے اللہ ورسولؐ اور امامؑ کے دین کا تحفظ نہیں کیا بلکہ الٹا یہ کہنا کہ وہ شخص جس نے تبرا کرلیا اپنے دین کا فقیہ تھا ﴿فَرَجَلٌ فَقِیۡهٌ فِیۡ دِیۡنِهٖ﴾ اس ملعون کو مذہب حقّہ اثنا عشریہ سے خارج کردیتا ہے۔ اور مخالف مذہب کا فقیہ بنادیتا ہے۔ رہ گیا امامؑ کا کسی کو فقیہ کہنا اور اس کا مطلب یہ سمجھنا کہ امامؑ نے لفظ فقیہ کہہ کر اس کی عزت افزائی کی ہے یا اسے اپنا فدا کار اور اپنے دین کا محافظ ظاہر کیا ہے۔ باطل ہے۔ زبردستی ہے۔ جب تک ایک ایسی حدیث نہ دکھائی جائے۔ جس میں یہ واضح ہو کہ ہم جسے فقیہ کہتے ہیں وہ اچھا، پسندیدہ اور ہمارا شیعہ عالم ہوتا ہے۔ البتہ ہم دکھاتے ہیں کہ جس طرح اکبر بادشاہ اپنے کسی درباری یا مشیر سے ناراض ہوتا تھا تو اُسے فقیہ کہہ کر پکارتا تھا۔ اُس نے یہ طریقہ کہاں سے اور کس سند سے اختیار کیا سنئے:۔

۔''عن ابی جعفر علیه السلام انه سئل عن مسئلة فاجاب فیها ۔قال: فقال الرجل : '' ان الفقهاء لا یقولون هذا'' ۔ فقال: یا ویحک : وهل رائیت فقیها قط ؟ان الفقیه حق الفقیه الزاهد فی الدنیا الراغب فی الاخرة المتمسک بسنة النبی صلی اللّٰه علیه واله وسلم ''۔

۔''ایک شخص نے امام محمدؑ باقر علیہ السلام سے کوئی مسئلہ پوچھا آپ نے اس کا جواب دیا تو اس شخص نے عرض کیا کہ حضورؑ فقہا تو یہ نہیں کہتے جو آپ نے کہا ہے۔ ڈانٹ کر فرماتے ہیں۔ پھٹکار پڑے تجھ پر ارے کیا تو نے کبھی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ یقیناً حقیقی فقیہ وہ ہوتا ہے۔ جو دنیا میں عیاشی اور لذتوں سے دور رہے جسے آخرت کی تمنا رہے۔ جو سنتِ نبویؐ کو مضبوطی سے پکڑے رہے''۔ (ظفری جلد اول صفحہ 77)

قارئین دیکھیں کہ جب تک لفظ فقیہ کے ساتھ اتنا سامان نہ لگا ہوا ہو وہ فقیہ امامؑ کا پسندیدہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ ایسا ہی فقیہ ہوگا جیسا کہ اُس حدیث میں امامؑ کے مخالف فقہا ہوتے ہیں۔ اور جن کے ذکر کو سُن کر آپ نے اُسے ڈانٹ پلادی۔ اور جس فقیہ کا ذکر ہم کررہے ہیں وہ ظاہر ہے کہ آخرت اور جنت کو فی الحال ناپسند کرکے دنیاوی زندگی کو اختیار کرنے والا فقیہ تھا۔ اور حضرت علیؑ سے تبرا کرنے والا ملعون اور جہنمی فقیہ تھا۔ صرف لفظ فقیہ سے آئمہؑ جو عزت کسی کو دیتے تھے وہ یہ ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:۔ ﴿من لم ینفقه منکم فی الدین فهو اعرابی﴾

۔''تم میں سے جو کوئی دین میں فقیہ نہ بن جائے وہ گنوار جاہل اور بدّو ہے۔ یعنی جہالت عامہ اور بدویت کی نفی ہوجاتی ہے اور بس (ظفری جلد اول صفحہ 34) کوئی شان نہیں بن جاتی۔ اب یہ دیکھ لیں کہ آئمہؑ کتنی قابلیت کے شیعوں کو فقیہ اور عالم کہہ دیا کرتے تھے۔ سنئے ﴿قال: من حفظ من احادیثنا اربعین حدیثاً بعثه اللّٰه یوم القیامة عالماً فقیهاً﴾۔

۔''فرمایا کہ جو کوئی ہماری احادیث میں سے کوئی سی بھی چالیس حدیثیں یاد کرلے قیامت کے روز اللہ اس کو ایک عالم

اور فقیہ کی پوزیشن میں اٹھائے گا‘‘۔ (ظفری جلد اول صفحہ 52)

اور جب فقہا اور علماء کا ذکرِ خیر ہورہا ہے تو ہمارے علاّمہ کیوں محروم رہ جائیں؟ سنئے کہ:۔ ’’ایک روز رسوؐل اللہ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ ایک مجمع لگا ہوا ہے۔ پوچھا یہ کیا تماشہ ہے؟ جواب ملا کہ حضورؐ یہ ایک علاّمہ ہیں۔ فرمایا یہ علاّمہ کیا جانور ہوتا ہے؟ (ظفری جلد صفحہ 34)

۔’’دخل رسولؐ اللّٰہ المسجد فاذا جماعة قد اطافوا بر جل فقال: ماھذا ؟ فقیل: عَلّامَۃُ۔فقال: وما العَلّا مَۃُ؟

یہ ہے جناب وہ قابلیت اور مقام بلند جس کی مُنڈیریں زمین پر بیٹھے بیٹھے ٹٹولی جاسکتی ہیں۔ اور جو شیعہ طالب علموں کے پیروں میں روزانہ روندی جاتی ہیں۔ اور یہ ہے وہ سامان جس کے سہارے یہ علماء یہ فقہا اور یہ علامہ سینہ تانے پھرتے ہیں۔

(د) نظام ہدایت کے باہر کے وہ شیعہ جو آئمہؑ کے صحابہ مشہور ہوجانا چاہتے تھے

یہ حقیقت بار بار اور طرح طرح سے سامنے آچکی ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے حقیقی پیرو اور معیارِ معصومؑ پر پسندیدہ شیعہ نہ مشہور تھے۔ نہ شہرت کی ضرورت تھی۔ بلکہ اُن کی اور اُن کے نظام کی شہرت نہایت خطرناک اور تباہ کن تھی وہ حکومت کی مشینری اور محکموں کے افسران وار اکین سلطنت کی تعداد کے برابر بھی نہ تھے۔ لیکن دن رات وفا شعار و جانفروش شیعوں کی تعداد میں اضافہ ضروری تھا۔ اور یہ جب ہی ممکن تھا کہ موجودین پر کوئی جان لیوا مصیبت نہ آئے اور وہ سعید روحوں کو انتخاب کرنے اور انہیں محمدؐ و آلِ محمدؐ کے اِسلامی تصورات اور ملا ازم و نظام اجتہاد اور ان کی حکومت کے تصورات کا فرق بتانے کا اطمینان بخش وقت پائیں کسی مخالف کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ اس قسم کا نظام اور اس کے ممبران علی الاعلان کچھ بھی نہ کرسکتے تھے۔ لہٰذا جو لوگ لوگوں میں جانے پہچانے شیعہ کہلاتے تھے وہ ہرگز معصومؑ نظام کے ممبر نہ ہوسکتے تھے۔ بہرحال ظاہر پرست اور ریاکار شیعوں کے وجود کا ثبوت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاریخ میں زیادہ تر ان ہی کا تذکرہ ہے اور ان ہی کو بعد میں مجتہدین نے حقیقی شیعہ کہہ کر پیش کیا اور خود ان کے راہنماؤں کی حیثیت میں دنیا کے سامنے آئے۔ حالانکہ ان کے حالات مکمل ومفصّل احادیثِ معصومینؑ کے ذخیروں میں محفوظ ہیں۔ مگر انہوں نے یہ انتظام کردیا کہ وہ کتابیں ہی منظر عام پر نہ آئیں چنانچہ ہزار ہا کتابوں کو حکومتوں کے ساتھ مل کر ضائع اور برباد کیا گیا۔ لیکن **حقیقی علمائے شیعہ** نے بیس بیس سال کی گوشہ نشینی اور مجہول زندگی اختیار کرکے دوبارہ احادیث کا ذخیرہ جمع کرکے آگے بڑھایا اور ایسا محفوظ کیا کہ پھر حکومت اور شیعہ مجتہدین اسے برباد اور غائب نہ کرسکے۔ اس لئے کہ ان کی رسائی غیر مسلم حکومتوں کے محفوظ نظام تک نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود بھی یہ کوشش جاری ہے۔ ابھی جو حدیث ہم پیش کرنے والے ہیں۔ اور جس میں ہم یہ دکھائیں گے۔ **کہ جن لوگوں کو شیعوں میں اور عوام میں آئمہؑ کے صحابہ کہا جاتا تھا۔ وہ آئمہؑ کی نظر میں کیسے لوگ ہوتے تھے؟** اس حدیث کی عربی عبارت میں سے علامہ نے تیئس (23) الفاظ

اور لَا و مَـا جیسے تیرہ (13) حروف کی عبارت ساقط کردی ہے۔اور ترجمہ بھی نہیں لکھا ہے۔اور وہ چھ علماء جنہوں نے اس ترجمہ کی سفارشات اور صحت کی سندات لکھی ہیں۔ بہت قابل مبارکباد ہیں۔کہ سیکڑوں مہلک اور بدترین غلطیاں کافی میں آگے بڑھا دی ہیں۔حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

۔''منصور صیقل نے اپنے والد سے روایت کیا ہے۔کہ وہ کہتے تھے کہ میں اور حارث بن مغیرہ اور شیعہ صحابہ کی ایک جماعت ایک جلسہ میں بحث ومباحثہ کررہے تھے۔اور امام جعفر صادق علیہ السلام ہماری بحث سن رہے تھے۔جب سن چکے تو فرمایا کہ ۔''تمہارا یہ کون سا مسلک یا مذہب یا نظریہ ہے؟ 2۔افسوس صد افسوس قسم بخدا جس چیز پر تم نظریں جمائے بیٹھے ہو۔وہ چیز تمہیں ہرگز حاصل نہ ہوگی۔ جب تک تمہیں چھلنی میں چھان کر غلط لوگ الگ نہ کردیئے جائیں گے 3۔قسم بخدا جس چیز پر تم تاک لگائے ہوئے ہو وہ تمہیں ہرگز نصیب نہ ہوگی۔جب تک (تمہیں پگھلا کر پرخلوص لوگوں سے میل کچیل الگ نہ کردیا جائے۔4۔اللہ کی قسم تم جو آرزوئیں باندھے بیٹھے ہو وہ کبھی پوری نہ ہوں گی۔جب تک کھوٹوں اور کھروں کو الگ الگ نہ کرلیا جائے گا۔5۔قسم بخدا جس سہولت اور منزلت کو حاصل کرنے کے لئے تم نے ڈھونگ بنا رکھا ہے وہ کبھی تمہیں نہ ملے گی۔جب تک مصنوعی شیعوں کو قطعاً مایوس نہ کردیا جائے۔6۔قسم بخدا جس مقصد پر تم داؤ لگائے بیٹھے ہو وہ کبھی حاصل نہ ہوگا جب تک) سعادتمند لوگ شقی اور ازلی بدبختوں میں گھرے رہیں گے''۔

۔''محمدؐ بن منصور الصیقل عن ابیه قال: کنت انا والحارث بن مغیرة وجماعة من اصحابنا جلوساً وابو عبداللّٰه علیه السلام یسمع کلامنا. فقال لنا : فی ای شیء انتم ؟ هیهات (هیهات) لا و اللّٰه لا یکون ماتمدون الیه (اعینکم) حَتّٰی تغربلوا ۔لا واللّٰه لا یکون ما تمدون الیه (اَ)عینکم حَتّٰی (تمحصوا ۔لا واللّٰه لا یکون ما تمدون الیه اعینکم حَتّٰی تمیزوا ،لا واللّٰه ما یکون ما تمدون الیه اعینکم الا بعد ایاس، لا والله لا یکون ما تمدون الیه اعینکم حتی) یشقی من یشقی و یسعد من یسعد ''۔(ظفری اول صفحہ ۴۵۵ کمرئی ۲ صفحہ ۲۵۲)

بریکٹ میں وہ عبارت ہے جو علامہ نے چھوڑ دی ہے۔

قارئین سوچیں کہ یہ وہ حضرات ہیں۔جن کو چوڑے میدان میں جناب امام جعفرؑ صادق کے خالص شیعہ، پکے صحابہ، اونچے درجہ کے رضی اللہ عنہ لوگ سمجھا جاتا رہا۔اور آج جب نقاب اٹھائی جارہی ہے۔تو اُن میں تین شیعہ بھی تو ایسے نہیں جن کو امام جعفر صادقؑ اپنے دل کا حال سنا سکتے۔ سنئے:۔

۔''میں نے خود سنا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ابو بصیرؓ سے کہہ رہے تھے کہ بھائی اگر مجھے تم میں سے صرف تین شیعہ

۔''سمعت ابا عبداللّٰه علیه السلام یقول لابی بصیر: اما واللّٰه لوانی اجد منکم ثلاثه مومنین یکتمون حدیثی ماستحللت ان اکتمهم حدیثا''۔(ظفری ۲ صفحہ ۲۶۶)

بھی ایسے مل جاتے جو میری پالیسی کو دشمنوں تک نہ پہنچاتے اور اپنے تک محدود رکھتے تو مجھے ان سے اپنی احادیث پوشیدہ رکھنا نہ ہوتا''۔(ظفری جلد2 صفحہ 267-266)

قارئین تمام مجتہدین اور مُقلِّدین کو بتادیں کہ اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آج تک حقیقی اور محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے پسندیدہ شیعہ کون کون تھے؟ تو یہ پورا ریکارڈ موجود ہے۔اور وقتاً فوقتاً حقدار مومنین کو بتایا جاتا رہا ہے۔لیکن اس کتاب کے عنوانات سے جو چیز فوراً ضروری اور مطابق ہے۔وہ یہ ہے کہ حقیقی شیعہ جنہیں آئمہ اہلبیتؑ پسند کرتے تھے کیسے ہوتے ہیں؟اس سوال کے جوابات میں سے پہلی بات جو ہر زمانہ کے حقیقی شیعوں میں مشترک ہے۔وہ ان کی بے شور وشر خاموش زندگی ہے۔آپ نہج البلاغہ کے خطبات پڑھتے ہیں۔جہاں بھی حضرت علی علیہ السلام کے پسندیدہ لوگوں کا ذکر دیکھو گے تو یہ بھی دیکھو گے کہ وہ لوگ خاموش تبلیغ کرتے ہیں۔انتہائی بے ریا زندگی بسر کرتے ہیں۔کرّ وفرّ سے دور،تنازعات واختلافات سے الگ،پلیٹ فارم اور منبروں سے کنارہ کش،محنت سے کما کر کھانے والے،مومنین کے بہی خواہ وہمدرد۔دوسروں کو اپنے اوپر مستقل ترجیح دینے اور اسی سبب سے غریب رہنے کے عادی،شہرت ونام ونمود سے بھاگنے والے،بناؤ سنگار،آرائش وزیبائش وتزک واحتشام کے مخالف،قرآن وحدیث کو سینے سے لگائے تنہائیوں میں مگن وغیرہ وغیرہ۔اور اس کے برعکس آپ کو کسی بھی امامؑ کا کوئی قول ایسا نہ ملے گا۔جس میں آج کے تمہارے یہ علماء یہ فقہا یہ ٹیڈی موچنے سے سنواری ہوئی داڑھیاں،یہ جلسے یہ جلوس یہ محافل یہ مشاعرے یہ مقاصدے یہ ٹھاٹ مل جائیں۔یعنی آج یہ پاکستان یہ کراچی شیعوں سے چھلکتے اور لبریز معلوم ہوتے ہیں۔عزاداری کے جلوسوں،پٹیل پارک یا نشتر پارک کی مجالس وغیرہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا پر شیعہ چھائے ہوئے ہیں مگر یہ ایک سراب ہے،ایک فریب نگاہ ہے،کتنا غلط معلوم ہوگا؟اور کتنا گراں گذرے گا میرا یہ کہنا کہ ساری دنیا کے ان ہنگامہ خیز،یاد رکھو میرے جملوں کو نوٹ کرو ہاں ساری دنیا کے ان ہنگامہ خیز نظاروں میں صرف دس جمع سات (7+10) یعنی سترہ (17) شیعہ نہیں ہیں۔ہماری اس جرات وجسارت پر ایک نہیں دو عملی دلیلیں قائم ہیں۔اول یہ کہ اگر واقعی شیعہ اتنے ہی ہوتے جتنے نظر آتے یا معلوم ہوتے ہیں۔تو کیا حکومت کے یہاں تمہاری یہی پوزیشن ہوتی جواب آج پندرہ (15) فروری 1977ء کو ہے؟ دوسری دلیل معصومؑ ہے۔اور وہی مقصود ہے ایک قانون سنئے اور سر پیٹئے یا سر دھنیے:۔

۔''جناب سدیر صیرفی نے سنایا کہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے مکان میں داخل ہوا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ حضورؑ خدا کی قسم آپ کے لئے دشمنانِ اسلام سے جہاد نہ کرنا اور گھر میں بیٹھے رہنا جائز نہیں ہے۔بھولے بن کے پوچھا۔

۔''عن سدیر الصیر فی قال : دخلت علی ابی عبداللہ علیہ السلام فقلت لہ :واللہ ما یسعک القعود.فقال: ولم یا سدیر؟قلت:لکثرت موالیک و شیعتک و انصارک واللہ لو کان لامیرؑ المومنین مالک من

اے سدیر بھلا کس دلیل سے میرے لئے جہاد کرنا واجب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ دلیل تو بالکل سامنے ہے۔آپ کے شیعوں کی کثرت یہ لاتعداد موالی ، یہ مددگاروں اورانصار کا انبوہ ۔قسم بخدا اگر حضرت علی علیہ السلام کو اتنے شیعہ اورولایت پرست اورانصار ملے ہوتے جتنے اللہ نے آپ کو دیئے ہیں۔تو عدی اورتیم کی اولاد کو خلافت کی طمع ہی نہ ہوئی ہوتی چہ جائیکہ غصب ونہب ؟ پھر سادگی سے دریافت فرمایا۔بھیا سدیر ذرا یہ تو بتاؤ کہ میرے شیعوں کی تعداد کتنی ہوگی؟ میں نے جلدی سے کہا کہ ایک لاکھ۔آپ نے پوچھا۔صرف ایک لاکھ؟ میں نے کہانہیں دولاکھ۔آپ نے پھر دوہرایا کہ دولاکھ؟اس دفعہ میں نے کہا جی ہاں۔ بلکہ شیعوں کی تعداد تو آدھی دنیا کے برابر ہوگی۔سدیر کہتے ہیں کہ آپ یہ سن کر ذرا چپ ہوئے۔پھر فرمایا کہ کیا تم سہولت سے ہمارے ساتھ چشموں تک چل سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں میں حاضر ہوں۔آپ نے ایک گدھا اورایک خچر تیار کرنے کا حکم دیا میں نے گدھے پرسوار ہوجانے میں پہل کی تاکہ خچر پر امامؑ سواری کریں۔فرمانے لگے اے سدیر تم ہمارے لئے اتنا ایثار کرسکتے ہو کہ گدھا ہمیں دے دو اورتم خچر پرسوار ہوجاؤ۔ میں جلدی سے اتر گیا اورعرض کیا کہ حضور میرا تو یہ منشا تھا۔کہ خوبصورت اورعزت دارسواری پر سوار ہوتے ۔فرمایا کہ میرے لئے گدھا زیادہ سہل اورموزوں رہتا ہے۔ بہرحال ہم دونوں سوار ہوکر چل دیئے راہ میں نماز کا وقت ہوا تو فرمایا کہ سدیر نماز پڑھ لیں تو ٹھیک رہے گا۔پھر خود ہی فرمایانہیں یہ تو شوریدہ زمین ہے۔اس پرنماز جائزنہیں۔ہم چلتے رہے یہاں تک کہ عمدہ زمین پر گذر ہوا۔وہاں ایک لڑکا اپنی بھیڑ بکریاں چرا رہا تھا۔حضورؑ نے فرمایا کہ اے سدیر اگر میرے شیعوں کی تعداد اتنی بھی ہوتی جتنی یہ بھیڑیں اور بکریاں ہیں۔تو مجھ پر یقیناً جہاد واجب ہوجاتا۔پھر ہم اتر پڑے نماز پڑھی۔فارغ ہوئے تو میں نے گنا وہ بھیڑ بکریاں کل سترہ تھیں“۔(ظفری جلددوم 267)

الشيعة والانصار والموالى ماطمع فيه تيمٌ وعدى، فقال:يا سدير وكم عسىٰ ان يكونوا؟قلت:مائة الف ،قال :مائة الف؟قلت:مائتى الف قال:مائتى الف؟قلت: نعم و نصف الدنيا ـقال: فسكت عنى ثم قال :يخف عليك ان تبلغ معنا الى ينبع؟قلت:نعم فامر بحمار والبغل ان يسرجا فبادرت فركبت الحمار، فقال : يا سدير اترى ان توثرنى بالحمار؟قلت:البغل ازين وانبل قال: الحمار ارفق بى، فنزلت فركب الحمار و ركبت البغل،فمضينا فحانت الصلوة فقال: يا سدير انزل بنا نصلى ثم قال :هٰذهٖ ارض سبخة لاتجوز الصلاة فيها ـ فسرنا حتى صرنا الىٰ ارض الحمراء و نظر الىٰ غلام يرعى جداء فقال يا سدير لو كان لى شيعة بعدد هٰذهٖ الجداءِ ماوسعنى القعود، ونزلنا وصلينا فلما فرغنا من الصلاة عطفت على الجداءِ فعددتها فاذاهى سبعة عشر (كمرئى جلد ٣ صفحه ٣٦٤،٣٦٥)

اس حدیث میں یہ قانون موجود ہے کہ اگر ان شیعوں کی تعداد سترہ (17) ہو جائے جو ظاہر بظاہر سینہ تان کر **شیعیت کا اشتہار بنے پھرتے ہیں۔ اور جن کو دیکھ کر باقی اقوام وافراد شیعہ مذہب کا نمونہ سمجھتے ہیں۔ تو امامؑ وقت دشمنوں اور مخالفانِ محمدؐ وآل محمدؐ کے خلاف جنگ کردیں۔** اب یہ ہمارے شیعہ مآب حضرات اور ان کے لیڈروں، مجتہدوں، علاماؤں، مفتیوں، مولویوں، حجۃ الاؤں اور آیتُ الّاؤں کا کام ہے کہ وہ یا تو یہ اعلان کردیں کہ وہ ماشاءاللہ سترہ نہیں بلکہ تین کروڑ ہیں اور امامؑ زمانہ (معاذ اللہ) خواہ مخواہ چھپے بیٹھے ہیں۔ یا یہ مان لیں کہ یہ لٹھ بندو تہہ بند و قلم بند و عمامہ پوش وعبا بردوش نمازی و پرہیزگار وثقۃ الاسلام و مرجعِ خلائق عابد وزاہد حضرات بگلا بھگت تھے۔ ڈھونگ کررہے تھے۔ نماز، روزہ، تسبیح گردانی کی آڑ میں طاغوتی گروہ کے نمائندہ تھے۔ امام عصر والزمان علیہ السلام اور ان کے حقیقی شیعوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہوں نے لاکھوں اور کروڑوں مومنین کو فریب میں مبتلا کر کے طاغوتی نظامِ غوایت وتقلید میں الجھائے رکھا۔

<u>(ہ) پیشانی کے داغوں، لمبے سجدوں، تسبیح اور عدالت وثقاہت وفقاہت سے فریب نہ کھانا؟</u>

وہ تمام ہتھکنڈے اور داؤ پیچ بہت قدیم سے چلے آرہے ہیں۔ جن کی آڑ میں ابلیسی گروہ عقیدتمندانِ مذاہب کو اپنے جال میں پھانستا چلا آیا ہے۔ اور اسی غرض کے لئے وہ جذباتی کہانیاں بنائی جاتی ہیں۔ جن میں اللہ کی بے معنی عبادت کو انسانی احساسات پر سوار کیا جاتا ہے۔ غور وخوض وتفکر کو مفلوج کردیا جاتا ہے۔ پھر چھومنتر اور معجزات کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ اور خشوع وخضوع کے رنگ میں ڈبو کر جانماز کے نیچے سے روپیئے نکلنے اور دن دہاڑے غائب ہوجانے وغیرہ کے واقعات قسمیہ سنائے جاتے ہیں۔ اللہ کو معاذ اللہ ایک بت بنادیا جاتا ہے۔ اور طرح طرح اس حسین بت سے ملاقات کی تمنا کی جاتی ہے۔ اور پھر پورے دین کو انسانی ذہن کی بربادی پر لگادیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مذہبی دنیا میں ہر وہ بات جو احمقانہ ہو عقلمندی بن جاتی ہے۔ اور ہر عاقلانہ بات مذہب سے بغاوت اور شیطانی وسوسہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس لئے تمام انبیاءؑ ورسلؑ نے عموماً اور آئمہ اہلبیت صلوٰۃ اللہ علیہم نے خصوصاً اُس عبادت کی اور ہر اس عبادت گذار کی مذمت کی ہے۔ **جو عقل سے کام لئے بغیر بلا نتائج پر غور کئے عبادت میں مصروف رہتا ہو** چنانچہ معصومین علیہم السلام کے چند فرمان ملاحظہ ہوں:۔

قال : قال رسولؐ اللّٰه اذارایتم الرجل کثیر الصلاۃ وکثیر الصیام فلا تباهوا به حتی تنظروا کیف عقله

(ا)۔ ''امام جعفرؑ صادق رسولؐ اللہ کی زبانی سناتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو بہت کثرت سے نمازیں پڑھتا ہو اور اکثر روزے رکھتا ہو تو صرف نمازوں اور روزوں کی وجہ سے اس کی کوئی مدح وثناء اور اچھائی بیان نہ کرنا۔ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ اس کی عقل کیسی ہے؟''۔ (ظفری جلد اول صفحہ 31)

(دوم)۔''اسحاق بن عمار نے امام جعفرؑ صادق سے عرض کیا کہ حضور میرا ایک پڑوسی ہے۔جو بہت کثرت سے نمازیں بجالاتا ہے۔بہت خیرات کرتا ہے۔اور بہت سے حج کر چکا اور کرتا رہتا ہے۔اوراس میں کوئی خراب بات بھی نہیں ہے۔فرمایا کہ اے اسحاق یہ بتاؤ وہ عقلی حیثیت سے کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا وہ عقل سے بے بہرہ یا کورا ہے۔فرمایا کہ وہ نمازوں سے اور خیرات سے اور خانہ کعبہ کے لاتعداد حج کرنے سے کوئی رفعت اور بزرگی نہیں پاسکتا ہے''۔

۔''قلت له: جعلت فداک ان لی جارا کثیر الصلاة کثیر الصدقة کثیر الحج لاباس به قال: فقال: یا اسحاق کیف عقله؟ قال: قلت له: جعلت فداک لیس له العقل قال فقال: لا یرتفع بذلک منه(صفحہ۲۸)

قارئین دیکھتے جائیں کہ آپ کے مقدس اور ریاکار لوگوں کی کیا درگت بنتی ہے۔

(سوم)۔''رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے جو چیزیں اپنی مخلوق میں تقسیم کی ہیں۔ان میں عقل سے اچھی کوئی اور چیز نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ایک عقلمند آدمی کا سونا جاہل آدمی کی شب بیداری کی عبادت سے بہتر اور عقلمند انسان کا بیکار بیٹھا رہنا جاہل کی دیندارانہ دوڑ دھوپ سے بہتر ہے''۔

۔''قال رسولؐ اللّٰہ ما قسم اللّٰہ للعباد شیئا افضل من العقل۔فنوم العاقل افضل من سھر الجاھل و اقامة العاقل افضل من شخوص الجاھل۔(ظفری جلداول صفحہ۱۵۔۱۶)

ہائے ہائے مجتہدین نے اپنے مقلدِین کے نیک اعمال کو،ان کی محنت اور سرمایہ کو کس بے دردی سے ضائع کیا۔یہ قرات، یہ قرآن کا روزانہ اور تراویح میں بلا سمجھے پڑھنا۔یہ بلا تعقل اور بلا سمجھے دن رات نمازیں پڑھنا۔یہ تسبیحیں یہ وظیفے بلا سمجھے بجالانا اور کبھی نہ سوچنا کہ وہ اذان میں،اقامت میں،نماز میں اور قرآن میں کیا پڑھتے ہیں۔اللہ نے کیا کہا ہے؟ کیا بتایا ہے؟ ہمیں کیا کرنا ہے؟ یہ تمام عبادات ضائع ہو کر اُلٹا ان کو بے نمازی اور بے دین اٹھایا جائے گا۔

(چہارم)امام جعفرؑ صادق رسولؐ اللہ کی زبانی فرماتے ہیں کہ:۔

."جب تم سے کوئی کسی شخص کی مدح وثناء کرے اور اس کے حالات کی عمدگی پیش کرے تو اس بیان پر فیصلہ نہ کرو۔بلکہ بذاتِ خود اس کی عقل کو دیکھو کہ آیا وہ بھی قابل مدح وثناء ہے یا نہیں؟ یہ یقین رکھو کہ ہر شخص کو اس کی عقل کے مطابق جزا ملے گی''۔مطلب واضح ہے۔کہ عقل نہیں یا عقل سے کام نہ لیا تو تمام عبادت ضائع ہو جائے گی۔

اذا بلغکم عن رجل حسن حال فانظر واحسن عقله فانما یجازیٰ بعقله۔(ظفری ایضا صفحہ۱۵)

(پنجم)۔''عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بتایا کہ:۔

ایک شخص وضو بار بار کرتا رہتا ہے۔اسی طرح نماز کو بھی بار بار دہراتا رہتا ہے۔اور عقلمند بھی ہے۔آپؑ نے فرمایا کہ''اُس کے پاس کون سی عقل ہے۔اور جب کہ وہ

عبداللہ بن سنان قال: ذکرت لابی عبدؑاللہ رجلا مبتلی بالوضوء والصلاة وقلت: ھو رجل عاقل۔فقال: ابو عبدؑاللہ وای عقل له وھو یطیع الشیطن(ظفری صفحہ۱۵)

شیطان کی اطاعت کرتا ہے''۔

(ششم) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سلیمان دیلمی نے کہا کہ

۔''حضور فلاں شخص اپنی عبادت میں اور فضیلت میں اور اپنے دین میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے ۔

۔''قلت لابی عبداللّٰہ فلان من عبادته و دینه و فضله فقال کیف عقله ؟قلت لا ادری فقال:ان الثواب علی قدر العقل''۔

دریافت فرمایا کہ یہ بتاؤ اس کی عقل کیسی ہے؟ میں نے کہا یہ تو میں نے تحقیق نہیں کیا۔اس پر ارشاد ہوا کہ ثواب کا دارومدار عقل کی مقدار پر ہوتا ہے''۔(ظفری صفحہ 15)

(ہفتم) مجتہدین اور اُن کے مُقلّد شیعہ افراد پر معصومؑ کا عقلی فیصلہ

امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے سامنے ان کے شیعہ صحابہ عقل پر گفتگو کر رہے تھے۔امامؑ رضا نے فرمایا کہ:۔

۔''جن دینداروں کے پاس عقل نہیں ہے ان پر بھروسہ نہیں کیا جانا چاہئے ۔میں نے عرض کیا حضورؑ ہمارے یہاں تو پوری شیعہ قوم ہے جو شیعہ مذہب پر عمل کرتے ہیں ۔ اور ہمارے نزدیک ان میں بدعملی بھی نہیں ہے ۔مگر وہ لوگ عقل کو اس طرح استعمال نہیں کرتے ۔فرمایا کہ یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن کو خدا نے دیندار کہہ کر مخاطب کیا ہے''۔

۔''عن الحسن بن الجهم عن ابی الحسن الرضا علیه السلام قال : ذکر عنده اصحابنا و ذکر العقل قال:فقال علیه السلام لا یعبا باهل الدین ممن لا عقل له قلت : جعلت فداک ان ممن یصف هذا الامر قوماً لاباس بهم عندنا ولیست لهم تلک العقول فقال:لیس هولاء ممن خاطب اللّٰہ''۔

(و) نماز وروزہ کو نظام اجتہاد نے فریب سازی کا ذریعہ بنا رکھا ہے

قارئین نے پیہم دیکھا کہ نظام اجتہاد کے مُقلّد قسم کے شیعوں کا اپنی عقل کو استعمال نہ کرنا اور بقلم خود خطا کار شیعہ مجتہدین کی اندھی تقلید کرتے چلے جانا نہ صرف مومنین کے اعمال وعبادات کو ضائع کررہا ہے ۔ بلکہ انہیں خدا کے مخاطب کردہ مسلمانوں میں سے بھی خارج کرتا ہے۔حالانکہ مجتہدین کا دعویٰ یہ ہے کہ جو شیعہ بلا چوں وچرا اور بلا دلیل طلب کئے شیعہ مجتہد کی تقلید نہیں کرتا اُس کے تمام اعمال باطل ہوجاتے ہیں ۔ بہرحال یہ فیصلہ تو قارئین کریں گے ہم تو اب یہ دکھاتے ہیں ۔کہ نماز وروزہ کی رٹ لگانے والے اور موجودہ نمازوں اور عبادتوں کو بجالانے پر لیکچر اور وعظ پلانے والے حقیقتاً فریب ساز ہوتے ہیں۔اور ان کے دباؤ اور دلائل میں پھنس کر نمازوں اور روزوں میں الجھ جانے والے فریب خوردہ لوگ ہوتے ہیں ۔ چنانچہ یہی صورت حال جناب اسحاق بن عمار اور کئی ایک شیعہ حضرات نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے روبرو پیش کر کے حضورؑ کا فیصلہ طلب کیا تو فرمایا کہ:۔

۔''ان کی نمازوں اور روزوں سے دھوکہ نہ کھالینا۔ یقیناً یہ بھی ایک صورت حال ہے کہ جس میں پھنسا ہوا شخص نماز و روزہ کو اپنے سر پر سوار کرلیتا ہے ۔ وہ اس کے عمل اور لب ولہجہ پر گرفت کرلیتے ہیں۔اوراس پرایسا قابو پالیتے ہیں کہ اگر وہ ان کو ترک کردے تو اسے وحشت ہونے لگتی ہے۔اس خوف کی بنا پر وہ دھڑ ادھڑ نماز روزہ میں لگا رہتا ہے۔تم اگران کے حق پر ہونے کو جانچنا چاہو توان کی جانچ اس طرح کرو کہ باتوں میں ان کی مستقل حق گوئی ملتی ہواور وہ امانت کے ادا کرنے کے پابند ہوں۔اور بس''۔

۔''عن اسحاق بن عمار وغیرہ عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام قال: لا تغتروا بصلاتھم ولا بصیامھم فان الرجل ربما لھج بالصلاۃ والصوم حتی لو ترکہ استوحش ولکن اختبر وھم عند صدق الحدیث والاداء الامانۃ (ظفری جلد۲صفحہ۱۲۵)۔

قارئین سوچیں کہ یہ دو باتیں آج غیر مسلم اقوام میں مسلمان بھی تسلیم کرتے ہیں۔

(ز) لمبے لمبے رکوع اور استغراقی سجدوں سے دھوکہ نہ کھانا

مذہب شیعہ کے حقیقی مومنین کی نماز وروزہ اور ہر عبادت بامقصد اور تقربِ خُداوندی اور امام عصرؑ والزمان کی توجہات حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے ۔لیکن نظامِ اجتہاد کی نماز روزہ اور دیگر عبادات کو اِستحصال اور انسانوں پر قابو حاصل کرنے اور اُن کی عقل کو غور وخوض اور سوچنے سے روکنے کے لئے ہوتی ہیں۔وہ خود کو دیندار اور حقیقی مسلم ثابت کرنے اور پبلک کے دلوں میں اعتماد پیدا کرنے کے لئے نماز تہجد کا ریاکارانہ طور پر پروپیگنڈا کرتے ہیں۔تنخواہ دار مدح خوان پبلک میں پھیلا دیتے ہیں۔ تاکہ وہ اِدھر اُدھر پبلک کے جمع ہونے کے مقامات پر اپنے آقا، حجت اللہ، آیت اللہ مجتہد کے راتوں کو بیدار رہنے اور طویل رکوع اور سجدوں کے قصے گھڑ کر سنائیں۔اور بھولی بھالی مسلمان پبلک کو ان کی طرف متوجہ کرتے رہیں اور اپنی تنخواہ اور کمیشن میں اضافہ چاہتے رہیں۔اس مکر وفریب کو معصومؑ نے چند الفاظ میں یوں واضح کیا ہے۔

۔''امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا (ظفر صاحب ابوعبداللہ سے محمدؑ باقر سمجھے) کہ تم لوگ کسی شخص کے لمبے لمبے رکوع اور سجدوں کو دیکھ کر اس کو حقیقی شیعہ نہ سمجھ لیا کرو۔ یہ تو ایک واقعی صورت حال ہے جس کی اس نے عادت بنالی ہے۔اگر وہ اس حالت کو چھوڑ کر اس جال سے باہر نکلنا چاہتا ہے تو ڈرنے لگتا ہے ۔اور وحشت کے مارے اس عادت کو چھوڑنے نہیں پاتا ہے۔حقانیت دیکھنا ہو تو اس کے اقوال میں مستقل حق گوئی اور امانت کی ادائیگی پر نظر رکھا کرو' ۔

۔''قال ابو عبداللّٰہ علیہ السلام : لاتنظروا الی طول رکوع الرجل و سجودہ فان ذلک شیء اعتادہ فلو ترکہ استوحش لذلک ولکن انظروا الی صدق حدیثہ و ادا امانتہ''۔(ایضاًجلد۲صفحہ۱۲۶)

(ح) حقیقی شیعوں کا عملی مذہب اور معمولی شناخت (غیروں کے ساتھ)

قارئین یہ حدیث کافی کتاب الایمان والکفر کے باب تقیہ سے لکھی جارہی ہے۔ یہ حدیث ان حضرات کو دکھانا چاہئے جو مسئلہ تقیہ پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مجتہدین نے شیعہ مذہب کے ہر مسئلہ کو مضحکہ بنا کر رکھ دیا اور ملت شیعہ کو اس آنے والی حدیث کے خلاف اپنا خود ساختہ مذہب دے دیا ہے۔ آؤ ہم تمہیں اپنے روزمرہ عملی سلوک اور رویہ پر معصوم تفصیل دکھادیں۔ تاکہ پتہ چلے کہ ہم سنی، قادیانی، حنفی، عیسائی اور یہودی و پارسی الغرض مجتہدین کے علاوہ سب کے ساتھ ایثار واخلاق وقربانی سے کیوں پیش آتے ہیں اور کیوں آپ کو ہمہ گیر اخلاق کی تاکید کرتے ہیں۔ سنئے:

۔''ہشام الکندی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:۔''خبردار کہیں تم کوئی ایسا عمل کر گذرو جس سے ہمارے نام پر دھبہ لگے۔ یاد رکھو کہ بُرے بیٹے کے اعمال سے اس کے باپ کے نام پر بٹہ لگا کرتا ہے۔ تم تو ایسے بن کر دکھاؤ کہ جن کی وجہ سے تم نے تمام دنیاوی فوائد اور وسائل سے انقطاع (علیحدگی) اختیار کیا ہے۔ تم ان کے نام کو روشن کرو زینت دو نہ کہ تم ہمارے پیروکار اور نمائندے کہلا کر اپنی بدکرداری سے ہمارا نام بدنام کرو گے۔ لہٰذا سنو تم پر واجب ہے کہ جہاں جہاں ان کے اجتماعات ہوں وہاں جا کر نمازیں پڑھا کرو اور اُن کے بیماروں اور مریضوں کی دیکھ بھال کرتے رہو۔ اُن کی میّتوں اور جنازوں کے انتظام اور کفن ودفن پر حصہ لو۔ اور دیکھو کہ انہیں کسی بھی کارخیر میں تم پر سبقت حاصل نہ ہونے پائے۔ اس لئے کہ اِسلام اور اِسلامی کردار کے لئے تم ہی تو زیادہ ذمہ دار وحق دار ہو۔ اور یاد رکھو کہ اللہ کی صحیح اور پوری عبادت کسی اور طرز عمل میں نہیں ہوسکتی سوائے نظریہ خَبء کے۔ میں نے عرض کیا حضور یہ خَبء کیا ہوتا ہے؟ فرمایا یہ زیر زمین رہ کر بے نام ونمود احیاء دین کی منزل ہے۔ جسے تقیہ کہا گیا ہے۔ یعنی ہر لحظہ اور ہر بات میں تقویٰ کو ملحوظ رکھنا اور ایک بھی غیر ذمہ دارانہ نتیجہ نہ نکلنے دینا۔

> ''سمعت ابا عبداللّٰہ علیه السلام یقول: ایاکم ان تعملوا عملا یعیرونا به، فان ولدالسُوءِ یعیروالدہٖ بعمله۔ کونوا لمن انقطعتم الیه زیناً ولا تکونو اعلیه شینا، صلوافی عشائر ھم و عود و امرضاھم واشھدوا جنائزھم، ولایسبقونکم الی شیء من الخیر فانتم اولی به منھم۔ واللّٰه ما عبداللّٰه بشیءٍ احب من الخبء۔ قلت: وماالخبء؟ قال: التقیة۔ (ظفری جلد۲ صفحہ ۲۴۳)

(ط) حقیقی شیعہ، اور اُن کا عملدر آمد اپنوں کے ساتھ؟

(ا) محمد بن عجلان نے بیان کیا کہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ کہ ایک شخص آیا سلام

> ۔''محمدؐ بن عجلان قال: کنت عند ابی عبداللّٰه علیه السلام فدخل رجل فسلم۔ فساله کیف من خلفت

کیا۔آپؑ نے فرمایا کہ کیا حال ہے۔وہاں تمہارے مومن بھائیوں کا۔اس نے بڑی تعریف کی، بیعت پر قائم رہنے کا ذکر کیا۔اوران کے اوصاف میں مبالغہ کیا۔حضرتؑ نے پوچھا۔اغنیا کا فقراکے پاس پرسش احوال کے لئے آنا کیسا ہے؟اس نے کہا بہت کم۔فرمایا مالداروں کا فقرا سے ملنا جلنا کیسا ہے؟ کہا بہت کم۔فرمایا اغنیا کا فقراء سے صلہ

من اخوانک ؟قال: فاحسن الثناء وزکی و اطری فقال لہ کیف عیادۃ اغنیائھم علٰی فقرائھم ؟فقال: قلیلة,قال: و کیف مشاھدۃ اغنیائھم لفقرائھم؟قال : قلیلة,قال۔فکیف صلۃ اغنیائھم لفقرائھم فی ذات ایدیھم ؟فقال : انک لتذکر اخلاقا قل ماھی فیمن عندنا قال فقال فکیف تزعم ھولاءِ انھم شیعة؟"۔

رحم کیسا ہے؟اس نے کہا آپ ایسے اخلاق کا ذکر فرمارہے ہیں کہ جن کی ہمارے یہاں کمی ہے۔فرمایا پھر تم ان کو شیعہ کیوں گمان کرتے ہو؟۔

یہ ظفر صاحب کا ترجمہ تھا۔چونکہ انہیں حبیب ایسے مالدار شیعوں سے چندہ لینے کی ہمیشہ احتیاج رہی ہے۔اورانہوں نے کافی روپیہ دے کر ضائع بھی کیا ہے۔اس لئے اس قسم کی حدیثوں کا ترجمہ پچاس فیصد صحیح کردیا ہے۔ ہمارے عوام بفضل مجتہدین عربی نہیں جانتے اس لئے ہمارے بتانے کے باوجود بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ علامہ نے کہاں ترجمہ غلط کیا اور کہاں صحیح کیا۔بہرحال بحیثیت مجموعی حدیث کا مقصد سامنے آ گیا ہے۔اور ہمارے عنوان کے لئے تائید ہے کہ یہ چاروں طرف بکھرے ہوئے شیعہ وہ شیعہ نہیں جو محمدؐ وآل محمدؑ کے شیعہ ہوتے ہیں۔یہ خود اپنے مقاصد کے شیعہ ہیں۔اُن کا کاروبار شیعہ لیبل کے ساتھ ذرا تیزی اور کامیابی سے چلتا ہے۔اس لئے شیعہ ہیں۔اور جب یہ لیبل اختیار کرلیا ہے تو شیعہ مذہب کے کچھ اعمال بھی کرلیتے ہیں۔مگر اس لئے نہیں کہ دنیا میں محمدؐ وآل محمدؑ کے مذہب اور طرزِ حیات کو جاری کریں بلکہ اس لئے کہ دنیا یہ کہتی اور سمجھتی رہے کہ یہ لوگ شیعہ ہیں۔لیکن ہم اُن کے نقاب نوچ ڈالنا چاہتے ہیں اور ساری دنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے غریب عوام جو اَن پڑھ یا بہت ہی کم پڑھے لکھے لوگ ہیں۔اُن کے علاوہ یہ کثرت جو شیعہ کہلاتی اور شیعہ مشہور ہے۔ہرگز شیعان محمدؐ وآل محمدؑ نہیں ہیں۔ بلکہ شیعہ لیبل کے مجتہدوں کے شیعہ ومقلِّد ہیں۔یہ مذہب حقّہ اثناعشریہ کے نام پر اور محمدؐ مصطفٰی اور آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے نام پر ایک نمایاں کالا داغ ہیں۔لکھے پڑھے اور دانشوروں کو ہم اس لئے ردکرتے ہیں کہ وہ اتنی سمجھ رکھتے ہیں کہ حق وباطل اور صحیح وغلط میں تمیز کرسکیں اور اتنی جرات وجسارت وقوت بھی رکھتے ہیں کہ غلط کار مجتہد کو ٹوک اور روک سکیں۔لیکن وہ اوراُن کے قلم اوراخبار مجتہد پرستی میں مصروف رہ کر اس کاروبارِ طاغوتی میں برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے کی ایک دو حدیث ہمارے ترجمہ سے سن لیں تو اصل عنوان کی طرف پلٹیں۔

(2)۔ ''ابواسماعیل نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضورؑ یہ ایک حقیقت واقعی ہے کہ ہمارے یہاں شیعوں کی کثرت ہے ۔آپؑ نے دریافت فرمایا کہ کیا وہاں سرمایہ دارلوگ غریبوں اورناداروں کی غربت دورکرنے پر متوجہ رہتے ہیں ؟ اورکیا وہاں کے خوش کردار اورمقدس لوگ گناہ گاروخطا کارشیعوں کی خطاؤں کونظرانداز کرتے رہتے ہیں؟ اورکیا وہ سب شیعہ حضرات آپس میں مساوات قائم کیے ہوئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ سرکارؑ ایسا تو وہاں نہیں ہے ۔فرمایا کہ وہ ہرگز شیعہ نہیں ۔ہمارے شیعہ تو یہ کام ضرورکرتے ہیں''۔اور سنئے پھراپنا اورمحمدؐ وآل محمدؐ کے شیعوں کا فرق نوٹ کیجئے۔

۔''عن ابی اسماعیل قال: قلت لابی جعفر علیه السلام : جعلت فداک ان الشیعة عندنا کثیر ۔فقال: فهل یعطف الغنی علیَ الفقیر؟وهل یتجاوز المُحسن عن المسیی؟ویتواسون؟فقلت: لا فقال: لیس هولا ء شیعة ۔الشیعة من یفعل هذا''۔

(ی) مساواتِ محمدیؐ والے،سوشلسٹ اورکمیونسٹ شیعیت کی پیروی چاہتے ہیں؟

ہمارے قارئین کوتعجب ہوا کرتا ہے ۔جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم سوشلسٹ اورکمیونسٹ معاشی نظام کے غیر مشروط طرفدار ہیں ۔ آئیں اورامام جعفرصادق علیہ السلام کی باتیں سنیں اورنمازوروزہ وحج کی پوزیشن بھی دیکھ لیں۔

۔''ابان بن تعلب کہتے ہیں کہ میں امامؑ کے ساتھ کعبہ کا طواف کررہا تھا کہ ایک ایسا شخص آ گیا جس نے مجھ سے یہ کہا ہوا تھا۔ کہ میں اس کی ایک ضرورت کے لئے اس کے ساتھ چلوں۔ چنانچہ اس آدمی نے مجھے چلنے اورطواف چھوڑ دینے کا اشارہ کیا جومجھے اس لئے ناگوارگذرا کہ میں امامؑ کو اس حال میں چھوڑ دوں ،طواف منقطع کرکے اُس کے پاس جاؤں۔چنانچہ میں نے

۔''عن ابان بن تغلب قال کنت اطوف مع ابی عبداللّٰه علیه السلام فعرض لی رجل من اصحابنا کان سالنی الذهاب معه فی حاجة فاشار الی فکر هت ان ادع اباعبدؑاللّٰه واذهب الیه فبینااناا طوف اذ اشارالی ایضاً ۔فرأه ابو عبدؑاللّٰه فقال: یا ابان ایاک یرید هذا ؟قلت نعم، قال: فمن هو؟ قلت:رجل من اصحابنا، قال:هوعلی مثل ماانت علیه؟قلت: نعم، قال: فاذهب الیه قلت : فاقطع الطواف؟قال:نعم قلت:وان کان طواف الفریضة؟ قال:نعم، قال: فذهبت معه، ثم دخلت علیه بعد فسالته اخبرنی عن حق المومن علی المومن؟ فقال: یا ابان دعه لاترده قلت:بلی؟جعلت فداک فلم ازل اردد علیه، فقال: یاابان تقاسمه شطرمالک ثم نظرالی فرای مادخلنی فقال:یا ابان اماتعلم ان اللّٰه عزوجل قد ذکرالموثرین علی انفسهم ؟(حشر ۵۹/۹) قلت:بلی جعلت فداک فقال:اما اذا انت قاسمته فلم توثره بعد، انما انت وهوسواء انما توثره اذا انت اعطیته من النصف الاخره۔(ظفر۲صفحہ۱۹۴/۱۹۳)

پرواہ نہ کی۔اور میں امامؑ کے ساتھ خانہ کعبہ کے طواف میں لگا رہا۔مگر اُس شخص نے دوبارہ ذرا نمایاں طور پر اشارہ کیا تو امامؑ علیہ السلام نے بھی دیکھ لیا اور مجھ سے پوچھا کہ یہ شخص تمہیں اپنے پاس بلانا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یہی بات ہے۔فرمایا وہ کون ہے؟ میں نے بتایا کہ حضور وہ ہمارے صحابہ ہی میں سے ایک شخص ہے۔یہ کافی نہ ہوا تو حضورؑ نے پھر پوچھا کہ کیا اس کا وہی مذہب ہے جو تمہارا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔آپؑ نے حکم دیا کہ اس کے پاس جاؤ۔میں نے عرض کیا کہ کیا عبادتی طواف کعبہ کو ترک کردوں؟ فرمایا ہاں چھوڑ دو اور جاؤ۔میں نے وضاحت چاہی کہ حضورؑ اگر خانہ کعبہ کا واجب طواف ہو تو تب؟ فرمایا تب بھی طواف چھوڑ دو گے اور مومن کے پاس جاؤ گے۔چنانچہ میں چلا گیا۔اور جب اس کے کام سے فارغ ہو چکا تو حضورؑ کے مکان پر آ کر ملا اور پوچھا کہ سرکارؑ آپ مجھے یہ بتائیں کہ ایک شیعہ پر دوسرے شیعہ کا کیا حق ہے۔فرمایا ابان یہ نہ پوچھو اور ایسا ارادہ بھی نہ کرو۔میں نے عرض کیا کہ کیوں حضورؑ میں تو عمل کرنے کے لئے دریافت کر رہا ہوں اور پھر میں نے بتانے پر اصرار کیا۔تو فرمایا کہ اے ابان سن تجھے چاہئے کہ تو اپنے مالی دائرے میں سے اسے آدھا مال بانٹ کر دے دے۔یہ فرمایا اور میرے چہرے پر گذرنے والی واردات کو نوٹ فرمایا اور آگے بڑھ کر کہا کہ اے ابان کیا تم نے اللہ کا وہ ارشاد نہیں پڑھا۔جس میں ان مومنین کا ذکر فرمایا ہے۔جو اس برابر کی تقسیم سے بھی آگے بڑھتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں مولاؑ مجھے معلوم ہے۔پھر فرمایا کہ اگر تم نے اسے برابر کر لیا اور آیت پر عمل نہ کیا تو تم اور وہ دونوں درجہ اور فضیلت میں برابر ہو جاؤ گے۔اور اگر تم نے اللہ کے حکم کے مطابق ایثار کیا اور اپنے والے آدھے حصہ میں سے بھی اسے اور دے دیا تو تم اس سے افضل تر ہو جاؤ گے‘‘۔

قارئین یاد کریں جناب یقطین رضی اللہ عنہ کے ساتھ محکمہ مال کے افسر نے یہی سلوک کیا تھا۔اب ہمیں بتائیں کہ یہ شیعہ جن سے آج دنیا چھلک رہی ہے۔کیا واقعی حقیقی شیعہ ہیں؟ کیا اِن سے حضور امام عصر والزمان علیہ السلام کا کوئی تعلق ہوسکتا ہے؟ کیا یہ اسی راہ پر گامزن نہیں جو حضور علیہ السلام نے حضرت شیخ مفید رضی اللہ عنہ کو آج سے نو سو پچاسی سال پہلے (۴۱۲ھ) خط میں لکھی تھی؟ یہی وجہ ہے کہ یہ سب یہاں سے وہاں تک اور اُدھر سے اِدھر تک راندہ درگاہِ محمدؐ وآل محمدؐ ہیں۔یہ نظام اجتہاد کے شیعہ ہیں۔یہ محمدؐ وآل محمدؐ کے نام پر شیعہ عوام کو فریب و مکر سے لوٹ رہے ہیں۔ان کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرما دیا تھا۔اور دوسری صدی ہجری میں انہیں حقیقی شیعوں کو لوٹنے والا قرار دیا تھا۔

<table><tr><td>

۔’’عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال:ان الناس طبقات ثلاث: طبقہ ھم منا ونحن منھم وطبقۃیتزینون بنا۔وطبقۃ یا کل بعضھم بعضابنا‘‘۔(کافی روضہ صفحہ ۲۲۰)

<u>نوٹ علامہ مجلسی</u>۔ان یجعلون حُبَّنَا وما وصل الیھم من علومنا زینۃ لھم عندالناس ووسیلۃلتحصیل الجاہ ولیس توسلھم بالآئمۃؑعلیھم السلام خالصًالوجہ اللہ،

<u>نوٹ نمبر۲</u>۔ای یا خذ بعضھم اموال بعض ویا کلونھا باظھار مودتنا ومدحنا وعلومنا۔(مرآت العقول روضۃ الکافی صفحہ۲۲۰حاشیہ)

</td></tr></table>

۔’’ یقیناً یہ انسان تین گروہوں میں تقسیم ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ ہے جو خالص ہمارا ہے اور ہم صرف اس کے ہیں۔دوسرا گروہ ہے جو ہماری آڑ میں شاندار زندگی بسر کرتا ہے۔تیسرا گروہ وہ ہے جو ہمارے نام پر لوگوں کو کھائے چلا جا رہا ہے‘‘۔

یہ حدیث لکھ کر جناب علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ نے شیعوں کے دونوں دھڑوں کے لئے دو نوٹ لکھے ہیں۔فرمایا ہے کہ

(1) وہ گروہ جو آئمہؑ کی آڑ میں شاندار زندگی بسر کرتا ہے۔اس کا حال یہ ہے کہ انہوں نے محمدؐ وآل محمدؐ کی محبت کو اور اُن کے بتائے ہوئے علوم کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے اپنا طاغوتی کاروبار چلا رکھا ہے۔اور محمدؐ وآل محمدؐ کی محبت اور علوم کو عزت اور عہدے حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ بنا رکھا ہے۔لیکن انہیں محمدؐ وآل محمدؐ سے کوئی قلبی رشتہ نہیں ہے‘‘۔

(2) لوگوں کو کھانے والے وہ شیعہ ہیں جو فضائل ومناقب اور محمدؐ وآل محمدؐ کی مدح وثناء اور مودت اور ان کے علوم کے ذریعہ سے لوگوں کا مال اس طرح کھاتے ہیں کہ ملت شیعہ قلاش ہو جائے غربت سے آئندہ نسلیں فاقوں مر جائیں یوں گویا وہ لوگوں کو کھا رہے ہیں‘‘۔

قارئین پلٹ کر حساب لگائیں کہ اُن کا کتنا روپیہ منبر کے لئے خرچ ہوتا ہے۔یعنی کتنا روپیہ منبر تک پہنچنے کے کرایہ پر صرف ہوتا ہے،کتنا روپیہ منبر سجانے،شامیانے لگانے اور ان کی آواز پبلک تک پہنچانے میں لگتا ہے۔پھر وہ مادّی یا روحانی،یا علمی واخلاقی فائدہ دیکھیں جو یوں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے آپ کو ہوتا ہے؟آپ کی علمی،تاریخی،قرآنی وغیرہ معلومات میں مثلاً اس سال کیا اضافہ ہوا؟یا دوسری اقوام پر اس سال کیا نیا اثر اور نتیجہ مترتب ہوا؟اب یہ دیکھیں کہ جن دو(2) لوٹنے والوں کا تذکرہ ہوا وہ کون لوگ ہیں؟عوام یا علماء؟اگر ہمیں امام عصر علیہ السلام نے موقع دیا تو ہم ان منبر بازوں اور محمدؐ وآل محمدؐ کے نام پر ملت کو لوٹنے والوں کی طرز تبلیغ منبر ہی سے بیان کریں گے۔انشاء اللہ والامام علیہ السلام۔

<u>(اعلان13)۔ نظام اجتہاد نے سابقہ کتابوں اور رسولوںؑ کے ساتھ تعلیمات محمدؐ یہ کو بھی منسوخ کر دیا</u>

نظام اجتہاد کے پیدا کردہ ماحول میں ہر شخص یہ سنتا اور پڑھتا ہوا جوان ہوتا ہے کہ ہر بعد میں آنے والا رسوؐل سابقہ رسوؐل یا رسولوںؑ کی تعلیمات کو منسوخ کر دیتا تھا۔اور تازہ کتاب سابقہ کتب ہائے خداوندی کو منسوخ کرتی چلی آ رہی تھی۔لہٰذا محمدؐ

آ ئے تو تمام سابقہ نبیوںؑ کی تعلیمات منسوخ ہوگئیں اور قرآن آیا تو سابقہ تمام آسمانی کتابیں منسوخ ہوگئیں۔ پھر بات یہیں نہ رکی بلکہ آگے بڑھی۔یعنی قرآن کی تعلیمات بھی منسوخ ہوتی رہیں۔اور قرآن میں بہت سی ایسی آیات ہیں جو بعد میں منسوخ ہو گئیں۔اور یہی حال رسوؐل اللہ کی حدیثوں کا ہوا۔لہٰذا بہت سی احادیث بھی منسوخ ہوگئیں یعنی آج نہ قرآن منسوخ آیات سے پاک ہے۔نہ حدیثوں ہی میں پکا یقین ہے۔نہ معلوم کتنی اور کون کون سی حدیثیں منسوخ ہیں۔پھر آئمہ علیہم السلام کی حدیثیں بھی ہر آنے والا امامؑ منسوخ کرتا رہا ہے۔اس لئے ہمارا شیعہ مجتہد جب دل چاہتا ہے لوگوں کو ڈانٹ دیتا ہے۔اور قرآن وحدیث کے معنی ومفاہیم سمجھنے اور کسی نتیجہ پر پہنچنے سے یہ کہہ کر روک دیتا ہے۔کہ قرآن وحدیث میں بہت سی آیات ناسخ اور منسوخ ہیں۔ بہت سی عام اور خاص ہیں۔کچھ مطلق ہیں کچھ مقید ہیں۔کچھ متشابہات اور کچھ محکمات ہیں۔تم لوگ جب تک ان تمام تفصیلات کو نہ سمجھ لو کسی بات کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے۔تمہیں چاہئے کہ علمائے مجتہدین نے صدیوں کی محنت سے جو کچھ سمجھا ہے۔اسے اختیار کرو تاکہ گمراہی کا اندیشہ نہ رہے۔بہرحال کہنا یہ ہے کہ مجتہد حضرات نے احادیث میں اختلاف ثابت کرنے اور جس حدیث کو چاہیں رد کردینے کے لئے ناسخ ومنسوخ کو بھی حربہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ہم نے ناسخ ومنسوخ کے لئے کافی کچھ لکھا ہے۔اب صرف یہ دکھانا ہے کہ احادیث معصومین علیہم السلام میں کس آیت یا حدیث کے ناسخ یا منسوخ ہونے کا کیا مطلب ہے؟

(اول) ناسخ ومنسوخ کے معنی معصوؑمین کی احادیث میں؟

یہاں ایک بہت طویل حدیث میں سے وہ عبارت ملاحظہ فرمائیں جو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے حضرت امامؑ رضا علیہ السلام کے حق میں وصیت فرماتے ہوئے اپنے قلم سے لکھی تھی۔ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

۔''میں نے مندرجہ بالا مومنینؑ کو اس حقیقت پر گواہ بنایا ہے کہ یہ وصیت میری ہے۔ میرے اپنے ہاتھ سے لکھی گئی ہے۔اور یقیناً میں نے اسی طرح اپنے دادا حضرت امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالبؑ اور جناب محمدؑ باقر بن زینؑ العابدین اور جناب جعفرؑ صادق والی وصیتیں بھی حرف بحرف ہو بہو لکھی تھیں''۔(ظفری جلد اول صفحہ 370)

۔''وَاَشْھَدُھُمْ اَنَّ ھٰذَا وَصِیَّتِیْ بِخَطِّیْ وَقَدْنَسَخْتُ وَصِیَّۃَ جدّی امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالبؑ و وصیّۃ محمدؑ بن علیؑ قبل ذلک نَسَخْتُھَا حَرْفاً بِحَرْفٍ و وصیّۃ جعفرؑ بن محمدؑ، علیٰ مثل ذلک۔
(کافی کتاب الحجۃ اشارہ والنص علیٰ ابی الحسن الرضاؑ)

آنھا را گواہ میگیرم کہ این وصیت من است بخط خودم ومن از وصیت جدم امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالبؑ واز وصیت محمدؑ بن علیؑ ھم نسخہ گرفتم بمانند ھمین۔وحرف بحرف آنھارا استنساخ کردم واز وصیت جعفر بن محمد ھم بمانند آن''۔(کمرئی جلد۲ صفحہ ۱۳۱)

(دوم) قارئین پہلے سے صحیح معنی جانتے تھے

تمام اردو بولنے والے لوگ، خواہ ان پڑھ ہی ہوں، جانتے ہیں۔ کہ وہ پرچہ جو حکیم دیتا ہے۔ اور جس پر دواؤں کے نام اور ترکیب استعمال اور پرہیز کی تفصیلات لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ''**نسخہ**''۔ کہلاتا ہے۔ قرآن پڑھنے والے حضرات نے یہ آیت بھی بہت پہلے پڑھی تھی کہ:۔ ''اور جب حضرت موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا یا رک گیا تو انہوں نے وہ لوحیں اُٹھا لیں اور جن کے **نسخہ** میں ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت لکھی ہوئی تھی۔ جو اپنے رب کے لئے ترکِ لذات (رہبانیت) اختیار کرتے ہیں''۔

''۔ وَلَمَّا سَکَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَO''۔(اعراف 7/154)

لہٰذا مندرجہ بالا حدیث میں آئے ہوئے الفاظ ا۔ **نَسَخْتُ** میں نے **لکھا**۔ 2۔ **نَسَخْتُهَا حرفاً بِحَرْفٍ میں نے اس کو حرف بحرف لکھا**''۔ سے معلوم ہوا کہ ان الفاظ کے معنی لکھنے کے ہیں۔ پھر اس فارسی ترجمہ میں بھی ایک بہت بزرگ اور اچھے مجتہد کے الفاظ۔ ''**نسخہ**۔ 2۔ **استنساخ**'' بھی لکھے ہوئے اور لکھنے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور قرآن کی آیت میں بھی وہی لفظ نسخۃ (نُسْخَةِ هَا) آیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب خداوندی نازل ہوئی تھی وہ تختیوں کی صورت میں تھی اور اس میں ہدایت ورحمت کی تعلیم **لکھی** ہوئی تھی۔ اور تمام بامذہب لوگ اور مسلمان جانتے ہیں کہ ہر انسان کے ہر اچھے برے عمل کو ساتھ کے ساتھ لکھتے جانے کے لئے اللہ نے دو ملائکہ ہر آدمی کے ساتھ مقرر فرمائے ہیں۔ جنہیں **کراماً کاتبین** (دو بزرگ لکھنے والے) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے قرآن میں اپنے اس انتظام کا ذکر یوں فرمایا ہے کہ:۔

۔''تمام امتوں کو ان کے اعمال کی کتاب کے روبرو حاضر کیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ آج تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ یہ ہے ہماری تیار کردہ تمہارے اعمال کی کتاب جو تم پر حقیقت حال واضح کرے گی۔ یقیناً ہم تمہارے اعمال کو ساتھ کے ساتھ اس کتاب میں **لکھتے** جاتے تھے''۔

''۔کُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰی اِلٰی کِتٰبِهَا اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَO هٰذَا کِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْکُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَO(جاثیة 45/28-29)

(سوم) منسوخ کے معنی بھی معصومؑ احادیث میں ملاحظہ کرلیں

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی تقرری والی وصیت کا ذکر کرتے ہوئے احمد بن ابی خالد رضی اللہ عنہ یہ بتاتے ہیں کہ امام محمد تقی علیہ السلام نے جو وصیت امام علی نقی علیہ السلام

''۔عن محمد بن الحسین الواسطی انّه سَمِعَ احمدً بن ابی خالد موالی ابی جعفر یحکی اَنَّهٗ اَشْهَدَهٗ عَلٰی هٰذِهِ الْوَصِیَّةِ الْمَنْسُوْخَةِ''۔(ایضا۔امام علی نقیؑ کا تقرر)

کے حق میں **لکھی تھی** (منسوخ کے معنی) وہ (احمدؓ بن ابی خالد) اس میں گواہ تھے۔ (ایضاً ظفری جلد 2 صفحہ 384)

اس حدیث میں لفظ منسوخ بھی استعمال ہوگیا اور وہ ابھی اسم مفعول کی حیثیت سے بمعنی **لکھا ہوا** یا **لکھی ہوئی** استعمال ہوا ہے۔

(چہارم) اس لفظ کی تمام قابل استعمال صورتیں سامنے رکھ لینا چاہئیں

اب آپ ایک ایسی وصیت والی پوری کتاب سے چند جملے ملاحظہ فرمائیں جس میں رسوؐل اللہ نے بارہ آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی تقرری اور ان کے لئے خدائی پروگرام لکھ کر حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ وسلام علیہا کی تحویل میں رکھ دی تھی اور یکے بعد دیگرے ہر امامؑ کی تحویل میں چلی آئی اور اس کے مطابق ہر امامؑ نے اپنا اپنا پروگرام پورا انجام دیا۔ چنانچہ اسی کتاب کی ایک نقل جناب فاطمہؑ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو دی تھی۔ ایک روز امام محمد باقر علیہ السلام اپنے والی کتاب لے کر جناب جابر کے مکان پر پہنچے اور دونوں کتابوں کا تقابلی مطالعہ کر کے جابر کو بتایا کہ ہم آئمہؑ کے عملدرآمد میں بھی فرق نہیں ہوتا۔ نہ ان دونوں کتابوں میں اختلاف ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے چند جملے سنیں۔

۔''امام جعفر صادق علیہ السلام نے سنایا کہ جناب جابرؓ نے میرے والد امام محمد باقر علیہ السلام کے جواب میں کہا کہ تمہاری والدہ فاطمہ علیہا السلام نے مجھے وہ کتاب دی تھی اور میں نے اس کی نقل **لکھ کر** اپنے پاس رکھ لی تھی۔ امام جعفرؑ صادق فرماتے ہیں کہ میرے والد علیہ السلام نے جابرؓ سے کہا کہ اے جابرؓ کیا تم وہ کتاب میرے سامنے پیش کر سکتے ہو؟ جابر نے کہا جی ہاں۔ اس پر میرے والدؑ جابرؓ کے ساتھ ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ جابر نے وہ صحیفہ نکالا۔ والدؑ صاحب نے فرمایا کہ تم اپنی کتاب کو دیکھتے چلو میں اپنی خاندانی کتاب پڑھتا ہوں تاکہ کہیں اختلاف ہو تو معلوم ہو جائے۔ چنانچہ جابر اپنے والے نسخہ میں مقابلہ کرتے گئے اور والد صاحب اپنی کتاب پڑھتے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک حرف بھی دونوں کتابوں میں ایک دوسری کے خلاف نہ ملا''۔

''قال جابرؓ: فاعطتنیه اُمُّکَ فاطمةعلیهاالسلام فقرأتُهُ وَاسُتَنُسَخُتُهُ فقال له ابی :فَهَلُ لَکَ یا جابرؓ اَنُ تَعُرَضَهُ عَلَیَّ قال : نَعَمُ ،فَمَشِی معه ابی الیٰ منزل جابرؓ فاخرج صحیفة مِنُ رِقٍّ ۔ فقال: یا جابر اُنُظُرُ کتابک لَاَقُرآنا عَلَیُکَ فنظر جابر فی نُسُخَتِهٖ فقراء ابی فما خالف حَرُفٌ حَرُفاً ..الخ (کافی کتاب الحجت باب ماجاء فی الاثنا عشرؑ والنص علیهم)

قارئین سوچیں کہ جن حضرات کے نظام میں ہر چیز تحریری ریکارڈ کی صورت میں رہتی چلی جاتی ہو۔ ان کے بیانات میں اختلاف وتضاد کیسے ممکن ہوسکتا تھا؟ یہ تو مجتہد کا کمال ہے کہ اس نے حقائق پر پردہ ڈال دیا۔

(پنجم) ناسخ اور منسوخ آیات اور احادیث اور شریعت کا معصومؑ مفہوم

قرآن کریم کی آیات اور معصومؑ احادیث وروایات میں **ن۔س۔خ** کے مادہ سے نکلنے والے الفاظ کی مندرجہ ذیل آٹھ شکلیں آپ نے دیکھی ہیں:۔

1۔ نَسَخۡتُ (میں نے لکھا)۔ 2۔اِسۡتِنۡسَاخ (لکھنا)

3۔ نُسۡخَةٌ (لکھا ہوا ایک جز)۔ 4۔ نُسۡخَتِهَا (اس کے نسخہ میں)

5۔نَسۡتَنۡسِخُ (ہم لکھتے تھے)۔ 6۔مَنۡسُوۡخَةٌ (لکھا ہوا۔لکھی ہوئی)۔

7۔اِسۡتَنۡسَخۡتُهٗ (میں نے اسے لکھا تھا)۔ 8۔نُسۡخَتِهٖ (اس کے نسخہ میں)

اِن تمام مقامات پر اللہ اور آئمہ علیہم السلام نے کہیں بھی اور کسی شکل کے یہ معنی نہیں کیے کہ فلاں حکم یا فلاں بات ختم کردی گئی یا باطل کردی گئی یا فلاں چیز کی حیثیت یا عمل یا اثر اب ختم ہوگیا۔اور اب اُس حکم یا بات پر عمل نہیں کیا جائے گا۔یا فلاں حکم یا آیت یا حدیث اب نا قابل عمل ہے۔یا فلاں آیت یا حدیث یا حکم میں ترمیم وتبدیلی کردی گئی ہے۔اس کے خلاف ہر جگہ اور ہر صورت میں ان الفاظ کے معنی میں <u>لکھنا۔لکھا ہوا ہونا۔لکھی ہوئی کتاب</u> برقرار رہا ہے۔چنانچہ ہم اس اصول کے پابند ہیں۔ کہ قرآن وحدیث کے الفاظ کے صرف وہ معنی کریں جو عربی قواعد،ڈکشنری اور اس لفظ کے بنیادی اور مصدری معنی ہوں۔ اور اس مادہ سے نکلنے والی ہر صورت میں ان معنی کو برقرار رکھیں۔اور مجتہدین کی اس ترجمانی کی ہرگز پیروی نہ کریں۔جس میں وہ ایک ہی لفظ کے سیکڑوں مختلف ومتضاد ومصدری معنی کے خلاف معنی کرکے حدیث اور آیات میں اختلاف پیدا کیا کرتے ہیں۔ اور اس طرح انہوں نے ایک اللہ،ایک رسولؐ ایک قبلہ،ایک قرآن اور ایک اِسلام ہوتے ہوئے امت کو سیکڑوں مذاہب اور فرقوں میں منتشر اور متفرق کرکے ایک کو دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا۔سب کو سب کے نزدیک کافر منوا کر چھوڑا۔اُس تفرقہ ساز گروہ کی پہلی ترکیب یہی تھی کہ عربی زبان کے معنوی استقلال کو تباہ کردیا جائے۔ہر اہم لفظ کو کئی کئی معنی میں استعمال کیا گیا۔ اور اس طاغوتی پالیسی کو زبان کی وسعت کا نام دیا گیا۔نتیجہ سامنے ہے کہ ہر فرقہ کے پاس قرآن اور اللہ کی نازل کردہ آیات اور ان میں استعمال شدہ الفاظ تو ایک ہی ہیں۔مگر ترجمہ ہر فرقہ کا الگ الگ ہے۔قادیانی ترجمہ کی رو سے قیامت تک نبی آتے رہنا ثابت ہے۔اسی طرح ہر فرقہ صرف اپنے مکتب فکر کے ترجمہ کو پڑھتا ہے۔ورنہ گمراہی کا اندیشہ اس پر مسلط رہتا ہے۔ دور کیوں جاوٗ۔دیکھو پاکستان میں اس وقت اہل سنت والجماعت کے نو اور دو گیارہ مکاتیب فکر اِسلامی رسہ کشی میں زور آزمائی کررہے ہیں۔سب ہی اِسلامی حکومت قائم کرنے کا دعویٰ کررہے ہیں۔ایک دوسرے کو نہ صرف کافر وگمراہ وملعون کہتے رہے ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کی ازواج اور بیٹیوں کو رنڈی اور حرامکار فرمارہے ہیں۔سوچیے یہ کیا تماشہ ہے؟ ان گیارہ جماعتوں میں

سچ مچ کون سی جماعت مسلمان ہے؟ کون سی کافر ہے؟ اورلطف یہ ہے کہ یہ سب نمازی ہیں۔حاجی ہیں۔تہجد گذار ہیں۔یہی گروہ ہے جس نے حقیقی اِسلام کونودوگیارہ کردیاہے۔ بہرحال اب آپ احادیث معصومین علیہم السلام میں وہ احادیث دیکھیں جن کو سامنے رکھ کرمجتہدین نے ناسخ ومنسوخ کے معنی ردکرنا(CANCELLED) ختم کردیناوغیرہ کئے ہیں۔

(ا)غیر اِسلامی طبیعتوں کو بتدریج ذمہ داریاں سونپنا

اختلاف حدیث کے سلسلے میں کافی ایسی مثالیں گذرچکی ہیں کہ مخالفت کودبائے رکھنےاورمخالفین کو بہانہ تلاشی کا موقعہ نہ دینے کے لئے بھی اورلادینی اورمجتہدانہ ماحول کی بگاڑی ہوئی عادتوں اورمزاج انسانی کومرحلہ وارزیادہ سے زیادہ ذمہ دار بنانے کے لئے بھی ابتدائی تعلیمات ایک ایسے مقام سے شروع کی جاتی رہی ہیں۔کہ جہاں انسانوں کی کثرت انبیاءؑ ورسلؑ وآئمہ علیہم السلام کی تعلیم کوخوشی خوشی بلاکسی ناگواری کے قبول کرے اورعمل کرنے میں دقت محسوس نہ کرے۔بات شروع ہوئی تھی۔ایک چارلفظی جملہ سے 1۔لَا۔2۔اِلٰہَ۔3۔اِلَّا۔4۔اللّٰہ۔اورختم ہوئی چار ہزار پابندیوں اورصبرآزما قربانیوں پر۔

1۔آمَنْتُ بِاللّٰہ۔2۔وَالْمَلاَئِکَتِہٖ۔3۔وَکُتُبِہٖ وَ۔4۔رُسُلِہٖ۔

5۔وَالْیَوْمِ الآخِر۔6۔وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ۔7۔وَشَرّہٖ۔

8۔یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔9۔وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ۔

10۔وَمِمَّارَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔11۔آمِنُوا بِاللّٰہ وجاھد وامَعَ رسوؐلہ۔12۔اقیمواالدین ولا تتفرّقوافیہ۔

13۔اٰمِنُوْابِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا(تغابن64/8)۔14۔اَتِمُّوا الحج والعمرۃللّٰہ۔

15۔کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصیام۔16۔جاھدوافی اللّٰہ حق جھادہ۔17۔قاتلوا فی سبیل اللّٰہ۔

18۔اقیموا الصلوۃ واتوالزکوۃ۔19۔لاترفعوااصواتکم فوق صوت النبیؐ۔

20۔تُوَقِّرُوْہُ وَتُسَبِّحُوْہُ(فتح48/9)

اور بتدریج اللّٰہ کے بعد ملائکہ پر ایمان لازم ہوگیا۔محمدؐ ہی نہیں بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزارنبیوںؑ پر ایمان کے بغیر جنت ناممکن ہوگئی لیکن نہ لا الٰہ الّاللّٰہ منع ہوانہ ختم ہوانہ بند ہوا۔وہ اپنی جگہ برقراررہا۔پھرساری کتابوں پرایمان لازم ہوگیااورکسی ایک کتاب کے بھی انکارسے جہنم لازم ہوگیا۔یہیں بات ختم نہ ہوئی اورلا الٰہ الّاللّٰہ کے میدان میں لاکریہ بھی منوالیا کہ قیامت میں دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔اپنے تمام اعمال کا جواب دیناپڑے گا۔اچھے اعمال ہوں گے تو جنت ملے گی۔ورنہ لَا اِلٰـہ سمیت جہنم میں پھینک دیاجائے گا۔محمدؐرسولؐ اللّٰہ پڑھنے کی بھی رعایت نہ ہوگی۔مجتہد کا دل چاہتارہاکہ وہ قرآن میں،قرآن لانے والے کے بیان میں تضاد کا اعلان کردے اورمکہ وعرب کے باشندوں کو اِسلام کے جال میں پھنسنے سے روک دے مگروہ

ڈرتا رہا۔ انتظار کرتا رہا۔ خود بھی جسم کو کفر ونفاق کا تیل مل کر مسلمانوں کے دین میں داخل ہو گیا۔ اور سوچتا رہا کہ کب موقع ملے تو چکنے بدن سے پھسل کر باہر نکل جاؤں۔ اس نے جماعت بنائی۔ سب کو وہی تیل تقسیم کیا۔ جب کوئی کافر نام کا آدمی باہر نہ رہا تو اب اس نے مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے اِسلامی پابندیوں کو پھسلا کر احکام وعبادت کی کڑیوں کو ڈھیلا کرنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ کثرت کو اِسلامی حلقوں سے باہر نکال لیا۔ لیکن اس وقت سے پہلے ہی پہلے اِسلامی تعلیمات میں ناسخ ومنسوخ کی پالیسی نے اور احادیث کو مختلف معیار سے پیش کرنے کے منصوبے نے ملک عرب کو گھیر لیا۔ وہ تقدیر پر ایمان لائے۔ انہوں نے خیر کو اللہ کی حکم کی تعمیل میں اور شر کو خلاف ورزی میں مان لیا۔ وہ غیبت مجسمؑ پر ایمان لائے نمازیں قائم کیں زکوٰۃ وخیرات واعمال حسنہ کے قائل ہوئے حج کئے روزے رکھے تیغ بکف اپنے باپ اور بھائیوں کے خلاف میدان میں نکلے باطل کو مٹایا۔ رسالتؐ اور امامتؑ پر ایمان لائے ہزاروں مسلمانوں کے مجمع میں امامتؑ کو قبول کیا۔ امامؑ کو مبارکباد وسلامت باد پیش کی بَـخٍ بَـخٍ لَکَ یا علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نعرے فضاؤں میں بلند ہوئے۔ جان ومال واولاد قربان کرنے پر رضامند ہوگئے۔ یعنی لا الٰہ اِلّا اللّٰہ کے وسیع دامن کے زیرِ سایہ رہنا اتنا لذت انگیز تھا۔ کہ لوگ مسلسل آگے بڑھتے گئے اور اس جملہ کا ہر پہلو تلاش کرتے اور تکمیل کی طرف چلتے گئے تاکہ فلاح ونجات میں کوئی کمی نہ رہ جائے مثلاً:۔

(1) جب یہ مان لیا گیا کہ اللہ انسانی فلاح ونجات کا ضامن ہے۔ تو ہمیں اس ضمانت میں استقلال کی بھی ضرورت ہے۔ لہٰذا یہ بھی ماننا لازم ہو گیا کہ ہماری فلاح کا ضامن ہمیشہ موجود (باقی۔ قیوم) رہے۔

(2) وہ علیم وحکیم وسمیع وبصیر ہو۔ تاکہ فلاح ونجات میں خامی نہ رہ جائے۔

(3) پھر ایسی ہستی جو ہماری طرح غلطی اور غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے ہماری فلاح ونجات میں بھی غلط عمل کر گذرے گی۔ جو ہمارے ہی لئے خطرناک ہے۔ لہٰذا اللہ کو نہ صرف واحد وقیوم علیم وبصیر وغیرہ ہونا چاہیئے بلکہ نہایت ضروری ہے کہ وہ ظلم سے پاک اور عادل ہو ورنہ۔

(4) وہ نبوتؐ ورسالتؐ وامامتؑ کے تقرر میں بھی غلطی کر سکے گا۔ اور اس کی فلاح بخش ونجات آفرین تعلیمات خطرہ میں پڑ جائیں گی۔ لہٰذا اس کے مقرر کردہ راہنما معصومؑ اور الٰہی صفات کا مجسمہ ہوتے ہیں۔ اللہ کی منشا اور مقاصد کو قابل فہم اور مادی وعقلی صورت میں قولاً وفعلاً کہہ کر اور کر کے دکھاتے ہیں۔ اور اپنے ہر قول وفعل ونقل وحرکت سے اللہ کی رضامندیاں پیش کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

(5) تعلیمات خداوندی کا ذخیرہ بذریعہ وحی قرآن میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اور قرآن کو اللہ کی کتاب اور کلام اللہ مانتے ہی لاکھوں احکام کا ماننا واجب ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ لاالٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں داخل تھا۔ یعنی یہ ایک محکم حکم تھا۔ محکم اس

حکم کو کہا جاتا ہے جو مستقل ہو، مضبوط بنیاد پر قائم ہو، جس میں نقص یا کمی اور خامی نہ ہو۔ یہی نہیں بلکہ وہ ایک سمٹی ہوئی بنیاد (اُمٌّ) ہو جس کو پھیلانے سے اس کے اندر سے، اس سے متعلق اسی کے ہمشکل ومشابہ یا متشابہہ احکام نکلتے چلے آئیں۔ اور ہر نکلنے والا حکم اس محکم حکم کی تفصیل بنتا اور اسے اجاگر کرتا جائے۔ جیسا کہ آپ نے لاالٰـهَ اِلاَّ اللّٰـه کی مثال میں پانچ متشابہ صورتیں ملاحظہ کیں جو سب کی سب کلمہ توحید کی تفصیل ہیں۔ یہ پانچ باتیں بتانے کے لئے بیسیوں متشابہ احکام واحادیث وآیات سامنے لائی گئیں۔ اور ابھی سیکڑوں متشابہ آیات واحادیث باقی ہیں۔ جو ہم بیان کرنے کا وقت نہیں پاتے۔ جیسے کلمہ توحید کی تفصیل میں یہ بتانا بھی ضروری ہے۔ کہ اللہ کی ہستی ایسی ہے۔ کہ جس کو کسی مادی مثال وتمثیل سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ''لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ O (شوریٰ 42/11) لیکن ساتھ ہی وہ سنتا بھی ہے۔ اور دیکھتا بھی ہے۔ یعنی اس کے لئے کانوں اور آنکھوں کی مثال دینا غلط ہے۔ بہر حال سیکڑوں ایسے مقامات وآیات واحادیث ہیں جو لاالٰـهَ اِلاَّ اللّٰـه کے محکم جملے کے ہم شکل ومتشابہ ہیں۔ اور مسلمان ان کو جانتے ہیں۔ ہم تو مختصراً محکم اور متشابہ اور ناسخ ومنسوخ کا فرق اور پوزیشن سمجھانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا یاد رکھیں کہ ہر وہ حکم یا آیت یا حدیث متشابھات میں داخل ہے۔ جو کسی اور حکم یا آیت یا حدیث کی تفصیل ووضاحت بیان کرے اور اپنی شکل وصورت وبیان سے اس حکم یا آیت یا حدیث کو شناخت کرنے میں مددگار ہو جس کی وہ تفصیل ووضاحت کرتی ہے جسے محکم یا محکمات کہا جائے گا۔ جس کی تعریف ہم نے اوپر لکھی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام وہ محکم بنیاد (اُمٌّ) ہیں۔ جس کی تفصیل پوری نوع انسان ہے۔ ہر انسان حضرت آدمؑ سے مشابہ وہم شکل ہے۔ اور اپنی صورت وشکل سے حضرت آدمؑ کا پتہ دیتا ہے۔ گیہوں وہ بنیاد ہے۔ جس سے آٹا، روٹی، میدہ سویاں اور بیسیوں چیزیں بنتی چلی جاتی ہیں۔ جو کہ گندم ہی کی تفصیلات اور متشابہات ہیں۔

جب کلمہ توحید میں مطلوبہ لذت ملنے لگی۔ وہ زبانوں پر جاری رہنے لگا۔ جزو قلب وذہن بن گیا۔ اُدھر نبویؐ ریکارڈ میں منسوخ (تحریر) ہوگیا۔ تو اس کے نافذ العمل ہوجانے اور زندگی میں ہر وقت کا معمول بن جانے کے بعد اس کی نزدیک ترین پہلی تفصیل بطور ناسخ (تحریر کرنے والا) سامنے لائی گئی یعنی نیا حکم دیا گیا کہ اللہ کو عادل مانو۔ یہ نیا حکم یا ناسخ حکم پہلے لکھے ہوئے (منسوخ) حکم کو باطل نہیں کرتا۔ لاالٰهَ اِلاَّ اللّٰه کے اقرار کو ختم نہیں کرتا۔ بلکہ اس کو اجاگر کرتا ہے۔ برقرار رکھتا ہے۔ اُس میں حسن ویقین بڑھ جاتا ہے۔ پھر بتایا گیا کہ وہ اللہ جو ہماری ضمانت کا ذمہ دار ہے۔ اسے علیم وخبیر وسمیع وبصیر مانو۔ الغرض اس طرح یکے بعد دیگرے لکھوائے جانے والے ناسخ حکم دیئے جاتے رہے۔ اور سابقہ لکھے ہوئے (منسوخ) حکم میں شامل ہو کر تحریر (منسوخ) ہوتے چلے گئے۔ لوگ عمل کرتے گئے منسوخ احکام معمول بنتے گئے۔ یہ نمازیں یہ روزے اور دیگر تمام عبادات واخلاقیات ونظریات واعتقادات اسی کلمہ توحید کی تفصیلات ومتشابہات ہیں۔ اور سب کی سب ناسخ (لکھنے والی) بن کر یکے بعد

دیگرے آتی گئیں۔اور عملی وتحریری ریکارڈ میں (منسوخ) تحریر ہوتی چلی گئیں۔

آپ جانتے ہیں کہ ہماری یونیورسٹی میں پہلی جماعت سے لے کر سولہویں جماعت (ایم اے) تک کا نصاب لکھا ہوا (منسوخ) موجود ہے۔جب ایک بچہ پہلی جماعت میں الف، ب، یا اے بی سی ڈی سیکھتا ہے تو اس وقت سولہ جماعتوں کے نصاب (SYLLABUS) سے ناواقف ہے۔یہ ناواقفیت اس کے لئے بہت مفید ہے۔ورنہ اس کی ہمت شکنی ہو جائے گی۔ وہ تو یہ سمجھ کر پڑھ رہا ہے اور جلدی جلدی یاد کر رہا ہے۔کہ یہ چند حروف ہیں۔جیسے ہم نے کلمہ توحید کے چار الفاظ سمجھے تھے۔لیکن نجات وفلاح نے ہمت افزائی کی تھی اور ہم آگے بڑھتے چلے گئے تھے۔بالکل اسی طرح وہ بچہ یہ سمجھتا ہے۔کہ یہ چند حروف آتے ہی میں یہ بلّی یہ چوہا وغیرہ پڑھنے لگوں گا۔یوں ہی وہ ایک دن دوسری جماعت میں جانے کے لئے بے تاب ہوتا جاتا ہے۔اب بھی وہ الف ب یا اے بی سی ڈی اس کے ذہن میں، اس کے قاعدہ میں، اور یونیورسٹی کے نصاب میں منسوخ (لکھی ہوئی) موجود ہیں۔باطل نہیں ہوگئیں۔بے کار نہیں ہوئیں۔بلکہ دوسری جماعت میں بھی ان ہی حروف پر تعمیر ہو رہی ہے۔پہلے سے زیادہ سمجھ کر استعمال ہو رہا ہے۔اور وہ چونکہ محکم بنیاد تھی۔اس لئے ان کو ایم۔اے تک ترک نہیں کیا جاتا بلکہ ان پر عمل حد کو پہنچ جاتا ہے۔یوں ہر وہ جماعت جس میں طالب علم ہے ۔ناسخ ہے۔اور جن سے گذر گیا یا جن میں ابھی نہیں پہنچا وہ منسوخ ہیں۔ ہر ناسخ پچھلے منسوخ کی مدد سے آسان اور قابل عمل ہوتا جاتا ہے۔اور وہی بچہ تعلیم کے آخری مدارج سے پار نکل جاتا ہے۔پانچ سال کی عمر میں اگر سولہ جماعتوں کا نصاب ایک دم سامنے رکھ دیا ہوتا تو بچہ دیوانہ ہو گیا ہوتا۔یہ ہے وہ ناسخ ومنسوخ اور محکم ومتشابہ کا مربوط وفطری منصوبہ جس سے انسانوں کو ایک چار لفظی جملہ سے اٹھا کر تعلیمات الٰہیّہ کے افق اعلیٰ پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ذرا اس آیت کو دیکھئے اور سوچئے کہ اگر آپ پہلے دن ان میں سے ایک بات بھی کسی سے منوانا چاہیں تو کوئی نہ مانے گا۔ سنئے کہ مومنین رضی اللہ عنہم اقرار توحید کے بعد چار لفظی جملہ لَااِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه سے ابتدا کر کے قربانی کی کس انتہا پر پہنچے اور ان کے جانفروشانہ عمل نے کس طرح رسولؐ اللہ کے زمانہ والے مجتہدین ومُقلّدین کو ڈانٹ کر مخاطب کیا:۔

۔''اے رسولؐ اُن سے کہہ دو جو قانون کو اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتے ہیں (فاسق) اگر تمہیں اپنے اباواجداد اور اپنے بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں اور اپنے ہمہ قسم کے بھائی بند اور اپنی تمام قسم کی بیویاں اور اپنے قبیلے وکنبہ کے عام وخاص لوگ (UPPERTEN) اور وہ مال ومتاع

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ O (سورہ توبہ 9/24)

جو تم نے جمع کر رکھا ہے۔اور وہ تجارت اور کاروبار معیشت جس میں تم کمزوری نہیں چاہتے وغیرہ اللہ اور رسولؐ سے اور اسلام کی

تنفیذ میں جہاد سے عزیز ومحبوب تر ہیں؟ تو ٹھہر کر انتظار کرو کہ اللہ اپنے صاحبؑ امر کو لے کر آئے اور تم پر مسلّط کر دے اور یہ تمام مذکورہ چیزیں منوا کر اور تم سے چھین کر چھوڑے۔ سنو کہ ہم خود ساختہ قانون پر چلنے والوں کو اِسلامی ہدایت نہیں دیتے''۔

اس مشکل ترین مقام پر اور نظام اجتہاد کے سرمایہ دارانہ نظام کی پیدا کردہ عادت وفطرت وماحول کے خلاف توحید کے قائل لوگوں کو رفتہ رفتہ مرحلہ وار لایا گیا۔ سب سے پہلے خود آنحضرتؐ اور ان کے بعد راہنمائی سنبھالنے والے حضرات ایثار نفس وقربانی کی انتہائی بلند مثال قائم کرتے تھے۔ اپنی خوراک اپنا لباس اور سامان دنیا اتنا قلیل اختیار کیا تھا کہ قیامت تک اُمت کے لئے ایک مثالی نمونہ رہتا چلا جائے گا۔ یعنی اپنے عمل سے اِسلامی تعلیمات کی انتہائی بلند منزل ومقام امت کے سامنے رکھتے تھے۔ پھر خانوادۂ محمدؐ کے پرستار اور محبت کرنے والے لوگ ان کو دیکھ کر اقدام وعمل میں بلند ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ لہٰذا پہلے ہر ناسخ حکم اسی محدود اور مخصوص دائرہ کے افراد کو دیا جاتا تھا۔ ایسا حکم جو پوری امت پر نافذ نہ ہو کسی خاص گروہ، خاص حالت اور خاص فرد کو دیا جائے اسے **حکم خاص** کہا جائے گا۔ خاص حالت کے ساتھ مشروط ہو تو اُسے اُسی حالت اور اُسی فرد کے ساتھ پا بند یا **حکم مقید** کہا جائے گا۔ جب وہ خاص لوگ اپنے عمل سے عمدہ نتائج بر آمد کر کے عوام کو دکھا دیں گے تو پھر اسے پوری امت پر **حکم عام** کی طرح نافذ کر دیا جائے گا۔ اور اب اسے **حکم مطلق** قرار دیا جائے گا۔ ورنہ جب بھی متعلقہ حالات پیدا ہوں گے ان پر عمل کیا جائے گا۔ حالات نہ ہوں گے تو حکم لکھا ہوا (**منسوخ شدہ**) ریکارڈ میں وقت آنے کا منتظر رہے گا۔ نماز اور روزہ اور حج وزکوٰۃ وخمس وجہاد **حالت اور وقت** کے ساتھ مشروط اور **مقید** ہیں۔ ایسے اوقات اور حالتیں بہت زیادہ ہیں۔ جب آپ پر نہ کوئی نماز عملاً واجب ہے۔ نہ روزہ فرض ہے۔ نہ زکوٰۃ لاگو ہے۔ نہ خمس نہ حج نہ جہاد واجب ہے۔ اور اللہ ورسولؐ آپ سے خوش ہیں۔ اور آپ عاقل وبالغ وآزاد مسلم ہیں۔ جب مقررہ اور منسوخہ وقت اور حالت آئے تو سب واجب اور ادا کر لینے کے بعد سب منسوخ حیثیت سے واجب۔ ایک بچہ کے ساتھ بالغ ہونے تک آپ کا سلوک اور بچہ کا بچپن سے بلوغ تک عمل حضرت آدمؑ سے لے کر باقی انبیاءؑ کی تعلیم پر ہوتا ہے۔ بلوغ کے بعد قرآن میں مخصوص تعلیم بھی واجب ہو جاتی ہے۔ اور اس کی ادائیگی میں سابقہ انبیاءؑ کی تعلیمات اس طرح کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔ جیسے ایم اے کا طالب علم یا ایم ایس سی شخص اے بی سی ڈی اور جمع وتفریق وضرب وتقسیم وغیرہ کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے پر مجبور ہے۔ اور وہ پہلی جماعت سے لے کر اپنی (ایم اے) جماعت سے پہلے کی تعلیم کو استعمال کئے بغیر ہرگز کوئی کام ایم اے کے نصاب کا نہیں کر سکتا۔ سوائے اس کے کہ وہ سابقہ تمام درجوں کی تعلیم کا سہارا لے۔ لہٰذا نوٹ کر لیں کہ نہ کسی مذہب کی شریعت بیکار ہوئی ہے۔ نہ تعلیمات انبیاءؑ بے کار ہوگئی ہیں۔ نہ کوئی کتاب خداوندی معطل وزائل وخارج از اسلام ہوئی ہے۔ آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک کی تمام تعلیمات کا نام اِسلام ہے۔ اور تمام تعلیمات (توریت وزبور وانجیل) کا مجموعہ قرآن ہے۔ کسی نبیؑ کا ایک حرف اور ایک حکم اور تعلیم کا ایک جملہ اور ایک لفظ

اور کسی لفظ کا شوشہ بھی کینسل (CANCELLED) یا بیکار نہیں۔ البتہ منسوخ ضرور ہے۔ لکھا ہوا موجود ہے۔ ان کا استعمال میرے اور مجتہد کے قابو کی چیز نہیں۔ ان کو استعمال اور بر سر کار لانے والے حضرات صلوٰۃ اللہ علیہم وہی ہیں۔ جن کے نظام ہدایت کو ہم پیش کر رہے ہیں۔ اور ذرا دیر بعد ہم پھر ناسخ و منسوخ پر ان کے فرمان پیش کریں گے۔ یہاں چند باتیں وارثوں اور وراثتوں کے متعلق اور دیکھ لیں۔

آج دنیا کی تمام مسلم و غیر مسلم حکومتوں کا قانون یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کی تمام دولت و جائیداد وغیرہ حکومت لے لیتی ہے۔ یہ قانون مندرجہ بالا آیت (توبہ 9/24) سے اختیار کیا گیا ہے۔ اور جب حکومت کسی بیرونی خطرہ یا حالت جنگ میں ہوتی ہے۔ تو تمام رعایا کے موٹر، ٹرک اور دیگر ضروری سامان کے لئے قانون منظور کر کے اپنی تحویل میں لے لیتی ہے۔ اور خطرہ ٹل جانے کے بعد واپس کر دیتی ہے۔ یہ قانون اس اصول پر بنالیا جاتا ہے۔ کہ ﴿لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ O﴾ (عمران 3/109)''۔ جو کچھ بھی اس کائنات میں ہے۔ وہ سب اللہ کا ہے۔ اور اسی کی طرف ہر صورت حال نے رجوع کرنا ہے''۔

چنانچہ سربراہ اسلام خلیفۃ اللہ ہونے کی بنا پر پوری کائنات کی ہر ہر چیز کا مالک ہے۔ نہ صرف اشیاء واموال و جائیداد کا بلکہ تمام انسانوں کی زندگی کا بھی مالک ہے۔ (توبہ 9/81,88) اور (احزاب 33/6) اور اسی اصول پر حکومتیں جبراً فوج میں بھرتی کر لیا کرتی ہیں۔ بہر حال یہ اسلام کے انتہائی اور اولین حقوق ہیں۔ مگر اللہ و رسولؐ لوگوں کو ان کی جان و مال و اولاد کا مالک مانتے ہیں۔ ان کو مالکیت کے پورے حقوق دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے اموال کو آزادی سے استعمال کرنے میں مختار و آزاد چھوڑے گئے ہیں۔ ان کو وراثت کا حق دیا گیا ہے۔ وارثوں کی فہرست اور وراثت تقسیم کرنے کا قانون دیا گیا ہے۔ اور خود ہر چیز کا حقیقی مالک ہوتے ہوئے ان سے اپیلیں کی گئی ہیں۔ کہ تم خدا کی راہ میں غربا اور محتاجوں کی مدد کرو۔ دشمنوں سے دفاع کے لئے سامان جنگ فراہم کرنے میں رسولؐ کی مدد کرو۔ اور یوں خود اپنی حفاظت پر روپیہ خرچ کر کے بھی یہ سمجھو کہ تم نے اللہ و رسولؐ کو قرض دیا ہے۔ اور وعدہ فرمایا ہے کہ ہم تمہارے اموال میں برکت دیں گے۔ تمہارے خرچ شدہ مال کو دوگنا کر کے واپس دیں گے۔ اور یہ آزادی آج تک چلی آ رہی ہے۔ اور انتظار کیا جا رہا ہے کہ سربراہان مملکت اور عامۃ المسلمین سنبھل جائیں اور اسلامی حقیقی نظام مساوات و عدل قائم کر لیں۔ لیکن مدت انتظار ختم ہوتے ہی وہ صاحبؑ امر اور امام العصرؑ والزمان جبراً یہ نظام قائم کر دیں گے۔ جن کا ذکر سورہ توبہ (9/24) میں بھی ہوا ہے۔

اب یہ دیکھئے کہ سربراہؑ اسلام لاوارث کا مال بھی اپنے قبضہ میں نہیں لیتا۔ بلکہ اس کے ریکارڈ میں یہ قانون لکھا ہوا (منسوخ) موجود ہے۔ کہ ایسے اشخاص کو بھائی بھائی بنا دیا جائے جن کا کوئی وارث نہ ہو۔ تا کہ ایک کی وفات پر دوسرا اس

کا ورثہ سنبھال سکے۔ پھران کی شادیاں کردی جائیں تاکہ وارث پیدا ہوجائیں لہٰذا ایک ہی وقت میں دو قانونِ وراثت برسرِ عمل رہنے کے لئے منسوخ (لکھے ہوئے) موجود ہیں۔ جب جس کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ ناسخ بن کر نافذ ہوجاتا ہے۔ لہٰذا یاد رکھیں کہ اِسلامی ریکارڈ میں ہرصورتِ حال کے لئے قوانین منسوخ (لکھی ہوئی) حالت میں موجود ہیں۔ اور یہی وہ بات ہے۔ کہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ہرضرورت ہر احتیاج اور ہر تمنا کو پورا کرنے کا انتظام اللہ و رسوؐل نے کردیا ہے۔

(ششم) سابقہ کتابیں اور شریعتیں منسوخ و معمول اور برسرِ عمل ہیں

ہمیں معلوم ہے کہ مسلمانوں کی ذہنیت پر تیرہ سو پچاسی سال سے نظام اجتہاد کی پیدا کردہ ذہنیت مسلط چلی آرہی ہے۔ نسلوں پر نسلیں مجتہدانہ ومقلدِانہ طرزِ فکر پر گذرتی چلی آئی ہیں۔ قرآنی اور اِسلامی الفاظ کے غلط معانی قلوب واذہان میں راسخ ہوچکے ہیں۔ لیکن ہمیں اس سب کے باوجود یہ تجربہ ہوتا چلا آرہا ہے۔ کہ حق اپنی خدائی طاقت سے باطل کی ہر چالاکی اور ہر فریب کا پردہ چاک کرنے میں کامیاب ہے۔ سوچنے اور سمجھنے اور غور وفکر کرنے والے افراد حقائق کو قبول کرتے اور بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ اور آیات واحادیث کے الفاظ مجتہدانہ تفہیم کو باطل کرنے میں کامیاب ہیں۔ قرآن کریم نے کسی آیت میں کسی سابقہ کتابِ خداوندی کو نہ رد کیا نہ باطل کیا نہ معطل کیا نہ ان پر عمل کرنے سے منع کیا۔ مگر مجتہدین نے یہ مشہور کردیا کہ سابقہ تمام کتابیں، تمام شریعتیں اور تمام تعلیمات خداوندی بالائے طاق رکھ دی گئی ہیں۔ مگر ان سے بھی ہر مجرم کی طرح ایک غلطی ہوگئی ہے کہ انہوں نے اس غلط مطلب کے لئے لفظ صحیح استعمال کرلیا ہے۔ لیکن یہ غلط مطلب اس لئے قبول کرلیا گیا کہ سابقہ مذاہب کے مجتہدین اُس مقصد میں کامیاب ہوگئے تھے جس میں مسلمان لیبل کے مجتہدین ناکام ونامراد ہوگئے۔ چاہا انہوں نے بھی تھا کہ وہ اولین مجتہدین نزول قرآن کے ساتھ ہی ساتھ قرآن کو بدلتے جائیں۔ لیکن اللہ نے انہیں جدید طرز تــنــزیــل اور تحریری انتظام سے ناکام کردیا۔ مگر سابقہ انبیاءؑ کے زمانہ کے مجتہدین کتبہائے خداوندی کو تبدیل وتحریف کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ ادارۂ نبوتؑ وامامتؑ دوہرا ریکارڈ تیار کیا کرتا ہے۔ اور مرکزی وداخلی ریکارڈ کو دشمنانِ دین کی ہوا بھی نہیں لگنے دی جاتی۔ اور تعلیمات الٰہیہ خانوادۂ نبوتؑ وامامتؑ میں برابر نقل ہوتی ایک ذُرّیتؑ سے دوسری ذُرّیت کو منتقل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور ہر آنے والے نبیؑ یا امامؑ کے سامنے سابقہ تبرکات وریکارڈ کے ساتھ پیش کردی جاتی ہیں۔ یہ انتظام نبوتؑ وامامتؑ کے ساتھ ساتھ چلتا جائے گا۔ یہاں تک کہ ادارہ نبوتؑ وامامتؑ کے حقیقی ہادیؑ وسربراہ، اولین نذیرؑ وبشیر حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں تمام انبیاء ورسل وآئمہ علیہم السلام معہ مکمل ریکارڈ کے حاضر ہوجائیں۔ اور تمام امتوں کو جزا وسزا دی جائے۔

(1) قرآن کریم اور سابقہ کتب ہائے خداوندی

قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کا یہ مستقل اصول بتایا ہے کہ ہر آنے والے نبیؑ کو سابقہ تمام انبیاءؑ کی کتابوں کی تعلیم

سے آراستہ کر کے بھیجا جاتا تھا۔ تا کہ اسلامی یونیورسٹی کی تعلیم آخری درجہ تک مربوط اور مسلسل رہے اور کوئی اختلاف پیدا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسمانی پیدائش سے قبل ہی اس وقت تک کی مکمل تعلیم دے کر پیدا کیا گیا تھا (مریم 19/30) اور پیدائش کے پہلے روز صاحب کتاب و نبوت ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ پھر اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا کردہ قدرتوں پر یاددہانی کراتے ہوئے فرمایا

> اِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْاَيَّدْ تُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِوَ كَهْلاً وَاِذْعَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَوَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ وَاِذْتُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ ... الخ (مائدہ 5/110)

کہ: ''اے مریمؑ کے فرزند عیسیٰؑ تم ہماری ان نعمتوں کا تذکرہ کرو جو ہم نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو عطا کی ہیں۔ جیسا کہ تمہاری تائید ہم نے روح القدس سے کی۔ اور تم گہوارہ سے لے کر اب جوانی تک برابر کلام کرنے پر قدرت رکھتے چلے آئے ہو۔ اور یہ کہ ہم نے تمہیں مخصوص کتاب کی اور توریت و انجیل کی اور حکمت کی تعلیم دی تھی۔ اور یہ جو تم ہماری اجازت سے مٹی کی پرندہ نما چیزیں بنا کر ان پر پھونک مارتے ہو تو وہ سچ مچ کا پرندہ بن جاتے ہیں۔ اور اسی طرح تم ہمارے قانون سے مادرزاد اندھوں کو بینائی اور کوڑھیوں کو صحت عطا کر دیتے ہو۔ اور ہماری اجازت سے مُردوں کو زندہ کر کے قبروں سے باہر نکال لیتے ہو''۔ وغیرہ

قارئین یہاں رک جائیں اور یہ دیکھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو علم الکتاب علم الحکمۃ اور توریت وانجیل کی تعلیم دے کر اللہ نے جو قدرت عطا کی تھی وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملنا چاہئے اور اس قوت میں قرآنی تعلیم کا مزید اضافہ ماننا لازم ہوگا۔ پھر یہ دیکھئے کہ مجتہد حضرات انبیاء وآئمہ علیہم السلام کو عطا کردہ قدرت کا انکار کر کے اُس قدرت کا نام معجزہ رکھ دیتے ہیں۔ اور کہہ دیتے کہ معجزہ نبیؐ کا فعل نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کا فعل ہوا کرتا ہے۔ لیکن قرآن نے یہاں اور ہر جگہ اسے نبیؐ کا فعل قرار دیا ہے۔ آیت میں آئے ہوئے الفاظ دیکھئے 1۔ تَخْلُقُ تُو تخلیق کرتا ہے اور کرے گا۔ 2۔ تَنْفُخُ تُو پھونک مارتا ہے یا تُو پھونک مارے گا۔ 3۔ تُبْرِءُ تُو بیمار کو تندرست کرتا ہے اور کرے گا۔ 4۔ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى تُو مُردوں کو زندہ کر کے نکالتا ہے یا نکالے گا۔ یہ کتنی افسوس ناک بات ہے کہ مسلمان علماء اور مجتہدین کے علاوہ دنیا کے غیر مسلم عربی جاننے والے تک یہی سمجھتے ہیں کہ اللہ کی عطا کردہ قوت وقدرت (بِاِذْنِىْ) سے مذکورہ تمام اعمال کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ تمام انسان وحیوان اللہ ہی کی اِذن یا قدرت سے تمام اچھے بُرے چھوٹے بڑے مفید ومضر کام کرتے ہیں۔ ہر کام اور ہر ارادہ پر اگر اللہ بار بار قدرت دیتا اور واپس لیتا رہتا تو واقعی تمام اعمال وافعال اللہ کے اعمال وافعال کہلاتے اور کسی کو کوئی جزا وسزا نہ ملتی۔ اور نہ کسی شکریہ کے لئے اللہ کی قدرت کا ذکر کرنا ضروری ہوتا۔ یہاں تو اللہ اس قدرت کو اپنا مستقل عطیہ کہہ کر اپنا احسان جتا رہا ہے اور اُس احسان کا ذکر

چاہتا ہے۔اور حضرت عیسیٰؑ اُن نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے ان تمام کاموں کو اپنا ذاتی فعل فرماتے ہیں۔

۔''یقیناً میں تمہارے لئے مٹی کے پرندہ نما چیزیں تخلیق کرتا ہوں پھر میں اُن میں پھونک مار کر انہیں سچ مچ کا پرندہ بنا دیتا ہوں۔ یہ اللہ کی اجازت سے کرتا ہوں اور میں مادر زاد اندھوں کو اور مایوس العلاج کوڑھیوں کو تندرست کر دیتا ہوں اور میں مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔اس میں بھی مجھے خدا کی اجازت حاصل ہے۔اور تمہیں وہ کچھ بتا دیتا ہوں جو تمہارے پیٹ کے اندر رہتا ہے۔اور وہ بھی بتا دیتا ہوں

اِنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ O وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ .. الخ (عمران 3/49-50)

جو تم نے اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھا ہوا ہے۔(میں کہوں یا نہ کہوں اس میں بھی مجھے اللہ کی اجازت حاصل ہے)اور یہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے رہنا معجزات نہیں بلکہ میرے اُن افعال کے اندر معجزہ ہے۔کہ اللہ نے مجھے ایسا بنایا ہے۔مگر یہ حقیقت تم جب سمجھو گے جب کہ تم صاحبان ایمان ہو۔لہٰذا سنو کہ میں اس توریت کو سچا ثابت کرتا ہوں جو میرے اور تمہارے سامنے ہے''

قارئین اگر آپ مجتہدین کی ہر بات دلیل وثبوت کے بغیر ہی مانتے ہوں تو آپ سے یہ کہنا فضول ہوگا کہ مجتہدین تو مُردوں کو زندہ کرنا۔2۔مٹی سے جاندار پرندہ بنا کر اڑا دینا۔3۔اندھوں وغیرہ کو آناً فاناً تندرست کر دینا وغیرہ کو خود معجزہ مانتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے ان کاموں کو معجزہ نہیں کہتا بلکہ ان کاموں کے پیچھے پوشیدہ چیز یا قدرت کو تین معجزات نہیں بلکہ ایک ہی معجزہ (آیۃ) کہتا ہے۔اور وہ ایک معجزہ جس سے تمام انبیاءؑ وآئمہ علیہم السلام محیر العقول کام کرتے اور کرنا سکھاتے ہیں۔یہی ہے کہ اللہ نے انہیں مجسم معجزہ بنا کر ہر قدرت دے کر پیدا کیا ہے۔یہاں تک یہ بات طے ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی سابقہ تمام کتابوں کی تعلیم سے مرصع ہو کر آئے اور انجیل کے ساتھ تعلیمات توریت کو صحیح اور سچا کرنے کا کام شروع کیا۔چنانچہ اللہ نے انبیاءؑ کی مربوط و مسلسل تعلیم کا ذکر یوں فرمایا ہے کہ:۔

۔''اور ہم نے حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو سابقہ انبیاءؑ کے قدیم آثار پر گامزن کیا اور انہیں توریت کی تصدیق کرنے والا بنایا۔اور انہیں ہم نے انجیل دی جس میں ہدایات اور نور اور توریت کی تصدیق عطا کی

وَقَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَاٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ فِیْہِ ھُدًی وَّنُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرٰۃِ.....وَلْیَحْکُمْ اَھْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فِیْہِ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَO(5/46-47)

ہے۔لہٰذا انجیل پر ایمان لانے والوں کو چاہئے کہ وہ آج تک جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے۔اس سے احکام نافذ کیا کریں۔اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ حکم سے فیصلہ نافذ نہیں کرتا وہ لاقانون و باغی ہے''۔(مائدہ 5/46-47)

یہاں پھر نوٹ کریں کہ ہر آنے والا نبیؑ تمام سابقہ تعلیماتِ خداوندی ہمراہ لاتا ہے۔اور جو کتاب اسے بعد میں دی جاتی ہے۔وہ بھی تمام تعلیمات سے مربوط اور مصدق ہوتی ہے۔اور اب تک کی تعلیمات کا مجموعہ برسرکار رلایا جاتا ہے۔ یہاں اللہ یہ چاہتا ہے کہ اہل انجیل ہمارے رسولؐ کے زمانہ میں بھی اپنے مذہب کو توریت وانجیل کے مطابق جاری کریں۔ مجتہدانہ عقائد و اعمال واحکام چھوڑ دیں۔اس کی وضاحت اگلی آیت میں یوں فرمادی کہ:۔

وَاَنۡزَلۡنَـا اِلَیۡکَ الۡـکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ مِنَ الۡـکِتٰبِ وَمُهَیۡـمِـنًا عَلَیۡهِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَهُمۡ بِمَا اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ هُمۡ عَمَّا جَاءَکَ مِنَ الۡحَقِّ ......(مائدہ 5/48)

۔’’اور ہم نے تم پر بھی ایک برحق کتاب نازل کی ہے۔ جو اُن تمام سابقہ کتابوں کی تصدیق اور حفاظت ونگرانی کرتی ہے۔جو اس وقت لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں چنانچہ تمام اہل کتاب مومنین میں اللہ کے نازل کردہ سے احکام نافذ کرواوران کی مجتہدانہ مصلحتوں اور خواہشات کی پیروی اپنے پاس آئے ہوئے حق کے سلسلے میں نہ کرنا‘‘۔

معلوم ہوا کہ اُدھر اللہ یہ چاہتا تھا کہ اہل کتاب خصوصاً عیسائی انجیل کے الفاظ میں احکام دینے لگیں اِدھر آنحضرتؐ بھی خدا کے نازل کردہ احکام دیں اور مجتہدین کو قدیم وجدید شریعتوں کے اختلاف کا بہانہ ہاتھ نہ لگنے پائے۔مگر مجتہدین نے اہل کتاب میں اپنے اجتہاد پر عمل جاری رکھا۔اس لئے کہ مذہب کا جوڑھانچہ دوہزار سال سے یہودی مجتہدین میں چلا آرہا تھا۔ اسے چھ سوسال میں عیسائی مجتہدین نے ذرا سنوار اور سدھار کر اختیار کرلیا تھا۔اور اب اس تعمیر کو یکسر گرادینا ان کے قابو کی بات نہ تھی۔اب تو یہ ضروری تھا کہ جس طرح ہوسکے آنحضرتؐ کو اُسی راہ پر ڈالا جائے یا کم ازکم مسلمانوں کو نظام اجتہاد پر متوجہ کیا جائے۔بہرحال جو ہوا وہ ہوا۔آپ تو یہ دیکھیں کہ قرآن کریم سابقہ کتابوں کی تعلیمات کو مجتہدانہ معنی میں ’’منسوخ‘‘۔نہیں کرتا۔نہ ان کتابوں کو ناقابل عمل قرار دیتا ہے۔بلکہ طرح طرح یہ تقاضہ کرتا ہے کہ:۔

وَلَوۡاَنَّ اَهۡلَ الۡکِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَکَفَّرۡنَا عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَلَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ O وَلَوۡاَنَّهُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰةَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ لَاَکَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ مِنۡهُمۡ اُمَّةٌ مُّقۡتَصِدَةٌ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ سَآءَ مَا یَعۡمَلُوۡنَ O ...یٰاَهۡلَ الۡکِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ حَتّٰی تُقِیۡمُواالتَّوۡرٰةَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَلَیَزِیۡدَنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّا اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ طُغۡیَانًا وَّ کُفۡرًا فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ (مائدہ 5/65,66,68)

۔’’اگر اہل کتاب تم پر اور قرآن پر ایمان لے آتے اور ذمہ دارانہ پوزیشن اختیار کرلیتے تو ہم ان کی سابقہ بدعملیوں کو یقیناً چھپادیتے اور ضرور انہیں نعمتوں والی جنتوں میں داخل کرتے ۔ اور اگر وہ یہ نہ کرتے اور توریت وانجیل کے بتائے ہوئے مذہب کو قائم کرلیتے یعنی ذاتی واجتہادی احکام سے باز آجاتے

اور اُس تمام مُنزّل من اللہ پر عمل کرتے جو اُن پر نازل ہو چکا تھا۔ تو بھی انہیں آسمان اور زمین سے بے حد نعمتیں ملتیں۔ بات یہ ہے کہ اہل کتاب پر کثرت کا غلبہ ہے۔ جو کجروی میں مبتلا ہے۔ لیکن اُن میں ایک امت اعتدال پر بہر حال قائم ہے۔ آپؐ ان سے کہہ دیں کہ اے اہل کتاب کہلانے والے لوگو تم اس وقت تک بے دین و کافر ہو۔ جب تک تم اپنا تمام مذہبی کاروبار توریت اور انجیل کے احکامات کے ماتحت نہ لے آؤ اور جو کچھ بھی تم پر نازل ہو چکا ہے۔ اس پر اپنی زندگی کو نہ ڈھال لو۔ اور آپؐ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے وہ تو اہل کتاب کے مجتہدین کے کفر و سرکشی میں یقیناً ضرور اضافہ ہی کرے گا۔ لہٰذا آپ اس حق پوش قوم پر افسوس نہ کریں''۔

قارئین! قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کے مجتہدین سے یہ اپیل بھی کی کہ:۔

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍسَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا (عمران 3/64)	

۔''آپ اُن اہل کتاب سے کہہ دیکھو کہ آؤ ہم اور تم مل کر کم از کم ان حقائق و اعتقادات میں تعاون اور عمل کریں جو ہم دونوں کے یہاں مسلّمات میں سے ہیں۔ جیسے کہ ہم دونوں مانتے ہیں کہ اللہ کے سوا ہمیں کسی اور کی عبادت نہ کرنا چاہئے اور یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں سمجھنا چاہئے''۔

قارئین نوٹ کریں کہ یہ آخری تجویز اسی قسم کا حُکمِ مُحکم تھا۔ جس قسم کا چار لفظی حکم لا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ تھا۔ مگر وہ دو ہزار سال کے منجھے ہوئے نظام اجتہاد کے ماہرین تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ ایک حکم محکم کو ماننے اور اس میں اجتہاد نہ کرنے کا وعدہ کرتے ہی ہم اِسلام کے محکم و متشابہ اور ناسخ و منسوخ کی پٹڑی پر چڑھ جائیں گے۔ اور پھر اس تیز رفتار نظام میں بریک لگانا مشکل ہو جائے گا۔ بہر حال وہ نہ مانے۔ یہ اُسی قدیم نظام اجتہاد کے یہاں سے امپورٹ کئے ہوئے عقائد و مسلمات ہیں جو عرب کے قومی و ملکی اجتہاد نے مسلمانوں میں پھیلا دیئے ہیں کہ ہر نبیؐ کی شریعت سابقہ نبیؐ سے مختلف تھی۔ اس لئے ہر سابقہ شریعت منسوخ ہوتی رہی۔ یہ ایک ایسا فریب ہے۔ جو لفظ ۔''منسوخ''۔ کے حقیقی معنی کرتے ہی کھل جاتا ہے۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر جناب خاتم صلوٰۃ اللہ علیہا تک کی تمام شریعتیں، ملتیں، احکام و تعلیمات واقعی، حقیقتاً منسوخ ہیں۔ اور منسوخ ہونے کی بنا پر نظام اجتہاد بھی ان میں اختلاف پیدا نہ کر سکا اس لئے کہ لکھے ہوئے ریکارڈ میں خود بخود اختلاف ناممکن ہے۔ اختلاف زبانی باتوں میں اس لئے ہوتا ہے کہ مختلف طبقات کی عقلیں سامنے رکھ کر بات کی جانا ضروری ہے۔ اور ہر شخص کو وہ مفہوم ذہن نشین کرانا لازم ہے۔ جو تحریری ریکارڈ میں موجود یعنی منسوخ ہے۔

(2) تمام سابقہ کتابیں اور صحیفے قرآن میں بھی موجود ہیں اور الگ الگ بھی ۔''منسوخ''۔ ہیں

اب قارئین کرام قرآن سے یہ دیکھیں گے کہ قرآن نے جب یہ دعویٰ کیا ہے کہ اُس میں کائنات کی ہر موجودات کا

اور ہر شے کا بیان (16/89 نحل)اور تمام اشیائے کائنات کی تفصیل منسوخ موجود ہے ۔(12/111 یوسف)تمام سابقہ کتابوں کی تصدیق وہدایت ورحمة منسوخ ہے۔ تولازم ہے کہ اس قرآن میں تمام کتابوں کا ہونا الگ سے بھی بیان ہوتا کہ اجتہاد زدہ دماغ انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ:۔

۔''یہ رسولؐ اللہ کی طرف سے پاکیزہ صحیفوں کو پڑھ کر سناتا ہے۔ اس کی تلاوت میں وہ تمام کتابیں شامل ہیں جو باقی وبرقرار رہنے والی ہیں ۔جن لوگوں کو پہلے سے کتابیں دی گئی تھیں انہوں

رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً O فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ Oوَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنَةُO(سورۃ بینہ 98/2-4)

نے اسلام میں اس وقت تفرقہ اندازی کی جب ان کے پاس دلیل وبرہان پہنچا اور الگ فرقہ بن جانے کے سوا اُن کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ رہا''۔﴿اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰىO صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى﴾ (سورۃ الاعلیٰ 87/18-19) ۔

۔''اور یہ بھی بتایا گیا کہ یہ قرآنی تعلیمات سابقہ کتابوں میں یعنی حضرت ابراہیمؑ وموسیٰؑ وغیرہ کی کتابوں میں بھی تھیں''۔

پھر یہ بھی سن لیں کہ بیت النبوۃؐ میں ہمیشہ سابقہ انبیاءؑ کی کتابیں اور خود قرآن کریم اور اس کی تفسیریں تیار ہوتی اور نقل در نقل آگے بڑھتی چلی آئی ہیں۔

۔''ہرگز یوں واقعہ نہیں جیسا کہ الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ وہ تو ایک مجسم تذکرہ ہے چنانچہ جو چاہے حقیقت کا کھوج لگائے۔ یہ تو بہت فائدہ پہنچانے والے صحیفوں میں مذکور ہے۔ جو بہت رفیع الشان اور بہت پاکیزہ

''كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذۡكِرَةٌ Oفَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ O فِىۡ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍO مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍOبِاَيۡدِىۡ سَفَرَةٍO كِرَامٍۢ بَرَرَةٍO(عبس 80/11-16)

ہیں۔اور بہت ہی راستباز اور فائدہ پہنچانے والے اہل قلم کے ہاتھوں میں ہیں''۔سَفَرَة کے معنی سمجھنے کے لئے اُن قدیم علاّموں کا حال پڑھ لیں۔''كَمَثَلِ الۡحِمَارِ يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ''۔(جمعہ 62/5) جن کو اس گدھے سے نسبت دی ہے۔جس پر بڑی لمبی چوڑی کتابیں لدی ہوئی ہوں۔اور اسے یہ بھی خبر نہ ہو کہ اُس پر کیا لادا گیا ہے(یعنی علامہ =LOADED ASS)۔

(3) سابقہ کتابوں اور شریعتوں کی پوزیشن آئمہ معصومینؑ کی نظر میں

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:۔''یقیناً اللہ نے قلم بند ہوتے چلے آنے والے انبیاءؑ اور آئمہؑ کے ذریعہ سے کھلے طور پر چیلنج کرنے والی کتابوں کے واضح بیانات سے تمہارے تمام عذرات اور بہانے ختم کر کے تم پر حجت قائم کردی ہے۔اور بچ نکلنے کا کوئی پہلو باقی نہیں

فقد اعذر الله اليكم بحجج مسفرةٍ ظاهرة وكتبٍ بارزة العذر واضحةٍ(خطبه 80)

چھوڑا ہے''۔ اور آپ ہی نے فرمایا تھا کہ۔''الا وانّ شرائع الدين واحدة وسبله قاصدة''۔''خدا کی قسم ہے کہ مجھے تمام رسولوںؑ کی تعلیمات کے لوگوں تک پہنچانے کا علم حاصل ہے۔اور دین پر عمل کرنے والوں کے ساتھ جو وعدے کئے گئے ہیں ان کو

پورا کرنے اور خدا کے کلمات کو مکمل کرنے کی قابلیت حاصل ہے۔ہم اہلبیت نبوۃ کے پاس دانش کے دروازے اور امر خداوندی کی روشنی ہے۔خبر دار رہو کہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی تمام شریعتیں ایک ہی دین ہے۔اور اس دین کی تمام سبیلیں با مقصد ہیں۔جس نے اس دین کو اختیار کر لیا وہ بہرہ یاب ہو کر منزل پر جا پہنچے گا۔اور جو توقف کرے گا۔وہ گمراہ اور نادم ہوگا''۔(خطبہ 118)

آپ ہی نے یہ بتایا کہ مجتہدین نے اللہ کی شریعتوں کو مجہول اور بے معنی کر دیا تھا۔لیکن رسولؐ اللہ نے آ کر ان لوگوں کی داخل کی ہوئی مجتہدانہ بدعتوں کو اکھیڑ پھینکا۔اور تمام شریعتوں کو واضح اور غالب کر دیا۔''اظھر بہٖ الشرائع المجھولۃ و قمع بہ البدع المدخولۃ ''۔(**خطبہ نمبر 159**) اور آپ ہی نے فرمایا تھا کہ ''اگر میرے لئے مسند بچھائی جائے تو میں اہل توریت کو توریت سے احکام دوں گا۔اہل انجیل کو انجیل سے اور زبور والوں کو زبور سے فیصلے بتاؤں گا۔اور قرآن والوں کو قرآن میں نازل شدہ احکام دوں گا۔(ینابیع المودۃ)

قارئین غور فرمائیں کہ یہ وہی طریقہ ہے جسے ہم نے یونیورسٹی کے نصاب سے تعبیر کیا تھا۔اور جسے قرآن کریم نے نافذ کرنا چاہا ہے۔ظاہر ہے کہ جو احتیاج کسی سابقہ یا پرانی اور قدیم کتاب سے پوری نہ ہوگی۔اس لئے کہ وہ ضرورت نئے زمانہ میں پیدا ہوئی ہے۔اور ان کتابوں میں نہیں ہے۔تو لوگ خوشی خوشی آپ ہی اپنی کتاب کی پوزیشن کو سمجھ جائیں گے۔اور اگلی کتاب سے اگلے درجہ کی تعلیم اور جواب چاہیں گے۔یہاں تک کہ تمام اہل کتاب بلند ہوتے ہوتے قرآن کی انتہائی تعلیم اختیار کر لیں گے۔اور کوئی جھگڑا و اختلاف بھی باقی نہ رہے گا۔مگر قومی لیڈروں نے رسولؐ اور قرآن کے خلاف راستہ اختیار کیا **(25/27-31)** اور رسولؐ کریم اور قرآن کو چھوڑ دیا۔قومی و ملکی تعصب کی طاقت سے اور قدیم یہود و نصاریٰ کے اجتہاد کی مدد سے وہ مسلک اختیار کیا جو آج تک تباہ ہو کر ٹھوکریں کھاتا اور کفر سے پٹتا اور بے دینوں کے سامنے سر جھکاتا چلا آ رہا ہے۔لیکن آئمہ معصومین علیہم السلام نے نازک سے نازک حالات میں بھی اِسلام کے قدیم و جدید ریکارڈ کی دُہری حفاظت کی۔اُدھر آسان اور عام فہم زبانوں میں اِسلام کی ہمہ گیر تعلیمات کو قلم بند کرایا پبلک میں پہنچایا۔اِدھر الہامی کتابوں کو اپنے آباو اجداد کی طرح ورثہ میں لیتے اور آنے والے امامؑ کو پہنچاتے چلے گئے۔سنئے امام جعفر صادق علیہ السلام تخلیق انسانی پر روشنی ڈالتے ہوئے مندرجہ بالا چاروں الہامی کتابوں کی نسبت فرماتے ہیں کہ:۔

(4) توریت و زبور و انجیل و فرقان لوح محفوظ میں سے نازل کئے گئے ہیں

۔''یقیناً اللہ نے حضرت آدمؑ کے وجود میں آنے سے دو ہزار سال قبل قلم کو حکم دیا تھا کہ وہ لوح محفوظ پر وہ سب کچھ لکھ دے جو کہ اللہ قیامت تک کرنے والا تھا۔اور وہ جو کچھ اللہ نے

۔''ان اللّٰہ عزوجل امر القلم فجری علی اللوح المحفوظ بما ھو کائن الی یوم القیامۃ قبل خلق آدمؑ بالفی عامٍ و ان کتب اللّٰہ کُلھا فیما جری فیه

القلم فی کلّها تحریم الاخوات علٰی الاخوۃ مع ماحرم وھٰذا نحن قدنری منھا ھٰذِہ الکتب الاربعۃ المشھورۃ فی ھذا العالم التوراۃ والانجیل والزبور والفرقان انزلھا اللّٰہ عن اللوح المحفوظ علٰی رسلہ صلوات اللّٰہ علیھم اجمعین منھا التوراۃ علیٰ موسیٰؑ والزبور عَلٰی داؤدؑ والانجیل علٰی عیسٰیؑ والفرقان علٰی محمدؐ‘‘۔(علل الشرائع صفحہ ۱۹)

قلم سے لوح محفوظ پر لکھوایا تھا۔اس میں کہیں بھی بہنوں کو بھائیوں پر حلال نہیں کیا گیا۔اور جو باتیں حرام قرار دی ہیں اُن کے ساتھ بہنوں کو بھائیوں پر حرام ہی لکھا گیا ہے۔اور ہم یقیناً جو کچھ دیکھتے ہیں وہ یہی چار مشہور کتابیں موجود ہیں۔جن میں سے ایک توریت ہے۔ایک زبور ہے۔ایک انجیل ہے۔اور ایک فرقان ہے۔جو اللہ تعالی نے لوح محفوظ سے اپنے رسولوں پر نازل کی تھیں۔(صلوات اللہ علیہم اجمعین) اُن میں سے توریت حضرت موسیٰ پر، زبور حضرت داؤدؑ پر، انجیل حضرت عیسیٰؑ پراور قرآن محمدؐ مصطفیٰ پر نازل ہوا۔ان میں بھی بہنیں بھائیوں پر حرام ہیں‘‘۔

قارئین دیکھیں کہ جو الہامی کتابیں حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے اور اپنی مکمل صورت میں منسوخ (لکھی ہوئی) ہو چکی ہوں۔ان میں سے کسی حکم کو تبدیل کرنا یا باطل کرنا اور نا کافی یا غلط پا کر اُس سے اچھا حکم دینا اس لئے باطل اور شیطانی اجتہاد کی بات ہے کہ اللہ کو ہر اچھائی اور ہر برائی روز ازل سے معلوم ہے۔ورنہ عقلاً یہ ماننا ہوگا کہ لوح محفوظ میں لکھواتے وقت اللہ کے علم و تجربہ میں نقص ہی نہیں تھا۔بلکہ وہ نقص اور خرابی اللہ کو معلوم بھی نہ تھی (لاحول و لا قوۃ الا باللّٰہ) اور رفتہ رفتہ تجربہ ہونے کے بعد اصلاحی حکم دیا تھا۔لیکن یہ سب مجتہدین کا خود ساختہ فریب ہے۔ہم وہ آیت بھی سامنے لائیں گے جس کو مجتہدین نے ذرا سا اُلٹ کر فریب دیا ہے۔ہم صرف منسوخ کی طرح ایک لفظ بول کر اُن کا سارا گھروندا تباہ کر دیں گے۔

(5) آئمہ علیہم السلام تمام سابقہ کتابوں کے عالم و حامل و محافظ تھے

ہشام بن الحکم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک عیسائی عالم بَریہ نامی (ابراہیمؑ سے بگاڑا ہوا نام) مع ایک عورت کے اُن سے ملا اور ان کی ہمراہی میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے ملنا چاہتا تھا کہ پہلے امام موسیٰ کاظم سے ملاقات ہوگئی۔ان سے بَریہ کی آمد کا سبب عرض کیا گیا۔تو آپ نے بَریہ سے پوچھا کہ انجیل کے متعلق تمہیں کتنا علم ہے؟ اُس نے عرض کیا حضور میں انجیل کا عالم ہوں۔آپ نے پوچھا کہ انجیل کی علمی تنفیذ و تاویل میں تمہارا کیا مقام ہے؟ اُس نے اپنا اطمینان ظاہر کیا۔اب امامؑ نے انجیل کی تلاوت شروع کی۔یہ علم دیکھ کر بَریہ نے کہا کہ میں پچاس سال سے آپ کو یا آپ ایسے عالم کو تلاش کرتا رہا ہوں یہ کہہ کر بَریہ نے اور اس کی ساتھی عورت نے اِسلام اختیار کر لیا۔پھر ہشام ان دونوں کو امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں لائے۔وہاں تعارف کے بعد بَریہ نے دریافت کیا کہ حضورؑ یہ توریت و انجیل اور انبیاءؑ کی دوسری کتابیں آپ کے پاس کہاں سے

۔''فقال بریه: انّٰی لکُم التورۃ والانجیل وکتب الانبیاءؑ؟ قال: هی عند نا وراثۃً من عندهم نقروها کما قروها ونقولها کما قالوا ۔ان اللّٰه لا یجعل حُجّۃ فی ارضۃ یسأل عن شئیءٍ فیقول لا ادری''۔(ظفر جلداصفحہ ۲۵۹)

آئی ہیں؟ فرمایا کہ یہ سب ہمارے پاس اُن ہی کی طرف سے بطور وراثت پہنچی ہیں۔ہم انہیں اُن ہی کی زبان میں اُن ہی کی طرح پڑھتے ہیں۔اور جس طرح وہ اُن کتابوں سے احکام ومسائل بیان کیا کرتے تھے۔ہم بھی اسی طرح بیان کرتے ہیں۔یقیناً خدا ایسے اشخاص کو روئے زمین پر اپنی طرف سے دین کا ذمہ دار(حجۃ) نہیں بنا تا کہ جس سے سوال کیا جائے تو وہ کسی بھی سوال کے جواب میں یہ کہہ دے کہ۔''میں نہیں جانتا''۔مطلب یہ ہے کہ ہمیں ہر سوال کا جواب دینے کے لئے یہ سامان دینا بھی ضروری تھا۔اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ۔''والزبور الّذی انزل علٰی داؤدؑ وکلّ کتابٍ نزل فهو عند اهل العلم ونحن هم ''۔ (ظفری جلد اول صفحہ 258)۔''اور زبور جو حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی تھی اور وہ تمام کتابیں جو اللہ نے نازل کی تھیں۔سب کی سب علم والوں کے پاس ہیں اور علم والے ہم ہیں''۔

(6) امام عصر والزّمان چاروں کتابوں سے حکومت کریں گے اور نظامِ مساوات قائم کریں گے

''خذها انت فضعها فی جیرانک والایتام والمساکین وفی اخوانک من المسلمین انما یکون هذا اذا قام قائمنا فانه یقسم بالسویة ویعدل فی خلق الرحمن البرمنهم والفاجر فمن اطاعه فقد اطاع اللّٰه ومن عصاه فقد عصی اللّٰه فانما سمی المهدی لانه یهدی الامر خفی یستخرج التوراۃ و سائر کتب اللّٰه من غار بانطاکیة فیحکم بین اهل التوراۃ وبین اهل الانجیل بالانجیل وبین اهل الزبور بالزبور. وبین اهل الفرقان بالفرقان وتجمع الیه اموال الدنیا کلها ما فی بطن الارض ظهرها فیقول للناس تعالوا الی ماقطعتم فیه الارحام وسفکتم فیه الدماء ورکبتم فیه محارم اللّٰه فیعطی شیئًالم یعط احدًا کان قبله قال وقال رسولؐ اللّٰه وهو رجلؐ منی اسمه کاسمی یحفظنی اللّٰه فیه ویعمل بسنتیٍ یملاء الارض قسطاً و عدلاً ونوراً بعدما تمتلی ظلمًاوجوراً وسوءً ا۔(علل الشرائع صفحہ ۱۶۱)

۔''حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السلام نے جابر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص کو پانچ سو درہم دے کر فرمایا کہ یہ تم لے جاؤ اور اُن کو اپنے پڑوسیوں ،یتیموں اور مسکینوں اور اپنے مسلمان بھائیوں میں مناسب طریقہ پر صرف کرو۔یقیناً اس قسم کی تقسیم اُس وقت باقاعدگی اختیار کرے گی جب ہماری اِسلامی حکومت ہمارا قائم اپنی قوت سے قائم کرے گا تو وہ تمام نیک و بد انسانوں کو حقوق واموال میں مساوی کردے گا۔اور رحمان کی مخلوق میں عدل وانصاف کرے گا۔چنانچہ جو شخص اُن کی

اطاعت کرے گا۔ وہ اللہ کی اطاعت ہوگی ۔ اور جو کوئی نافرمانی کریگا۔ وہ اللہ کی نافرمانی ہوگی یقیناً اُس کا نام مہدیؑ اس لئے رکھا گیا ہے۔ کہ وہ اس منصوبے کے مطابق ہدایت کرے گا۔ جسے پوشیدہ رکھا جاتا رہا۔ اور جس پر کسی زمانہ میں بھی عمل نہ ہونے دیا گیا۔ چنانچہ وہ انطاکیہ کے ایک غار سے توریت اور اللہ کی تمام الہامی کتابیں برآمد کریں گے۔ پھر توریت والوں میں توریت سے اور زبور کے ماننے والوں میں زبور سے اور اہلِ انجیل میں انجیل سے احکام اور فیصلے نافذ کریں گے۔ اور فرقان والوں پر فرقان سے حکومت کریں گے۔ اُن کے پاس تمام دنیا کا مال و دولت جمع ہوجائیگا۔ زمین اپنی پوشیدہ دولت اور خزانے اگل دے گی۔ وہ تمام مجرموں پر مواخذہ کرے گا اور انہیں ان کی بے رحمی اور خون آشامی اور حرام کاریوں کی سزا دے گا۔ اور ایسی چیزیں دے گا جو اُن سے پہلے کسی نے نہیں دی تھیں۔ پھر فرمایا کہ رسولؐ اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ ہمارا آدمی ہے۔ اُس کا وہی نام ہے جو میرا نام ہے۔ اللہ نے مجھے اور میرے نظام کو اُس کے ذریعہ سے محفوظ رکھنا ہے۔ وہ ہی میری حقیقی سنت پر عمل کرے گا۔ وہ اس زمین کو ظلم و ستم و بدعملی سے بھر جانے کے بعد عدل وقسط اور نور سے لبریز کردے گا''۔

امام محمدؑ باقر علیہ السلام کے یہ دو جملے بھی اسی جگہ نوٹ کر لینا ضروری ہیں۔ آپؑ نے ایک روح پرور طویل بیان دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ۔'' یقیناً جو علم ہمیں دیا گیا ہے۔ اس میں سے ایک ۔''ان من علمِ ما اوتینا تفسیر القرآن واحکامہٖ وعلمُ تغییر الزمان و حدثانہ (ظفری جلد اول صفحہ ۲۶۱) قرآن کی تفسیر اور قرآن کے احکام اور ہر زمانہ کے تغیّرات اور جدید حادثات بھی ہیں''۔

یہاں تک تمام شریعتوں اور تمام سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تمام کتابوں کا موجود اور برسرِعمل رہتے چلے آنا ثابت ہوگیا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ہمارے اس زمانہ میں بھی تمام تعلیماتِ خداوندی برحق اور ناقابلِ انکار ہیں۔ اور یہ بھی کہ آخر جناب امام عصر والزّمان علیہ السلام اعلان حکومت الٰہیّہ کرتے ہی تمام سابقہ شریعتوں اور الہامی کتابوں کو نافذ کر کے اس دنیا کو وہ دنیا بنا دیں گے جس کی تمنا ہر نبیؑ اور روحِ انسانی کے دل میں رہتی چلی آئی ہے۔

(7) مجتہدین نے ایک آیت پر پورا ابلیسی نظام تعمیر کر لیا ہے

اب ہم وہ آیت پیش کرتے ہیں۔ جس کو مجتہدین نے تمام تعلیماتِ خُداوندی کو تباہ کرنے کے لئے ایک بم کی طرح استعمال کیا ہے۔ اور اپنے اقتدار و حکومت کے زمانہ میں لوگوں کی قوتِ فکریہ کو اُلٹا سوچنے اور اُسے صحیح سمجھنے کا عادی بنا دیا ہے۔ اور ساتھ ہی تعلیماتِ قرآن کو سر کے بل اُلٹا کھڑا کر دیا جو قاری کو سیدھا نظر آتا ہے۔ اور کوئی یہ سوچنے کو تیار نہیں کہ جب ہم قرآن کو صحیح طریقہ پر پڑھتے ہیں اور صحیح سمجھتے ہیں۔ تو ہماری محنتیں، عبادتیں، اور دن رات کی کوششیں اُلٹے نتائج کیوں مُرتّب کرتی چلی جارہی ہیں؟ ہم مسلمانوں میں اتحاد کی کوششیں کرتے ہیں۔ نتیجہ افتراق وانتشار نکلتا ہے۔ ہم قربتِ خُداوندی کی نیت سے

مجتہدین کی سکھائی ہوئی نمازیں پڑھتے ہیں۔لیکن اللہ ذرّہ برابر متوجہ نہیں ہوتا۔ بہرحال آئیں ہماری بات سنیں شاید سمجھ میں آجائے۔ یہاں وہ آیت دیکھیں جس کے ترجموں میں شیعہ سُنّی مترجمین نے بلاکسی تکلّف کے اور متفقہ طور پر نظامِ اجتہاد کے خانہ ساز تصور کو جھاڑ پونچھ کر شامل کر دیا ہے۔ملاحظہ ہو:-

۔''مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ آيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا، نَاتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَا اَوۡ مِثۡلِهَا، اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ''O۔(بقر2/106)

ہر ترجمہ پڑھنے سے پہلے یہ حقیقت ذہن میں رہنا لازم ہے کہ یہ قرآن کریم ہے۔اس میں جو کچھ بھی اللہ نے فرمایا ہے وہ اپنے ازلی وابدی اور مکمل علم کے ماتحت فرمایا ہے۔جس میں کسی قسم کی غلطی یا غلطی کا امکان نہیں ہے۔اور یہ کہ اللہ انسانوں کی تمام ضروریات وحالات واحتیاج پر اُن کی تخلیق کے قبل سے مطلع وآگاہ ہے۔اور قرآن میں جو کچھ فرمایا ہے۔وہ پوری نوع انسان کی ترقی اور ضروریاتِ زندگی میں راہنمائی کے لئے آخری بات ہے۔اس لئے کہ قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں اور آنحضرؐت کے بعد کوئی نبیؑ یا رسوؐل نہیں۔لہٰذا جو آیت آپ پڑھ رہے ہیں وہ بھی انسانی ضرورت کو مدنظر رکھ کر قرآن میں نازل کی گئی تھی۔ہم زیر نظر آیت کے الفاظ کی رعایت سے دو ترجمے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

1۔ ''ہم جس آیت کو بھی لکھتے ہیں یا لکھنے میں تاخیر کرتے ہیں (اس لئے کہ) ضرورت سے بہتر یا ضرورت کے مانند لکھتے ہیں۔کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''۔

2۔ ''نہ ہم لکھتے ہیں نہ لکھنے میں تاخیر کرتے ہیں (اِلاَّ یہ کہ) (سوائے اس کے کہ) ہم ضرورت سے بہتر یا ضرورت کی مانند لکھتے ہیں۔کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ہم ھمہ قسمی ضرورتوں کو جاننے کی بھی قدرت رکھتے ہیں''۔

ہمارے نزدیک یہ دونوں ترجمے صحیح ہیں۔ یہ کہنا تو قارئین کا اپنا کام ہے کہ یہی دونوں ترجمے صحیح ہیں۔اور باقی تمام غلط ہیں۔ یا یہ کہ صرف یہی دونوں ترجمے غلط ہیں باقی صحیح ہیں۔اگر قارئین لغات القرآن جلد ششم (عبدالدائم) اردو یا مفردات القرآن (راغب اصفہانی) اور عام لغات دیکھیں گے تو آپ کا ہر قدم ہماری ترجمانی کی طرف اٹھے گا۔ بہرحال یہ اور عرض کردوں کہ مندرجہ بالا آیت میں مندرجہ ذیل تصورات اور معانی کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

(8) مجتہدانہ تصورات ومعانی جو آیت (106) میں نہیں ہیں

1۔ پہلے اللہ کی طرف سے ایک آیت (جملہ) ایک حکم لے کر نازل ہو چکی تھی۔

2۔ رسوؐل اللہ اور امت اُس حکم پر عمل پیرا تھے۔

3۔ اللہ نے مصلحتًا ایک اور آیت (جملہ) نازل کردی جو ایک دوسرا، پہلے سے مختلف حکم لائی۔اور بتایا کہ

4۔ پہلا حکم زائل اور ممنوع قرار دیا جاتا ہے اور وہ آیت:

5۔ پڑھی تو جاتی رہے گی مگر اُس پر عمل گناہ ہوگا۔ یا

6۔ اُس آیت پر نہ عمل جائز ہے نہ اس کا پڑھنا جائز ہے۔ اُسے قرآن سے قطعاً خارج کر دیا جائے گا۔ اور یہ کہ

7۔ ایسی بہت سی آیتیں قرآن سے نکالی جا چکی ہیں۔ اور یہ کہ

8۔ کچھ ایسی آیتیں (جُملے) بھی اللہ نے نازل کیں اور رسوؐل اللہ اور امت نے ان پر عمل بھی کیا۔ لیکن رسوؐل اللہ اور امت پر ایسی حالت غالب کر دی گئی کہ دونوں اُن آیات کو ایسے بھولے جیسے کچھ نازل تو ہوا تھا۔ مگر اب یاد نہیں آتا۔ (یعنی جس طرح آج کوئی یہ نہ مانے گا۔ کہ ایک زمانہ میں گدھوں کے سروں پر بھی سینگ ہوا کرتے تھے۔) ذرا غور فرمائیں کہ ہمارا ترجمہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ جس میں سے یہ قیمتی سامان چرا لیا گیا ہے۔ قارئین یہ تصور بھی اضافہ فرمالیں کہ:۔

9۔ آخری وحی نازل ہونے تک قرآن ہرگز لکھا نہیں گیا ورنہ نمبر 8 غلط ہو جائے گا۔ اور یہ بھی اضافہ کرلیں کہ

10۔ پہلا حکم دیتے وقت (معاذ اللہ) اللہ یہ نہ جانتا تھا کہ اُس حکم سے بہتر بھی کوئی حکم ہوسکتا ہے۔ یا پھر

11۔ اللہ جان بوجھ کر ایک گھٹیا، خیر کے خلاف آیت (جملہ) نازل کر کے بڑھیا اور خیر بھرا حکم محفوظ رکھے رہتا تھا۔ اور

12۔ جو لوگ اِسلام لانے کے بعد رسوؐل اللہ سے نہیں ملے وہ اس وقت تک سابقہ حکم پر عمل کر کے نقصان اٹھاتے رہے۔ جب تک علم نہ ہوا۔

(9) ایک اور آیت جو تائید میں لائی جاتی ہے

اب ایک ایسی آیت سامنے لائیں جو نازل تو اس لئے ہوئی تھی کہ مجتہدین کے اجتہاد اور ابلیسی نظام کی نقاب الٹ دے مگر حضرات مجتہدین نے پلٹ کر وہ نقاب قرآن پر ڈال دی اور سارا الزام انبیاءؑ پر عاید کر دیا۔ سنئے اللہ نے فرمایا تھا کہ:۔

۔"وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ فَیَنۡسَخُ اللّٰہُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ثُمَّ یُحۡکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ O (22/52) لِّیَجۡعَلَ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡقَاسِیَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ۔ الخ (22/53) وَّلِیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَیُؤۡمِنُوۡا بِہٖ فَتُخۡبِتَ لَہٗ قُلُوۡبُہُمۡ۔ الخ 22/54)

۔"اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسوؐل اور نبیؑ بھیجا۔ اُن کی ہر تمنا اور پسندیدہ منصوبوں میں شیطان اپنی اسکیم شامل کر کے ایک متوازی اور مخلوط مذہب بنا کر اُن کی امتوں میں پھیلاتا رہا ہے۔ اور اللہ برابر شیطانی منصوبوں کی وضاحت کرتا اور لکھتا چلا آیا ہے۔ اور متعلقہ آیات کو مزید محکم و مستحکم کرتا رہا ہے۔ (اور اللہ تو ابلیس اور اس کے منصوبوں کو بھی جانتا ہے۔ اور حکمتوں پر بھی مطلع ہے۔) تاکہ شیطانی منصوبہ پلٹ کر ابلیسی منصوبہ پسند اور متبعین کو چکر میں ڈال دے اور جن لوگوں کو اللہ نے پورا علم دے رکھا ہے وہ مطمئن ہو جائیں کہ ابلیسی گروہ اپنی مجتہدانہ کوششوں میں ناکام اور وہ

کامیاب ہو کر رہیں گے۔ اور اللہ کا دشمنانِ دین کو چکر میں الجھانا بھی حق ہے''۔

(10) اِن آیات کو شیطانی گروہ نے نبویؐ تمنا کے خلاف کس طرح استعمال کیا؟

ہم نے قرآن کریم سے عہدِ رسوؐل کے مجتہدین کی سازشیں اور منصوبے بیان کر دیئے ہیں اور یہ دکھا دیا ہے کہ رسوؐل کی قوم نے قرآن کو چھوڑ کر نظام اجتہاد کی طرف ہجرت کر لی تھی (25/30) اور اپنے لیڈروں کی دوستی اور راہنمائی میں رسوؐل اللہ کے دین کے مقابلہ میں ایک اِسلام نما مذہب اختیار کر لیا تھا (فرقان 30-25/27). انہوں نے یہ مخالف منصوبہ اس لئے شروع کیا تھا کہ رسوؐل اللہ نے قرآن میں مجتہدانہ تبدیلیاں کرنے سے انکار کر دیا تھا (یونس 10/15) لہٰذا پوری قوم اور قومی دانشوروں نے طے کیا کہ قرآن کو مفادِ عامّہ کے لئے استعمال کریں گے اور اللہ کا ہر حکم اس حُسنِ تدبر سے نافذ کریں گے۔ کہ کسی قسم کا قومی نقصان نہ ہو سکے اور یہ نبوّی آمرانہ اور مطلق العنان طریق حکومت ختم کر دیا جائے گا۔ اس فیصلہ پر رسوؐل اللہ نے اللہ سے اپنی قوم کی شکایت کی تھی (25/30) اور اللہ نے ایسا ہی جواب دیا تھا۔ جیسا کہ مندرجہ بالا عنوان میں فرمایا ہے کہ :۔

۔''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا''O۔(فرقان 25/31)

۔''وہ بڑی قدیم بات ہے کہ ہم نے روزِ ازل سے ہر نبیؐ کے مقابلہ میں (ابلیس کے علاوہ بھی) ایک دشمن و مخالف راہنما برقرار رکھا ہے جو جرائم پیشہ لوگوں کی راہنمائی کرتا چلا آیا ہے۔ اور تم مطمئن رہو۔ تمہارا پروردگار تمہاری راہنمائی اور نصرت کے لئے کافی ہے''۔

اب قارئین کرام یہ دیکھیں کہ عہد رسوؐل سے لے کر چار سو سال بعد تک کے مجتہدین نے وہی کام کیا جو تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام کے متعلق اللہ نے زیرِ نظر آیت (22/52 حج) میں بیان کیا ہے۔ سنئے اور علامہ مودودی کے قلم سے پڑھئے، علامہ شبلی کی سیرۃ النبیؐ میں اور تمام حدیث و تاریخ کی کتابوں سے تصدیق کیجئے۔ علامہ بادل ناخواستہ لکھتے ہیں کہ :۔

۔''قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش قرآن میں کوئی ایسی بات نازل ہو جائے جس سے اِسلام کے خلاف کفارِ قریش کی نفرت دور ہو اور وہ کچھ قریب آ جائیں۔ یا کم از کم ان کے دین کے خلاف ایسی سخت تنقید نہ ہو جو انہیں بھڑکا دینے والی ہو۔ یہ تمنا آپ کے دل ہی میں تھی کہ ایک روز قریش کی ایک بڑی مجلس میں بیٹھے ہوئے آپ پر سورہ نجم نازل ہوئی۔ اور آپ نے اسے پڑھنا شرع کیا جب آپ ۔''اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۔ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى''۔ (اب ذرا بتاؤ تم نے کبھی اس ۔''لات اور اس عُزّیٰ''۔ اور تیسری ایک اور دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا صفحہ ۲۰۶ تفہیم جلد ۵) پر پہنچے تو یکایک آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔''تِلْكَ الغرانقة العلىٰ ۔وَاِنَّ شَفَاعَتُهُنَّ لَتُرْجٰى''۔ (یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں۔ ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے) اس کے بعد آگے پھر آپ سورہ نجم کی آیات پڑھتے چلے

گئے۔ یہاں تک کہ جب اختتام سورہ پر آپ نے سجدہ کیا تو مشرک اور مسلمان سب سجدے میں گر گئے۔ کفار قریش نے کہا کہ اب ہمارا محمدؐ سے کیا اختلاف باقی رہ گیا؟ ہم بھی تو یہی کہتے تھے۔ کہ خالق و رازق اللہ ہی ہے۔ البتہ ہمارے یہ معبود اس کے حضور میں ہمارے شفیع ہیں۔ شام کو جبرئیل آئے اور انہوں نے کہا۔ یہ آپ نے کیا کیا؟ یہ دونوں فقرے تو میں نہیں لایا تھا۔ اس پر آپ سخت مغموم ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل کی جو سورہ بنی اسرائیل رکوع ۸ میں ہے۔ کہ:۔ ''وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ..... ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا''۔ (17/73-75)

(۔ ''اے محمدؐ ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے۔ تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ تمہیں اپنا دوست (یار) (خلیل) بنا لیتے۔ پھر تم ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔ تفہیم صفحہ ۶۳۲۔۶۳۳ جلد دوم) یہ چیز برابر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج وغم میں مبتلا رکھے رہی۔ یہاں تک کہ سورہ حج کی یہ آیت (22/52) نازل ہوئی اور اس میں آنحضرتؐ کو تسلی دی گئی۔ کہ تم سے پہلے بھی انبیاؑء کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے''۔ (تفہیم القرآن جلد ۳ صفحہ ۲۴۰)

چونکہ جناب علامہ اس دور کے عالم ہیں جس میں تحریکِ تشیّع نے نظام اجتہاد کو چکنا چور کر کے انتشار وافتراق میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور سب گھبرا گھبرا کر اپنے مذہب کی مرمت میں ایک دوسرے کے خلاف لکھنے لگے تھے۔ اس لئے نہ علامہ اس واقعہ کو مانتے ہیں۔ نہ کھل کر اعلان حق کرتے ہیں اور دبی زبان سے اپنے لات ومناۃ اور عزیٰ کے تحفظ کے ساتھ ناموسِ رسولؐ کا تحفظ وادب بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا نرم زبان میں الفاظ بدل بدل کر واقعہ لکھا ہے۔ ورنہ اُن کے پہلے والے منکر بھی کھلی زبان لکھا کرتے تھے۔ یہ جملہ پڑھیئے اور فرق نوٹ کیجئے۔ ''اور جب آپ نے یہ آیت پڑھی'' ۔وَمَنٰوۃ الثالثۃ الاُخریٰ''۔ تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے''۔ تِلْکَ الغرانیق العلیٰ وانّ شفاعتھن لترجیٰ''۔ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۲۴۰۔۲۴۱ شبلی نعمانی)

قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ جناب علامہ مودودی وشبلی مانیں یا نہ مانیں۔ مگر عہد رسولؐ سے لے کر تین چار سو سال بعد تک مسلمانوں کی کثرت سے علمائے مجتہدین یہ منواتے رہے کہ:۔

(1) رسولؐ اللہ کی تمنائیں اللہ کے طرز عمل کے خلاف تھیں اور تمام نبیؑ اور رسولؐ، اللہ کے ساتھ متفق نہ تھے۔

(2) اور اُن سب پر (معاذ اللہ) شیطان غالب رہتا چلا آیا ہے۔ اور ہر الہامی کتاب میں ابلیس کا عمل دخل رہا ہے۔ ذرا ان محققین ومحدثین ومورخین ومجتہدین کے نام اور زمانہ بھی دیکھ لیں جو مندرجہ بالا عقیدہ رکھتے اور اُسے آگے بڑھاتے اور قلم بند کرتے چلے آئے ہیں۔

۔ ''یہ قصہ ابن جریر اور بہت سے مفسرین نے اپنی تفسیروں میں، ابن سعد نے طبقات میں، الواحدی نے اسباب

النزول میں، موسیٰ بن عقبیٰ نے مغازی میں، ابن اسحٰق نے سیرت میں، اور ابن ابی حاتم، ابن المُنذر، بزار، ابن مردویہ اور طبرانی نے اپنے احادیث کے مجموعوں میں نقل کیا ہے''۔(تفہیم جلد۳ صفحہ ۲۴۰)

علامہ شبلی نے لکھا کہ:۔ ''افسوس ہے کہ بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے۔ان میں طبری، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن المردویہ، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، ابو معشر شہرت عام رکھتے ہیں۔اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو، جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے۔اس روایت کی صحت پر اصرار ہے''۔(سرۃ جلد اول صفحہ ۲۴۱)

مودودی صاحب کے تاثرات دیکھئے: ا۔''مگر افسوس ہے کہ ایک روایت نے ان کی تفسیر میں اتنا بڑا گھپلا ڈال دیا کہ نہ صرف ان (آیات) کے معنی کچھ سے کچھ ہو گئے۔ بلکہ سارے دین کی بنیاد ہی خطرے میں پڑ گئی''۔(ایضاً تفہیم صفحہ ۲۳۹)

اور پھر لکھا کہ:۔ ''جہاں تک موافقین کا تعلق ہے۔ وہ تو اسے صحیح مان ہی بیٹھے ہیں۔لیکن (واقعہ کو نہ ماننے والے) مخالفین نے بھی بالعموم اس پر تنقید کا حق ادا نہیں کیا ہے۔(اُن میں سے) ایک گروہ اُسے اس لئے رد کرتا ہے۔ کہ اس (واقعہ) کی سند اُس کے نزدیک قوی نہیں ہے۔اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر سند قوی ہوتی تو یہ حضرات بھی اس قصے کو مان لیتے۔ دوسرا گروہ اسے اس لئے رد کرتا ہے۔ کہ اس سے تو سارا دین ہی مشتبہ ہوا جاتا ہے۔اور دین کی ہر بات کے متعلق شک پیدا ہو جاتا ہے۔کہ نہ معلوم اور کہاں کہاں شیطانی اغوا یا نفسانی آمیزشوں کا دخل ہو گیا ہو''۔(ایضاً صفحہ ۲۴۱)

علامہ نے مانا ہے کہ قرآن میں آیات متشابہات موجود ہیں، ہم بھی مانتے ہیں لیکن علامہ کے نزدیک تو قرآن متشابہ آیات کی وجہ سے سارا مُشتبہ ہے یعنی۔''۶۔متشابہات، **یعنی وہ آیات جن کے مفہوم میں اشتباہ ہے**''۔(تفہیم جلد اول صفحہ ۲۳۴)

یہ تھا جناب اُس آیت پر تعمیر شدہ مجتہدانہ تصور جس پر صدیوں قومی حکمرانوں نے اُمت کو برقرار رکھا اور ناسخ و منسوخ کی آڑ میں دین کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں اور اپنے خود ساختہ اِسلام کو دنیا میں پھیلایا۔اُس پر نسلیں گذریں اور پوری تاریخ اور تمام انسانوں کے زاویہ نظر کو الٹا کھڑا کر دیا۔اور آج ہمارے سامنے اُن سب کو سمجھانے اور چودہ سو سال کے جمے ہوئے نسلی عقائد و تصورات پر از سرنو نظر ڈالنے کا ہمت شکن کام ہے۔لیکن ہم اللہ، رسوؐل اور اللہ کے تمام انبیاء و آئمہ علیہم السلام کی جانبداری کی بنا پر کامیابی کا یقین محکم رکھتے ہیں۔

(۱۱) تیسری اور آخری آیت جو ناسخ اور منسوخ کا مثلث بناتی ہے

اختصار کی غرض سے ہم نے کافی دیر سے شیعہ مجتہدین کا ذکر نہیں کیا اور یہ کافی سمجھا کہ ان کے حقیقی راہنماؤں کا ذکر کافی ہوگا اور سب کے بیانات و تصورات لکھنے میں بہت طول ہو جائے گا۔لہٰذا یہاں بطور نمونہ یہ عرض کر دیں کہ شیعہ مجتہدین بھی ناسخ و منسوخ کے فریب میں برابر کے شریک رہے ہیں اور سُنی مجتہدین سے ہر طرح متفق ہیں۔چنانچہ اُن کے ترجمے اور تفسیریں اس پر

گواہِ ناطق ہیں۔ یہاں اس آخری آیت پر اُدھر بھی نظر ڈال لیں تاکہ اُنہیں شکایت کا موقعہ نہ رہے۔ لہٰذا علامہ مقبول احمدؒ مرحوم کا ترجمہ سنیں۔ ''اور جب ہم نے کسی آیت کی جگہ کوئی آیت بدلی، حالانکہ اللہ جو کچھ نازل فرماتا ہے۔ خود وہ اس

وَاِذَا بَدَّلْنَـا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ، قَالُوا اِنَّمَااَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُ هُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ o (نحل 16/101)

(کی مصلحت) سے زیادہ واقف ہے۔ تو انہوں نے کہہ دیا کہ تو تو مفتری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے کچھ نہیں جانتے''۔ (مقبول ترجمہ ۴۴۳) حاشیہ میں لکھا ہے کہ :۔

۔''تفسیر صافی میں ہے کہ جس وقت ایمان لانے والے اُن آیتوں کو سنتے ہیں۔ جو پہلی بعض آیتوں کو یا حکموں کو منسوخ کرنے والی ہیں۔ اور غور کرتے ہیں کہ اُن میں کیا مصلحت رکھی گئی ہے؟ اور کیا حکمت برتی گئی ہے؟ تو اُن کے عقائد مضبوط اور اُن کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں''۔ (ایضاً صفحہ ۴۴۳)

قارئین سنیں کہ تفسیر صافی جناب علامہ محسن کاشانی رضی اللہ عنہ کی کتاب ہے۔ یعنی وہ بھی نظام اجتہاد کے فریب میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور نظام اجتہاد و مجتہدین کے پیدائشی اور زبردست مخالف مشہور ہوتے ہوئے بھی ناسخ ومنسوخ کا تصور قبول کر لیا تھا۔ اس سے پتہ لگنا چاہئے کہ وہ تمام حقیقی علمائے شیعہ جن کو تحریک تشیع میں داخلہ کا موقع نہیں ملا تھا۔ اور باہر رہ کر مذہب حقہ کی تائید کرتے رہے۔ وہ منصوبہ غیبت کی بہت سی پالیسیوں سے ناواقف رہے۔

(12) اِس زمانہ کے مستقیم المزاج سُنی علماء کا شیعہ مجتہدین سے مقابلہ، کون بہتر؟

شیعہ مجتہدین کی کتابیں چھان ماریئے ناسخ ومنسوخ پر اس بیان سے بہتر حق کے قریب تر اور سنجیدہ بیان نہ ملے گا۔ سنئے :

۔''ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرنے سے مراد ایک حکم کے بعد دوسرا حکم بھیجنا بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے احکام بتدریج نازل ہوئے ہیں۔ اور بارہا ایک ہی معاملہ میں چند سال کے وقفوں سے یکے بعد دیگرے دو دو تین تین حکم بھیجے گئے ہیں۔ مثلاً شراب کا معاملہ، زنا کی سزا کا معاملہ، لیکن ہم کو یہ معنی لینے میں اس بنا پر تامل ہے۔ کہ سورہ نحل کی یہ آیت مکی دور میں نازل ہوئی ہے۔ اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ اُس دور میں تدریج فی الاحکام کی کوئی مثال پیش نہیں آئی تھی۔ اس لئے ہم یہاں۔ ''ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرنے''۔ کا مطلب یہ سمجھتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کے مختلف مقامات پر کبھی ایک مضمون کو ایک مثال سے سمجھایا گیا ہے۔ اور کبھی وہی مضمون سمجھانے کے لئے دوسری مثال سے کام لیا گیا ہے۔ ایک ہی قصہ بار بار آیا ہے اور ہر مرتبہ اسے دوسرے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک معاملہ کا کبھی ایک پہلو پیش کیا گیا ہے۔ اور کبھی اُسی معاملہ کا دوسرا پہلو سامنے لایا گیا۔ ایک بات کے لئے کبھی ایک دلیل پیش کی گئی۔ اور کبھی دوسری دلیل۔ ایک بات ایک وقت میں مجمل طور پر کہی گئی اور دوسرے وقت میں مفصل۔ یہی چیز تھی جسے کفار مکہ اس بات کی دلیل ٹھہراتے تھے۔ کہ محمدؐ (معاذ اللہ) یہ قرآن خود تصنیف کرتے ہیں۔ اُن کا

استدلال یہ تھا کہ اگر اس کلام کا منبع علمِ الٰہی ہوتا۔ تو پوری بات بیک وقت کہہ دی جاتی۔ اللہ کوئی انسان کی طرح ناقص العلم تھوڑا ہی ہے کہ سوچ سوچ کر بات کرے۔ رفتہ رفتہ معلومات حاصل کرتا رہے۔ اور ایک بات ٹھیک بیٹھتی نظر نہ آئے تو دوسرے طریقہ سے بات کرے۔ یہ تو انسانی علم کی کمزوریاں ہیں۔ جو تمہارے اس کلام میں نظر آ رہی ہیں''۔ (تفہیم القرآن جلد۲ صفحہ۵۷۲)

نہ معلوم قارئین نے پسند کیا یا نہیں؟ مگر ہم علامہ کو داد دیتے ہیں۔ مگر بات وہی ہے کہ علامہ جو کچھ مندرجہ بالا آیت سے سمجھے اس کے مطابق بہترین جواب اور بہترین اور حقیقت سے لبریز جواب لکھا ہے۔ مگر اس کو کیا کریں کہ مجتہدانہ ماحول میں ہر الٹی بات سیدھی اور ہر غلط بات صحیح نظر آتی ہے۔ نظام اجتہاد کے ماحول میں تعلیم و تربیت ہی اس طرح ہوتی ہے۔ کہ رفتہ رفتہ ہر عالم کی آنکھوں پر ایک ابلیسی چشمہ فِٹ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی رفتار میں تانگہ کے اُس گھوڑے کی طرح سیدھا چلتا ہے۔ جس کے لگام کے ساتھ وہ روک لگا دی جاتی ہے۔ جسے ہندوستانی تانگے والے۔ ''**اندھیری**''۔ کہتے ہیں۔ جس سے گھوڑے کو دہنے بائیں کُھلی آنکھوں سے کچھ نظر نہیں آتا۔ یہی علامہ حضور کے ساتھ ہوا وہ یہ سمجھے کہ اللہ نے کسی بھی آیت کو بدل بدل کر نئی صورت میں لانے کا ذکر کیا ہے۔ یعنی پہلی نازل شدہ صورت کو بدل کر دوسری شکل میں نازل کرنا مراد لے لیا۔ اور اس مطلب کو خوب خوب ثابت کیا۔ مگر نہ تو اللہ نے یہ بات کہی۔ اور جو کچھ کہا نہ اس کا یہ مطلب ہے۔ اللہ نے ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدلنے کو کہا ہے۔ علامہ رفیع الدین کا تحت لفظ ترجمہ یہ ہے:۔

وَاِذَا بَدَّلْنَا آيَةً.......................................مَّكَانَ............................آيَةٍ ۔

''اور جب بدل ڈالتے ہیں ہم ایک آیت کو.................جگہ.....................ایک آیت کی''۔

یہاں صرف جگہ یا مکان بدلنے کی بات ہوئی ہے۔ آیت میں کسی تبدیلی کی بات نہیں ہے۔ مثلاً ایک آیت کو سورہ بقر سے اٹھا کر سورۂ نساء کے اندر اُسی نمبر پر لکھ دیں۔ جس نمبر پر وہ پہلے سورہ بقر میں تھی۔ اور سورہ نساء کی آیت کو سورہ بقر میں اُسی نمبر پر تبدیل کر دیں جو اُس کا سورہ نساء میں نمبر تھا۔ یا یوں کہئے کہ مجھے علامہ کے گھر میں منتقل کر دیں اور علامہ کو میرے جھونپڑے میں تبدیل کر دیں۔ آیت کے الفاظ کو بار بار پڑھیں اور غور کریں <u>**اِذَا**</u>، جب۔ <u>**بَدَّلْنَا**</u>، بدلتے ہیں ہم۔ <u>**آيَةً۔ کسی آیت کو یا ایک آیت کو۔ مَكَانَ آيَةٍ۔ کسی دوسری یا کسی ایک آیت کے مکان میں یا جگہ میں**</u>۔ آیت میں تبدیلی کی بات نہیں مکان یا جگہ بدلنے کی بات ہے۔ دونوں جگہ بدلنے والی آیات کے الفاظ اور سائز یا معنی میں تبدیلی نہیں ہوگی۔ وہ اپنے سابقہ حالت پر برقرار رہتے ہوئے صرف اپنی اپنی جگہ کو تبدیل کر لیں تو اس آیت میں استعمال شدہ الفاظ کے معنی صادق آئیں گے۔ ورنہ اس کے علاوہ جو معنی بھی اختیار کئے جائیں گے۔ وہ ان الفاظ کے مخالف ہوں گے۔ پھر یہ کمال بالائے کمال ہے کہ اس آیت میں لفظ <u>**ناسخ ومنسوخ**</u> تو کہاں اس برادری کا اور بھی کوئی لفظ نہیں ہے۔ پھر بھی بگڑی ہوئی ذہنیت کو یہاں ناسخ و منسوخ ہی نظر آ گئے۔ پھر اُن

حضرات کوناسخ ومنسوخ کا **دورہ** اس بُری طرح حواس باختہ کر چکا ہے۔ کہ انہوں نے عربی کی دوسری جماعت کے اسباق کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ وہ **ماضی ومضارع** کا فرق بھول گئے۔ اُنہوں نے **فاعل ومفعول** کی تمیز بھی کھودی۔ مگر قارئین تو جانتے ہیں کہ **قاتل** وہ شخص ہے۔ جو قتل کا فعل کرتا ہے۔ یعنی جو **فاعل** ہے اور **مقتول** وہ شخص ہے۔ جس پر قتل کا فعل ہوا ہے۔ جسے قتل کیا گیا ہے۔ لہٰذا **ناسخ** لکھنے والے کو کہنا چاہئے اور **منسوخ** لکھی ہوئی چیز کو کہا جائے گا۔ اور سارا قرآن تلاش کرلیں یا مذکورہ زیر بحث آیتوں کو دیکھ لیں۔ وہاں یا کہیں اور ہرگز اللہ تعالی نے لفظ **منسوخ** استعمال نہیں کیا۔ خواہ منسوخ کے معنی **لکھا ہوا** کریں یا **مٹایا ہوا** کریں لہٰذا مجتہدین اس حساب سے بھی کاذب وفریب ساز ہیں۔ جب لفظ **منسوخ** موجود ہی نہیں ہے۔ تو اس کے معنی کہاں سے آ جائیں گے؟ وہاں تو اللہ نے اپنا کام لکھتے رہنا **نَسَخ** بتایا ہے۔ اور **یَنسَخُ** وہ لکھتا ہے۔ لہٰذا لکھنے کے معنی مٹانا کون عقلمند کرے گا؟ سوائے مجتہد کے۔ رہ گئے وہ معنی جو ہم اختیار کرتے ہیں۔ وہ تو تم عربی دانوں میں مشہور ومعروف ہیں اور اس کی مثالوں کا ہم نے ڈھیر لگا دیا ہے۔ قرآن وحدیث سے مثالیں پیش کردی ہیں۔ اب ایک آخری سند لغات القرآن سے سن لیں جو عربی کے بہت قدیم ماہرین کا فیصلہ ہے۔

۔''سعید بن مسیّب اور عطا کا قول ہے۔ کہ **نسخ** کا معنی ہے **نقل کرنا** اور پورا قرآن **لوحِ محفوظ** کی **نقل** ہے''۔ (جلد ۶ صفحہ ۹۶)

لوح محفوظ کا ذکر ہو گیا تو آپ امام محمدؑ باقر علیہ السلام کے اُن دونوں جملوں کو یاد کریں جو ہم نے خاص طور پر نوٹ کرائے تھے۔ فرمایا تھا کہ اللہ نے ہمیں جو علوم عطا کئے ہیں ان میں سے ایک قرآن کی تفسیر اور احکام ہے۔ اور ایک کائنات میں ہونے والے تمام تغیّرات اور حادثات کا علم ہے۔ سوچنا یہ ہے کہ وہ اللہ جو آئمہؑ کو قیامت تک ہونے والے تمام تغیرات اور تبدیلیوں کا علم عطا کرسکتا ہے۔ کیا وہ خود ہی ناسخ ومنسوخ میں الجھا رہے گا؟ اور وہ اس قابل نہ ہوگا کہ ہر ضرورت کا ایک مکمل اور آخری فیصلہ کرسکے؟۔

قارئین نوٹ کریں کہ یہاں تک یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ نے اِس کائنات میں گذرنے والا ہر واقعہ، ہر مخلوق کا حال، تمام مخلوقات کے لئے قوانین وضابطہ حیات لوح محفوظ پر قلم بند یا منسوخ کرادیا تھا۔ چنانچہ ہر نبیؑ پر اُسی لوح محفوظ سے تعلیمات آئیں۔ قسط وار مکمل تعلیم قرآن کی صورت میں جمع ہوگئی۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ باقی تمام کتب ہائے خُداوندی میں یہی قرآن قسط وار نازل ہوا ہر قسط کا نام الگ الگ تھا۔ پھر وہ تمام کتابیں قرآن میں جمع ہوگئیں اور قیامت تک آنے والے انسانوں اور تمام جانداروں اور بے جانوں کے لئے احکام وہدایات کا اضافہ ہوگیا۔ کوئی سابقہ حکم نہ ضائع ہوا نہ تبدیل ہوا اور ایک ہی وقت میں مختلف سِن وسال اور مختلف طبقات کے انسانوں کے لئے کئی کئی موزوں حکم موجود اور برسرِ عمل رہتے ہیں۔ حالات بدلنے پر بدلی ہوئی حالت کے احکام بھی موجود ہیں۔ ہر چیز ہر شخص کی حالت وضرورت کے مطابق رکھی گئی ہے۔ اور بس! **''اجتہاد مردہ باد''**

(ہفتم) جھوٹوں کو پہلے گھر تک پہنچاؤ پھر بتاؤ کہ تم کاذب ہو

ہم ناسخ ومنسوخ کی بحث میں اُلجھے اور اُلجھائے بغیر ہی مجتہدین کو دروغ گو اور فریب ساز ثابت کر کے ناسخ ومنسوخ کا حقیقی جواب دے سکتے تھے۔ مگر ہمیں ہمارے معصومؑ راہنماؤں نے یہ تعلیم دی ہے کہ کسی کو منہ توڑ جواب نہ دو۔ بلکہ مجتہد سے اُس کی اپنی ایجاد کردہ زبان میں بات کرو۔ اُسے اُسی کے مسلّمات اور گھریلو قوانین سے مات دو۔ تاکہ اُس کے مقلِّد از خود اُس کے مسلک کو باطل سمجھ کر ترک کریں اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر حق کو اختیار کریں اور واپس جانے کی راہیں بند ہو جائیں۔ چنانچہ قارئین نے دیکھا کہ ہم نے مجتہد کے پاس بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی۔ ہر راستہ پر اُس کے ساتھ چلے۔ اُسی کی رفتار سے چلے اور خود اُس کے ہاتھ سے اُس کی تمام راہیں اور گھاٹیاں اور کمین گاہیں بند کراتے ہوئے یہاں آ پہنچے اور یہ سوال کرنا ہے کہ جناب آپ نے مذکورہ تینوں آیتوں (2/106۔16/101۔22/52) میں یہ کس دلیل سے سمجھا کہ ان آیات میں جو لفظ۔ ''آیۃ''۔ یا۔ ''آیات''۔ آیا ہے۔ اُس سے قرآن کے یہ جملے مراد ہیں؟ جب کہ قرآن مجید میں چند گنتی کے ایسے مقامات ہیں جن میں لفظ۔ ''آیۃ''۔ یا۔ ''آیات''۔ سے قرآن کی عبارت یا جملے مقصود ہیں اور اس کے خلاف ہر جگہ جہاں بھی لفظ۔ ''آیۃ''۔ یا۔ ''آیات''۔ استعمال ہوا ہے۔ ان کے معنی معجزہ ہیں؟ اور تم آیۃ اور آیات کے معنی معجزہ کرنے میں متفق ہو۔ اور مانتے ہو کہ لاتعداد مقامات پر اللہ نے معجزہ کو آیۃ اور معجزات کو آیات فرمایا ہے۔ لہٰذا ان تینوں آیتوں میں آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہاں اللہ نے آیۃ اور آیات سے قرآن کی عبارتیں یا جملے ہی مراد لئے ہیں۔ اور ہرگز معجزہ یا معجزات مراد نہیں لئے اور ہم اب یہ ثابت کریں گے اور معصومؑ بیان سے ثابت کریں گے کہ تمہاری پسندیدہ اور اختیار کردہ اولین آیت (2/106) میں بھی قرآنی عبارتوں اور جملوں کی تنسیخ مقصود نہیں ہے۔ باقی دونوں آیات تو اپنے الفاظ کی رو سے قرآن کا یا رسولؐ اللہ کا ذکر نہیں کرتیں۔

(2) ناسخ ومنسوخ قرآن صامت سے نہیں بلکہ قرآن ناطق سے تعلق رکھتا ہے

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے عمرؓو بن یزید نے مذکورہ بالا آیت کی تشریح اور صحیح مقصد معلوم کیا تو حضورؑ نے فرمایا کہ۔ ''ایسا کہنے والے لوگ جھوٹے ہیں۔ یہ آیت یوں نہیں ہے۔ اگر خدا قرآن کی کسی آیت کو زائل کرتا اور پھر ویسی ہی آیت بدلے میں دیتا تو وہ زائل ہی کیوں کرتا؟

> ۔'' مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ آيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا، نَاتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَا اَوۡ مِثۡلِهَا ''۔ (بقر 2/106)

میں نے عرض کیا کہ اللہ نے فرمایا یہی ہے۔ امامؑ نے جواب دیا کہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اچھا بتایئے اللہ نے کیا فرمایا ہے؟ تب ارشاد کیا کہ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے۔ اس میں الف واؤ نہیں ہے۔ اس نے یہ فرمایا ہے کہ۔'' مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ آيَةٍ نُنۡسِهَا نَاتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَا مِثۡلِهَا ''۔ قرآن کی اس آیت میں لفظ آیۃ سے مراد امامؑ ہیں۔ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی امامؑ کو اس دنیا سے اس لئے نہیں اٹھاتے کہ اس کا ذکر فراموش ہو جائے۔ بلکہ اٹھانے سے پہلے اس کے صلب سے ایک خیر

پیدا کردیتے ہیں۔ جو اُسی کی مثل امامؑ ہوتا ہے''۔ (قارئین کی سہولت کے لئے مقبول ترجمہ صفحہ 25 لیجئے جناب یہ امامؑ کی حدیث ہے اور ہمیں بچپن سے یاد ہے۔ مگر ہم چاہتے تھے کہ مجتہد کے تمام داؤ پیچ اور کرتب بھی قارئین کے سامنے آ جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب حقہ شیعہ اثناعشریہ کے پاس ہر مسئلہ کا منہ توڑ جواب موجود ہے۔

(ہشتم) انبیاؑ اور آئمہؑ اللہ کی حقیقی آیات ہیں اور علیؑ بزرگ ترین معجزہ ہیں

اب ہم قارئین کو یہ دکھاتے ہیں کہ قرآن کریم میں کن آیات کے ناسخ ومنسوخ ہونے اور بھولنے کا ذکر ہوا ہے۔ قرآن کی آیات کو بھلایا جانا ممکن نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ روزازل سے لکھا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اور پھر تلاوت کے ساتھ ساتھ ہر آیت کئی کئی جگہ لکھی جاتی تھی۔ اگر کوئی بھول جاتا تھا۔ بیسیوں لکھے ہوئے نسخوں سے دوبارہ یاد کر سکتا تھا۔ رہ گئے خود رسولؐ اللہ؟ وہ بھول چوک اور گناہ وخطا وغیرہ سرزد ہونے والا جسم ہی نہ رکھتے تھے۔ وہاں یہ ناممکن تھا۔ بھولنا بھی چاہتے تو بھلا نہ سکتے تھے۔ اس لئے کہ آگے پیچھے اور دہنے بائیں (OBSERVATORIES) رصد گاہیں ساتھ ساتھ چلتی پھرتی تھیں۔ اور اللہ ہر لمحہ اُن کی تمام تعلیمات کی تعداد اور مقدار پر نظر رکھتا تھا۔ جو انبیاء وآئمہ علیہم السلام کے پاس محفوظ یا پبلک تک پہنچائی ہوئی ہوتی تھیں۔ البتہ انسان ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسلؑ میں سے چند کے علاوہ سب کو بھول گئے۔

''عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا O اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا O لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا O (سورہ جن 28-72/26)

چار کتابوں کے علاوہ باقی تمام کتابیں اب یاد نہیں۔ چند گنتی کے معجزات یاد ہیں۔ باقی قلب وذہن سے مٹ گئے۔ انبیاءؑ ایک سے بڑھ کر ایک اور ایک دوسرے کے مانند بھی آتے رہے۔ معجزات کا بھی یہی حال رہا۔ ایک سے بڑھ کر ایک آیا اور آپس میں ہم پلہ بھی آئے۔ یہی وہ آیات ہیں جن کے لئے فرمایا گیا کہ نات بخیر منها اومثلها ۔ اور قرآن کے جملوں کو بھی اسی بنا پر آیت کہا گیا ہے کہ ویسا ایک جملہ بھی انسان نہیں بنا سکتا۔ مجتہدین نے یہاں یہ سمجھا کہ کوئی اُن کو پکڑے گا تو جھٹ بات بدل لیں گے۔

(1) حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ اللہ کی آیات ہیں

اللہ نے فرمایا ہے کہ۔'' ہم نے مریمؑ کے فرزندؑ اور ان کی والدہؑ کو آیۃ بنایا اور ان دونوں کو ایک مخصوص ومعیّن وبرقرار رہنے والی تربیت گاہ میں پناہ دی''۔

۔'' وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰیَةً وَّ اٰوَیْنٰهُمَاۤ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ ''۔ (مومنون 23/50)، (21/91 انبیاء)، (مریم 19/21)

(2) آئمہؑ اہل بیت ہی کو قرآن میں ’’آیات‘‘ کہا گیا ہے

جناب داوٗدؓ نے کہا کہ میں نے جناب امام جعفرؑ صادق سے اس آیت کے متعلق

> سالت ابا عبداللّٰه علیه السلام عن قول اللّٰه ۔’’ماتغنی الایات و النذر عن قوم لایومنون ‘‘۔قال۔الایات هم الائمةؑ والنذرهم الانبیاءُؑ‘‘۔

دریافت کیا جس میں ہے کہ۔’’بے ایمان قوم کو آیتیں اور تنبیہات کافی نہیں ہوتیں‘‘۔(سورہ یونس 10/101)

امامؑ نے فرمایا کہ **آیات** سے مراد **امامؑ** ہیں۔اور **نذر** سے مراد **انبیاءؑ** ہیں۔اور امام محمدؑ باقر علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر۔عن ابی جعفرؑ فی قول اللّٰه ۔’’ کَذَّبوا بِآیٰتِنَا کُلَّهَا ‘‘۔یعنی الاوصیاؑ کلّهم ۔میں **آیات** کے معنی **اوصیائے محمدؑ** بتائے ہیں جس میں اللہ نے فرمایا کہ۔’’انہوں نے ہماری **تمام آیات** کی تکذیب کی‘‘۔(قمر 54/42) ظاہر ہے کہ یہاں لکھے ہوئے جملے مراد نہیں ہوسکتے۔اس لئے کافر و مشرک بھی بہت سی قرآنی حقیقتوں کو مانتے تھے۔جو لکھی ہوئی عبارتوں یعنی تحریری آیتوں میں بیان ہوئی تھیں۔خود قرآن نے بتایا ہے کہ وہ اللہ کا وجود مانتے تھے۔زمین آسمان اور کائنات کا خالق مانتے تھے۔لہٰذا یقیناً، **آیات** سے یہاں مراد آئمہؑ و انبیاءؑ ہی ہیں۔اور ملاحظہ ہو:۔

(3) حضرت علیؑ اللہ کی آیات میں سب سے بزرگ آیت ہیں

حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السلام سے ابی حمزہ نے چاہا کہ اس آیت کی تفسیر تمام شیعہ کہلانے والوں کے لئے عام طور پر بتانے کی اجازت دے دیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ۔

۔’’اے رسولؐ آپ سے یہ سوال کیا جارہا ہے کہ وہ بزرگ ترین علم غیب کی اطلاع کیا ہے؟‘‘ (78/1-2) آپ نے جواب دیا کہ یہ میرا اپنا فیصلہ ہوگا کہ میں ان سب کو بتاؤں یا نہ بتاؤں۔

> قال :ذلک الی ان شئت اخبرتهم و ان شئت لم اخبرهم ۔ لکنی اخبرک بتفسیرها ۔فقال۔هی فی امیرؑ المومنین صلوات اللّٰه علیه کان امیر المومنین یقول ۔ماللّٰه عزوجل آیةٌ هی اکبر منی ولا للّٰه من نبأٍ اعظم منّی (کمرئی جلد اصفحہ ۳۹۷۔۳۹۸)

البتہ تمہیں ضرور بتاتا ہوں کہ وہ خبر یہ ہے کہ وہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں ہے حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ۔’’اللہ کے پاس نہ مجھ سے بڑی کوئی **آیت** ہے اور نہ میرے وجود اور پوزیشن کو بیان کرنے سے عظیم تر کوئی اور **خبر** ہی ہے‘‘۔(ظفری جلد اول صفحہ ۲۳۹)

مومنین یاد کریں کہ یہ تمام حضرات محمدؑ بھی ہیں۔اور علیؑ بھی ہیں۔لہٰذا یہاں حضورؐ نے اس کائنات اور اللہ کی تمام تخلیقات کا نچوڑ بیان فرمایا ہے۔مجتہد سے کہیں کہ حضور تم لفظ **آیت** سے صرف قرآن کے جملے اور الفاظ و عبارات کیسے سمجھے؟ اگر تم شیعہ نہیں ہو؟ اگر تم ان احادیث کے منکر ہو تو ذرا سنبھل کر یہ بتاؤ کہ تم قرآن کو بھی مانتے ہو یا نہیں؟ اگر مانتے ہو تو تم پر واجب ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کو اللہ کی آیات مانو۔اور اب یہ بتاؤ کہ تم خود کو ان علماء میں شمار کرتے ہو یا نہیں جن

کے لئے رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ۔''میری امت کے علمأ بنی اسرائیل کے انبیأ کی مانند ہیں''۔؟اگر تم لوگ وہ علماء ہو؟ تو کیا تم حضرت علیؑ کو اپنے سے کم مرتبہ کا آدمی مانتے ہو؟ تم نے تو اپنے نام کے ساتھ خطا کار ہوتے ہوئے۔مکار وفریب ساز ہوتے ہوئے **آیت اللہ** کا لقب چپکا رکھا ہے۔کیا حضرت علیؑ اس قابل بھی نہیں کہ انہیں **آیت اللہ** کہا جا سکے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حقیقی خائن وغاصب گروہ ہو۔

(4) آئمۂ اہلبیتؑ قرآن کی۔''آیات محکمات''۔ہیں

عبدالرحمٰن بن کثیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تشریح چاہی کہ۔''وہ وہی ہستی ہے جس نے تم پر وہ کتاب نازل کی جس میں **آیات محکمات** ہیں اور وہی پوری کتاب کی بنیاد ہیں''۔جواب میں فرمایا کہ وہ **آیات محکمات علیؑ اور آئمہؑ** ہیں۔''اور دوسری اس میں **متشابہات** ہیں''۔فرمایا کہ اس سے مراد فلاں اور فلاں ہیں۔''چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں زیغ ہے''۔ فرمایا کہ وہ لوگ وہی ہیں جو اُن کے صحابہ اور حکومت پر ایمان لانے والے ہیں''۔(ظفری جلد اول صفحہ ۵۱۱)

۔''عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام فی قول اللّٰہ تعالیٰ ۔''ھو الذی انزل علیک الکتٰب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب (3/7)''۔قال امیر المومنین والائمۃ (علیھم السلام) واخر متشابھات قال ۔ فلان وفلان''۔ فاما الذین فی قلوبھم زیغ۔اصحابھم واھل ولایتھم۔''(کمرئی جلد۲صفحہ۳۷۴)

(۵) وہ آیات جو ناسخ ومنسوخ والی آیت میں مراد ومقصود ہیں؟

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ آیات جن کا تذکرہ ہوتا رہا اور جن سے فائدہ اٹھا کر نظام طاغوت انسانوں کو گمراہ کرتا رہا۔اور جن سے الفاظ کے معنی بدل کر قرآن کو مشکوک کرنے کی کوشش کی گئی وہ قرآن کے یا کسی سابقہ الہامی کتاب کے احکام وبیانات اور وحی کے ذریعہ نازل ہونے والی عبارات اور جملے نہیں بلکہ وہ حقیقی اور مجسم آیات ہیں۔جن کو مجتہدانہ زبان میں معجزہ یا جادو کہہ دیا جاتا ہے۔اور جو انسانوں کی اکتسابی قدرت کو چیلنج کرنے کے لئے اور امکانی قدرت کا اگلا قدم اور بڑھتے رہنے والا مقام دکھانے کے لئے بر سر عمل لائی جاتی ہیں۔جو تمام فطری قوانین کو ایک مرکزی قانون پر مرکوز کر دیتی ہیں۔اور جو اللہ کو قادر مطلق ثابت کرنے کے لئے انبیاءؑ وآئمہ علیہم السلام کو بدرجہ مجبوری قبل از وقت استعمال کرنے کی اجازت ہے۔اس لئے کہ یہ قدرت انتہائی امکانی قانون تک عمل کر لینے کے بعد انسانوں سے ظہور میں آنا مقدر کیا گیا ہے۔یہ وجہ ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام اپنی اس قانونی قدرت کے اظہار میں جگہ جگہ اور بار بار۔''**بِاِذْنِ اللّٰہ**''۔(اللہ کی اجازت) کہتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔اللہ یہ نہیں چاہتا کہ ان آیات، یا بقول مجتہد، معجزات سے سہم کر انسان ایمان لے آئے اور اپنا ذاتی ارادہ واختیار استعمال نہ کرے جو جزا وسزا اور رضا وآزادی ضمیر برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے۔اُن آیات یا معجزات کو دیکھنے کے بعد یہ نتیجہ

برآمد کرنا انبیاءؑ وآئمہؑ پر واجب ہے کہ انسان اس قدرت کو حاصل کرنے کے لئے ایمان لائے اور اس مقام کی طرف بڑھنے میں مشغول ہو جائے جو اس وقت اس نبیؑ یا امامؑ کو حاصل ہے۔ جب تک اس نتیجہ کو برآمد کرسکنے پر کافی ثبوت فراہم نہ کردیں انبیاءؑ وآئمہؑ اس قدرت اور قانون کو استعمال کرسکنے کے مجاز نہیں ہوتے۔ یہ وجہ ہے کہ کبھی کبھی بندے ان آیات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انبیاؑءکو چڑاتے اور مذاق بناتے رہتے، انبیاؑءاللہ سے شکایات اور دعائیں کرتے رہتے۔ مگر اللہ قبول نہ کرتا اور بعض اوقات انبیاؑءکو ڈانٹ دیتا تھا۔ لہٰذا آئیں اور قرآن کریم سے ایک تبلیغی اور اصلاحی نظارہ دیکھیں۔ آج سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے کی ایک انتہائی ترقی یافتہ قوم کی حکومت نے ایک ایسی قوم کو غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ جو ایک زمانہ میں خود حکمران تھی۔ جسے انبیاؑء کی اولاد اور اللہ کے بیٹے کہا جاتا ہے۔ جو خود بھی اللہ کے لاڈلے بیٹے ہونے کا غرور رکھتے تھے۔ فرعون نے ان کا یہ غرور اور نخرا خاک میں ملا دیا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ فرعون نے اُن حدود سے آگے قدم بڑھا دیا جو سرکشوں کی اصلاح کے لئے قابل برداشت ہوتا ہے۔ اس نے بنی اسرائیل کی نسل کُشی کی اسکیم بھی نافذ کردی جو اللہ کے قانون میں کافروں اور دشمنان خدا کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے بعد فرعون اور اس کی قوم کے ساتھ کیا گذری؟ اس طویل داستان میں سے مختصر اُچند جملے قرآن سے سنئے اور چونکہ ہماری زبان وقلم سے سننا ہے لہٰذا پہلے میری دو باتیں سن لیں تاکہ چوکنا اور حسّاس رہ کر سنیں اور اللہ کا بیان پوری طرح اثر انداز ہو سکے۔ پہلی بات پرانی ہے اور وہ یہ کہ سابقہ الہامی کتابوں میں نزول وحی یا تلاوت وحی ہر موضوع پر مکمل ہو جاتی تھی۔ اور ان اعتراضات کی گنجائش نہ رہتی تھی جو علامہ مودودی کے بیان میں آخری جملوں سے واضح ہیں۔ یہ بھی ہوتا تھا کہ مکمل تحریر شدہ لوحیں عطا فرمادی جاتی تھیں۔ (اعراف 145-7/144) وہ مادی الواح کہاں اور کیسے تیار ہوتی تھیں؟ کون تیار کرتا تھا۔ اس کا مختصر جواب۔ ''**خانوادۂ نبوتؐ**''۔ ہے اور مفصل جواب (کتاب مرکز انسانیت میں) دیا جاچکا ہے۔ اس طریقہ تلاوت وتنزیل سے نظام اجتہاد کو تحریف وتبدیل میں سہولت رہتی تھی۔ قرآن نے تلاوت کا طریقہ ایسا رکھا کہ کسی عنوان یا موضوع کو ایک جگہ اور ایک دم سے بیان نہیں کیا بلکہ وہ طریقہ رکھا جو علامہ مودودی نے لکھ کر ہم سے داد وصول کی۔ اس طرح مجتہدین کو یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس آیت کے بعد کیا کہا جانے والا ہے؟ وہ تقاضہ کرتے رہے کہ پورا قرآن ایک دم نازل کرادو (فرقان 25/32) بہرحال نظامِ اجتہاد قرآن کے الفاظ میں تبدیلی کرنے سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا۔ الفاظ کے معنی بدلنے اور نئے نئے مختلف ترجمے کرنے پر مجبور رہتا چلا آیا۔ دوسری بات نئی ہے۔ یعنی آپ ناسخ ومنسوخ والی آیت (**2/106**) کے الفاظ **نَنسَخ** ۔**نُنسِهَا**۔ **نَاتِ** ۔ **بِخَيرٍ**۔**مِثْلِهَا** ۔**آيَةٍ** ۔**مِنْ**۔**مِنهَا** پر نظر رکھیں اور ہماری لکھی ہوئی متعلقہ آیات میں خط کشیدہ لکھے ہوئے الفاظ کو خاص طور پر نوٹ فرمائیں۔ اور اب ہماری ترجمانی سنیں۔

۔''یقیناً ہم نے ہی موسیٰ کو اپنی **آیات** (معجزات) سمیت فرعون کی اور اُس کے **مُلاؤں** (علم سے بھرپور لوگوں) کی طرف بھیجا تھا۔ اور موسیٰ یہ بتاتے ہوئے چلے جارہے تھے کہ پوری کائنات کے خالق اور پرورش کرنے والے نے مجھے پیغام دے کر فرعون کی طرف بھیجا ہے۔ چنانچہ جب موسیٰ فرعون اور اس کے مُلاؤں کے پاس ہماری **آیات** سے مسلح، پہنچے تو انہوں نے دیکھتے ہی موسیٰ کو مضحکہ کی باڑھ پر رکھ لیا اور خصوصاً ہماری **آیات** کا (مِنھَا) مذاق اڑایا۔ اور موسیٰ کو ڈانٹ کر چیلنج کر دیا کہ تم ہمیں مسحور کرنے کے لئے جتنی ہوسکیں وہ سب **آیات** لاکر ہمارے مستحکم عقائد ونظریات کا امتحان کر دیکھو۔ ہم تمہیں اللہ کا رسوؐل ماننے کو تیار نہ ہوں گے۔ چنانچہ ہم نے ان پر اپنی **آیات** کو بتدریج نافذ کرنا شروع کیا اور یکے بعد دیگرے، موزوں مواقع پر ایک سے بڑھ کر دوسری اور دوسری سے بڑھ کر تیسری، چوتھی اور پانچویں **آیة** اس ترتیب سے بھیجی کہ پہلے بارشوں کا ایک طوفان برپا کر دیا 2۔ اور اس پانی کی کثرت اور دھوپ کے فقدان سے چاروں طرف سے گھانس اور سبزہ پیدا ہوا اور ٹڈی دل نے حملہ کر دیا فصلیں اور مویشی تباہ ہوگئے۔ 3۔ پھر چیچڑیاں سوار ہوگئیں اور ان کا سونا اور چین سے رہنا حرام ہوگیا۔ 4۔ اُدھر مینڈک نکل پڑے اور ہر چیز پر چھا گئے۔ 5۔ اور زمین و اجسام خون میں نہا گئے۔ ہوتا یہ تھا کہ جب ایک **آیت عذاب** بن کر ٹوٹتی تو تنگ آ کر نہایت عاجزانہ درخواست کرتے کہ اے حضوؐر آپ سے اللہ نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ اگر ہم سرکشی چھوڑ دیں اور بنی اسرائیل کو آزادی دے دیں اور ایمان لے آئیں تو وہ حسب وعدہ یہ عذاب کی **آیت موقوف** کر دے گا۔ لہٰذا ہم توبہ کرتے ہیں۔ آپ اللہ کو ہماری

> ۔'' وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی **بِآیٰتِنَآ** اِلٰی فِرْعَوْنَ **وَمَلَائِہٖ** ‘فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ Oفَلَمَّا جَآءَ ھُمْ **بِآیٰتِنَآ** اِذَا ھُمْ **مِّنْھَا** یَضْحَکُوْنَ O(زخرف 43/46-47)وَقَالُوْا مَھْمَا **تَاْتِنَابِہٖ مِنْ آیَۃٍ** لِّتَسْحَرَنَا **بِھَا**فَمَانَحْنُ لَکَ بِمُؤْمِنِیْنَ O فَاَرْسَلْنَاعَلَیْھِمُ الطُّوْفَانَ۔ (2)۔ وَالْجَرَادَ ۔(3)۔ وَالْقُمَّلَ۔(4)۔ وَالضَّفَادِعَ۔(5)۔ وَالدَّمَ **آیٰتٍ مُفَصَّلٰتٍ** فَاسْتَکْبَرُوْاوَ کَانُوْا قَوْماً مُّجْرِمِیْنَ Oوَلَمَّاوَقَعَ عَلَیْھِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَی ادْعُ لَنَارَبَّکَ بِمَا عَھِدَ عِنْدَکَ لَئِنْ کَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَکَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَکَ **بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ**O فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْھُمُ **الرِّجْزَ** اِلٰی اَجَلٍ ھُمْ بٰلِغُوْہُ اِذَاھُمْ یَنْکُثُوْنَ O فَانْتَقَمْنَامِنْھُمْ فَاَغْرَقْنٰھُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّھُمْ کَذَّبُوْا**بِاٰیٰتِنَا** وَکَانُوْا **عَنْھَا** غٰفِلِیْنَ O(اعراف(**7/132-136**)
>
> وَمَانُرِیْھِمْ مِّنْ **آیَۃٍ اِلَّاھِیَ اَکْبَرُ** مِنْ **اُخْتِھَا** وَاَخَذْ نٰھُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ Oوَقَالُوْا یٰاَیُّہَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّکَ بِمَا عَھِدَ عِنْدَکَ اِنَّنَالَمُھْتَدُوْنَ Oفَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْھُمُ الْعَذَابَ اِذَاھُمْ یَنْکُثُوْنَ O(**43/48-50**) قَالَ آمَنْتُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّاالَّذِیْ آمَنَتْ بِہٖ بَنُوْ آاِسْرَآئِیْلَ وَاَنَامِنَ الْمُسْلِمِیْنَ O...... فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ **آیَۃً** (یونس 92-10/90)

طرف متوجہ فرمائیں اور اس حملہ آور آیت کو منسوخ کرادیں تاکہ ریکارڈ رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔ چنانچہ ہم جیسے ہی اپنی آیت کا نفاذ روکتے تھے۔ وہ لوگ پھر توبہ کو توڑ دیتے تھے۔ اور ہم ان پر پہلے سے تیز اثر کرنے والی بہتر آیت یا ویسی ہی ہم مثل آیت لا کر ٹھونس دیتے تھے۔ اور اُن کی ہر عاجزانہ معافیوں پر اُنہیں موقعہ دیتے تھے کہ اگر وہ چاہیں تو سمجھ کر سنبھل کر ایمان لے آئیں۔ مگر وہ ہر دفعہ کسی فطری حادثہ کے تصور سے متاثر ہوکر، مثلاً یہ تو ارضی وسماوی حادثہ تھا۔ ایسا ہونا ہی تھا۔ موسیٰ کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اپنے عہد اور توبہ کو توڑتے اور اپنی مجرمانہ ذہنیت میں برابر ترقی کرتے چلے گئے۔ اور موسیٰ کو یہاں تک کہہ گذرے کہ۔ ''او جادوگر مداری ذرا اپنے اللہ کو پھر پکار''۔ بہرحال انہوں نے ہماری آیات کی ہمہ قسمی تکذیب کی اور اُن کی طرف پوری طرح متوجہ نہ ہوئے۔ تو ہم نے اُن سے انتقام کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں اتحاد پیدا کیا اور انہیں دریا سے پار نکال دیا۔ لیکن فرعون اور اس کی افواج تعاقب کرتی ہوئی دریا میں داخل ہوگئیں اور اسے بھی ایک آیۃ نہ سمجھا مگر بنی اسرائیل کے پار نکلتے ہی دریا کا رُکا ہوا پانی ایک دم سے گرا اور بہا تو فرعون کے سامنے فضا چیخوں سے بھری ہوئی تھی۔ گھوڑے اور سوار الٹ الٹ کر گر رہے تھے۔ ڈوب کر ابھرتے اور مر رہے تھے۔ جب فرعون کی سواری بھی غرق ہونے لگی تو اس نے فریاد بلند کی اور کہا کہ میں مانتا ہوں۔ میں اسی اللہ پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ اور میں آج سے مسلمانوں میں سے ایک فرد ہوں۔ ہم نے کہا کہ تو بہت لیٹ ہوگیا۔ تو برابر فساد انگیزی اور سرکشی و نافرمانی میں ڈوبا رہا۔ اب تو ہم تجھے دریا میں ڈبو کر چھوڑیں گے۔ **البتہ ہم تجھے تیرے بدن کے ساتھ نجات دے کر تیرے بعد آنے والی نسلوں کے لئے ایک آیۃ بنا کر اپنے انبیاءؑ وآئمہؑ کی حقانیت کا قابل مشاہدہ ثبوت برقرار رکھیں گے''۔**

چنانچہ فرعون ڈوب گیا۔ اُس کا مرنا نہ اُس کی فوج اور رعایا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہ بنی اسرائیل کے ہزاروں افراد دیکھ سکے اس لئے کہ فوج ڈوب چکی تھی۔ بنی اسرائیل خوف کے مارے سر پر پاؤں رکھے حواس باختہ بھاگے جا رہے تھے۔ صرف اللہ تھا۔ حضرت موسیٰ کنارہ پر کھڑے تھے۔ اور خداداد آنکھوں سے اس بہت لیٹ ہوجانے والے کا عالم نزع دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ساری کائنات کا نجات دہندہؑ قانون آگے بڑھا اور فرعون کے جسم کو وہ کفن پہنایا جو اسے ماڈی تغیر وتبدل سے محفوظ کردے۔ وہاں دفن کیا جہاں سے وقت آنے پر اسے نکالا جاسکے۔ اور وہ مجسمہ ہر نگاہ کو دعوتِ نظارہ دے۔ جو دیکھ لے ایک زندہ بولتی چالتی آپ بیتی سناتی ہوئی آیت اللہ سمجھے۔ جو سن لیں شوق دیدار کی تمنا قلب میں رکھے۔ سفر کے ارادے کرے سامان سفر کرتا رہے۔ یہ بتانا بہت مشکل ہے۔ کہ کتنے انسانوں نے فرعون کے بدن کو دیکھا؟ میں بھی ان لوگوں میں شمار ہوں جس نے اس فرعون کو دیکھا اور بار بار دیکھا۔ روز روز دیکھا۔ مہینوں پروگرام بنا کر دیکھا۔ وہ سر دیکھا جو جھکنا نہ جانتا تھا اور جھکا۔ وہ آنکھیں دیکھیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن سے دن رات بیس سال تک دیکھا تھا۔ وہ ہاتھ دیکھے جنہوں نے

حضرت موسیٰؑ کو گود کھلایا، آغوش میں لیا تھا۔ وہ داڑھی دیکھی جسے حضرت موسیٰؑ کے ننھے مُنے ہاتھوں نے بار بار پکڑا تھا۔ جس کو نوچنا بڑے خطرناک امتحان سے گذر کر فطری بنا تھا۔ میں وہ دل نہ دیکھ سکا۔ جس میں بیس سال حضرت موسیٰؑ کی محبت آباد رہی۔ جس میں اُنہیں دولہا بنانے تاج پہنانے کے ارمان پیدا ہوکر جوان ہوئے اور جو اُس روز دم توڑ گئے۔ جس دن اُس نے مایوس ہوکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلا اور آخری شکوہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

۔''قَالَ اَلَمْ نُرَبِّکَ فِیْنَا وَلِیْدًاوَّ لَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِکَ سِنِیْنَ O وَفَعَلْتَ فَعْلَتَکَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ (شعرا, 26/18-19)

۔''کیا ہم نے تمہیں اپنے بچوں کی طرح پرورش کرکے نہیں پالا تھا؟ اور کیا تم ہمارے شاہی خاندان کے افراد کی طرح ہمارے اندر برسہا برس نہیں رکھے گئے؟ اور اے موسیٰؑ تم نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا وہ تو کیا ہی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم انتہائی ناشکروں اور حقیقت حال کو چھپانے والوں میں سے ہوگئے''۔

لفظ **فرعون** ایک لقب تھا۔ مصر کا ہر بادشاہ، اچھا ہو یا برا، فرعون کہلاتا تھا۔ مگر حضرت موسیٰؑ کی پرورش کرنے والے شخص رَاعُمِیْسَس نے اس لفظ فرعون کو عظمت وجبروت وتکبر وسربلندی کی ناگوار بلندی تک پہنچا دیا۔ اور آج جسے سب سے بڑا جابر وقاہر کہنا ہوتا ہے۔ اسے **فرعون** کہہ کر تمام حدود فراموش سرکشی کا نمونہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ آج وہ اللہ کی ان مجسم **آیات** میں سے ایک **آیت** ہے جو قرآن میں لکھی ہوئی اور عجائب خانہ میں رکھی ہوئی **منسوخ آیت ہے**۔ فرعون نے اپنے ایمان لانے کا اقرار کیا تھا۔ اُس نے سمجھ کر تجربہ کے بعد ایمان کا اعلان کیا تھا۔ مگر مجتہد نہ ایمان لا یا نہ لاسکتا ہے۔ اور سنو اور یاد رکھو کہ اس دنیا میں فرعون وہ پہلا شخص ہے۔ جس کے شکوہ کے جواب میں ایک اولی العزم پیغمبرؐ نے یہ اقبال کیا کہ:۔

۔''قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًاوَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ Oفَفَرَرْتُ مِنْکُمْ لَمَّا خِفْتُکُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُکْمًا وَّ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ''O۔(شعراء 26/20)

۔''فرمایا ٹھیک کہا۔ جو پہلو تم نے اپنے سامنے رکھ کر بات کی ہے۔ اس حیثیت سے میں نے یہ عمل کیا ہوتا تو میں واقعی گمراہوں میں سے ایک ہوتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں تمہارے لوگوں سے اس قدر خوفزدہ ہوا کہ میرے پاس فرار کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا۔ اس لئے کہ تمہارے مُلّا حضرات میرے قتل کا بل پاس کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ (قصص 28/20) بہرحال مجھے میرے حقیقی پالنے والے نے حکومت عطا کرکے میری رسالت کا اعلان کردیا ہے''

یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ سے حاکم قوم کا ایک شخص شیعوں کی طرفداری میں مارا گیا تھا۔ ملکی قانون کی رو سے آپؐ مجرم تھے۔ مُلّوں کی قانون ساز اسمبلی نے سزائے قتل کا حکم جاری کردیا تھا۔ لیکن فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو گرفتار نہیں کیا۔ بے دست وپا کرکے جیل میں بند کرنا پسند نہیں کیا۔ حالانکہ وہ مختار تھا۔ گرفتاری اور قتل کے اختیارات وقدرت رکھتا تھا۔ یہ تھا قرآن کی ہزاروں **آیات** میں سے چند ایسی **آیات** کا نمونہ جہاں لفظ **ناسخ ومنسوخ** کے معنی حقیقی کریں یا

اجتہادی معنی کریں۔سب صادق آتے ہیں۔مگر حق حق ہے۔باطل باطل ہے۔معنی کیوں بدلے جائیں؟ جرم کیوں کیا جائے؟۔

ملائکہ جنات،حیوانات وغیرہ سے رسالتؑ اور امامتؑ کے تعلقات

یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ اللہ نے اس ساری کائنات اور کائنات میں موجود تمام مخلوقات کو مُسلم فرمایا ہے (عمران 3/81-83) اور یہ کہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے ایمان لائے ہیں۔اور اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے بھی وہی لفظ ۔''اَسۡلَمَ''۔ استعمال فرمایا ہے (عمران 3/83)۔ جو انسانوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔اور سب کو اپنی طرف خواہ مخواہ رجوع کرنے پر مجبور بتایا ہے (3/83)۔پھر اللہ نے تمام مخلوقات کو انسانوں کی طرح اُمتیں بنایا اور سب کا روز قیامت حشر و نشر لازم قرار دیا ہے۔اور انسانوں کو زندہ کر کے اٹھانے اور اپنی طرف رجوع کرنے کے سلسلے میں (انعام 6/38) فرمایا ہے کہ۔

۔''وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُكُمۡ،مَافَرَّطۡنَا فِی الۡكِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ یُحۡشَرُوۡنَO''۔(انعام 6/38)

۔''اور نہ تو کوئی زمین پر چلنے والا ہی ایسا ہے،اور نہ ہوا میں اپنے پروں سے پرواز کرنے والا ایسا ہے۔جو تمہاری مثل اُمتیں نہ ہوں۔تفصیلات ہماری کتاب میں دیکھ لو ہم نے اپنی کتاب (قرآن) میں کوئی کمی اور خامی نہیں چھوڑی ہے۔لہٰذا وہ تمام امتیں بھی اپنے پروردگار و خالق کے حضور میں گِن گِن کر حساب کے لئے لائی جائیں گی''۔

قارئین زمین پر چلنے والوں میں وہ تمام مخلوق آ گئی جو نقل مکانی کرتی ہے۔یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ،ارادہ کر کے یا بلا ارادہ،جاتی آتی ہے۔چیونٹیاں،کیڑے،سانپ،دوپائے،چوپائے،انسان وغیرہ۔پھر سمندر زمین میں ہے،سونے چاندی اور کوئلے کی کانیں زمین میں ہیں۔لہٰذا ان کے اندر حرکت کرنے والی تمام چیزیں شامل ہیں۔زمین کے مقابلہ میں آسمان آتا ہے۔اور آسمانوں میں حرکت اڑنا یا پرواز کرنا کہلاتی ہے۔اور ہر وہ جگہ جہاں حرکت ممکن ہو اور وہاں زمین کی طرح سخت سطح نہ ہو۔آسمانوں میں داخل ہے۔خیالات کی پرواز۔ملائکہ کی پرواز۔جراثیم اور ایٹم کی حرکت،جنات کی اڑان اور متعلقہ تمام مخلوقات پرواز کنندہ (طائر) کو شامل ہے اور علم الکتاب کو سامنے رکھنے سے مزید تفصیلات کا انبار و انبوہ سامنے آ کھڑا ہوگا۔اور ان سب کو اگر ہدایت اور ہادیؑ سے تعلق نہ رہا ہو یا نہ رہے تو حشر و نشر و حساب کتاب اور قیامت کا منصوبہ ہی بے کار و عبث ثابت ہو جائے گا۔ اسی لئے کتاب میں بلا تفصیل فرمایا ہے کہ۔''قَالَ رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی كُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰیO''۔(طٰهٰ 20/50)

۔''اے فرعون جب ہم رب کہتے ہیں تو ہر پالنے والا،ماں،باپ،بادشاہ وغیرہ مقصود نہیں ہوتے۔بلکہ ہمارا مقصود وہ رب ہوتا ہے جس نے ساری کائنات اور کائنات میں پھیلی ہوئی اور پھیلتی چلی جانے والی مخلوقات کو پیدا کیا ترقی کی راہ پر ڈالا،اُنہیں ہدایت کی اور ان کی ضرورت کی ہر چیز فراہم ہوتے جانے کا نظام قائم کیا ہے''۔(طٰهٰ 20/49-50)

یہ بتایا جاچکا کہ آنحضرتؐ اوّل مخلوق ہیں اوّلین مُسلم ہیں (انعام 6/163) رحمۃ للعالمین ہیں (انبیاء 21/107) نذیر کائنات ہیں (فرقان 25/1) لہٰذا وہ ہستیؐ اپنے بعد پیدا ہونے والی تمام مخلوق (ملائکہ وغیرہ) کی ہادی اور نذیر تھی۔ اور لازم ہے کہ مخلوقات کی تمام امتوں پر چشم دید شاہد رہے (نحل 16/89) اور قیامت تک ان کی ضروریات کو سمجھے، سمجھائے۔ اور انہیں نوع انسان کی تائید و ترقی پر لگائے۔ اور قیامت کے روز سب کا حشر ونشر و رجوع وحساب وکتاب وثواب وعذاب انجام دے کر مقاصدِ خداوندی کی تکمیل کرے۔ اور اپنے بعد بھی ایسا نظام چھوڑے جو اُس خدائی معیار کو ترقی دیتا ہوا قیامت تک آئے اور کتاب کے ساتھ آ کر حوض پر سلام کرے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کا یہ مقام اور اُن پر یہ ذمہ داریاں اور اُن حضراتؑ کی تخلیق کا مقصد پہلے بھی بیان ہوا تھا۔ اور بنیادی ومحکم مقصدِ خداوندی ہونے کی بنا پر طرح طرح سے آئندہ بھی بیان ہوتا جائے گا۔ اب اُن حضرات کو بھی یاد کرلیں جو اس قسم کی باتوں کو اِس لئے۔ ''دیومالائی''۔ تصورات کہہ کر آیات کے معنی بدلتے ہیں۔ تاکہ اُن کے تھرڈ کلاس راہنماؤں کی جڑ نہ اکھڑ جائے۔ اس لئے کہ وہ ملائکہ وجنات وحیوانات وغیرہ کو ہدایت کرنا تو درکنار رخود بھی گمراہی میں مبتلا رہے اور کلمہ۔ ''لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه''۔ کے چکر میں پھنس کر طوعاً وکرھاً مسلمانوں میں رہنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اور اللہ ورسولؐ سے اس کلمہ کے چکر میں پھانسنے کا انتقام لینے کے لئے قومی وملکی مستبد حکومت قائم کر کے امت پر مسلط اور ہادی کے درجہ پر قابض ہو گئے تھے۔ مگر یہ دوسری غلطی کرنا پڑی تھی کہ قرآن پر ایمان کا اعلان کر دیا تھا۔ اور آج تک اس اعلان کو کسی نہ کسی طرح نباھنا پڑ رہا ہے۔ آئمہ معصومین علیہم السلام نے اُن کی اس مجبوری سے یوں فائدہ اٹھایا کہ ہمیں یہ بتادیا کہ اُس ابلیسی گروہ سے جب کوئی ایسی بات منوانا ہو تو پہلے قرآن کریم کی ایک یا چند (شاھد اَوْ شاھدین) آیات سامنے رکھ دو۔ اُنہیں مجبوراً ماننا ہی پڑے گا۔ پھر حدیث پیش کر کے محکم سے مشابہ اور تفصیل لا کھڑی کرو اور یوں انہیں گھیر لو۔ اگر وہ معنی بدلیں گے تو عوام خفا ہوجائیں گے۔ لہٰذا انہیں اس نشست یا محفل میں بخٍ بخٍ کی طرح ماننا ہی پڑے گا۔ اور بات آگے بڑھ جائے گی۔ پھر ان کا آپس میں مشورے کرنا۔ کتابوں میں اس کا توڑ کرنا اور اگلی نسل کو بہکانا اس لئے امید موہوم بن جائے گا کہ تم بھی اپنا کام جاری رکھو گے۔ تم ہر اگلا قدم محکم ومتشابہ اور ناسخ ومنسوخ کے حساب سے اٹھاؤ گے اور وہ اس دوران حکومت سے بھی محروم ہوجائیں گے۔ اُن کی بکواس کتابوں اور ان کے قلب وذہن کے قبرستانوں میں دفن ہو کر رہ جائیں گے۔ اور پھر اپنے طاغوتی مذہب کے خود ہی اختلاف سے چیتھڑے اڑائیں گے۔ پھر سازش اور اجماع سے پھٹی ہوئی چادر میں پیوند لگا کر جزوی حق پر رضامند ہوجائیں گے۔ اور ازسرِ نو مُلا ازم کو نافذ کرنے کے لئے اِسلامی حکومت، قانون شریعت کا نعرہ مار مار کر بکھرتے جائیں گے۔ لیکن امت جاگ چکی ہوگی۔ وہ اس گیارہ گروہی نعرہ کے پیچھے پوشیدہ مقاصد کو سمجھ جائیں گے۔ لیکن باوجود اس کے کہ ان کے چھوٹے ذاکر انہیں جگائیں گے۔ ایک بات کو پچاس دفعہ کہہ کر شیعوں کو بور اور انہیں چونکانا چاہیں گے۔ مگر وہ نہ چونکیں گے اور مُلا ازم کی مخالف

جماعت سے شکست کھا کر ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ اور اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ کہ تمام عرفانی ملاؤں کے سرپرست سرمایہ داروں کو نظامِ مساوات کے لئے جھاڑ جھاڑ کر اُن کی دولت غریبوں کی طرف منتقل کی جائے گی۔ اس طرح انہیں بھی منبر کی فیس سے محروم ہونا پڑے گا۔ مومنین مذہب کی حقانیت بیان کرنے کے لئے بے مزدو معاوضہ آگے بڑھیں گے۔

(2) کیا حضرت سلیمانؑ کی قدرت وعلمیت کا انکار کر کے مسلمان رہ سکتے ہو؟

اُن لوگوں نے قرآن تو مجبوراً مانا تھا اور اس لئے مانا تھا کہ امت انہیں شناخت نہ کرلے کہ یہ تو وہی مشرک محاذ کے لیڈر ہیں جو کل تک رسولؐ کے مقابلہ پر تیغ بکف تھا۔ لیکن اُنہوں نے اُس حدیث کو خوشی خوشی مان لیا تھا کہ۔''عُلَمَاءُ اُمَّتِیُ کَاَنُبِیَآءِ بَنِیُ اِسُرَائِیُل ''۔ میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ چنانچہ آج تک شیعہ اور سُنی مجتہد ٹائپ کے علماء منبر پر بیٹھ کر اور کتابوں میں گھس کر خود کو وہی علماء کہتے اور لکھتے چلے آئے ہیں۔ اُنہیں یہ جھوٹ مبارک۔ لیکن ہمیں یہ حقیقت مبارک کہ اُمت میں کوئی عالم نہیں ہے۔ سب متعلم یعنی طالب علم ہیں۔ اور وہ علمأ جو انبیاءؑ بنی اسرائیل کے مانند بتائے گئے وہ آئمہ معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم ہیں۔ ''مانند''۔ اس لئے کہا گیا کہ نظام اجتہاد و نظام اشتراک (مشر کین فی النطفه) کے ماہرین مخالفت نہ کریں ورنہ کہاں بنی اسرائیل کے علماء؟ کہاں محمدؐ و آل محمدؐ؟ کہاں امت اور امت کے راہنما؟ وہ عیسیٰؑ نبیؑ سہی ، رسولؐ سہی ، مُردوں کو زندہ کرنے والے سہی اور علم غیب کی خبر دینے والے سہی لیکن وہ حضرت حجۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کریں گے۔ ماموم بنیں گے۔ امت محمدیہؐ کے افراد میں شمولیت پر فخر کریں گے۔ اُن کے اشاروں پر چلیں گے۔ اور ثابت کریں گے۔ کہ امت محمدیہؐ کے علمأ ان کے امامؑ ہیں۔ رہبرؑ و راہنماؑ ہیں۔ انہیں معجزات و آیات کی قدرت دینے اور دلانے والے محمدؐ و آئمہ اہل بیتؑ ہیں۔ جو خود مشیت اُللہ وارادۃ اللہ ہیں (کافی) خود وہ مجسم قانون ہیں۔ جس سے معجزات و آیات صادر ہوتی ہیں۔ لٰہذا ذرا انہیں قرآن سنائیں اللہ فرماتا ہے کہ:۔

(3) حضرت سلیمانؑ پرندوں، چیونٹیوں، جنات اور شیاطین کی زبان، جانتے اور اُن پر قدرت رکھتے تھے

۔''ہم نے سلیمانؑ کو داؤدؑ کا ایسا	وَوَرِثَ سُلَیمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یاَ یُّھَا النَّاسُ عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّیۡرِ وَاُوۡتِینَا مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ
وارث بنایا تھا۔ کہ وہ اعلان	اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الۡفَضۡلُ الۡمُبِیۡنُ Oوَحُشِرَ لِسُلَیۡمٰنَ جُنُوۡدُہٗ مِنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ
کرتا رہا کہ دیکھو اے گروہ	وَالطَّیۡرِ فَھُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ Oحَتّٰٓی اِذَ آ اَتَوۡا عَلٰی وَادِ النَّمۡلِ قَالَتۡ نَمۡلَۃٌ یّٰٓاَ یُّھَا النَّمۡلُ
انسان، اللہ نے ہمیں پرواز	ادۡخُلُوۡا مَسٰکِنَکُمۡ لَا یَحۡطِمَنَّکُمۡ سُلَیۡمٰنُ وَجُنُوۡدُہٗ وَھُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ Oفَتَبَسَّمَ
کرنے والوں کی زبانیں بھی	ضَاحِکًا مِّنۡ قَوۡلِھَا وَقَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی
سکھائیں اور ہمیں کائنات کی	وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰہُ وَاَدۡخِلۡنِیۡ ....الخ (النمل 27/16-19)

تمام چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ عطا کر دیا ہے۔یعنی یہ نہ سمجھنا کہ ہر دعا کے بعد دیتا ہے۔اورہمیں وہ سب کچھ عطا کرنا اللہ کا بولتا چالتا فضل وکرم ہے۔اور پھر یہی نہیں بلکہ اُن کے حضور میں اس کی جنوں کی فوجیں ،انسانوں کی افواج اورفضائی پرواز کرنے والی افواج حشرونشر کے لئے حاضر کی جاتی تھیں۔اوراپنی اپنی جنس اورنوع کے حساب سے کھڑی کی جاتی تھیں۔حدیہ ہے کہ ایک روز جب سلیمانؑ اوراس کی افواج چیونٹیوں کی وادی میں سے گذرنے لگےتو ایک مونث چیونٹی نے پکارکرکہا کہ اے چیونٹیوتم جلدجلد اپنے اپنے رہنے کے مسکنوں میں داخل ہوجاؤ۔ایسانہ ہوکہ سلیمانؑ اوران کالشکرتمہیں پیروں میں کچل ڈالیں اورانہیں پتہ بھی نہ چلے کہ کیا ہوا؟سلیمانؑ نے اس چیونٹی کی بات (سن کرسمجھ کر)اورہمارے احسانات پراظہارِمُسرت وتشکر کے لئے ہم سے عرض کیا۔''اے میرے خالق ومالک وپالنہار مجھےایسی پوزیشن میں برقراررکھنا کہ میں تیری ان نعمتوں کاشکرکرتارہوں جوتونے مجھ پر اورمیری والدہ اوروالدپرجاری رکھی ہیں۔اور مجھے پورا موقعہ دینا کہ میں اعمال صالحہ بجالاتارہوں اورتیری رضا حاصل کرلوں۔ اوریااللہ تو مجھےاپنے ان خاص بندوں میں داخل کرنا جوتیری کائناتی رحمتؐ سے وابستہ ہیں''۔اوریہ کہ:۔

> وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلاً يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ Oاَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْفِى السَّرْدِ..........وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ O يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَايَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ......الخ
>
> (سبا 34/10-13)

''اور یقیناً ہم نے داوٗدؑ پراپنایہ فضل کیا تھا کہ تمام پہاڑ اور پرواز کرنے والوں کو اُنکے ساتھ مل کر اطاعت وسپردگی پر مامور کردیا تھا۔اورہم نے اُن کے لئے لوہے کونرم کردیا تھا۔کہ وہ زرہ اورجنگی سامان بناتے اورلوہے کو جس طرح چاہتے استعمال کرتے تھے۔اورسلیمانؑ کے لئے ہواؤں کی سواری مکمل کردی تھی۔ وہ صبح وشام ایک ایک مہینہ کی مسافت تک دوش ہواپرجایا آیا کرتے تھے۔اورلوہے کےساتھ ساتھ ہم نے ان کے لئے تانبہ کے پگھلے ہوئے ذخیرے بھی جمع کردیئے تھے۔اورجنات وآتشیں مخلوق ہرلمحہ ان کے لئے برسرکاررہتی تھی۔اورجو ہمارے قانون کی خلاف ورزی کرتا تھا۔اسے عذاب دیا جاتا تھا۔وہ سب سلیمانؑ کے پلان کے مطابق کام میں مصروف رہتے تھے۔وہ سرنگیں،پل،محرابیں اوریادگاریں اورمجسمے بناتے تھے۔تالابوں کے برابر کے تشلے تیارکرتے تھے۔وہ مستحکم اورایک جگہ مسلسل پکتی رہنے والی دیگیں تیارکرتے تھے۔(تاکہ کھاناہروقت تیاررکھاجائے۔اورافواج کے لئے کمی نہ رہے۔اوررعایا کوکام کے لئے پورا وقت ملے)''۔

اورفرمایا:۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِشْرَاقِ O وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ O وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَآتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ O (ص 20-38/18) وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ O وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ O وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ O وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ O (سورہ انبیاء 82-21/79)

"یقیناً ہم نے پہاڑوں کو داوٗد کے لئے مسخر کر دیا تھا۔ جو صبح اور شام روزانہ اس کی عبادت اور کاروبار حکومت میں ممدّ و معاون تھے۔ اور تمام پرواز کرنے والی مخلوق اس کے روبرو ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھی۔ اور ہم نے ان کی حکومت کو نہایت زبردست بنا دیا تھا۔ اور انہیں حکمت اور فی البدیہ صحیح فیصلے کرنے کا ملکہ عطا کیا تھا۔ اور ہم نے تمام انبیاءؑ اور راہنمایانؑ اِسلام کو حکومت اور علم عطا کیا تھا۔ اور ہم نے داوٗدؑ کے لئے تمام پہاڑوں کو مُسخر کر دیا تھا۔ اور پرواز کرنے والوں کو بھی ماتحتی میں دے رکھا تھا۔ جو اُن کے کاروبارِ حکومت و عبادت میں کام آتے تھے۔ اور ہم نے یہ سب کچھ اُن سے کرا کے چھوڑ ناطے کر رکھا تھا۔ اور ہم نے داوٗدؑ کو تمہارے لئے جنگی لباس اور وردی تیار کرنے کی صنعت سکھا دی تھی۔ تاکہ جنگوں میں تمہاری حفاظت ہوتی چلی جائے۔ مگر اے اُمت محمدیہؐ کیا تم مندرجہ بالا چیزوں کے لئے ہمارے شکر گذار نہ بنو گے؟ اور جب کہ ہم نے سلیمانؑ کے لئے ہوائی طوفانوں تک کو قابو میں دے دیا تھا۔ جو سلیمانؑ کے حکم سے اس زمین کے حق میں کام کرتی تھیں جس میں ہم نے برکت عطا کی تھی۔ اور ہم ہر چیز کو علمی حیثیت سے کرتے چلے آتے ہیں۔ اور سلیمٰنؑ کو شیاطین پر بھی تسلّط دے رکھا تھا۔ اور وہ بھی اس کی خدمات میں غوطہ زن رہتے تھے۔ اور وہی نہیں اُس کے علاوہ بھی ہر کام کرتے تھے۔ اور ہم اُن کی نگرانی کرتے تھے"۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا (4/54) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا O (نساء 4/60)

مطلب واضح ہے کہ یہ محمدؐ اُسی سلسلے کو مکمل کرنے اور تمہیں وہ تمام مذکورہ قدرت فراہم کرنے کیلئے آیا ہے۔ جو تمام سابقہ اسرائیلی اور دیگر انبیاءؑ کو ہم نے عطا کی تھی۔ تم کیوں کاروبارِ دنیا اور تھرڈ کلاس تصورات میں الجھے ہوئے ہو؟ کیوں حقیقی ایمان لا کر بلند ترین لوگ بننا نہیں چاہتے؟ کیا تم لوگ اس بات پر حسد و جلن میں مبتلا ہو کہ ہم نے آل ابراٰہیم کو قرآن اور حکمت اور زبردست حکومتوں کا مالک بنائے رکھا ہے۔ اے رسولؐ کیا تم نے ان لوگوں کو باقاعدہ نوٹ

کرلیا ہے۔ جو یہ دعویٰ کرکے مسلمانوں میں گُھلے مِلے ہوئے ہیں کہ وہ قرآن پر اور سابقہ تمام کتابوں پر ایمان لے آئے ہیں۔مگر منصوبہ اُن کا یہ ہے کہ طاغوتی حکومت بنالیں اور اپنا تمام کاروبار نظامِ طاغوتی کے حوالہ کردیں۔حالانکہ اُنہیں یہ حکم دیا جاچکا ہے کہ وہ سب کے سب طاغوتی نظام کے کافر اور اِسلام کے مومن بن جائیں۔لیکن اُن پر شیطان مسلّط ہوگیا ہے اور اُس نے طے کرلیا ہے کہ انہیں گمراہی کی تمام حدود پار کراکے چھوڑے۔

(4) علمائے اُمتِ محمدیہؐ سے کم ازکم کیا امید ہونی چاہیئے؟

قارئین کرام مسلمانوں کو چاہیئے کہ یا تو وہ تمام اُمتوں پر فخر کرنا چھوڑ دیں اور اپنی موجودہ ذلت ورسوائی اور مشہور عالم کمزوری وناکامی کو سینے سے لگا کر منہ چھپا کر گوشۂ گمنامی اور حلقۂ غلامی اختیار کرلیں اور منہ بند رکھیں۔یا پھر شریف لوگوں کی طرح یہ مان لینا چاہیئے کہ اُن کی موجودہ حالت غلط قیادت کا نتیجہ ہے اور یہ کہ اُن کے حقیقی راہنما اور قائد ہرگز موجودہ اور گذشتہ شرمناک وتباہ کن حالات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔اور یہ دوسری بات ایسی صورت میں قابل قبول وقابل غور ہو نہ سکے گی جب تک مسلمان اپنے راہنماؤں اور قائدوں کو غلط کار مانتے رہیں گے۔اس لئے کہ جب کسی امت کا نبیؐ ہی (معاذ اللہ) غلط ہوگا۔تو اُس نبیؐ کے صحابہ اور تربیت یافتہ لوگ بھی غلط کار ہونا لازم ہیں۔اور جب یوں غلطیوں اور غلط کاریوں کی حامل امت آگے بڑھے گی تو افزائشِ نسل اور تبلیغ کی وسعت کے ساتھ ساتھ غلطیوں،غلط کاریوں اور غلط کاروں کی مقدار وتعداد بھی ترقی کرتی بڑھتی پھیلتی جائے گی۔اور موجودہ نتیجہ اُمت کے راہنماؤں کی غلطیوں اور غلط کاریوں کو ثابت کرے گا۔چنانچہ اگر اُمت محمدیہؐ یہ چاہتی ہے کہ اُن کا سر بلند رہے اور وہ اقوام عالم اور ان کے قائدین پر فخر کریں اور آئندہ ادوار میں اُنہیں عالمی قیادت وامامت حاصل ہو؟ تو اُن پر واجب ہے کہ وہ یہ اعلان کریں اور اس پر ایمان لائیں کہ ان کے نبیؐ اور نبیؐ کے جانشین معصومؑ تھے۔اُن سے غلطی اور ہر قسم کی لغزش ناممکن تھی۔غلطیاں ان کی نافرمانی میں سرزد ہوئی ہیں۔اُمت کی کثرت کو مغالطہ دیا گیا۔امت کے خلوص اور محنت وقربانی کے جذبہ کو غلط رخ میں موڑا گیا اور معصومؑ تعلیمات کو اُمت کے سامنے آنے سے مسلسل روکا جاتا رہا۔یہ وجوہات ہیں موجودہ ذلت ورسوائی کی۔آئندہ ہم اس تمام پروگرام کو رد کرتے ہیں جس نے ہمیں تباہ کیا۔اور وہ پروگرام اختیار کریں گے۔جو اُن علماء نے تیار کیا ہو جو کم ازکم انبیائے بنی اسرائیل کے مانند ہوں اور ان تمام علماء کو قبول کرتے ہیں جو مندرجہ بالا آیات کے اس خلاصہ کو اپنے اندر ثابت کریں یا کم ازکم اس خلاصہ کو رکھنے والے حضراتؑ کے پروگرام پر اطلاع وایمان رکھتے ہوں۔

(5) علمائے امت محمدیہؐ کے چند صفات واختیارات

1۔تمام انسانوں کی زبانیں جاننا اور اُن سے رابطہ قائم رکھنے اور ہدایت کرنے کی قابلیت۔

2۔تمام جنات کی زبان سمجھنا اُن کو مطیع وفرمانبردار بنانے کی قدرت رکھنا۔

3۔ چیونٹیوں سے لے کر تمام چرند و پرند کی زبان جاننا اور اُن کو انسانی ترقی میں لگانا۔

4۔ کائنات کے علوم اور دیگر مفید وسائل حیات پر قدرت رکھنا۔

5۔ یہ ثابت کرتے رہنا کہ اُن پر اللہ کا مستقل اور نمایاں فضل و کرم جاری رہتا ہے۔

6۔ زمین، سمندر اور فضا میں کام کرنے والی افواج اور فوجی ساز و سامان پر قابو رکھنا۔

7۔ انسانوں، جنوں، پرواز کرنے والوں سے اُن کی قابلیت کے مطابق کام لے سکنا۔

8۔ دنیا کے پہاڑ یا تمام پست و بلند کا مطیع ہونا اور انسانوں کے لئے کام کرنا۔

9۔ حکمتِ خُداوندی اور فوراً حقیقی و صحیح فیصلہ کرنے کے قابل ہونا۔

10۔ اللہ کی طرف سے تمام مخلوق پر حکومت کا ملنا۔

11۔ ہواؤں کا مطیع ہونا اور انسانی خدمت کے لئے ہواؤں اور طوفانوں کو استعمال کر سکنا۔

12۔ شیاطین پر مکمل تسلّط رکھنا اور اُنہیں انسانی خدمات پر لگانا۔

آگے بڑھنے سے پہلے قارئین یہ نوٹ فرمالیں کہ یہ بارہ صفات یا قابلیتیں صرف دو نبیوںؑ کی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا وغیرہ اور دیگر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ اُن سے علیحدہ ہیں۔ اور یہ حقیقت دنیا کا ہر عقلمند جانتا اور مانتا ہے۔ کہ ایک ایم اے کی کلاس کو انتہائی تعلیم دینے والے ماسٹر یا معلم میں وہ تمام قابلیت اور قدرت و اختیار و صفات لازم ہیں جو پہلی جماعت سے لے کر آخری جماعتوں کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ یعنی حضرت محمدؐ اور جانشینان محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم میں وہ تمام قابلیت اور قدرت و اختیار و صفات ہونا واجب ہے۔ جو سابقہ تمام انبیاءؑ و رسلؑ اور آئمہؑ و اولیاءؑ اور ہادیانِ دین میں الگ الگ ضروری تھیں۔ اور اس حقیقت کے خلاف عملدر آمد ہی نے اُمت کو موجودہ ذلت اور نکبت و رُسوا کن حالت تک پہنچایا تھا۔ جسے چھوڑنا ہم نے طے کیا ہے۔

<u>(6) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بہتر (72) زبانوں میں بولنا، لکھنا پڑھنا جانتے تھے</u>

نظامِ اجتہاد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ اَن پڑھ و جاہل ثابت کرنے کے لئے لفظ ''اُمّی''۔ کے غلط معنی مشہور کیے۔ تاکہ اَن پڑھ اور جاہل لوگوں کو بھی اِسلامی قیادت و نیابت کرنے کا موقع مل سکے۔ اور اُسی اصول پر کائنات کے مالک و سرور نجات دہندہ نبیؐ کو معاذ اللہ خاطی و گناہ گار بنا کر دُنیا سے رُوشناس کرایا گیا اور پھر ہر خطا کار و گناہ گار و ظالم و جابر شخص کو اُمت کا قائد و راہنما منوایا گیا بہر حال اب قارئین یہ دیکھیں کہ ہمارے رسوؐل اور جانشینان رسوؐل حقیقتاً کیسے تھے۔

۔''جناب شیخ صدوق رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے، اُنہوں نے سعد بن عبداللہ سے، اُنہوں نے احمد بن محمد بن عیسیٰ سے، اُنہوں نے ابوعبداللہ محمد بن خالد البرقی سے، اُنہوں نے جعفر بن محمد الصوفی سے سنا کہ اُنہوں نے کہا کہ میں نے امام محمد تقی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور آنحضرؐت کو اُمّی کہنے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے سوال کیا کہ اس معاملہ میں باقی لوگ کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ اُن کا گمان یہ ہے کہ وہ حضرت لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے اُمّی (ان پڑھ) کہا گیا ہے۔ فرمایا کہ وہ کاذب ہیں۔ اللہ اُن پر لعنت

۔''ابی رحمه الله قال حدثنا سعد بن عبداللّٰہ عن احمد بن محمدبن عیسٰی عن ابی عبداللّٰہ محمدبن خالدالبرقی عن جعفر بن محمدالصوفی قال: سالت ابا جعفر محمد بن علی الرضا علیهما السلام فقلت یا بن رسولؐ اللّٰہ لم سمّی النبیؐ الاُمِّی ؟ فقال: مایقول الناس ؟قلت یزعمون انّه انّما سمّی الاُمّی لانه لم یحسن ان یکتب فقالؑ: کذبوا، علیهم لعنة اللّٰہ انی ذلک واللّٰہ یقول فی محکم کتابه وهوالذی بعث فی الامین رسولاً منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکّیهم ویعلّمهم الکتاب والحکمه فکیف کان یعلّمهم مالایحسن؟ واللّٰہ لقد کان رسوؐل اللّٰہ **یَقْرَءُ و یکتب باثنتین وسبعین** او قال **بثلاثه و سبعین** لسانًا وانّما سمّی الاُمِّی لانّه کان من اهل مکة و مکة من امهات القریٰ، قول اللّٰہ عزّوجلّ لتنذر ام القریٰ و من حولها ۔(علل الشرائع صفحہ ۱۲۶۔۱۲۵، شیخ صدوقؒ)

کرے اس کے برخلاف اللہ نے اپنی کتاب محکم میں فرمایا ہے کہ۔ ہم وہی ہیں، جس نے اُمیوں پر اُن ہی میں سے ایک رسوؐل مبعوث کیا ہے۔ جو اُن پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں الکتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ جو شخص خود ہی اَن پڑھ ہو وہ انہیں کیسے تعلیم دے سکتا تھا؟ قسم بخدا کہ حقیقت اور امر واقعی یہ ہے کہ رسوؐل اللہ بَہتّر (72) زبانوں میں لکھتے اور پڑھتے تھے۔ (راوی کہتا ہے کہ شاید تہتر (73) زبانوں میں فرمایا تھا) رہ گیا اُمّی لقب؟ وہ اس لئے ہے کہ آپ مکہ کے باشندے تھے اور مکہ کا نام آبادیوں کی ماں (اُمّ القُرٰی) ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ تم اُم القُرٰی اور اُس کے گردونواح کی تنذیر کرو (سورہ شوریٰ 42/7)۔

قارئین پسند آئے تو مان لیں کہ آنحضرؐت انسانوں میں اُس وقت بولی اور لکھی پڑھی جانے والی بَہتّر (72) یا تہتر (73) زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ ساتھ ہی یہ نوٹ کرلیں کہ امام محمد تقی علیہ السلام کے صحابہ میں اس حدیث کا راوی صوفی ہے۔ جو شیعہ اثناعشری ہونے کی بنا پر ان لوگوں کے منہ پر ایک طمانچہ ہے جو تصوف کو مطلقاً مذموم قرار دیتے ہیں۔

(7) محمدؐ اور ان کے جانشین امامؑ تمام جانداروں کی زبانوں کے عالم ہیں

اب قارئین یہ دیکھیں کہ امت محمدیہؐ کا رسوؐل اور آئمہ علیہم السلام نہ صرف انسانوں اور جنات وغیرہ کی زبانیں جانتے

ہیں۔ بلکہ تمام ذی روح اور جانداروں کی زبان اور منشاء ومرُ اد سمجھتے ہیں۔اور قلوب واذہان میں پوشیدہ تصورات اور بغیر الفاظ کی بات بھی سمجھتے ہیں دیکھئے کہ:۔

۔''جناب ابوبصیر رضی اللہ عنہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں کہ حضور یہ بتائیں کہ امام کو کیسے شناخت کیا جائے؟ فرمایا اُس کی خصلت سے۔مثلاً ایک یہی کہ اُس کے والد کے پاس پہلے ہی سے اطلاع اور حکم موجود ہوتا ہے اور وہ خود بھی بطور دلیل اشارہ شدہ ہوتا ہے۔دوسرے یہ کہ جو کچھ بھی اُس سے پوچھا جائے صحیح جواب دیتا ہے۔یعنی یہ نہیں کہتا کہ میں نہیں جانتا۔اور اگر کوئی اس کے پاس

۔''عن ابی بصیر قال: قلت لابی الحسن علیه السلام جعلتُ فداک بما یعرف الامامؑ؟قال: فقال: بخصال اما اولها فانه بشیءٍ فقد تقدّم من ابیه فیه باشارة اِلیه لتکون علیهم حجة و یسال فیجیب وان سکت عنه ابتدأ ویخبر بمافی غدویکلم الناس بکل لسانٍ۔ثمَّ قال لی: یَااَبَامحمد! اُعطیک علامة قبل ان تقوم فلم البث ان دخل علینا رجلٌ من اهل خراسان فکلمه الخراسانی بالعربیة فاجابه ابو الحسنؑ بالفارسیة۔فقال له الخراسانی: واللّٰه جعلت فداک مامنعنی ان اکلمک بالخراسانیة غیرانی ظننت انک لا تحسنها‘فقال: سبحان اللّٰه اذا کنت لَااُحسن اجیبک فما فضلی علیک؟ثم قال لی: یا ابا محمد! ان الامام لایخفی علیه کلام احد من الناس ولاطیر ولا بهیمة ولا شییءٍ فیه الروح فمن لم یکن هٰذه الخصال فیه فلیس هُوَ بامام(ظفری جلد اصفحہ ۳۲۸)

دل میں سوال لئے خاموش بیٹھا ہوا ہو تو امامؑ ازخود جواب کی ابتداء کرتا ہے اور انسانوں سے تمام زبانوں میں بات کرسکتا ہے۔ اور ہر زبان والا اُس سے بلا مترجم گفتگو کرسکتا ہے۔اس کے بعد فرمایا کہ اے ابا محمد میں تمہارے اُٹھنے سے پہلے پہلے اپنے بیان پر علامت اور ثبوت دے دوں گا ذرا دیر بھی نہ گذرنے پائی تھی۔کہ ایک خراسان کا باشندہ اندر چلا آیا اور اُس نے امامؑ کے ساتھ عربی زبان میں سوال کیا۔امامؑ نے اُسے فارسی میں جواب دے دیا۔تو اُس خراسانی نے کہا مجھے جس چیز نے فارسی میں بات کرنے سے روکا وہ یہ تھی کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ فارسی نہ جانتے ہوں۔امامؑ نے فرمایا سبحان اللہ اگر میں کوئی زبان نہ جانتا ہوں تو پھر مجھے تمہارے اوپر کیا فضیلت ہوگی۔یعنی تم بھی بعض زبانوں سے ناواقف ہو اور تمہارا امام بھی بعض زبانیں نہ جانتا ہو تو دونوں برابر ہو جائیں گے۔پھر مجھ سے کہا کہ اے ابا محمد امامؑ سے کسی بھی انسان کا کلام مخفی نہیں رہ سکتا۔نہ کسی پرواز کرنے والے کا نہ کسی حیوان کا اور نہ کسی ذی روح کا کلام مخفی رہ سکتا ہے۔اور جس میں یہ خصلتیں نہ ہوں وہ امام نہیں ہوتا ہے''۔

(8) آئمہؑ اور رسولؐ اللہ کو مستقل علم وقدرت کا عطا ہونا ہزار طریقہ سے ثابت ہو چکا

وہ علمائے شیعہ جو محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کو عارضی اور وقتی اور محدود علم وقدرت ملتے اور واپس لئے جاتے رہنے کا

عقیدہ رکھتے ہیں ۔اور محمد حسین ڈھکو کے ہمنوا ہوکر فضائل محمدؐ وآلِ محمدؐ کے استقلال کا انکار کرتے ہیں ۔اوراحادیث میں طرح طرح کی کانٹ چھانٹ کرکے یہ کہتے ہیں کہ محمدؐ اورآئمہؑ جب دعا کرتے تھے تو اللہ انہیں علم وقدرت دے دیتا تھا۔ ہروقت اُن کے پاس علم وقدرت نہ رہتے تھے۔اُن کو بتائیں کہ کیا تم اس حدیث کا انکار کروگے۔جس میں پھر ثابت ہوا کہ:۔

1۔ اماؑم تمام انسانوں،حیوانات، جنات، ملائکہ اور ہر جاندار مخلوق کی زبان اور مافی الضمیر مستقلاً جانتا ہے۔(ہر دفعہ دعا کرنے کا ذکر نہیں ہے۔)

2۔ اور تمام انسانوں اور دیگر سوال کرنے والوں کے ہر سوال کا جواب بھی مستقل طور پر جانتا ہے۔اور ہر دفعہ دعا مانگ کر علم حاصل کرنے کا محتاج نہیں رکھا گیا ہے۔

3۔ اُن سوالات کا جواب بھی دے سکتا ہے۔جو ابھی تک زبان پر نہیں آئے۔یعنی اماؑم تصورات وخیالاتِ باطنی کا بھی مستقل علم رکھتا ہے۔

4۔ امام گھر کی چاردیواری کے اندر بیٹھے ہوئے باہر کے لوگوں کی نقل وحرکت پر مطلع ہوتا ہے اور جو شخص ابھی سامنے نہیں آیا اُس کے دل میں جو کچھ ہے وہ اور جس زبان میں وہ بات کرے گا وہ بھی جانتا ہے۔

5۔ یہ فیصلہ بھی ہوگیا کہ تمام وہ لوگ جو کسی زبان کو جانتے ہیں اور کسی کو نہیں جانتے آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فضیلت یا بزرگی نہیں رکھتے ۔مثلاً میں عربی جانتا ہوں مگر پشتو اور سندھی زبان نہیں جانتا۔اور مسٹرایکس وائی زید (X,Y,Z) پشتو جانتے ہیں۔عربی نہیں جانتے تو ہم دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔اُدھر ہم دونوں ایک تیسرے شخص کے محتاج ہیں جو عربی اور پشتو دونوں جانتا ہو اور ترجمانی کرکے ہم دونوں کو ایک دوسرے کا مطلب سمجھائے۔اور اگر وہ ترجمہ غلط کردے تو ہم دونوں کو نہایت کامیابی سے گمراہ کرسکتا ہے۔جب تک ایک چوتھا اور ایماندار شخص نہ ملے۔یہی بات یوں بھی کہی اور سمجھی جاسکتی ہے اور قطعاً صحیح ہے۔کہ مولوی محمد حسین ڈھکو قبلہ عربی اور علم فقہ جانتے ہیں مگر سائنس اور انگریزی زبان سے ناواقف ہیں۔اور جناب بخاری وغیرہ ایم ایس سی ہیں۔انگریزی زبان جانتے ہیں۔تو ڈھکو اور بخاری دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں۔اب اگر مترجم چاہے تو اُن دونوں کو ایک دوسرے سے ایماندارانہ ہم کلام کردے اور نہ چاہے تو دونوں کو گمراہ کردے۔ لہٰذا عوام مترجمین کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہیں۔اور مترجمین کے محتاج ہیں۔یہی وجہ ہے کہ امت میں عموماً اور شیعوں میں خصوصاً اختلاف وانتشار پھیلا ہوا ہے۔اور مُلّاازم کامیابی سے پوری امت کو تباہ وبرباد کرتا چلا آرہا ہے۔اور ہمیشہ مسٹر وملا اور اصغر واکبر مل کر شیعوں کو بھی پوری مذہبی آزادی کا رنگین دانہ پھینکتے رہے ہیں۔اور کافرگری کرنے والے مفتی اور ڈھکو اپنے سیاسی جال کے کونے دبائے ہوئے اِسلامی حکومت کی تسبیح گھماتے رہے ہیں۔اور امت کے سادہ دل اور پرخلوص لوگ اِسلام

اور اِسلامی حکومت کے نام پر مکر وفریب کے اس اِسلام نما جال میں اُسی طرح جوق در جوق داخل ہوتے رہے ہیں ۔جس طرح بہت دن پہلے اِسلامی حکومت کے تحفظ کے نام پر اور چھ سو مفتیوں اور ڈھکوؤں کے فتویٰ کوسن کر کربلا میں حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں جمع ہو گئے تھے اور خوب خوب دادِ شجاعت وخلوص دی تھی ۔اور خانوادۂ رسولؐ کو مخالف اِسلام سمجھ کر تہہ تیغ کر دیا تھا۔

(9) پرندے اور وحشی جانور بھی آئمہؑ کے حضور اپنے مقدمات لاتے تھے اور مطیع تھے

قارئین بلاتمہید سُنیں جناب محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ۔ میں ایک روز امام محمدؑ باقر کی خدمت میں حاضر تھا کہ قُمریوں کا ایک جوڑا دیوار پر اترا اور پھر آپس میں کچھ چوں چوں غوں غوں کرتے رہے ۔پھر امامؑ کے پاس آ کر کچھ کہتے رہے اور امامؑ نے ان کے کلام کا جواب دیا۔پھر قُمریوں کا جوڑا اڑ کر دیوار پر جا بیٹھا اور وہاں کچھ دیر آپس میں بولتے رہے ۔پھر دونوں پرواز کر گئے ۔ میں نے دریافت کیا کہ حضور یہ پرندوں کا کیا قصہ تھا؟ فرمایا کہ اے ابن مسلم سنو

> عن محمدؐ بن مسلم عن ابی جعفر علیه السلام قال: کنت عنده یوماً اذوقع زوج ورشان علَی الحائط وھدلاھدیلھما فردابو جعفرؑ علیھما کلامھما ساعة۔ثم نھضا فلما طارا عَلَی الحائِط ھدَلَ الذکر عَلٰی اُنثٰی ساعة ۔ثم نھضافقلت: جعلت فداک ماھذا الطیر؟قال :یابن مسلم کل شیءٍ خَلَقَهُ اللّٰه من طیرٍ او بھیمة او شیءٍ فیه روحٌ فھوا سمع لنا واطواعُ من ابن آدم ۔ان ھٰذا الورشان ظن بامرأته فحلفت له مافعلت فقالت : ترضا بمحمدؐ بن علیؑ ،فرضیا بی فاخبرته انه لھا ظالم فصدقھا۔(ظفری جلد۱صفحہ۵۸۳ کمرئی ۲صفحہ ۴۹۸)

کہ اللہ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے ۔خواہ اڑنے والے ہوں یا وحشی جانور ہوں اور تمام وہ مخلوق جن میں جان ہوتی ہے ۔انسانوں سے بھی زیادہ ہمارا حکم مانتے ہیں ۔اور سب سے زیادہ اطاعت کرتے ہیں ۔قُمریوں کا معاملہ یہ تھا کہ شوہر کو اپنی بیوی کے متعلق کچھ شبہ ہو گیا تھا۔اس نے قسمیہ انکار کیا تھا۔آخر زوجہ نے کہا کہ امام محمدؑ باقر سے فیصلہ کرا لو۔ چنانچہ میں نے دونوں کا فیصلہ کر کے دونوں کو رضامند کر دیا اور بتا دیا کہ شوہر نے زیادتی کی تھی ۔اُس نے بھی اپنی زوجہ کو بے قصور مان لیا اور چلے گئے''۔

(10) درختوں اور پتھروں کا سجدہ کرنا راستوں کا مہکتے رہنا

قارئین سابقہ انبیا علیہم السلام کی پوزیشن سامنے رکھتے ہوئے محمدؐ وآل محمد صلوۃ اللہ علیہم کی منزلت اور فضیلت کو دیکھیں۔

۔''امام محمدؑ باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ رسولؐ اللہ میں تین ایسی خصوصیات تھیں کہ ان کے علاوہ اللہ نے کسی اور کو نہ دی تھیں۔

> عن ابی جعفر علیه السلام قال : کان فی رسولؐ اللّٰه ثلاثة لم تکن فی احدغیرہٖ (۱) لم یکن له فیءِ و ۔(۲)کان لایمرفی طریقٍ فیمر فیه بعدیومین اوثلثة الاعرف انہٗ قدمر فیه لطیب عرفه و ۔(۳)۔کان لایمر بحجرولا شجرٍ الا سجدله ۔(ظفری جلد ایک صفحہ ۵۴۷۔کمرئی جلد ۲ صفحہ ۴۴۰ باب مولد النبی)

اول یہ کہ آپؐ کا سایہ نہ تھا۔ دوئم یہ کہ آپؐ جس راہ سے گذرتے تھے تو دو تین روز کے اندر اُسی راستہ پر چلنے والے لوگ آپؐ کی خوشبو سے سمجھ جاتے تھے۔ کہ حضورؐ ہی اس طرف سے گذرے ہیں۔ سوم یہ کہ آپ کسی بھی پتھر یا درخت کے پاس سے ایسی حالت میں نہیں گذرے کہ شجر وحجر نے اُن کو سجدہ نہ کیا ہو۔ یعنی درخت وپتھر آپؐ کو پہچانتے اور سجدہ کرتے تھے''۔ ذرا رک کر سوچیئے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

اَلرَّحْمٰنُ O عَلَّمَ الْقُرْآنَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ O عَلَّمَهُ الْبَيَانَ O اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ O وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ O (55/1-6)

۔''رحمٰن وہ ذات پاک ہے۔ جس نے قرآن کی تعلیم (عَلَّم القرآن) دے کر انساؔن کو پیدا کیا اور پھر اُسے قرآن کا بیان سکھایا۔ پھر سورج اور چاند کو گردش میں لگا دیا اور ستاروں اور درختوں کو سجدہ کرنے پر مامور کیا''۔

(11) درختوں کا محمدؐ وآل محمدؐ سے باتیں کرنا اور پوری کائنات کے خزانچی ہونا

امام موسیٰ کاظمؑ جناب جعفر صادقؑ علیہ السلام کی زبانی فرماتے ہیں کہ۔

قال ابو عبدالله ان الله عزوجل خلقنا فاحسن خلقنا وصورنا فاحسن صورنا وجعلنا خزانه فی سمائه وارضه ولنا نطقة الشجرة وبعبادتنا عبدالله ولولانا ما عبدالله (ظفری جلد ا۔ صفحہ ۲۲۱)

۔''اللہ نے ہمیں پیدا کیا بہترین پیدا کیا۔ اللہ نے ہماری صورت بنائی اور تمام شکلوں سے اچھی صورت بنائی اور اپنے آسمانوں اور زمین کے تمام خزانوں کا منتظم بنایا۔ اور ہمارے لئے درختوں کو زبان عطا کی اور بولنا سکھایا۔ اور ہماری عبادت کو دیکھ کر باقی مخلوق نے عبادت سیکھی اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ ہوتی۔''

قارئین سوچیں کہ انبیاءؑ بنی اسرائیل ہوں یا باقی انبیاءؑ ہوں انہیں جو کچھ ملا وہ اللہ کے خزانوں سے ملا اور محمدؐ وآل محمدؐ کے ہاتھ سے ملا۔ اُن کو جو قدرت واختیار ملا وہ یہاں سے ملا۔ درختوں اور پتھروں نے خدا کے سوا کسی کو بلا حکم خدا سجدہ نہیں کیا اور محمدؐ وآل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم ہی وہ وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ جس سے تمام مخلوقات وموجودات کو رزق اور تمام ضروری سامان ملتا ہے۔

﴿قال ابو عبدالله علیه السلام الاوصیاءُ هم ابواب الله التی یؤتی منها الخ﴾ (ظفری جلد اول صفحہ ۲۲۲)۔

یہ دوسری بات ہے کہ مترجم فریب ساز ہو اور غلط ترجمہ کر کے امت کو دھوکہ دیتا چلا جائے اور شیطان کی تائید کرتا رہے۔ تا کہ مسٹر ڈھکو کی کتاب پر تبصرہ لکھ کر کتاب فروشی میں مدد لے اور جب کام ہو چکے تو بارہ سال کے بعد اُسی کتاب (احسن الفوائد) کو فتنہ وفساد اور عقائد فاسدہ کا مجموعہ لکھ دے جسے تبصرہ میں بارہ سال پہلے سرمایہ ایمان لکھا تھا اور ڈھکو کو شیعوں سمیت فریب دیا تھا۔ جس قوم میں ایسے لوگ مترجم اور علماء کہلائیں اُس سے بدنصیب قوم کون ہو سکتی ہے۔ جہاں اَن پڑھ لوگ علامہ اور مجسم عرفان بن

جائیں وہاں اگر تعلیمات محمدؐ وآلِ محمدؐ کو نہ سمجھا جائے تو خطا کس کی ہے؟۔

(12) محمدؐ مصطفیٰ اور آئمہؑ ھدیٰ تمام مخلوق کے ساتھ ساتھ قومِ جنات کے بھی ہادی ہیں

قارئین کرام نے حضرت سلیمانؑ کے سلسلے میں جنوں پر تسلّط دیکھا تھا۔ یہاں پہلے قرآن کریم سے یہ دیکھیں کہ رسالت محمدیہؐ جنوں سمیت تمام مخلوقات پر حاوی ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی تعلیم وتبلیغ کی ظاہری و مادی صورت کی ابتدا ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ کہتا ہے کہ:۔

۔''وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْہُ قَالُوْآ اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِھِمْ مُّنْذِرِیْنَ O قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ یَھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ O یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ وَاٰمِنُوْا بِہٖ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ O وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَیْسَ لَہٗ مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءُ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ O (احقاف 46/29-32)

۔''جب ہم نے جنوں کے ایک گروہ کو آپ کے پاس برتنے کے لئے بھیجا اور قرآن کو سننے کے لئے وہ قریب پہنچے تو ایک دوسرے کو خاموشی سے سننے کے لئے کہنے لگے۔ اور جب آپ نے قرآن کی تلاوت پوری کرلی تو اپنی قوم کی ولایت میں تنذیر کرنے کو پہنچ گئے اور کہا کہ اے ہماری قوم کے افراد سنو کہ ہم نے ایک ایسی کتاب کو سنا ہے۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور تمام موجودہ تعلیماتِ خُداوندی کو سچا کر کے دکھا رہی ہے۔ اور خود حق وصداقت اور برقرار رہنے والے راستہ کی طرف ہدایت کررہی ہے۔ اے ہماری قوم تم اللہ کے رسوؐل کی دعوت قبول کرو اور اس رسوؐل اور کتاب پر ایمان لاؤ۔ اس طرح تمہارے گناہوں کی مغفرت ہوگی اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ مل جائے گی اور جو کوئی اُس رسوؐل کی دعوت کو قبول نہ کرے گا وہ اس زمین پر اُسے مجبور نہ کرسکے گا۔ اور اُس رسوؐل کے علاوہ کوئی بھی اُن کا حاکم نہیں ہوسکتا۔ اور وہ لوگ کھلی گمراہی میں داخل ہوجائیں گے''۔

قرآن کا یہ بیان بتا تا ہے۔ کہ رسالت محمدیہؐ نے جنوں کو مجبور نہیں کیا بلکہ تمام انسانوں کی طرح ان کو بھی آزاد رکھا تا کہ وہ آزادیٔ ضمیر کے ساتھ محمدؐ مصطفیٰ اور آئمہ ھدیٰ صلوٰۃ اللہ علیہم کو رسوؐل و امامؑ مانیں اور ذوق وشوق سے ان کی اطاعت کریں۔ اب اس سے آگے بڑھیں اور احادیث میں آئمہ علیہم السلام کا جنوں کے ساتھ رابطہ اور تعلق دیکھیں۔

(13) جنوں میں امامؑ کی طرف سے مرکزی حکومت قائم رہتی چلی آئی ہے

۔''حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اژدھا مسجد کے ایک دروازے کی جانب سے نکلا اور تیزی سے منبر کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ لوگ اسے مار ڈالنے کے لئے تل گئے تو حضرت علیؑ

نے ان کو منع کرا بھیجا۔ لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے۔ اور اژدھا بڑھتا ہوا منبر کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپؑ پر درود پڑھا۔ امیر المومنینؑ نے اسے منتظر رہنے کا اشارہ فرمایا۔ تا کہ آپ خطبہ ختم کر لیں۔ خطبہ سے فراغت کے بعد آپ اژدھا کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں عمرو ہوں۔ اور جنوں پر آپ کے خلیفہ عثمان کا بیٹا ہوں۔ میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ انہوں نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا حکم حاصل کروں۔ چنانچہ میں حاضر ہوں۔ مجھے اپنی رائے اور حکم سے نواز دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اور اب تم اپنی قوم جن میں واپس جا کر اپنے والد کی ذمہ داریاں سنبھالو۔ لہٰذا تم میری طرف سے اپنی قوم میں خلیفہ ہو۔ عمرو یہ ارشاد سن کر وداع ہوا اور چلا گیا۔ چنانچہ وہ ان حضرتؑ کی طرف سے جنوں پر خلیفہ ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں قربان جاؤں یہ بتایئے کہ کیا عمرو بن عثمان آپ کے پاس بھی آتا ہے۔ اور ذمہ داریاں پوری کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں ایسا ہی ہے۔ (ظفر جلد 1 صفحہ 488)

(14) جنوں کو تعلیم اِسلام برابر دی جاتی رہی اُن کے وفود آئمہؑ کے پاس آتے رہے

۔"جناب سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا اور اجازت لینا چاہتا تھا۔ کہ دیکھتا ہوں امامؑ کے دروازے پر کجاوہ بندھے ہوئے اونٹوں کی قطاریں کھڑی ہیں۔ اور اندر سے لوگوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ اندر سے عمامے پہنے ہوئے ایک قوم برآمد ہوئی جو قوم جاٹ کے مشابہ تھی۔ وہ اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر چلے گئے تو مجھے اجازت ملی۔ میں نے عرض کیا کہ حضورؑ آج یہ عبا قبا اور عماموں میں ملبوس قوم کون تھی جن کی وجہ سے اجازت ملنے میں تاخیر مجھے بڑی گراں گذری؟ آپؑ نے پوچھا کہ کیا تم سمجھ سکے کہ یہ لوگ کون تھے؟ میں نے انکار کیا۔ تو فرمایا کہ یہ تمہارے اپنے مسلمان بھائی تھے جو قومِ جنات میں سے تھے۔ یہ لوگ دینی مسائل اور معلومات حاصل کرنے کے لئے اور اپنے اقدامات میں جائز اور ناجائز جاننے کے لئے ہمارے پاس آتے رہتے ہیں"۔

عن سعد الاسکاف قال: آتیت اباجعفر علیه السلام اریدالاذن علیه فاذا رحال ابل علی الباب مصفوفة ،واذا الاصوات قدارتفعت ، ثم خرج قوم معتمین باالعمائم یشبهون الزط قال فدخلت علیٰ ابیؑ جعفر فقلت : جعلت فداک أبطأ اذنک عَلَیَّ الیوم ورأیت قوماً خرجوا علیَّ معتمین بالعمائیم فانکر تهم فقال: اوتدری من اولئک یاسعد؟قال: قلت لاقال : فقال: اولئک اخوانکم من الجن یاتونافیسالون عن حلالهم وحرامهم ومعالم دینهم۔(ظفر جلد۱صفحہ۴۸۶۔۴۸۷ کمرئی جلد۲صفحہ۳۱۶)

(15) پیغامات واحکامات کا فوراً پہنچنا جنات کی ذمہ داری تھی

۔''سدیر صیر فی کہتے ہیں کہ مجھے امام محمد باقر علیہ السلام نے مدینہ میں کچھ ہدایات دی تھیں کہ اُن کے کچھ ضروری کام انجام دوں ۔میں ملاقات سے فارغ ہوکر اور ہدایات کو سمجھ کر رخصت ہوا۔اوراپنے اونٹ پر سوار مدینہ سے چالیس پچاس میل مقام فج روحا پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں ۔کہ ایک شخص اپنے کپڑوں میں لپٹا ہوا میرے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو سمجھا کہ شاید وہ پیاسا ہے۔میں نے پانی کا برتن نکال کر اُس کی طرف بڑھایا تو اُس نے کہہ دیا کہ مجھے پانی کی ضرورت نہیں ہے۔اور یہ کہتے ہوئے اس نے میری طرف ایک خط بڑھا دیا ۔میں نے لے کر دیکھا تو خط پر مہر کی سیاہی بالکل گیلی تھی ۔اور جب مہر کو پڑھا تو وہ امام محمدؑ باقر کی مہر تھی ۔میں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم اس خط لکھنے والے سے کتنی دیر ہوئی ملے تھے۔اس نے کہا کہ ایک ساعت کی بات ہے۔میں نے خط پڑھا تو اس میں وہی ہدایات لکھی ہوئی تھیں ۔جو حضورؑ نے زبانی دی تھیں ۔اب جو پلٹ کر دیکھتا ہوں تو وہاں کوئی آدمی نہ تھا۔بہرحال جب امام محمدؑ باقر تشریف لائے اور میں نے آپؑ سے ملاقات کی تو دریافت کیا کہ سرکار ایسے ایسے ایک شخص میرے پاس دوران سفر آیا تھا اور جناب کا خط دے کر غائب ہوگیا تھا اور خط پر آپ کی مہر بالکل تازہ اور سیاہی تر تھی ۔فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس جنات کا ایک دستہ تعینات رہتا ہے۔جب ہمیں جلدی ہوتی ہے تو اُن کو ایسی خدمات سپرد کردی جاتی ہیں ۔دوسری جگہ یہی جواب یوں ریکارڈ کیا گیا ہے کہ امامؑ نے فرمایا کہ:''اے سدیر یقیناً ہمارے پیروؤں میں جنات بھی اسی طرح داخل ہیں جیسے انسان ہمارے پیرو ہیں ۔اور ہم دونوں کو مناسب جگہوں پر استعمال کرتے ہیں''۔

عن سدیر الصیر فی قال : اوصانی ابو جعفر علیه السلام بحوائج له بالمدینة فخرجتُ ،فبینا انابین فج الروحاء علٰی راحلتی اذا انسان یلوی ثوبه قال : فملت الیه وظننت انه عطشان فنا ولته الاداوة فقال لی : لاحاجة لی بها وناولنی کتاباً طینه رطب،قال : فلما نظرت الی الخاتم اذا خاتم ابیؑ جعفر فقلت : متیٰ عهدک بصاحب الکتاب ؟ قال : الساعةواذا فی الکتاب اشیاء یامرنی بها.ثم التفت فاذا لیس عندی احدٌ. قال : ثم قدم ابو جعفر علیه السلام ، فلقیته ،فقلت :جعلت فداک رجلٌ اتانی بکتابک وطینه رطب فقال : یاسدیر ان لنا خدماً من الجن فاذا اردنا السرعة بعثناهم۔ وفی روایت اخری قال: ان لنا اتباعاً من الجن کما ان لنا اتباعاً من الانس فاذا اردنا امراً بعثناهم
(ظفر جلد اول صفحہ ۴۸۷ کافی کمرئی صفحہ ۳۱۶ تا ۳۱۷ جلد دوم)

(16) جنات کا ذاتی کلام سن کر ایک سال تک بخار میں مبتلا رہنا

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی بیٹی حکیمہ علیہا السلام فرماتی ہیں کہ:۔

۔''میں نے دیکھا کہ امام رضا علیہ السلام لکڑیوں والے مکان کے دروازے پر کھڑے ہوئے تنہا باتیں کر رہے ہیں اور کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آقا آپؑ کس سے باتیں کر رہے ہیں۔فرمایا کہ یہ عامر زہرائی ہے۔ مجھ سے کچھ پوچھنے اور شکایت کرنے آیا ہے۔ میں نے کہا میں بھی اس کی آواز سننا چاہتی ہوں۔فرمایا کہ اگر تم نے اس کی آواز سن لی تو تمہیں ایک سال تک بخار میں مبتلا رہنا پڑے گا۔ میں نے اصرار کیا کہ ہر حال میں مجھے اُس کی باتیں سننا پسند ہیں۔فرمایا کہ اچھا لو سنو۔میں نے کان لگا دیئے اور سُنا کہ سیٹی کی مانند ایک آواز آ رہی ہے۔بہر حال مجھے اس کے بعد ایک سال بخار نے پکڑے رکھا''۔

قالت: رایت الرضا علیه السلام واقفاً علٰی باب بیت الحطب وهو یناجی ولستُ اری احداً۔فقلت یاسیدی لمن تناجی؟فقال: هذا عامر الزهرائی اتانی لیسائلنی ویشکوا الیَّ،فقلت: یاسیدی احب ان اسمع کلامه ،فقال لی ۔انک ان سمعت به حممت سنة ۔ فقلت ،یاسیدی احبُ ان اسمعه فقال لی ۔اسمعی ، فاستمحت فسمعت شبه الصفیر ورکبتنی الحمی حممت سنة۔(ایضاً صفحہ ۴۸۷ تا ۴۸۸)(ایضاً صفحہ ۳۱۷)

اب قارئین اسی سلسلے میں امام محمدؑ باقر علیہ السلام کا ایک اچانک حکم ملاحظہ فرمائیں گے۔جو اپنے ایک فداکار کی جان بچانے کے لئے دوران سفر ایک جن کے ہاتھ بھیجا گیا۔

۔''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں اور جابر بن یزید اکٹھا سفر کر کے مدینہ آئے اور جناب امام محمدؑ باقر علیہ السلام سے ملے ۔ چنانچہ جابر امامؑ سے وداع ہوتے اور وہاں سے نکلتے وقت تک بہت خوش اور ہشاش بشاش تھے۔یہاں تک کہ ہم اس مقام پر آ پہنچے جسے اخیرجہ کہتے ہیں۔اور وہ پہلا پڑاؤ یا منزل ہے۔ کہ جہاں سے ہم فید سے مدینہ کی طرف مڑتے ہیں۔یہ جمعہ کا دن تھا۔چنانچہ ہم

عن نعمان بن بشیر قال: کنت مزاملاً لجابربن یزید الجعفی،فلما ان کنا بالمدینة دخل علٰی ابی جعفر علیه السلام فودعه وخرج من عنده وهو مسرورٌ حتّٰی وردناالا خیرجة، اول منزل نعدل من فیه الٰی المدینة یوم جمعة ،فصلینا الزوال ،فلما نهض بنا البصیرا ذا انا برجل طوال آدم معه کتاب ،فناوله جابرا،فتناوله فقبله ووضعه علٰی عینیه واذا هو : من محمدٌ بن علیٌ الٰی جابر بن یزید، وعلیه طین اسودرطب،فقال له: متی عهدک بسیدی؟ فقال: الساعة فقال له : قبل الصلاة اوبعد الصلاة ؟ فقال بعد الصلاة۔ففک الخاتم واقبل یقرؤه ویقبض وجهه حتی آتی علٰی آخره ، ثم امسک الکتاب فمارایتهُ ضاحکاولا مسروراً حتی وافی الکوفة ۔ فلما وافینا الکوفة لیلاً بت لیلتی ۔فلما اصحبت اتیته اغطا مالّه فوجدته قدخرج علی فی عنقه کعابٌ ،قدعلقها وقدرکب قصبة وهو یقول

نے زوال کی نماز پڑھی اور دوبارہ سفر کے لئے ہمارے اونٹ کھڑے ہوئے ہی تھے کہ اچانک میں نے ایک دراز قد آدمی کو دیکھا۔اس نے جابر کو ایک خط پکڑا دیا۔خط لے کر جابر نے اسے چوما اور آنکھوں سے لگایا۔اب جو دیکھتا ہوں ۔اس پر۔''**محمدؑ بن علیؑ کی طرف سے جابر کے نام**'' لکھا ہوا تھا۔اور اس کی سیاہی بالکل تر تھی۔جابر نے قاصد سے کہا کہ تم نے میرے آقا کو کس وقت دیکھا تھا؟ خط لانے والے نے کہا کہ ایک ساعت پہلے۔جابر نے پوچھا کہ نماز ظہر سے پہلے یا بعد دیکھا؟ اس نے کہا نماز کے بعد۔یہ سن کر جابر نے خط کی مہر توڑی،خط نکالا اور پڑھنا شروع کیا میں دیکھ رہا تھا۔کہ جابر کا چہرہ اترتا اور فکر مند ہوتا جا رہا تھا۔یہاں تک کہ خط کو پڑھ کر تہہ کیا اور ہم نے سفر شروع کر دیا۔پھر میں نے جابر کو خوش اور ہنستا ہوا کبھی نہیں دیکھا۔بہر حال ہم کوفہ پہنچے۔یہاں آکر میں نے جیسے کیسے رات گذاری۔صبح ہوتے ہی جناب جابر سے حصول عزت و برکت کے لئے ملنے گیا۔میں ان کے گھر پر پہنچا تو گھر کے دروازے میں سے اس طرح باہر نکلے کہ گلے میں ہڈیوں کا ایک ہار پہنے اور ایک بانس کو ٹانگوں کے بیچ میں گھوڑے کی جگہ رکھے ہوئے تھے۔میں نے انہیں ایک نظر دیکھا تو دل بھر آیا۔انہوں نے بھی مجھ پر ایک نظر ڈالی۔ہم دونوں ایک دوسرے سے کوئی بات نہ کر سکے۔وہ چند اشعار پڑھتے اور یہ کہتے ہوئے گذر گئے کہ۔''**میں منصور بن جمہور کو ایسا حاکم پاتا ہوں جس پر کسی کا حکم نہیں چلتا**''۔میں یہ حالت دیکھ کر رونے لگا۔میں پیچھے پیچھے چلا لوگ ہجوم در ہجوم اس کے اور میرے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ ہم سب کھیل کے بڑے میدان میں آ پہنچے۔وہاں جابر نے بچوں کے ساتھ کھیلنا،قلابازیاں کھانا اور بچگانہ حرکات شروع کر دیں اور کھلاڑی بچوں میں گھل مل گئے۔جو دیکھتا تھا یہ کہتا تھا۔''**جابر پر جن سوار ہو گیا ہے**''۔**جابر پر آسیب کا اثر ہو گیا ہے**''۔چنانچہ بخدا چند ہی روز اِس حال میں گذرے تھے کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے والی کوفہ کو لکھا کہ :۔''**ایک شخص جابر بن یزید الجعفی ہے۔اسے تلاش کرو۔قتل کرو۔اور اس کا سر کاٹ کر**

> يقول "**اجد منصورٌ بن جمهور اميراً غيرمامور**" وابياتاً من نحوهٰذا فنظر فی وجهی ونظرت فی وجهه فلم يقل لی شيئاً ولم اقل له واقبلت ابكی لمارايته واجتمع علیَّ وعليه الصبيان والناس وجاء حتیّٰ دخل الرحبة واقبل يدورمع الصبياء والناس يقولون:"**جُنَّ جَابِرُ بن يزيد جُنَّ**۔ فواللّٰه مامضت الايام حتّٰی وردكتاب هشام بن عبدالملک الیٰ واليه ان انظررجلاً يقال له جابر ابن يزيد الجعفی فاضرب عنقه وابعث الی براسه۔فالتفت الٰی جلسائه فقال لهم ۔من جابر بن يزيد الجعفی؟قالوا : اصلحک اللّٰه كان رجلاً له علم وفضل و حديث و حج فجن وهوذافی الرحبة مع الصبيان علی القصب يلعب معهم قال: فاشرف عليه فاذا هومع الصبيان يلعب علیَ القصب قال : الحمداللّٰه الذی عافانی من قتله قال ولم تمض الايام حتّٰی دخل منصور بن جمهور الكوفة وصنع ماكان يقول جابر"۔(ظفر جلد اول صفحہ۴۸۸تا۴۸۹)

میرے پاس بھیج دو''۔اس اطلاع کے بعد (نعمان) نے کوفہ کے گورنر کے اہل مجلس اورمشیروں پرنظر رکھنا شروع کی تو معلوم ہوا کہ ایک روز اُس نے دریافت کیا کہ یہ جابر بن یزید الجعفی کون اور کیسا شخص ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ ایک بہت بڑا عالم وفاضل اور محدث اورحاجی شخص تھا۔لیکن جنوں نے اُسے پاگل کردیا ہے۔ وہ آج کل بچوں کے ساتھ کھیلتا اور ڈنڈے کو گھوڑا سمجھ کر دوڑائے پھرتا ہے۔ گورنر نے کہا میں بذات خود اُس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ میدان میں پہنچا اور جابر کو مذکورہ حالت میں پا کر اپنے مشیروں سے کہا کہ میں اُس اللہ کی حمد وثنا بجالاتا ہوں۔جس نے مجھے ایسے بزرگ کے قتل سے بچالیا۔نعمان بن بشیر نے بتایا کہ زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ منصور بن جمہور کوفہ میں داخل ہوا اور وہی کچھ کیا جو جابر کہا کرتے تھے''۔یعنی خلیفہ یزید بن ولید نے سابقہ گورنر کو معزول کردیا جو جابر رضی اللہ عنہ کی رپورٹ کرتا رہا تھا اور اس کی جگہ منصور بن جمہور کو گورنر کوفہ مقرر کردیا۔اور بنو امیہ کی حکومت انقلاب کے شعلوں میں لپٹ گئی۔

قارئین نے دیکھا کہ محمد مصطفیٰ اور آئمہ ھدٰی صلوٰۃ اللہ علیہم تمام مخلوقات کے ساتھ ساتھ جِنّات کی راہنمائی اور ہدایت کے بھی ذمہ دار تھے۔ان سے مسلسل رابطہ رکھتے تھے۔اور انہیں انسانی تحفظ اور خدمت کے لئے استعمال کرتے تھے۔ وہ علمائے شیعہ نوٹ کریں جو کربلا میں زعفر جن رضی اللہ عنہ کے آنے کے منکر ہیں۔

(17) محمد مصطفیٰ اور آئمہؑ ھدٰی کا ملائکہ سے عملی تعلق ورابطہ

ہمارے قارئین اتنا خود بخود سمجھ سکتے ہیں کہ وہ رسولؐ جو ازاوّل تا آخر تمام مخلوقات اور پوری کائنات کا رسولؐ ونذیر وہادی اور رحمت ہو اُس کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے وہ تمام صفات وعلوم واختیار وقدرت لازم ہے۔ جو اللہ نے حضورؐ کو بروز تخلیق عطا فرمائی تھی۔اور اس کے بعد خود بخود اُن لوگوں کی نفی ہوجاتی ہے۔جن کو اُن نعمتوں سے اللہ نے روزازل سے محروم رکھا تھا۔ بہرحال ہم ان زیرِقلم اصولوں میں فضائل محمدؐ وآلِ محمدؐ بیان نہیں کررہے ہیں۔ فضائل تو الگ سے سامنے لائے جانے والے ہیں۔ یہاں تو وہ اصول سامنے رکھنا ضروری ہیں۔ جو محمدؐ وآل محمدؐ کے مخالف گروہ کا منہ بند کرنے اور انہیں آداب بحث ومناظرہ سکھانے کے لئے ضروری ہیں۔ تاکہ وہ مومنین کو دھوکہ نہ دے سکیں۔اور گفتگو کے شروع ہوتے ہی ان کی ہمت ٹوٹ جائے۔ یہ طریقہ سکھانے کے لئے ان بارہ اصولوں کی ضرورت تھی۔ جن کا اقرار کرنا ہمارے مخالف پر واجب ہوجاتا ہے۔ ذرا دیکھئے کہ سورہ اِنَّـآ اَنـزَلْنَـا اس قرآن میں موجود ہے۔قرآن پر ایمان لانے والوں پر واجب ہے کہ اس سورہ پر بھی ایمان لائیں۔ چنانچہ نظام اجتہاد کو ایمان لانا پڑا۔ جب وہ اس سورہ پر ایمان کا اعلان کرچکے تو جو کچھ اُس سورہ میں ہے اُس کا ماننا بھی واجب ہے۔اور اگر یہ لوگ اُس پر ایمان لے آئیں جو اس سورہ میں ہے تو اُنہیں خود اپنے ترجمہ کی رو سے وہ سب کچھ ماننا پڑے گا۔ جو کچھ اللہ نے فرمایا ہے۔ مثلاً

1۔قرآن بحیثیت مجموعی قدر والی رات میں نازل ہوا تھا۔ چنانچہ وہ

2۔لَيْلَةُ الْقَدْرِ ایک ہزار مہینوں سے زیادہ خیر کی حامل ہے۔اس لئے کہ

3۔اُس رات میں ملائکہ اور ارواح نازل ہوتے ہیں۔اور

4۔اللہ کی اجازت سے تمام احکام لے کر آتے ہیں۔اور

5۔صبح کے طلوع ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔اور سلام و درود کی صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔(97/1-5)

قارئین اس سورہ کی اوّلین حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم آنحضرتؐ کے پاس تحریری اور کتابی صورت میں موجود تھا۔یعنی جہاں آپ خود مجسم و مکمل قرآن تھے۔وہیں مادی صورت میں منتقل ہو سکنے کے قابل کتابی حالت میں بھی موجود تھا۔رہ گیا وہ نزول جو تھوڑا تھوڑا کر کے ہوا۔اس کی وہ صورت نہیں جو نظام طاغوتی نے مشہور کی ہے۔بہر حال پورا قرآن شب قدر میں نازل ہونے کا انکار کرنے والا قرآن کا منکر ہے۔دوسری مفصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ اللہ کے تمام احکام لے کر ملائکہ اور ارواح شب قدر میں سربراہؑ اِسلام کے پاس آتے ہیں۔

ان دونوں حقیقتوں کے متعلق نظام اجتہاد نے کیا کیا چکر دیئے کیا کیا فریب دیئے؟ اُن سب کو بے اثر کرنے کے لئے اُمت کا متفقہ عقیدہ اور عمل یہ ہے کہ ہر سال ماہِ رمضان میں شب قدر کا آنا اور لوگوں کا رات بھر جاگنا۔عبادت کرنا عہد رسولؐ سے آج تک صحیح ہے اور بس ہمارے لئے یہ کافی ہے۔اسی قرآنی حقیقت اور اُمت کے عقیدے اور عمل کی بنا پر ہمارا ایمان یہ ہے کہ ہر سال شب قدر میں امام عصرؑ والزمان خلیفۂ خداوندی پر اللہ کی طرف سے علومِ کائنات ،قرآن کی عملی تنفیذ کا پروگرام اور وہ علوم جو اللہ کے پاس قرآن اور لوح محفوظ کے علاوہ ہیں۔پہنچانے کا سلسلہ جاری ہے۔قیامت تک جاری رہے گا۔اور علومِ خداوندی میں ذرہ برابر کمی واقع نہ ہوگی۔وہ اس کے بعد بھی اپنے علوم واحکام سے نوازتا رہے گا۔اس عنوان پر ہزاروں احادیث موجود ہیں۔ہم یہاں وہ احادیث پیش نہیں کریں گے۔وہ عقائد مذہب حقہ شیعہ اثنا عشریہ میں آنے والی ہیں۔یہاں تو شب قدر کے علاوہ ملائکہ اور آئمہ معصومین علیہم السلام کا عملی اور گھریلو ربط وضبط دکھانا مقصود ہے۔چنانچہ ملاحظہ فرمائیں۔

(18) اللہ کی طرف سے اترنے والا ہر فرشتہ پہلے سربراہؑ اِسلام سے ملتا ہے

جیسا کہ بار بار واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تخلیق کائنات اور ربوبیت کائنات سے پہلے پیدا کیا اور اُن ہی کو پوری کائنات کے لئے رحمت وبشیر ونذیر بنایا۔اُن ہی کو وہ ذریعہ اور باب بنایا جس کے ذریعہ سے پوری کائنات اور ساری موجودات ومخلوقات کو رزق ونعمات خداوندی ملتی ہیں۔اور یہ فرمادیا کہ اگر تو نہ ہوتا تو یہ افلاک ہی پیدا نہ کرتا (لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ)اور یہی مطلب ہے سرورِ کائنات ہونے کا۔لہٰذا اس کائنات کی ربوبیت اور ارتقا کے لئے

آنحضرتؐ انتہائی معیار ہیں۔ اس لئے کہ اُن کا وجود اُن کے آثار اُن کے اعمال وعبادات اور اُن کے تمام متعلقات سے اللہ کا تعارف ہوتا ہے۔ اُن کے ذریعہ سے اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔ اس لئے کائنات میں جانے والے تمام احکام آنحضرتؐ کی معرفت جاتے ہیں۔ جس طرح باقی تمام نعماتِ خداوندی اُنؐ کے وسیلے سے ملتی ہیں۔ اسی طرح تمام احکام اُنؐ کے واسطے سے بھیجے جاتے ہیں۔ اور چونکہ ان حضرؐت کا دَوردَورہ روزِازل سے ابدالآباد تک ہے۔ اوران کو مثال بنانے کے لئے اور عبودیت واطاعت کی انتہائی منزل پر ثابت کرنے کے لئے موت سے دوچار کیا جانا ضروری تھا۔ تاکہ انسانوں کو اُنؐ پر خدائی کا شبہ نہ ہوسکے۔ اس لئے انہیںؐ مادی جسم ملنے سے پہلے اور وفات کے بعد اُنؐ کے قائمؑ مقام انبیاءؑ وآئمہؑ بھی کائناتی ہدایت و ربوبیت اور ارتقائی ترقی میں وسیلہ ہیں۔ اور یہی حقیقت اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَآخِرُنَا مُحَمَّدٌوَاَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَ کُلُّنَا محمدٌ فرما کر ظاہر کی گئی ہے۔ لہٰذا آئمہ معصومین علیھم السلام پر بھی تمام ملائکہ احکام خداوندی لے کر نازل ہوتے ہیں۔ تاکہ علوم کائنات سے ان حضرؑات کو استفادہ کرنے اور انسانی ترقی کو کائناتی ارتقا کے ساتھ قدم بقدم چلانے کا موقعہ ملتا چلا جائے۔ اس مقصد کو جناب امام ابوالحسن علیہ السلام سے سنئے:۔

''کوئی بھی ایسا فرشتہ نہیں جو اللہ کی طرف سے کوئی بھی حکم لے کر اترے اور سربراہِ اسلام امامؑ کے پاس حاضر نہ ہوتا ہو۔ لہٰذا پہلے اللہ کا ہر حکم امامؑ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ پھر اُسے مخلوق پر نافذ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا امامؑ وہ مرکز خداوندی ہوتا ہے۔ جہاں ملائکہ حاضر ہوتے اور آتے جاتے رہتے ہیں''۔

مامن ملکٍ یھبطه اللّٰه فی امرما یھبط الابدأ بالامام ، فعرض ذلک علیه ،وان مختلف الملائکة من عند اللّٰه تبارک وتعالیٰ الٰی صاحبٍ ھذا لامر۔ (ظفر جلد اصفحہ ۴۸۵) (کافی کمرئی جلد ۲ صفحہ ۳۱۵)

(19) آئمہ علیھم السلام کے گھر میں ملائکہ کا آنا جانا بیٹھنا اُن کے پروں اور تکیوں کا ذکر

(اول) حسین بن ابوالعلی سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اور گھر میں استعمال ہونے والے تکیوں پر ہاتھ پھرا کر بتایا کہ ان تکیوں پر ملائکہ بھی تکیہ کرتے ہیں۔ اور ہم اکثر و بیشتر ملائکہ کے فاضل گرتے رہنے والے پروں کو استعمال کرتے رہتے ہیں''۔

عن الحسین بن ابی العلیٰ عن ابی عبداللّٰه علیه السلام قال:قال یاحسین۔وضرب بیده الٰی مساورفی البیت۔ مساور طال ماتکت علیھا الملائکة وَرُبّما التقطنا من زغبھا۔ (ظفر جلد اول صفحہ ۴۸۵) (کافی کمرئی جلد ۲ صفحہ ۳۱۴)

(دوم)۔ ''ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں گیا تو ذرا دیر صحن میں ٹھہرا اوراس کے بعد کمرہ میں داخل ہوا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ آپ کوئی چیز بڑی احتیاط سے چن رہے ہیں۔اور ایک ہاتھ سے پردہ کے پیچھے ہاتھ بڑھا بڑھا کر کسی کو دیتے جارہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضورؑ یہ آپ جو جمع کر کے دے رہے تھے وہ کیا چیز تھی؟ فرمایا وہ فرشتوں کے وہ پر تھے جو فاضل ہو کر گرتے رہا کرتے ہیں۔ جب وہ لوگ چلے جاتے ہیں اورہمیں تنہائی ملتی ہے تو ہم وہ پر جمع کر لیا کرتے ہیں۔تا کہ اپنی اولاد کے لئے زندگی کوروان دواں بنانے کا سامان کردیں۔میں نے عرض کیا کہ کیا اُن کا آپ حضراتؑ کے پاس اس کثرت سے آنا جانا رہتا ہے؟ فرمایا کہ بھائی یہی نہیں بلکہ ہمارے یہاں تو تکیوں کی قلت اور زحمت بھی ہو جایا کرتی ہے''۔

> **عن ابی حمزة الثمالی قال: دخلت علٰی علیؑ بن الحسین علیهماالسلام فاحتبست فی الدار ساعة ثم دخلت البیت وهو یلتقط شیئاً وادخل یده من وراءِ الستر فناوله مَن کان فی البیت، فقلتُ جعلت فداک هذا الذی اراک تلتقطه ای شیی ءٍ هو؟فقال : فضلة من زغب الملائکة نجمعه اذا خلونا ،نجعله سیحاً لاولادنا ۔فقلت :جعلت فداک وَانهم لیاتونکم؟فقال: یا ابا حمزة انهم لیزاحمونا علی تکأتنا۔**(ظفر جلداول صفحہ ۴۸۵)(کافی کمرئی جلد۲صفحہ ۳۱۴)

(20) جوبات کی خدا کی قسم لاجواب کی ۔

جب ہم مذہب شیعہ اثناعشریہ کے عقائد اور فضائل **محمد و آل محمد صلی اللہ علیہم و آلہم** بیان کریں گے تو اُن علمائے شیعہ کے بیانات بھی لکھیں گے جو اپنی علمی تنگ دامنی کی بنا پر یا نظام اجتہاد کے دباؤ سے فضائل محمدؐ و آل محمدؐ کی تاب نہ لاکر الٹی سیدھی بکواس کرتے رہتے ہیں۔اور پھر اُن کا جواب بھی پیش کریں گے۔ یہاں تو اپنے بزرگ جناب علامہ محمدؐ باقر مجلسی رضی اللہ عنہ کا ایک بیان بطور نمونہ لکھتے ہیں۔آپ نے مندرجہ بالا احادیث پر ایک تشریحی نوٹ یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

۔''قاموس نام کی ڈکشنری میں زغب اُن پروں اور نرم ریشوں کو کہا گیا ہے جو پہلی دفعہ اگتے ہیں اور گرتے رہتے ہیں یہ خبر (حدیث) اس بات کی وضاحت کرتی اور ثبوت بنتی ہے۔کہ فرشتوں کے جسم ہوتے ہیں۔اوراسی بنا پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ فرشتے جسم وبدن رکھنے والی مخلوق ہے۔ اس کے خلاف فلسفی علماء اوران کے مقلد فرشتوں کو بے جسم مخلوق مانتے ہیں''۔(آ ت)؟

> **۔''ازقاموس زغب۔پرهای ریزونرم وپرهأی که اوّل بار درآید۔این خبر باصراحت دلالت داردکه فرشتها جسمند وپردارند چنانچه موردِ اتفاق مسلمانهااست برخلاف فلاسفه وپیروان آن ها''۔**(ازمجلسی رحمۃ اللہ شرح کافی کمرئی جلد۲صفحہ۳۱۴حاشیہ)

اور میں کہتا ہوں کہ ملائکہ واقعی جسم دار مخلوق ہے۔اس لئے کہ مخلوق کوئی بھی ہو جسم کے بغیر وجود ہی میں نہیں آ سکتی۔لیکن ہر مخلوق کا جسم یکساں نہیں ہوتا۔پتھر بھی جسم رکھتا ہے۔روشنی بھی جسم رکھتی ہے۔نور بھی جسم رکھتا ہے۔اللہ کے علاوہ تمام مخلوق جسم رکھتی ہے اوراسی لئے فانی ہے۔مگر بعض اجسام حواس خمسہ کی گرفت سے باہر ہیں۔بعض خوردبین کی رسائی سے بھی باہر ہیں۔ ملائکہ چونکہ براہ راست نورِ محمدیؐ کے اعلیٰ اجزاء سے پیدا کئے گئے ہیں۔اس لئے جسم محمدیؐ کے بعد وہ اعلیٰ ترین جسم رکھتے ہیں۔ اور یہ قدرت رکھتے ہیں کہ جس جسم میں چاہیں خود کو ظاہر کردیں۔اور جب چاہیں اپنے محمدی جسم میں واپس آ جائیں۔یہ باتیں گو قرآن وحدیث سے اہل عقل کے لئے واضح ہیں لیکن بعض کھوپڑیاں پتھروں کے جسم کو سمجھنے تک محدود ہیں۔اوراُن میں اکثر نظامِ اجتہاد کے آفت زدہ سر ہیں۔جنہیں ڈنڈے اور پتھر کے بغیر سمجھانا ممکن نہیں ہوتا ہے۔

فضائل محمدؐ وآل محمدؐ کی نشرواشاعت روکنے کے لئے ایک گھریلو مومنانہ حربہ؟

شیعہ سنی لیبل کے نظامِ اجتہاد نے محمدؐ وآل محمدؐ کو عام انسانی سطح پر لانے اور رکھنے کے لئے ایک ہزار سے زیادہ تدابیر اختیار کی تھیں۔جو علمائے حقہ نے دلیل وبراہین سے اور فدا کاران محمدؐ وآل محمدؐ نے اپنی قربانیوں اور عقائد کے استحکام سے رفتہ رفتہ باطل کردیں۔لیکن ایک تدبیر ایسی بھی ہے۔جس سے اچھے خاصے علمائے حقہ بھی متاثر ہوتے رہے ہیں۔اور بڑے عاجزانہ انداز میں دبی دبی باتیں کرتے رہے ہیں۔اور بعض بعض تو سینہ تان کر نظام اجتہاد کے سرُ وں میں سرُ ملا کر شیطانی راگ الاپنے میں شامل ہوگئے ہیں۔وہ تدبیر یہ ہے کہ:۔

۔''جس قول سے محمدؐ وآل محمدؐ انسانی عقل سے بلند ہوجائیں اس قول کو۔''غلو''۔اوراس قائل کو۔''غالی''۔ کہہ دو۔پھر وہ احادیث سامنے رکھ دو جو حضرات آئمہ علیہم السلام نے۔''غلو''۔اور۔''غالیوں''۔کی مذمت میں بیان کی ہیں''۔

ہم نے اس تدبیر کا ستیاناس کرتے رہنا اپنا فریضہ قرار دیا ہے۔اوراپنی تصنیفات میں عموماً اور مولوی محمد حسین ڈھکو سے مخاطبہ والے کتابچوں میں خصوصاً مجتہدین کے اس فریب کی نقاب کشائی کی ہے۔اورلوگوں کواُس تدبیر کو باطل کرنے کے لئے دو مسلمات کی طرف متوجہ کیا ہے۔

اول یہ کہ انسانی عقل ہمیشہ ترقی پذیر رہی ہے۔انفرادی طور پر بھی اوراجتماعی حیثیت سے بھی۔لہٰذا آج سے پہلے کے اورآج تک کے عقلی مسلمات وہ معیار نہیں ہے۔جو دینی احکام وعلل پر محاکمہ کرکے حق وباطل پر آخری حکم لگا کر کوئی مادی دلیل قائم کرسکے۔ورنہ وحی والہام اوردین کی تمام بنیادیں مسمار کرنا پڑیں گی۔یہی نہیں بلکہ آج اس دنیا میں وہ تمام مسلّمات مضحکہ اور بچگانہ تصورات ثابت ہوچکے ہیں۔جن پر صدیوں عقلا اورعقل انسانی اورتمام انسان متفق اور مطمئن رہ کر اپنی ترقی کے پروگرام بناتے چلے آئے تھے۔مثلاً ہواؤں،فضاؤں اورخلاؤں میں انسانی پرواز۔کائنات میں دور سے دور گذرنے والے حالات

وبیانات کو آنکھوں کے روبرو بند کمروں میں پہنچانا۔اور تمام مادی وٹھوس رکاوٹیں نظر کے راستے سے ہٹا دینا وغیرہ۔لہٰذا اگر محمدؐ وآل محمدؐ کی کوئی فضیلت کل یا آج سمجھ میں نہیں آئی یا نہیں آتی تو یہ اس فضیلت کے غلط ہونے یا غلو کا ثبوت نہیں بلکہ انسانی عقل کی بیچارگی اور تنگ دامنی اور ترقی پذیر ہونے کا ثبوت ہے۔لہٰذا مجتہدین اگر اسلام کی کسی حقیقت کو واقعی نہیں سمجھتے تو انہیں چاہئے کہ اصول فقہ کی چار دیواری کو خیر باد کہہ کر باہر روشنی میں آئیں اور اہل علم سے استفادہ کریں۔سائنس کی اس دنیا میں اور اس ایٹمی دور میں اپنے سکڑے ہوئے علم اور اپنی بگڑی ہوئی عقل کو کسی **ڈاکٹر آف سائنس** سے جلاب دلائیں ،انیما کرائیں۔اور پھر باپرہیز زندگی اختیار کریں۔اور محمدؐ وآل محمدؐ کی بتائی ہوئی روحانی غذا کھائیں۔اپنی چیرہ دستیوں سے توبہ کریں۔اللہ سے ہدایت کی دعا مانگیں شاید اُن پر رحم کر دیا جائے اور ان کے علم کی پھٹی ہوئی چادر میں پیوند لگا دیا جائے اور ان کی ہزار سالہ مردہ عقل پر **قُم بِاِذُنِی** پڑھ دیا جائے۔

دوسرا مسلمہ یہ ہے کہ جو کچھ کلام اللہ اور کلامِ معصومؐ میں کہا گیا ہے۔اگر ہم وہی کچھ کہیں اور اُن ہی الفاظ میں کہیں تو ہم نہ ''غالی''۔ ہیں نہ غلط گو ہیں۔اور ہم مجتہدین پر یہی تقاضہ کرتے ہیں کہ آؤ ہم تم دونوں اس کے پابند ہو جائیں کہ جو کچھ کہیں گے۔وہ وہی کچھ ہوگا اور اتنا ہی ہوگا جو اللہ ورسولؐ نے کہا ہو۔مگر مجتہد نہ اس کا پابند رہا ہے اور نہ رہ سکتا ہے۔اس پر ابلیس نے یہ واجب کر دیا ہے کہ وہ اللہ ورسولؐ کی صرف وہ بات مانے جو طاغوت کو پسند ہو اور ہر اس بات سے بچ کر نکل جانے کا انتظام کرلے جو طاغوت کو ناپسند ہے۔چنانچہ اللہ نے نظامِ اجتہاد کے دونوں بازوؤں یعنی مشرکین اور یہودیوں کی پوری اور دوہری اسکیم کو یوں ہم تک پہنچایا ہے کہ:۔

یٰاَ یُّهَا الرَّسُوُلُ لَایَحُزُنکَ الَّذِیُنَ یُسَارِعُوُنَ فِی الُکُفرِ مِنَ الَّذِیُنَ قَالُوُ آاٰمَنَّا بِاَفُوَاهِهِمُ وَلَمُ تُؤُمِنُ قُلُوُ بُهُمُ وَمِنَ الَّذِیُنَ هَادُوُا سَمّٰعُوُنَ لِلُکَذِبِ سَمّٰعُوُنَ لِقَوُمٍ اٰخَرِیُنَ لَمُ یَاُتُوُکَ یُحَرِّفُوُنَ الُکَلِمَ مِنُ بَعُدِ مَوَاضِعِهٖ یَقُوُلُوُنَ اِنُ اُوُتِیتُمُ هٰذَا فَخُذُوُهُ ۔''وَاِنُ لَّمُ تُؤُتَوُهُ فَاحُذَرُوُا(5/41)

۔''اے رسولؐ تم ان لوگوں کی طرف سے رنج وملال نہ کرو۔جو بظاہر مومن بنے ہوئے ہیں اوردلوں میں کفر چھپائے ہوئے کفر اور کافرانہ مذہب کو نافذ کرنے میں حدبھر کوشش کر رہے ہیں۔اور ان یہودیوں کی طرف سے بھی محزون نہ ہونا جو مذکورہ گروہ کے منصوبہ میں مُمِد ومُعاون ہیں۔اور ادھر اس مرکزی قوم کے احکامات پر بھی عمل پیرا ہیں جو تمہارے پاس نہیں آئی اور اسی مقصد کے لئے تمہارے بیان کردہ اور قرآن میں نازل شدہ کلام کے مفاہیم بدل بدل کر لوگوں میں پھیلا رہے ہیں ۔ اور قرآن میں مذکورہ قوم (25/30) کو یہ بتا دیا ہے۔کہ اگر رسولؐ تمہیں یہی تعبیرات اور مفاہیم بتائے تو قبول کر لیا کرو اور اگر اُن تعبیرات ومفاہیم کے خلاف کچھ اور بتائے تو انکار کئے بغیر بچ کر رہا کرو''۔

قارئین دیکھیں کہ ہمارے مجتہدین ،خواہ شیعہ ہوں خواہ سُنی ہوں ،قرآن میں مذکوراسی پالیسی پر عمل کرتے ہیں ۔یعنی قرآن کا انکارنہیں کرتے تا کہ کفر چھپا رہے ۔مگر یہ نہیں مانتے کہ قرآن میں ہر ہر چیز کا بیان موجود ہے ۔(16/89) بلکہ اس میں یہ تبدیلی اوراضافہ کرکے مانتے ہیں کہ ہر ہر چیز نہیں بلکہ یہاں اللہ کا منشا یہ ہے کہ روزہ نماز و دین کے مسائل کی ہر چیز بیان ہوئی ہے ۔پھر وہ یہ بھی نہیں مانتے کہ قرآن میں ہر ہر چیز کی تفصیل موجود ہے (12/111) یا یہ کہ قرآن ایک مفصل کتاب ہے (6/114انعام) وہ کہتے ہیں کہ یہاں بھی کائنات کی ہر تفصیل مقصود نہیں ہے ۔ بلکہ دینی احکام کی تفصیل مذکور ہے ۔اگر ہم ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ تمہیں یہ اطلاع کہاں سے اور کس ذریعہ سے ملی ہے تو وہ اپنی عقل ،اپنے اصول فقہ اوراپنے زیغ سے متشابہت والی آیات اور بیانات کا ڈھیر لگا دیتے ہیں ۔اور جب موڈ میں ہوتے ہیں اور کوئی خطرہ سامنے نہیں ہوتا تو یہاں تک مان لیتے ہیں کہ قرآن میں دین کے بھی تمام احکام کی تفصیل نہیں ہے ۔ چنانچہ اُن کی بنائی ہوئی فہرستیں موجود ہیں ۔نماز کی رکعات ۔زکوٰۃ کی تفصیلات ۔نماز کی ترتیب اور لاکھوں دینی احکام کی نفی کردیتے ہیں ۔یعنی مذکورہ بالا تینوں آیات کے اس مفہوم کا بھی انکار کردیتے ہیں جو ہمارے دباؤ سے تسلیم کیا تھا۔لہٰذا وہ نہ قرآن کو قرآن کے الفاظ کے ساتھ مانتے ہیں نہ حدیث کے الفاظ پر ایمان رکھتے ہیں ۔ وہ نام کتاب اور سُنت کا لیتے ہیں ۔لیکن ایمان قرآن کے ارشاد (5/41) کے مطابق طاغوتی اور خودساختہ تعبیرات پر رکھتے ہیں ۔آمنا بالرسولؐ والقرآن دلوں میں نہیں زبانوں پر ہے ۔پھر ایک دفعہ سنئے ۔حدیث میں معصومؑ کے الفاظ دیکھئے پھر ہمارا ترجمہ پڑھئے اور کسی مجتہد سے یا کسی عربی جاننے والے کو ہمارا ترجمہ دکھایئے اور پوچھئے کہ ترجمہ میں کسی لفظ کا غلط ترجمہ کیا ہے؟ اگر ہمارا ترجمہ حدیث کے الفاظ کے مطابق ہے تو مجتہد سے کہئے کہ وہ حدیث پر ایمان لائے ۔اور وہ سب کچھ کھلے دل سے تسلیم کرے جو حدیث اور امامؑ چاہتے ہیں ۔ سنئے کہ پانچواں اور چھٹا امام علیہما السلام فرماتے ہیں ۔

عن ثعلبہؓ بن میمون عن زرارۃؓ انه سمع اباجعفر و اباعبداللّٰہ علیھما السلام یقولان : ان اللّٰہ تبارک وتعالی فوض الی نبیہٖ امر خلقہٖ لینظر کیف طاعتھم ثم تلا ھذہ الآیۃ "مَا آتَاکُم الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَانَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ (حشر ۷/۵۹)(کافی کتاب الحجۃ باب التفویض)(ظفر جلد اول صفحہ ۳۰۶)

۔"ثعلبہؓ نے زرارہؓ سے اور اُنہوں نے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے سنا کہ دونوں نے فرمایا ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کا کام یا حکم یا اقتدار یا دین یا انتظام یا معاملہ اپنے نبیؐ کو سپرد کر دیا تا کہ اللہ یہ دیکھے کہ اس کی مخلوق اس کے نبیؐ کی کیسی اطاعت کرتی ہے؟ یہ فرما کر دونوں نے سورہ حشر کی ساتویں آیت پڑھی ۔ جو کچھ رسوؐل تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے باز رکھے باز رہو"۔

قارئین کرام انصاف کریں کہ اگر ہم اردو میں یہ کہیں کہ :۔

1۔ کائنات کی تمام مخلوقات پر محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واجب ہے۔

2۔ تمام مخلوقات اپنے ہر معاملہ اور ہر ضرورت میں آنحضرتؐ کی رضا جوئی پر مامور ہے۔

3۔ کسی مخلوق کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ کوئی چیز بھی محمدؐ کے علاوہ کسی اور سے لے سکے۔اور جو چیز محمدؐ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوا ُسے لے سکے اوراس سے باز نہ رہے۔

4۔ اور جو کچھ کسی مخلوق کے پاس ہے۔اور اللہ اس سے خوش ہے۔تو ماننا پڑے گا کہ وہ چیزیں محمدؐ نے دی ہیں اوران کی رضامندی اور خوشی سے لی گئی ہیں۔

5۔ اور چونکہ مخلوق کا وجود محمدؐ کی ظاہری پیدائش سے لاکھوں سال پہلے سے ہے۔لہٰذا لازم ہے کہ روزِ اول سے تمام مخلوق کو جو کچھ ملا وہ محمدؐ سے ملا ہو۔

بتائیے ہم نے مندرجہ بالا حدیث کے مفہوم اور الفاظ سے کہاں تجاوز کیا ہے؟ اور اگر تجاوز نہیں کیا؟ تو کسی شیعہ عالم کو یہ حق کہاں سے اور کیسے ملے گا کہ وہ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو غلط کارقرار دے؟ اور جب کہ امت مسلمہ کی کثرت کا یہی عقیدہ چلا آ رہا ہو؟۔

(2)غلواور غالی کا استعمال اور معانی معصومؑ کی زبانی

یہاں قارئین دیکھیں گے کہ یہ الفاظ کتنے قدیم ہیں اوران کا صحیح استعمال کہاں کیا جانا چاہئے؟ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کفر کی اصطلاح کو بیان کرتے ہوئے غلو کو کفر کی چار بنیادوں میں سے ایک بنیاد قرار دیتے ہیں۔حدیث سنئے کہ جناب سلیم بن قیس الھلالی بتاتے ہیں کہ:۔

جناب علیؑ مرتضی نے فرمایا کہ کفر چارستونوں پر قائم ہے (1)فسق اور (2) الغلو (3) الشک (4) شبہ''۔ اس کے بعد آپ نے چاروں کو الگ الگ بیان فرماتے ہوئے غلو کے لئے یہ بیان دیا کہ :۔''غلو کے چار الگ الگ شعبوں میں سے ایک اپنی یا کسی کی رائے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ڈوب جانا۔

عن سلیم بن قیس الھلالی عن امیرالمومنین صلوات اللّٰہ علیہ قال:
بنی الکفر علٰی اربع دعائِم۔الفسق وَالغلو والشک والشبھة....
والغلوٌّعَلٰی اربع شعب۔ عَلَی التعمق بالرَّای۔والتنازع فیہ۔والزیغ۔
والشقاق۔فمن تعمق لم ینب الَی الحق ولم یزدد اِلَّا غرقاً فی الغمرات
ولم تنحسرعنہ فتنة الَّاغشیتہ اخرٰی،وانخرق دینہ فھو یھوی فی امر
مریج،ومن نازع فی الرَّای وخاصم شھر بالعثل من طول اللجاج ومن
زاغ قبحت عندہ الحسنة وحسنت عندہ السیئة ومن شاق اعورت علیہ
طرقہ واعترض علیہ امرہ،فضاق علیہ مخرجہ اذالم یتبع سبیل
المومنین................۔ (ظفر جلد۲ صفحہ ۴۰۱۔۴۰۲)(کمرئی جلد۴ صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۶)

(2) پھر رائے کے الگ الگ شاخیں نکال لینا (3) ذاتی مقاصد کو پہلے سے قلب وذہن میں جمالینا (4) کسی ایک حقیقت کو توڑ توڑ کر ٹکڑوں اور حصوں میں ترتیب دینا۔ چنانچہ جو بھی کسی بھی رائے کو حقیقت قرار دے کر اس میں اتر تا چلا جائے وہ حق تک نہیں پہنچ سکتا۔ باطل کی امواج اسے غرق کردیتی ہیں۔ اور وہ ایک فتنہ سے نکلنے نہیں پاتا کہ دوسرا فتنہ اسے لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اور اس کے دینی جذبہ کو تباہ کردیتا ہے۔ اور وہ شخص تشویش میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اور جو شخص رائے میں نزاع پر قائم ہوجاتا ہے۔ اور اختلاف کرنے والوں سے برسر پیکار ہوتا ہے۔ وہ اپنی حماقتوں میں شہرت حاصل کرلیتا ہے۔ اور اسے مسلسل ندامتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور جو شخص اپنے قائم کردہ تصورات کی حقانیت پر اڑ جاتا ہے۔ اس کے نزدیک غلط روش صحیح اور راست روی غلط ہوجاتی ہے۔ اور جو شخص مومنین کے لئے مقرر شدہ راہ سے ہٹ کر افتراق وانتشار کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اس پر خود اس کا اپنا عمل درآمد ملامت کرتا ہے۔ اور راہ راست اختیار کئے بغیر اس کا بچ نکلنا ممکن نہیں رہتا ہے''۔

(3) قرآن کریم اور علماء نے غلو کے متعلق کیا فرمایا ہے اور غلو وغالی کب سے موجود ہیں؟

قارئین کرام نے حضرت علی علیہ السلام کی زبانی غلو اور غالی کی مکمل تعریف (DEFINITION) اور اس کا ہر پہلو دیکھ لیا۔ اور اس پوری تفصیل کا لب ولباب یا نچوڑ یہ ہے۔ کہ انسان اپنی ذاتی یا جماعتی عقل وبصیرت اور رائے کو آخری اور حتمی اور یقینی فیصلہ کا ذریعہ سمجھ کر باقی تمام دلائل وحقائق کو اپنی صوابدید کے ماتحت رکھے۔ قرآن اور رسولؐ کے کلام کو معیار بنانے کے بجائے اپنی رائے کو معیار بنانا۔ اور جو اُن کی اپنی رائے ہو اللہ ورسولؐ کو اُس کے ماتحت رکھنا۔ اپنی رائے میں تبدیلی نہ کرنا آیت وحدیث کے معنی ومفاہیم کو اپنی رائے کے مطابق بدل لینا۔ اور ان تبدیل کردہ مفاہیم پر اڑ جانا۔ اور جو لوگ آیت یا حدیث کے حقیقی مفہوم پر متوجہ کریں ان سے جھگڑنا اور اپنی رائے کی طرفداری میں اس حد تک پہنچ جانا کہ مسلمانوں میں تفرقہ (**شقاق وخرق**) پیدا ہوجائے۔ اس بیان کو سامنے رکھیں اور اب قرآن کریم سے غلو اور غالی کی عملی صورت اور مواقع ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ

يٰاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَاتَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ وَلَاتَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ اِنَّمَا الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلۡقٰهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ ...... وَلَاتَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ اِنۡتَهُوۡا خَيۡرًا لَّكُمۡ ...... سُبۡحٰنَهٗ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ (الخ)(نساء 4/171)

''اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔ مسیح عیسیٰؑ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھے کہ اللہ کے ایک رسولؐ تھے اور ایک فرمان تھے۔ جو اللہ نے مریمؑ کی طرف بھیجا تھا۔ اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے (جس نے مریم کے رحم میں بچہ کی شکل اختیار کی) پس تم اللہ اور اُس کے رسولوںؐ پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ ''**تین**''۔ ہیں۔ **باز آجاؤ**۔ یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔ وہ بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں اُس کی مِلک ہیں اور ان کی کفالت اور خبرگیری کے لئے بس وہی کافی ہے''۔ (4/171)

اگلی سورہ میں فرمایا ہے کہ :۔

۔''کہواے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق **غلو** نہ کرو اوران لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جوتم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور **سواء السبیل** سے بھٹک گئے'' ۔	قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ O (مائدہ 5/77)

ان دونوں آیات کا ترجمہ **علامہ مودودی** صاحب (تفہیم جلد اول) کے قلم سے لکھا گیا ہے۔ تاکہ علامہ کی تحقیق پیش کی جا سکے پہلے آپ شیعہ مترجمین کا بیان سن لیں۔

مقبول احمد صاحب نے لکھا ہے کہ: 1۔''یعنی جو حد خدا نے باندھی ہے۔ اس سے تجاوز مت کرو جیسے حضرت عیسیٰؑ کو حدِّ نبوت سے بڑھا ہوا اور حدِّ اُلوہیّت پر فائز جانتے ہو''۔(5/77)

امداد حسین کاظمی نے لکھا ہے کہ: 2۔''تفسیر صافی صفحہ ۱۴۴ پر ہے کہ تم اس حد سے تجاوز نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کی حد سے بڑھا کر الوہیّت کی حد تک بلند نہ کرو۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبیؑ ہی مانو جو خدا تعالیٰ نے بنایا ہے۔ اسے خدا ہی نہ سمجھ لو''۔(5/77)

علامہ مودودی نے وضاحت میں فرمایا کہ: 3۔''یہاں اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں۔ اور غلو کے معنی ہیں کسی چیز کی تائید وحمایت میں حد تک گذر جانا۔ یہودیوں کا جرم یہ تھا کہ وہ مسیحؑ کے انکار اور مخالفت میں حد سے گذر گئے اور عیسائیوں کا جرم یہ ہے کہ وہ مسیح کی عقیدت اور محبت میں حد سے گذر گئے''۔ (4/171)(تفہیم جلد اول صفحہ 427)

دوسری آیت پر یہ نوٹ دیا کہ :۔

4۔''اشارہ ہے۔ ان گمراہ قوموں کی طرف جن سے عیسائیوں نے غلط عقیدے اور باطل طریقے اخذ کئے۔ خصوصاً فلاسفہ یونان کی طرف جن کے تخیلات سے متاثر ہو کر عیسائی اُس صراط مستقیم سے ہٹ گئے جس کی طرف ابتداءً ان کی راہنمائی کی گئی تھی۔ مسیح کے ابتدائی پیرو جو عقائد رکھتے تھے۔ وہ بڑی حد تک اس حقیقت کے مطابق تھے جس کا مشاہدہ انہوں نے خود کیا تھا۔ اور جس کی تعلیم ان کے ہادیؑ وراہنما نے ان کو دی تھی۔ مگر بعد کے عیسائیوں نے ایک طرف مسیحؑ کی عقیدت اور تعظیم میں غلو کر کے، اور دوسری طرف ہمسایہ قوموں کے اوہام اور فلسفوں سے متاثر ہو کر، اپنے عقائد کی مبالغہ آمیز فلسفیانہ تعبیریں شروع کر دیں۔ اور ایک بالکل ہی نیا مذہب تیار کر لیا جس کو مسیحؑ کی اصل تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہ رہا''۔(تفہیم جلد اول صفحہ ۴۹۱)

اس کے بعد علامہ نے عیسائی مفکر کے بیانات لکھے ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ عیسائیوں کے غلو پر انجیل سے کوئی ثبوت

نہیں ملتا۔ہم ان بیانات میں سے چند ایسے جملے لکھتے ہیں جو براہ راست ہمارے عنوان سے متعلق ہیں۔

اول:۔ ’’لیکن بلاشبہ وہ سینٹ پال ہی تھا۔جس نے اس خطاب کو پورے معنی میں بولنا شروع کیا۔پھر اپنے مدعا کو اس طرح اور بھی واضح کر دیا کہ۔**’’خداوند یسوع مسیح‘‘**۔کی طرف سے بہت سے وہ تصورات اور اصطلاحی الفاظ منتقل کر دیئے جو قدیم کتب مقدسہ میں۔**’’خداوند یَھُوَہُ** (اللہ تعالیٰ) کے لئے مخصوص تھے‘‘۔(ایضاً صفحہ ۴۹۴)اور

دوم:۔ ’’عقیدہ تثلیث کا فکری سانچہ یونانی ہے۔اور یہودی تعلیمات اس میں ڈھالی گئی ہیں۔مذہبی خیالات بائبل کے اور ڈھلے ہوئے ایک اجنبی فلسفے کی صورتوں میں‘‘۔(صفحہ ۱۹۴)

سوم:۔ ’’تاہم یہودی لٹریچر میں یہ لفظ (روح القدس) شخصیت اختیار کرنے کے قریب پہنچ چکا تھا۔پس اس عقیدے کا مواد یہودی ہے۔اور مسئلہ خالص یونانی ہے‘‘۔(صفحہ ۱۹۴)اس کے بعد علامہ کا ریمارک پڑھنے کے قابل ہے۔’’پھر جب فلسفہ کی ہوا مسیحیوں کو لگی تو بجائے اس کے کہ یہ لوگ اس ابتدائی گمراہی کو سمجھ کر اُس سے بچنے کی سعی کرتے۔انہوں نے اپنے گذشتہ پیشواؤں کی غلطیوں کو نبھانے کے لئے ان کی توجیہات شروع کر دیں اور مسیح کی اصلی تعلیمات کی طرف رجوع کئے بغیر محض منطق اور فلسفے کی مدد سے عقیدے پر عقیدہ ایجاد کرتے چلے گئے۔یہی وہ ضلالت ہے۔جس پر قرآن نے اُن آیات میں مسیحیوں کو متنبہ فرمایا ہے‘‘۔(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 495)

(4) قرآن کریم اور علماء کے بیان پر ہماری چند باتیں

سب سے پہلے آخری بات نوٹ کر لیں کہ مسیحی علماء نے اپنے ذاتی تصورات و معلومات اور عقلی بصیرت سے جو رائے قائم کر لی تھی۔وہ نہ صرف اس پر قائم رہے بلکہ اس رائے کی گہرائی میں اترنے کے لئے منطق و فلسفہ سے مدد لی۔توریت اور یہودی مجتہدین کا اجتہاد اختیار کیا۔اور اس گمراہی میں برابر الجھتے اور حق سے دور ہی دور ہوتے چلے گئے۔اور حضرت علی علیہ السلام کے بیان کو صحیح ثابت کر دیا۔یعنی معصومؑ نے سابقہ اقوام و سابقہ اجتہاد اور رائے کو خوب سمجھ کر غلو کی تفصیل بیان کی تھی۔اور نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائیوں میں بھی نئے فرقے اور انتشار پیدا ہو گیا۔اور پھر یہ نوٹ کریں کہ عیسائیوں میں تثلیث کے عقیدے کا موجودہ انجیل سے بھی ثبوت نہیں ملتا۔نہ کہیں تین خداؤں کا ذکر ہے۔نہ تینوں کے ایک ہونے کی بات ہے۔نہ حضرت عیسیٰؑ نے کوئی ایسا لفظ بولا ہے۔جو انجیل میں ہو اور اس کے معنی خدا ہوتے ہوں۔اور آخری بات یہ ہے کہ غالی اور غلو شیعوں نے ایجاد نہیں کیا بلکہ یہ بیماری اس وقت سے موجود ہے۔جب سے نظام اجتہاد نے انبیاء علیہم السلام کے مذاہب میں داخلی تخریب شروع کی تھی۔اور اُمتوں کو حریت عقل و رائے پر جم جانے کا سبق دیا تھا۔اور کتب خداوندی اور انبیاءؑ کے الفاظ میں منفی اجتہاد (شیعہ سنی والا) یا مثبت اجتہاد (شیخیوں والا) سکھایا تھا۔لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی کہ **غلو کرنے والا غالی** اپنی بنیاد میں مجتہد ہوتا ہے۔جو اصول

فقہ، تقاضائے وقت، مصلحت ومفادِ عمومی، الفاظ کی بحث، قرینہ حالی ومقالی، منطق وفلسفہ وغیرہ کی مدد لے کر قرآن یا حدیث میں غوطہ لگاتا ہے۔ اور پھر اپنی انفرادی واجتماعی عقل وبصیرت سے ایک رائے قائم کرتا ہے۔ اور اسے اللہ ورسوؐل کا فیصلہ سمجھ کر اپنے مقلِّدین پر نافذ کرتا ہے۔ اور جو شخص اس کی رائے سے اختلاف کرے اور بے چون وچرا عمل نہ کرے اسے اِسلام سے خارج اور جہنمی کہتا ہے۔ اس کے برخلاف حقیقی شیعوں کا یہ عقیدہ اور مذہب اور عملدرآمد ہے کہ وہی کہو جو اہلبیتؑ یا معصومینؑ نے فرمایا ہے۔ یا آیت میں اللہ نے کہا اور ان ہی الفاظ میں کہو جو کلام اللہ یا کلام معصوؐمین میں استعمال ہوئے ہوں۔ اور اپنی ذاتی عقل وبصیرت ومصلحت کو صرف کلام اللہ اور کلام معصوؐم کو سمجھنے اور عمل کرنے کی راہیں نکالنے میں صرف کرو۔ اور آیت یا حدیث ایسی حالت میں بھی بلاچوں وچرا قبول کرو جب کہ وہ سابقہ معلومات کے خلاف بھی ہو۔ ناگوار ہی کیوں نہ گذر رہی ہو۔ کسی اور آیت یا حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ معلوم ہو رہی ہو۔ ایسے لوگوں سے غلو کا کوئی تعلق اور مناسبت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا شیعہ مجتہدین خود غالی ہیں۔ ان کا پورا نظامِ اجتہاد غلو کی بنیاد پر تعمیر ہوتا ہے۔ وہ جہاں دل چاہتا ہے اور مفید ہوتا ہے محمدؐ وآل محمدؐ کی توہین میں غلو کرتے ہیں۔ اور جہاں یہ مفید نہیں ہوتا وہاں شیخیوں کی طرح مدح وثنا میں غلو کرتے ہیں۔ بہرحال مجتہدین ہی کے یہاں غلو اور غالی کو بار ملتا ہے۔ شیعوں میں نہیں۔

(5) <u>شیعہ مجتہدین نے حقیقی شیعوں کے خلاف غلو کا حربہ استعمال کیا تھا</u>

یہاں ہم قارئین کو شیعہ مجتہدین کے ایک ہزار سال پہلے کا وہ مرکزی مقام دکھاتے ہیں۔ جہاں سے محمدؐ وآلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اور مذہب شیعہ کے خلاف منصوبے بنا کر مجتہدین کو دیئے جاتے تھے۔ اور کوشش کی جاتی تھی۔ کہ محمدؐ وآلِ محمدؐ کو ان کے مقام بلند سے اتار کر عام انسانی سطح پر لایا اور رکھا جائے اور یہ سب کچھ ایک ایسی کتاب سے پیش کرتے ہیں جو ۱۲۹۴ھ میں شائع ہوئی تھی۔ یعنی ایک سو تین سال پہلے کے شیعوں کا مذہب بھی یہی تھا جو ہم پیش کر رہے ہیں۔ سنئے: ترجمہ کتاب مذکور کا:۔

۔''مخفی نہ رہے کہ اکثر قدماء خصوصاً علمائے اہل قُم کا اعتقاد خاص تھا۔ درباب آئمہؑ کے بحسبِ اجتہاد اپنے اپنے وہ نہیں تجویز کرتے تھے۔ اندک زیادتی کو اور موسوم کرتے تھے۔ اس کو <u>غالی</u> اور <u>اہل ارتفاع</u> حتیٰ کہ مسئلہ نفی السھو عن النبیؐ کے معتقد کو غالی کہتے تھے۔ اور قلیل علمائے قم نے تفریق کیا معنی میں تفویض کے اور ہر ایک

لایخفی ان کثیراً من القدماء سیما القمیین کانت لهم اعتقادات خاصة فی الائمةؑ بحسب اجتهاد هم لا یجوزون تعدی عنها ویسمون التعدی۔ ''<u>غلواً وارتفاعاً</u>''۔ حتی انهم جعلوا <u>نفي السهو</u> عن النبی ''<u>غلواً</u>'' بل ربما جعلوا التفویض المختلف <u>الیهم (علیهم السلام)</u> ومثل خوارق العادات <u>عنهم</u> او الاغراق فی <u>جلالتهم</u>(ؑ)وذکر علمهم <u>بمکنونات السماء والارض</u> ارتفاعاً ومورثاً للتهمة وذلک لان الغلاة کانوا مختلفین فی

نے سوئے آئمہؑ اضافت دے کر علامت
۔"فرقۂ مفوضہ"۔ کے قائم کیا مثل خوارق
عادات واغراق جلالت یا علم بمکنونات سماوارض
کا وہ اُس کے مُقِر کو اہلِ اِرتفاع کہتے تھے۔
ولایق تہمت عقائد مذکور کا ٹھہراتے تھے۔ واہل
غلات فرقہ شیعہ میں مخفی ومستور ومخلوط تھے۔

> الشیعة ومخلوطین بهم مدلسین انفسهم علیهم و"ادعاء"
> ارباب ذلک القول کونه منهم وروایتهم عنه وربما کانوا
> المنشاء روایتهم المناکیر الی غیرذلک وبالجملة الظاهر ان
> القدماء مختلفین فی المسائل الاصولیة وربما کان شیءٍ عند
> بعضهم فاسداً وکفراوغلواً وعند آخرین عدمه ،بل مما یجب
> الاعتقاد۔(کتاب اسماءالرجال ابوعلیؒ)

مابین۔"رواۃ ومحدثین"۔شیعہ اوراکثر روایات مناکیر مروی ان لوگوں سے ہوئی ہیں۔اورقدماء مسائل اصولیہ میں مختلف تھے۔اوربعض وہی چیزیں ایسی تھیں کہ انہیں بعضوں کونزدیک اس مقرکوفاسدالعقیدہ وکافروغالی تصورکرتے تھے۔اورنزدعلمائے متاخرین عدل وتوثیق اس راوی کی ہوئی"۔(کتاب مجمع البحرین فی ادلة الفریقین صفحہ۸۰۰)

(الف)سوسال قدیم اردو،مجتہدانہ ترجمہ اورعربی وفارسی دانوں کے لئے بیان کی وضاحت

قارئین کرام اس ترجمہ کواس لئے لکھا گیا کہ ہم پر بددیانتی کاالزام نہ آنے پائے۔اوراس لئے بھی قارئین قدیم عالمانہ اردوزبان کوبھی دیکھ سکیں۔ورنہ اس ترجمہ میں عربی عبارت کی منشاومراد کوتباہ کردیا گیاہے۔کتاب کا مصنف یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ جس طرح ہمارے مخالفوں کے یہاں غلط روایات ہیں۔ہمارے یہاں بھی غلط روایات ہیں۔آ ؤ دونوں مل کرصلح کرلیں۔اس کتاب کے مقاصد میں مصنف نے یہ مقصد بیان کردیاہے کہ دونوں فریق ،شیعہ اورسنی میں حقیقتاً لفظی اختلافات ہیں۔لہٰذا اس اختلاف کودورکرکے مل بیٹھنا چاہئے۔اس مقصد کے لئے مصنف نے یہ سب سے بڑے سائز کے نوسواڑسٹھ (968)صفحات کی کتاب لکھی ہے۔اوردونوں فریق کے اعتراضات اوردونوں طرف سے دئے ہوئے جوابات کواس کتاب میں جمع کردیاہے۔اورچونکہ یہ علماء کے لئے لکھی گئی ہے۔لہٰذا دس دس بارہ بارہ صفحات پرمسلسل عربی یافارسی کی عبارات اورحوالجات لکھتے گئے ہیں۔اوردوتین سطریں بطورترجمہ آخر میں لکھ دیتے ہیں۔گویااس کتاب کوپڑھنے والاہرشخص عربی اورفارسی سمجھتاہے۔اسی اصول پرمندرجہ بالاترجمہ کیاہے۔اوربہت سے الفاظ کوبلاترجمہ کئے ترجمہ میں لکھ دیاہے۔مثلاً:۔
"مسئله سهو عن النبیؐ"اگراس جملہ کاترجمہ کیاجاتا توقم کے مجتہدوں سے شیعوں کے دل میں مستقل نفرت پیداہوجاتی۔
2۔قدماء۔3۔اغراق جلالت۔4۔خوارق عادات۔5۔علم بمکنونات وغیرہ پھرترجمہ میں یہ جملے موجود ہیں۔1۔فرقہ مفوضہ۔
2۔رواۃ ومحدثین شیعہ۔یہ عربی کے جملے ہیں جوخودترجمہ میں بڑھادیئے ہیں اوراصل عربی عبارت میں ان کاکہیں وجودنہیں

ہے۔الغرض ہم مجبور ہوئے کہ عربی عبارت کا صحیح مفہوم آسان زبان میں اپنے قارئین کے روبرو پیش کریں تا کہ قارئین یہ دیکھیں کہ مصنف نے علامہ ابوعلیؒ کی کتاب سے یہ عبارت ایک غلط اور باطل مقصد کے لئے اٹھائی تھی۔اور عبارت کی پوری روح کو تباہ کرکے وہ مقصد حاصل کیا جو اُس عبارت میں موجود نہ تھا۔ذرا کسی عربی دان شخص کو یہ عربی کی عبارت دکھائیں اور خود بھی دیکھیں کہ اس میں ایک لفظ ''اِدّعَاء'' موجود ہے۔جس کے معنی کوئی غلط دعویٰ کرنے کے ہوتے ہیں۔اس لفظ کا مترجم و مصنف نے ترجمہ کیا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ قم کے مجتہدین یہ غلط دعویٰ کرتے تھے کہ شیعوں میں غالی یا غلات چھپے ہوئے ہیں۔بہرحال آیئے ہم دکھاتے ہیں کہ علامہ ابوعلی رضی اللہ عنہ نے کیا بتانا چاہا تھا؟۔

عربی عبارت کا حقیقی مفہوم

علامہ ابوعلیؒ یہ کہہ کر بات شروع کرتے ہیں کہ :۔''شیعوں سے یہ مخفی نہ رہے''۔یعنی یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے چھپایا جارہا تھا کہ شہر قم ملک ایران کے شیعہ مجتہدین کی کثرت محمدؐ اور آئمہ علیہم السلام کے متعلق تمام شیعہ علماء اور عوام سے الگ عقیدہ رکھتی تھی۔اوران کے وہ مخصوص اعتقادات ان کی مجتہدانہ ذہنیت کی وجہ سے قائم ہوئے تھے۔اور انہوں نے اپنے طے کردہ عقائد سے آگے بڑھنے کا نام۔''غُلُو''۔رکھ دیا تھا۔وہ کسی شیعہ کو اپنے مجتہدانہ عقائد میں اضافہ کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور نہ ہی جائز سمجھتے تھے۔ان کے نزدیک (معاذ اللہ) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلطی اور بھول چوک سے معصوم نہ تھے۔آنحضرتؐ کو بھول چوک (سہو ونسیان) اور غلطی سے معصوم ماننے کو بھی۔''غُـلُـو''۔اور۔''ارتفاع''۔(مرتبہ بلند کرنا) قرار دیتے تھے۔یہی نہیں بلکہ قم کے مجتہدین محمدؐ وآئمہؑ کے لئے مسئلہ تفویض میں بھی باقی علمائے شیعہ اور شیعہ عوام سے مختلف عقائد رکھتے تھے۔مثلاً وہ یہ نہ مانتے تھے۔کہ محمدؐ اور آئمہؑ کو زمین وآسمان کے وہ علوم یا علم حاصل ہے جو عام انسانوں سے پوشیدہ ہے۔یعنی جس طرح عام انسان علم کائنات سے جاہل ہیں۔اسی طرح (معاذ اللہ) محمدؐ وآئمہؑ بھی جاہل ہیں۔وہ یہ بھی نہ مانتے تھے کہ محمدؐ وآئمہؑ سے کوئی خرق عادات یعنی معجزہ ظہور میں آسکتا ہے۔اور محمدؐ وآئمہؑ کو اُن علوم کا عالم یا صاحبان معجزہ ماننے کو بھی **غُـلُـو اور ارتفاع** قرار دیتے تھے۔اور اُن تمام شیعہ عوام اور علماء پر **غالی اور مُفَوِّضَہ** ہونے کی تہمت لگاتے تھے۔جو محمدؐ وآئمہؑ کے مرتبہ کی بزرگی (جلالت) مانتا ہو یا انہیں علوم کائنات کا عالم اور صاحبان معجزہ سمجھتا ہو۔اور اُن تمام خود ساختہ مجتہدانہ عقائد کی بنیاد اس اِدّعَا یعنی غلط دعویٰ پر رکھتے تھے۔**''کہ شیعوں میں غلو کرنے والے غیر شیعہ لوگ،شیعوں سے پوشیدہ طور پر شیعہ بن کر چھپے ہوئے ہیں''**۔اور یہ باطل ادعا کرنے والے اس قول کے قائل ارباب اجتہاد لوگ اس طرح یہ منشا پورا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ پوشیدہ غالی گروہ شیعوں میں وہ مذموم روایات پھیلا رہا ہے۔جن سے محمدؐ اور آئمہؑ کا مطلق معصوم،بھول چوک اور خطا سے بالکل منزہ اور علوم کائنات اور صاحبان معجزہ ہونا ثابت ہے۔مطلب یہ کہ ایسے تمام محدثین اور راویوں کو **غالی اور مفوضہ اور اہل ارتفاع اور خارج از**

مذہب شیعہ سمجھو ان سے دور رہو اور قم کے مجتہدوں کو حقیقی علمائے شیعہ سمجھو اور آئندہ محمدؐ اور آئمہؑ کو عام انسانوں کی لائن میں کھڑا کردو۔ اس کے بعد ابو علیؒ بڑے پتہ کی بات بتاتے ہیں کہ منجملہ مندرجہ بالا مجتہدین کے عقائد اور کوششوں کے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ قدیم علمائے مجتہدین دین کے اصولی عقائد اور مسائل میں بہت مختلف تھے۔ اور اکثر یہ صورت حال پیش آتی رہی ہے کہ ان میں سے بعض مجتہدین ایک عقیدے کی بنا پر کسی شخص کو **فاسد العقیدہ اور کافر و غالی اور مفوضہ** قرار دیتے تھے۔ لیکن دوسرے مجتہدین کے نزدیک وہی فاسد العقیدہ اور کافر اور غالی اور مفوضہ شخص بالکل پکا مومن قرار پاتا تھا۔ بلکہ ان کے نزدیک وہ عقیدہ رکھنا واجب ہوتا تھا''۔

(6) اس قدیم بیان پر اور قرآن وحدیث کے اطمینان پر ایک مستقل فیصلہ

یہاں یہ کھل کر ثابت ہو گیا کہ شیعوں میں نظام اجتہاد کا مرکز ایران کے شہر قم میں تھا۔ اور یہ کہ قم کے مجتہد ہی وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے غلو اور غالی کا ھوا دکھا کر محمدؐ و آل محمدؐ کے فضائل و مناقب کے خلاف روایات تیار کیں اور شیعوں میں پھیلائیں یہی لوگ حکومت ہائے ایران و عراق کی مدد سے ہمارے علماء کی کتابوں میں وہ اضافے کرتے رہے۔ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہی لوگ تھے۔ جنہوں نے علامہ صدوق رضی اللہ عنہ کی کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں ان لوگوں پر لعنت کا جملہ بڑھایا جو اذانوں اور نمازوں میں۔ '' اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہِ وَوَصِیُّ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَخَلِیْفَتَہٗ بِلاَ فَصْل '' کا اعلان کرتے تھے۔ یہی وہ کاذب گروہ تھا۔ جس نے رسول اللہ کے نماز بھول جانے کی روایات کا اضافہ کیا۔ یہی وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے نماز میں التحیات للہ اور اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کو جائز لکھا۔ لہٰذا تمام مومنین کو چاہئے کہ ہر اس مطلب کو غلط سمجھیں اور کھل کر غلط قرار دیں جس میں محمدؐ و آل محمدؐ کی کسی حیثیت سے بھی اور کسی مقدار میں منقصت یا توہین محسوس ہوتی ہو۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مومنین کے راہنما ایسے مجتہدین مسلسل موجود رہتے چلے آئے ہیں۔ جیسا کہ قم کا مرکز تیار کر رہا تھا۔ تو مومنین کو ہر وہ چیز ترک کر دینا لازم ہے۔ جو اُن مجتہدین کو پسند ہو اور معصومین علیہم السلام اور مومنین کے عقائد کے خلاف ہو۔ اور اُن لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق **غالی اور فاسد العقیدہ** قرار دینا چاہئے مزید تصدیق کیلئے حسب ذیل ملاحظہ ہو۔

(۷) شیخ مفیدؒ کا فیصلہ قمی مجتہدین دشمنان محمدؐ و آل محمدؐ تھے۔

۔'' کہا شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ نے کہ بتحقیق سنا میں نے حکایت ابو جعفر محمد بن الحسن بن الولید کی کہ نہ پایا ان کو کہ رفع کنندہ در باب تقصیر آئمہؑ کے اور ان کا قول ہے۔ کہ جو شخص اعتقاد رکھے کہ نسیان اور سہو آئمہؑ کو نہ ہوتا تھا۔ وہ **غالی**

قال المفید رحمۃ اللہ و قدسمعنا حکایۃ ظاھرۃ عن ابی جعفر محمد بن الحسن بن الولید لم نجد لھا رافعاً للتقصیر وھی ماحکی عنہ انہ قال فی الغلو نفی السھو عن النبیؐ والامام فان صحت ھذہ الحکایۃ عنہ

ہے ۔ پس تقصیر ہے ۔ باوجود اس کے کہ وہ علمائے اہل قم ومشائخ میں سے وہاں کے تھے ۔ اورہم نے دیکھا ایک گروہ کو اہل قم سے کہ تقصیر کرتے تھے دین میں اور پست کرتے تھے آئمہؑ کو مراتب عالیہ سے اورگمان کرتے تھے کہ آئمہؑ بھی منجملہ علماء کے تھے۔ کہ بسا احکام دین کو نہ جانتے تھے۔ اوراحکام شرع میں رائے اورظنون سے فتویٰ دیتے تھے۔ یہ تقصیر ہے بےشک''۔ (کتاب مجمع البحرین فی ادلة الفریقین صفحہ ۸۰۰۔۸۰۱)	فهـو مُقَصِّرٌ معه انه من علماء القميين ومشيختهم وقد وجدنا جماعة وروداً الينا من قُمُ يقصرون تقصيرا ظاهراً فی الدين وينزلون الائمةؑ عن مراتبهم ويزعمون انهم كانوا لايعرفون كثيراً من الاحكام الدينية حتى ينكت فی قلوبهم ورأينا من يقول انهم ملتجيئون فی حكم الشريعة الی الرای والظنون ويدعون انهم من العلماء وهذا هو التقصير الذی لاشبهة فيه انتهى (كتاب نفس الرحمان فی فضائل سلمان)

(الف)اس ترجمہ میں بھی تنگ دامنی عیاں ہے۔اورلا پرواہی پکاررہی ہے

اصل عبارت میں سہو ونسیان میں مبتلا ہو جانے میں نبیؐ اورامامؑ دونوں کو رکھا گیا ہے۔مگر سید صاحب نے ترجمہ میں نبیؐ کو نکال کر جرم کو ہلکا کر دیا ہے۔ادھر قدیم اور بے ربط اردو بھی مفہوم کو دھندلا اور کمزور کر رہی ہے۔ہم یوں کہتے ہیں کہ:۔

۔''شیخ مفید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے ایک جانی پہچانی اور بالکل کھلی ہوئی حکایت ابو جعفر محمد بن الحسن بن الولید کے متعلق سنی ہے۔اور یہ کہ اُس نے اس حکایت کی تردید میں رسوؐل اللہ اور آئمہؑ کے فضائل بھی بیان نہیں کئے تا کہ اس کے اوپر سے محمدؐ وآل محمدؐ کے مرتبہ کو گھٹانے یا تقصیر کرنے کا جرم ہٹ جاتا۔اوروہ حکایت جو اس (ابو جعفر محمد بن الحسن) کے متعلق مشہور ہے۔ یہ ہے کہ اس کا فتویٰ اور عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص رسوؐل اللہ اور آئمہ معصومین کو بھول چوک اور خطا سے معصوم مانے وہ غلو کرتا ہے۔اور غالی ہے۔اگر یہ حکایت صحیح ہے۔تو وہ یقیناً محمدؐ وآئمہؑ کے مرتبہ کو گھٹانے والا ہے۔اوراُس کا قم کے علماء میں سے ہونا اور قم کے علماء کا بزرگ کہلانا قابل صد افسوس ہے۔اورہمیں قم کی ایک جماعت ہمارے پاس آکر ملی ہے۔جو کھل کر بظاہر دین میں بھی نہایت پست درجہ کا تصور رکھتے تھے۔اورآئمہ معصومین علیہم السلام کو ان کے مقام بلند اورمرتبہ سے نیچے گراتے تھے۔اوران کا یہ اعتقاد تھا۔کہ وہ حضرات دین کے بہت سے احکام سے ناواقف رہتے تھے۔یہاں تک کہ ان کے دل میں مسئلہ کا جواب نہ پہنچ جائے۔ہم نے قم کے علماء میں سے ان لوگوں کو بھی دیکھا ہے۔جن کا اعتقاد یہ تھا۔کہ آئمہ خود بھی شریعت کے احکام دینے میں ظن وقیاس اوررائے واجتہاد سے کام لیا کرتے تھے۔اوراہل قم کے علماء یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ آئمہؑ بھی باقی امت کے علماء کی طرح تھے۔محمدؐ وآل محمدؐ کی منزلت' فضیلت اور مدارج میں کمی کرنے کی یہ ایسی صورتیں ہیں جن میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے''۔

قارئین یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ اگر مسٹر ڈھکو یا کوئی اور مجتہد کوئی ایسا بیان لکھے جس میں مندرجہ بالا عقائد کی تائید ہو۔ اوراس بیان کو شیخ مفیدؒ یا کسی اور حقیقی شیعہ عالم سے منسوب کیا جائے۔تو یقیناً وہ ایک فریب ہوگا۔ چنانچہ ڈھکو صاحب نے اپنی کتابوں میں جہاں جہاں اس قسم کے حوالے دیئے ہیں اور کتابوں کے نام لکھے ہیں وہ سب فریب ہے۔ہم شیخ مفیدؒ، شیخ صدوق، محمد یعقوب کلینی، علامہ طوسی رضی اللہ عنہم کے متعلق کوئی ایسی روایت یا بیان یا کتاب تسلیم نہیں کرتے جس میں محمدؐ وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی توہین ہو یا ان کے فضائل میں کمی یا ان کے درجات کو گھٹانا لکھا ہوا ہو۔اور شیعہ مجتہدین یہ سب کام کرتے رہے ہیں۔

(1)۔انہوں نے قدیم ریکارڈ اور کتابوں کو ضائع کیا۔

(2)۔انہوں نے حقیقی علمائے شیعہ کی کتابوں میں کمی زیادتی کرکے ان کو شائع کرایا۔

(3)۔انہوں نے خود کتابیں لکھ کر حقیقی علمائے شیعہ کے نام لگادیں۔

(4)۔انہوں نے **غالی۔ غلو اور مفوضہ** کے حربے استعمال کیے۔

(5)۔اوران ہی نے شیعہ راویوں اور محدثین کو بدنام کرنے کے لئے روایتیں گھڑیں۔

اور یہ حقیقت خاص طور پر نوٹ کرلیں کہ آئمہ معصومین علیہم السلام نے جہاں جہاں لفظ **مفوضہ یا غالی وغلات** کی مذمت کی ہے۔وہاں ہر جگہ مجتہدوں کی مذمت ہے۔جو شیعوں کو اور آئمہؑ کو بدنام کرنے کے لئے پبلک میں ایسے عقائد ان کی طرف منسوب کرتے تھے۔جو عوام کی نظر میں اسلام کے خلاف تھے۔اور ہم نے اس قسم کے چند لوگوں کا نام بنام ذکر کردیا ہے۔ اور یہ ہمارے زمانہ کے شیعہ مجتہدین خود مومنین کے سامنے ہیں۔ان کے عقائد سو فیصد وہی ہیں۔ جو ابھی حضرت شیخ مفید رضی اللہ عنہ نے قمیوں کے بیان کئے ہیں۔ہم ان تمام لوگوں پر لعنت کرتے ہیں جو شیعہ کہلاتے ہیں اور محمدؐ وآل محمدؐ کے مقام بلند کو نہیں مانتے اور طرح طرح کے مقدس حیلے بہانے گھڑتے اور شیعوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ہمارے عوام کو محمدؐ وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے فضائل کو اس حد کے اندر تسلیم کرنے میں کوئی خوف وہراس وتکلف نہیں ہونا چاہیئے۔جو خود معصومین علیہم السلام نے قائم کی ہے۔اور جو عقل وقرآن وواقعات وفطرت کے عین مطابق ہے۔اور وہ حد یہ ہے کہ فرمایا۔

(1)ہمیں مخلوق تسلیم کرو۔یہ مانو کہ اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہمیں تربیت دی علم وفضل عطا کیا۔اور یہ کہ ہم اللہ کے انتہائی مطیع وفرمانبردار بندے ہیں۔اس کے بعد ہمارے متعلق جو بھی ہماری بیان کردہ احادیث میں ہو بلا تکلف تسلیم کرو۔ اور جس طرح دل چاہے ہماری فضیلت میں بیان کرو (قولو اما شئتم) اور یہ بھی کہ۔

(2)دیکھو اس دنیا میں تم لوگ ایسے اعمال نہ کرنا کہ ہمارے نام پر دھبہ لگے۔اور دیکھو نیکیوں اور اچھائیوں اور دینی اطاعت میں کوئی شخص تم سے سبقت نہ لیجائے۔

(8) مجتہدین کو منہ چڑا کر یہ حدیث سنائیں اور اقرار یا انکار پر مجبور کریں

تمام شیعہ مجتہدین اور باقی دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ کو خبر کر دیں اور مومنینِ مذہبِ حقہ شیعہ اثناعشریہ کو اور محمدؐ وآل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم سے محبت کرنے والے تمام مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنا دیں کہ ہم جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی بیان فرمودہ اس حدیث پر بھی لفظ بلفظ ایمان رکھتے ہیں۔ جس میں محمد بن سنان کہتے ہیں کہ:۔"میں نے امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں شیعوں کا اختلاف بیان کیا تو فرمایا کہ اے محمدؐ بن سنان حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی برابر تنہا ویگانہ موجود رہتا چلا آیا تھا۔ پھر اس نے محمدؐ اور علیؑ اور فاطمہؑ کو پیدا کیا۔ اس تخلیق کے بعد ہزار ہا زمانے گذرتے رہے تب جا کر باقی چیزوں کو پیدا کیا اور محمدؐ وعلیؑ وفاطمہؑ کو ان اشیاء کی تخلیق میں اُن پر شہادت دینے والا بنایا اور پوری کائنات کی تمام مخلوق پر محمدؐ وعلیؑ وفاطمہؑ کی اطاعت کرنے کا حکم جاری کیا۔ اور تمام مخلوق کے تمام معاملات محمدؐ وعلیؑ وفاطمہؑ کو سپرد کر دیئے۔ چنانچہ اس اطاعت اور اس سپردگی کی بنا پر محمدؐ وعلیؑ وفاطمہؑ مخلوق پر جس چیز کو چاہتے ہیں اسی وقت سے کھولتے اور عمل میں آزادی دیتے اور جس چیز کو چاہتے ہیں اس سے روکتے اور پابندی عائد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور یہ کہ محمدؐ وعلیؑ وفاطمہؑ اللہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں چاہتے۔ وہی کچھ چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا اور پسند کرتا ہے۔ یعنی محمدؐ وعلیؑ وفاطمہؑ کے تصورات وخیالات واقوال واعمال اللہ کے ارادہ، مشیت، پسند اور مقاصد کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اور یہ ناممکن ہے کہ ان سے کوئی خلاف ورزی ظہور میں آئے۔ اے محمد بن سنان یہ ہی وہ دیانت دارانہ عقیدہ ہے۔ کہ جو کوئی اس سے آگے بڑھے وہ دین سے بچھڑ گیا (یعنی غالی ہوگیا) اور جو کوئی اس عقیدہ سے پیچھے رہ جائے (شیعہ مجتہد بن جائے) وہ دین کی فہرست سے مٹ کر تباہ ہوگیا۔ اور جس نے اس عقیدہ کو اپنے اوپر واجب ولازم کر لیا وہ ہم سے اور اللہ سے ملحق ہوگیا۔ اے محمد بن سنان تم اس عقیدے پر قائم رہو"۔ مطلب یہ کہ قم کے مجتہدوں کے پیدا کردہ اختلاف کی قطعاً پرواہ نہ کرو۔ وہ اپنی دشمنی اور نظام اجتہاد کی حمایت میں غالی ہیں اور دینِ اسلام میں مقصر اور جہنمی ہیں۔ ان کو راہِ راست اور کسی بھی مذہب سے کوئی تعلق نہیں وہ دشمنانِ خدا و رسولؐ اور دشمنانِ انسانیت ہیں۔

> عن محمدبن سنان قال : كنت عند ابی جعفر الثانی علیه السلام فاجريت اختلاف الشيعة فقال : يامحمدان اللّٰه تبارک وتعالیٰ لم يزل متفرداً بوحدانيته ثم خلق محمداً وعلياً وفاطمةً ، فمكثوا الف دهر ،ثم خلق جميع الاشياء ،فاشهد هم خلقها واجرى طاعتهم عليها وفوض امورها اليهم،فهم يحلون مايشاؤن ويحرمون مايشاؤن ولن يشاؤا الاان يشاء اللّٰه تبارک وتعالیٰ ثم قال: يامحمد هٰذه الديانة التی من تقدمها مرق ومن تخلف عنها محق ومن لزمها لحق،خذهاالیک یامحمد ۔
>
> (کافی کتاب الحجۃ باب مولد النبیؐ جلد اول صفحہ ۴۴۱) (ظفری جلد اصفحہ ۵۴۵ تا ۵۴۶)

نظام ہدایت وتقلید کے بارہ اصولوں کی تکمیل

یہاں ہم نہایت مسرت کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم نظام اجتہاد کی پیدا کردہ تمام غلط فہمیوں ،مغالطوں اورفریب سازیوں کوواضح کر چکے۔قرآن فہمی اورحدیث کی راہ سے تمام ابلیسی رکاوٹوں کودور کر چکے۔اُدھران حضرات کوجنھوں نے ملک میں مُلا کاراج قائم کرنے کے لئے گٹھ جوڑ کیا تھا۔شکست فاش دے چکے۔لہٰذا تمام قارئین کومبارک بادپیش کرتے ہیں اگروہ ہم سے متفق ہیں۔

اورتمام قارئین کوتعزیت پیش کرتے ہیں۔اگروہ ہمارے اس اعلان سے ناخوش ہیں۔آج عقیل کافریب اسے ابوجہل کاسوگ منانے کا تقاضہ کرتا ہے۔آج نام نہادنورانی چہروں پرسیاہی ملی ہوئی ہے۔آج مفتی حضرات صف ماتم پر ہیں خصوصاً وہ مفتی جوشیعوں کوفروخت کرتے رہنے کی تنخواہ اوروظیفہ پاتا چلاآرہا تھا۔نمک حرام ثابت ہوگیا اوران سب کامرکز جوڈھکاچھپا رہتاہے۔اپنے گھرکی چاردیواری میں نادم ونامرادبیٹھاہے۔

؎ میرے دوستوں کونوید ہومیرے دشمنوں کوخبرکرو

وہ جوقرض تھامیری جان پراسے آج میں نے چکادیا

والسلام

خادم المسلمین احسن